

# فتاویٰ رضویہ

## حصہ اول



دعوتِ اسلامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلی  
و دیگر مفتیان کرام دارالعلوم دہلی

بھارتی و مستعمر

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب  
مہتمم جامعہ اسلامیہ

ترتیب

مفتی محمد رفیع الدین صاحب

ناشر

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند



وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الشُّرُورِ وَالْأُولَى لَأَمْرٌ مِنْهُمْ لَعَلَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَتَنَبَّطُونَ بِهَا (الابن)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی کے افسانہ نگار مولانا محمد امجد علی صاحب

# فتاویٰ حقانیہ

جلد پنجم

نگرانی و اہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

تفادیس

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ودیگر مفتیان کرام

جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کراچی نوشہرہ پاکستان



(جملہ حقوق و اشاعت و طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب ..... فتاویٰ حقانیہ (جلد پنجم)

افادات ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی و اہتمام ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب ..... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ..... ۵۵۰ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ..... ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

طابع ..... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

Mob:0300-4572899

ناشر ..... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ



# فہرست مضامین جلد پنجم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات	
۲۹	خاوند سے ناراض ہو کر باپ کے گھر گزارے ہوئے سالوں کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں	۲۳	<b>کتاب النفا</b>	
۳۰	چھوٹے بچے کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے	۲۳		بیوی کا علاج کرنا خاوند پر لازم نہیں
۳۰	زحیہ کپہ کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہے	۲۳		والدین کے نان و نفقہ کا حکم
۳۱	نادار والدین کا نفقہ اولاد پر لازمی ہے	۲۳		بالغ اولاد کے نفقہ کا حکم
۳۱	باپ کی وفات کے بعد بچے کے نفقہ کا حکم	۲۳		عدت کے دوران بیوہ کے اخراجات کا حکم
۳۲	<b>کتاب الایمان والنذر</b>	۲۳		چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے
۳۲		یسین منعقدہ کا حکم		۲۵
۳۲	حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر نیکا حکم	۲۶		معذور اولاد کے نفقہ کا حکم
۳۳	اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں	۲۷		ناراضگی کے ایام کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں
۳۳	یسین ہے یا نہیں	۲۷		نافرمان عورت کا خرچہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں
۳۳	قرآن مجید کی قسم کھانے کا حکم	۲۸	ناچاتی کے باوجود شوہر پر اہل و عیال کا خرچہ لازم ہے	
۳۵	ہزار روزے رکھنے کی قسم کھانے کا حکم	۲۸	نامرد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے	
۳۵	فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا	۲۹	فاحشہ اور بد کردار بیوی کے نفقہ کا حکم	



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۹	کسی گناہ سے توبہ کرنا قسم نہیں	۳۴	اگر عمر سے بات کروں تو ماں سے زنا کروں قسم نہیں
۵۰	کفارہ یمین میں بیس مساکین کو دو وقت کھانا کھلانا	۳۷	بھائی کے ساتھ تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا
۵۰	غیر اللہ پر قسم کھانے کا حکم	۳۷	محمد رسول اللہ کا امتی نہ ہونے کا قسم کھانا
۵۱	وما اہل بہ لغیر اللہ سے کیا مراد ہے	۳۸	کہ توحید پڑھنے سے قسم کے انعقاد کا حکم
۵۲	ایصال ثواب کی نذر کی شرعی حیثیت	۳۸	آسمانی کتابوں سے بری ہونے کی قسم کھانا
۵۵	<b>کتاب الوقف</b>	۳۹	کسی دینی مصلحت کے لئے قسم توڑنا
۵۵	مسجد کے لیے وقف زمین پر دعویٰ اٹھانے کا حکم	۳۹	کفارات یمین میں تداخل کا حکم
۵۵	موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حکم	۴۰	کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ
۵۶	باغ کے میوہ کو وقف کرنے کا حکم	۴۰	کھانا کھلانے میں تسلسل کا حکم
۵۶	وقف سے رجوع کرنے کا حکم	۴۱	کفارہ کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے
۵۷	موقوفہ زمین میں امام مسجد کے لئے مکان بنانے کا حکم	۴۱	کفارہ یمین ایک شخص کو دینے کا حکم
۵۷	عقیدہ میں کھیلنا جائز نہیں	۴۲	ناذر کا نذر سے کچھ کھانے کا حکم
۵۸	موقوفہ زمین میں عشر ادا کرنا ضروری ہے	۴۲	نذرمانی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنے کا حکم
۵۹	موقوفہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کر نیکا حکم	۴۳	نذر کی پیشگی ادائیگی
۵۹	موقوفہ قبرستان میں مردے کے دفنانے سے منع کر نیکا حکم	۴۳	نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم
۶۰	وقف میں واقف کی شرائط معتبر ہونیکا حکم	۴۴	نذر کی ہوئی گائے کے منافع کا حکم
۶۱	طلباء کیلئے مخصوص وقف کا حکم	۴۵	نذر کا دار و مدار الفاظ پر ہے
۶۱	شاملات دیہہ زمین کے وقف کا حکم	۴۶	منذور روزوں میں عدم تسلسل کا حکم
۶۲	قاضی کے لئے استبدال وقف جائز ہے	۴۶	نابالغ بچے کی نذر کی شرعی حیثیت
۶۲	مشترک جائیداد بلا تقسیم مسجد کیلئے وقف کرنا	۴۷	منذور چیز نہ ملنے پر اسکے قائم مقام کا حکم
۶۳	قبرستان کے درختوں کو فروخت کر نیکا حکم	۴۸	نذر مطلق واجب التراخی ہے
		۴۸	درود شریف کی نذر ماننے کا حکم
		۴۹	میل پنے باپ سے نہیں ہونگا کہنے کی شرعی حیثیت



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۶	ارض مقصوبہ پر مسجد بنانے کا حکم	۶۲	وقف مشاع کی خرید و فروخت کرنیکا حکم
۷۷	موقوفہ زمین کو مسجد کے مصاعج { میں استعمال کرنے کا حکم	۶۳	مقصوبہ جائیداد کی آمدنی مساجد { کی تعمیر کے لئے وقف کرنے کا حکم
۷۷	مسجد کی زمین پر گھر بنانے کا حکم	۶۵	پرانے قبرستان پر مدرسہ تعمیر کرنیکا حکم
۷۸	مسجد سے پرندوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم	۶۵	جنازگاہ میں کنواں کھودنا جائز ہے
۷۸	مسجد میں ذکر یا بچہ کرنے کا حکم	۶۶	ہمسبہ کے لفظ سے وقف کرنے کا حکم
۷۹	مسجد کے جملہ اہور میں تصرف کرنے میں { بانی مسجد کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے	۶۶	عید گاہ میں ہسپتال بنانے کا حکم
۸۰	غیر آباد مسجد کی زمین زراعت کے { لئے استعمال کرنا جائز نہیں	۶۷	واقف کی شرط کے اعتبار کا حکم
۸۰	مسجد کے لئے موقوفہ مکانات میں سے { تبلیغی حضرات کیلئے مکان وقف کرنیکا حکم	۶۸	قبرستان کے لئے موقوفہ زمین میں تصرف کرنا
۸۱	مسجد کے لئے وقف شدہ گھڑی { کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی	۶۹	جنازگاہ سے راستہ جدا کرنے کا حکم
۸۱	قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین { پر جنازگاہ بنانے کا حکم	۶۹	وقف غیر تمام کے استبدال کا حکم
۸۲	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کی { آمدنی مسجد کے مصاعج پر خرچ کرنا	۷۰	وقف کے مملوکہ ہونے کا حکم
۸۳	مسجد کے لئے موقوفہ زمین کے درختوں کا حکم	۷۰	موقوفہ زمین میں فلس بنانے کا حکم
۸۳	پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم	۷۱	موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہ ہونے کا حکم
۸۳	مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم	۷۲	متروکہ جائیداد میں وقف پر اقرار کا حکم
۸۳	طریق عام کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم	۷۳	<b>باب المساجد</b>
۸۵	مسجد کی زمین پر ڈاکخانہ بنانے کا حکم	۷۳	وقف کی یادداشت لکھنے کا حکم
۸۶	مسجد میں خیاطت کرنیکا حکم	۷۳	مسجد کے لئے موقوفہ زمین پر { دوکانیں تعمیر کرنے کا حکم
		۷۴	ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانیکا حکم
		۷۵	مسجد کی زمین سے ملک کے زائل ہونے کا حکم
		۷۵	منہدم مسجد کی تبدیلی کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۸	مسجد میں رہائش پذیر طلباء کا { مسجد کی چیزوں کو استعمال کرنا	۸۶	متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے بغیر { مسجد کی تعمیرات میں تصرف کرنا
۹۸	عارضی مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں	۸۷	بانی مسجد کے لئے لوگوں کو مسجد سے { منع کرنا ناجائز ہے
۹۹	معتکف کا مسجد میں ہوا خارج کرنا	۸۷	ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر خرچ کرنا حکم
۱۰۰	مسجد کا پانی گھر لے جانا	۸۸	مسجد کی چھت کی پرانی چادروں کا حکم
۱۰۰	مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دینا	۸۹	متولی مسجد کی وفات کے بعد مسجد { کے اختیارات کا حکم
۱۰۱	مسجد کے فنڈ سے امام کیلئے مکان بنانا	۸۹	مسجد کا پنکھا گھر میں استعمال کرنا جائز نہیں
۱۰۲	دو مساجد کا قریب قریب ہونا	۹۰	مسجد میں نکاح پڑھانے کا حکم
۱۰۲	مسجد میں آنے سے منع کرنا	۹۰	ذکر و اذکار اور نماز میں مشغول { لوگوں کو سلام کرنے کا حکم
۱۰۳	مسجد میں گوبر کا استعمال	۹۱	مسجد میں تھوکنے کا حکم
۱۰۳	ویران مسجد کا حکم	۹۱	مسجد کے لئے موقوفہ زمین پر پیش امام کا تصرف کرنا
۱۰۳	مسجد شرعی کا تبادلہ	۹۲	ایک مسجد کی موجودگی میں دوسری مسجد تعمیر کرنا
۱۰۵	مسجد میں کسی کے لئے جگہ متعین کرنا	۹۳	مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کرنا
۱۰۵	مسجد کے باغیچے پر چھت ڈالنا	۹۳	مساجد میں بلند آواز سے نعت خوانی { اور تقریر کرنا
۱۰۶	متولی مسجد کا بغیر اذن چندہ { دہندگان کے اجرت لینا	۹۳	سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے مسجد بنانا
۱۰۷	مسجد میں ٹیپ ریکارڈ لانا	۹۵	مسجد کے مسجح ہونے کا حکم
۱۰۸	بوقت ضرورت متولی کی اجازت { کے بغیر مسجد تعمیر کرنا	۹۵	مسجد میں گم شدہ چیزوں کے اعلان کا حکم
۱۰۸	مسجد کے لئے باقاعدہ وقف سے { ملکیت کا زائل ہونا	۹۶	مسجد کی جائیداد موقوفہ پر دعویٰ ارث
۱۰۹	عورتوں کا مسجد میں آنا	۹۷	مسجد میں کھانے پینے کا حکم
۱۱۰	مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم	۹۷	مدرسہ کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا
۱۱۰	مصالح مسجد کیلئے موقوفہ زمین کا حکم		



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۳	مسجد کے نیچے دکانیں بنانا	۱۱۱	مساجد کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کا حکم
۱۲۵	مبزر کو محراب کے دائیں جانب رکھنا	۱۱۲	مسجد کے ہوتے ہوئے مندر میں نماز پڑھنا
۱۲۵	مسجد کی آمدنی سے تجارت کا حکم	۱۱۳	قدیم مسجد کی جگہ نئی مسجد میں نماز پڑھنا
۱۲۶	مسجد کے درخت کی ملکیت کا حکم	۱۱۳	مسجد میں حوض بنانا
۱۲۶	مساجد میں تعویذ فروشی کا حکم	۱۱۴	دکانوں پر مسجد بنانے کا حکم
۱۲۷	مسجد کے ساتھ متصل کمروں {	۱۱۵	مسجد کے متولی کی شرعی حیثیت
۱۲۷	میں سونے کا حکم	۱۱۵	کعبۃ اللہ کی ایسی تصاویر جن میں انسانوں {
۱۲۸	قبلہ کی تحقیق	۱۱۵	کی تصاویر بھی ہوں مسجد میں آویزاں کرنا
۱۲۹	مسجد کی چھت پر بیت الخلاء بنانا	۱۱۶	مسجد پر قبضہ کی شرعی حیثیت
۱۳۰	مسجد کے نیچے آتش خانہ بنانا	۱۱۷	مسجد کی تعمیر کے وقت قبر کے درمیان {
۱۳۰	مسجد کے متصل غسل خانہ بنانا	۱۱۷	میں آنے کا حکم
۱۳۱	مسجد کی آمدنی کیلئے بینک میں کھاتہ کھلوانا	۱۱۸	مسجد کی دکان پر مدرسہ تعمیر کرنا
۱۳۲	مسجد پر وقف شدہ مال کو واپس لینا	۱۱۸	مسجد میں رقص و سرور
۱۳۳	مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا	۱۱۹	عید گاہ پر مسجد بنانا
۱۳۳	مسجد کے ساتھ متصل زمین کو جبراً {	۱۱۹	مسجد میں سوال کرنے کا حکم
۱۳۳	مسجد کے لئے لینا	۱۱۹	مساجد میں نمازی کی توجہ متاثر {
۱۳۴	کس برش کا استعمال مسجد میں جائز ہے	۱۲۰	کرنے والی زمینت کا حکم
۱۳۵	عوام کی ضرورت کے لئے مسجد کو مسمار کرنا	۱۲۰	مسجد کے درخت اور پھلوں کا حکم
۱۳۶	مسجد کے لئے زمین دینے کا وعدہ کرنا	۱۲۱	امام کا مسجد کو ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرنا
۱۳۶	مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا	۱۲۲	مسجد بنانے کے ارادے سے وہ جگہ {
۱۳۷	مسجد کے لئے وقف شدہ زمین اور {	۱۲۲	شرعی مسجد نہیں بنتی
۱۳۷	عرفی سیری کی شرعی حیثیت	۱۲۲	مسجد کی ضرورت سے زائد اشیاء {
۱۳۸	غیر مسلم کے اموال کو جبراً مسجد پر خرچ کرنا	۱۲۳	کا فروخت کا حکم
۱۳۹	بوقت ضرورت وقف کا تبادلہ جائز ہے	۱۲۳	مسجد کے چندہ کو کسی شرط سے معلق کرنا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۶۲	پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے کا سزا	۱۳۰	جدید قبرستان میں مسجد بنانا
۱۶۳	قابل تعزیر سرقت کی مقدار	۱۳۰	مندر سے مسجد بنانا
۱۶۳	سارق کے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنے کا حکم	۱۳۱	مسجد میں آنے سے منع کرنا
۱۶۳	مزارات سے قیمتی اشیاء چرانے کا حکم	۱۳۲	مسجد کی اشیاء کو عاریتہ استعمال کرنا
۱۶۳	رخصت کو قتل کرنے کا حکم	۱۳۲	مسجد کی زمین کا تبادلہ
۱۶۳	مفسد کو سزا دینے کا حکم	۱۳۳	مساجد میں سکول کھولنا
۱۶۵	چارپائے کے ساتھ بد فعلی پر تعزیر کا حکم	۱۳۳	مسجد کی تعمیر میں قادیانیوں کی شرکت
۱۶۵	بیوی کو وطنی فی الدبر کے لئے مجبور کرنے کا حکم	۱۳۵	مسجد کے لئے موقوفہ زمین کی فروخت
۱۶۶	جادوگر کی سزا کا حکم	۱۳۶	مسجد کی زمین کا باقاعدہ وقف نہ ہو { تو وہ شرعی مسجد نہیں
۱۶۷	فاسق سے ترک موالات کا حکم	۱۳۷	مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی
۱۶۸	اعلام بازی کی سزا	۱۳۸	مسجد کے فنڈ سے معاوضہ دینا
۱۶۸	مردہ عورت سے وطنی کرنا موجب تعزیر ہے	۱۳۸	مسجد کی خرید و فروخت کا عدم جواز
۱۶۹	والدین کی بے ادبی کرنے والے کی سزا	۱۵۰	عید گاہ میں کھیل کود اور اسے راستہ بنا کر حکم
۱۷۰	نابالغ قاتل کو تعزیر سزا	۱۵۲	جنوبی افریقہ کی قدیم مساجد و مدارس کا حکم
۱۷۰	شاگرد کو سزا اور تعزیر دینے کا حکم		
۱۷۱	بیوی کو بد فعلی کی بناء پر قتل کرنا		
۱۷۱	جنگل سے جانور چوری ہونے کی صورت میں حد کا حکم	۱۵۹	
۱۷۲	سکول کالج میں طلباء کو جبراً سزا کا حکم		
۱۷۳	فصل کو نقصان پہنچانے پر جرم کا حکم	۱۵۹	حد و جاری کرنا حکام کا حق ہے
۱۷۳	مخاطبت کی نیت سے مال اٹھانے پر سزا کا حکم	۱۵۹	کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت
۱۷۴	حیوان سے بد فعلی پر سزا	۱۶۰	زنا کا جرم ثابت ہو جانے پر حد جاری کرنے کا حکم
۱۷۵	بجلی چوری کرنے پر سزا	۱۶۱	نابالغ سے زنا بالجبر کا حکم
		۱۶۱	حقیقی بیٹی سے زنا کر کے کی سزا

## کتاب الحدود والتعزیرات



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۱۲	بدل صلح صرف قاتل پر ہے	۱۷۶	بیجاری کی حالت میں حد جاری کرنے کا حکم
۲۱۳	قتل یا سبب کی دیت کا حکم	۱۷۷	زنا با برضا اور زنا با بکبر میں تفریق کی تحقیق
۲۱۳	مریض کو دوائی کھلانے سے موت واقع ہونے پر دیت کا حکم	۱۷۸	قراٹن اور ٹہرت کی وجہ سے عدالت کا کسی کو مزادینا
۲۱۴	مقتول کی دیت کے مستحقین	۱۹۷	<b>کتاب الاشریۃ</b>
۲۱۴	نیند کی حالت میں ماں کے نیچے دب کر بچہ مر جائے تو کھارہ اور دیت کا حکم	۱۹۷	نسوار کی شکل میں تمباکو کے استعمال کا حکم
۲۱۵	نیند کی حالت میں ماں کے پھلو میں دب کر بچہ کے مرنے پر پید ہو سوائے اشکال کا جواب	۱۹۷	گنے کے رس سے کشیدگی گئی شراب حرام ہے
۲۱۶	روپے کی شکل میں دیت کی مقدار	۱۹۸	اضطراری حالت میں افیون کا استعمال جائز ہے
۲۱۷	دوش کی بڑی توڑنے پر حکومت عدل کا حکم	۱۹۹	الکحل ملی خوشبو کے استعمال کا حکم
۲۱۷	صلح کے بعد اگر زخمی مر جائے تو دیت کا حکم	۱۹۹	منشیات ہر قسم کی ممنوع ہیں
۲۱۸	رشتہ و ملاحت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے	۲۰۰	نیگونہ پودے کی جڑوں کے شربت کی تحقیق
۲۱۹	جسم کی کسی بڑی کو توڑنے پر حکومت عدل ہوگی	۲۰۱	بطور دوائی شراب کے استعمال کا حکم
۲۲۰	والدین کی عدم حفاظت کی وجہ سے بچہ مر جائے تو موجب ضمان نہیں	۲۰۲	بطور دوا شراب کے خارجی استعمال کا حکم
۲۲۰	کسی کے ہاتھ سے اچانک کوئی چیز گرنے سے کوئی ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان ہے	۲۰۲	الکحل ملی ادویات کے استعمال کا حکم
۲۲۱	سرکاری ملازم کو دوران ڈیوٹی کوئی نقصان پہنچے تو حکومت پر کوئی ضمان نہیں	۲۰۳	افیون بطور دوائی استعمال کرنے کا حکم
۲۲۲	قتل کی نیت سے تلوار اٹھانے والے کے قتل کا حکم	۲۰۳	سیون اپ اور کوکا کولا پینے کا حکم
۲۲۳	کسی کی ٹانگ کی دیت	۲۱۱	فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت پر پید ہو نیو اسول کا جواب
		۲۱۱	<b>کتاب القصاص والدیۃ</b>
		۲۱۱	قاتل کو معاف کر دینے کے بعد قصاص کا مطالبہ کرنا جائز نہیں
		۲۱۱	صلح ہو جانے کے بعد عدالت کا قاتل کو مزادینا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
	کتاب الجہاد	۲۲۳	دیت کی شرعی مقدار
		۲۲۳	قتل موجب کفر نہیں
۲۸۵	باب شرائط الجہاد و آدابہ	۲۲۵	کسی کو زخمی کرنے پر قصاص کا حکم
۲۸۵	جہاد کے شرائط	۲۲۵	دانت توڑنے کا قصاص
۲۸۵	جہاد کی قسمیں	۲۲۶	متسبب اور مباشر پر دیت
۲۸۶	جہاد کے دوران امیر کی اہمیت	۲۲۸	اجرتی قاتل سے قصاص لینے کا حکم
۲۸۷	جہاد کی ذمہ داری کا حکم	۲۲۸	مقتول کے ورثہ کے ذریعے قصاص
۲۸۷	تفسیر عام کی تعریف	۲۲۸	کے اجراء کی شرعی حیثیت
۲۸۸	افغانستان کا جہاد کن لوگوں پر فرض ہے	۲۲۹	قصاص کے اجراء سے گناہ
۲۸۸	جہاد کشمیر کی فرضیت کا حکم	۲۲۹	کے ختم ہونے کا حکم
۲۹۰	برما کے مسلمانوں پر جہاد کا حکم	۲۲۹	قاضی کا اپنے علم پر قصاص
۲۹۱	بوسنیا میں جہاد کا شرعی حکم	۲۳۰	کے اجراء کا حکم دینا
۲۹۲	مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد کا حکم	۲۳۰	حالت نشہ میں قتل کرنے والے
۲۹۲	جہاد افغانستان کی شرعی حیثیت	۲۳۱	سے قصاص لینے کا حکم
۲۹۳	لڑائی شروع ہونے سے پہلے اسلام	۲۳۱	مقتول دیت سے کم مال پر صلح کرنا
۲۹۳	کی دعوت دینے کا حکم	۲۳۲	مسودہ آرڈینیسنس نفاذ قصاص و دیت اور دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و تراجم
۲۹۳	کفار کے خلاف مدافعت اور اقدامی	۲۳۲	مسودہ قانون دیت و قصاص کے بعض زیر بحث نکات
۲۹۵	دو نوں قسم کے جہاد شروع ہیں	۲۳۵	عورت کی دیت نصف ہونے کا مسئلہ
۲۹۵	مغلوب ہونے کا یقین ہو تو کما تدرجاً	۲۵۱	اسلام کا نظام قصاص و دیت
۲۹۵	کا حکم ماننا مناسب نہیں	۲۵۷	ایک غلط تاثر کا دفاع (مولانا عبدالکریم گلچوی)
۲۹۵	والدہ کی اجازت کے بغیر	۲۵۹	اصل دیت کیا ہے سوانٹ یادس ہزار روپے
۲۹۶	جہاد کیلئے جانا	۲۷۱	ایونٹ کی طرح سونا چاندی بھلی صل دیت ہے
۲۹۶	والدین کے علاوہ دوسرے محارم کی		
۲۹۶	اجازت کے بغیر جہاد کے لئے جانا		



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۰۹	دشمن سے تحفظ دین کی خاطر { توریہ کا بروئے کار لانا	۲۹۷	اہل و عیال کے لئے نان و نفقہ کا متبادل انتظام نہ ہونے کی صورت میں جہاد کے لئے جانا
۳۱۰	جنگ کے دوران مسلمان افواج { کا پیچھے ہٹ جانے کا حکم	۲۹۷	جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں { بھائیوں سے مشورہ کرنا
۳۱۱	<b>باب العنایہ و قسمتہا</b>	۲۹۸	عالم دین کیلئے جہاد میں جانے کا حکم جہاد پر قدرت نہ رکھنے کی صورت { میں عالم اسلام کی ذمہ داریاں
۳۱۱	مال غنیمت غانمین کا حق ہے نہ حکومت کا	۲۹۹	منظوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت { مسلم ارباب قنڈار کی ذمہ داری ہے
۳۱۱	مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ سرمایہ ہے	۳۰۰	لفظ فی سبیل اللہ کی تحقیق
۳۱۲	تفصیل نہ ہونے کی صورت میں مال غنیمت { تمام مجاہدین کا مشترکہ ہوگا	۳۰۱	دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم
۳۱۳	دارالحرب سے مال غنیمت لانے کی { قدرت نہ ہو تو اس کا حکم	۳۰۳	دشمن کے گھروں اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنا
۳۱۳	دارالحرب میں مسلمان تاجر کے مال کا حکم	۳۰۳	اہل حرب کے باغات اور فصلوں کو برباد کرنا
۳۱۴	مال غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے	۳۰۴	جنگ کے دوران کافر اگر کلمہ پڑھ لے { تو اسے قتل کرنا جائز نہیں
۳۱۵	مال غنیمت کی نیت سے جہاد کرنا حکم	۳۰۴	جنگ کے دوران کافر بچے کے قتل کا حکم
۳۱۵	شہید کے ورثاء کو مال غنیمت { میں حصہ دینے کا حکم	۳۰۵	کمیونسٹوں کے ساتھ رہنے والے { مسلمانوں کے احکام
۳۱۶	مال غنیمت میں عورتوں کے حصہ کا حکم	۳۰۶	کمیونسٹوں کے معاونین کا حکم
۳۱۷	<b>باب المستامن</b>	۳۰۷	کمیونسٹوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا
۳۱۷	دارالاسلام بننے کے لئے شرائط	۳۰۸	دشمن سے اسلحہ لیکر اسے مجاہدین کے { خفیہ راز بتانے والے کو قتل کرنا حکم
۳۱۷	دارالحرب بننے کے لئے شرائط	۳۰۸	جہاد کے دوران مونچھیں بڑھانا





صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات	
۳۶۲	حکومت کی طرف سے مقرر کردہ جج کی شرعی حیثیت		<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;">سی ٹی بی ٹی کی شرعی حیثیت</div>	
۳۶۲	اہل بدعت کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونیکا حکم			
۳۶۳	مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے { تو فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا {	۳۲۳		ابتدائیہ
۳۶۴	جج کا ثالث کے فیصلے پر فیصلہ سنانے کا حکم	۳۲۴		استفتاء
۳۶۴	دعویٰ کے اثبات کے لئے تحریری { ثبوت پیش کرنے کا حکم {	۳۲۷		اجواب اعداد الات حرب قرآن کی روشنی میں
۳۶۵	مدعی کا مدعی علیہ سے مقدمہ کا خرچہ لینے کا حکم	۳۲۸		اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے { ارشادات اور فقہاء کے اقوال {
۳۶۶	حاکم وقت کا مملوکہ زمین قاضی کو { بطور عطیہ دینے کا حکم {	۳۲۹		آلات حرب یا عسکری قوت کو ضائع { کرنے یا ان کو منجمد کرنے پر وعیدیں {
۳۶۷	ایک بھائی کی عدم موجودگی میں { مشترکہ جائیداد کے فیصلے کا طریقہ کار {	۳۵۱		وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات { ہو اسکی پابندی ضروری نہیں {
۳۶۸	مکرہ کے اقرار پر فیصلے کا حکم	۳۵۲		یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت
۳۶۸	شریک کی عدم موجودگی میں قاضی { کے فیصلے کا جائزہ {	۳۵۳		دستخط کرنے کی صورت میں کفار { کی طرف سے امداد کے وعدے {
۳۶۹	اقرار کے بعد مقروض کا قرض سے انکار { اور اس پر ایک عدالتی فیصلے کا جائزہ {	۳۵۴	فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل	
۳۷۰	باپ کو عدالتی سزا سے بچانے کے لئے { اعتراف جرم کرنے کا حکم {	۳۵۹	<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;">کتاب القضاء</div>	
۳۷۱	مدعی کے بیانات میں تعارض کا جائزہ	۳۵۹		قاضی کے علم پر فیصلے کا حکم
۳۷۲	ملک اور بیع کے دعویٰ میں فیصلہ { بیع کے گواہوں پر ہوگا {	۳۵۹		قاضی کا مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کرنیکا حکم
۳۷۳	حد و بیان کیے بغیر زمین پر { ملکیت کے دعویٰ کا حکم {	۳۶۰		مدعی اور مدعی علیہ کا قاضی کے تعین { میں اختلاف کا حکم {
		۳۶۱		فیصلے کو مانسے انکار کرنے پر جرم از وصول کرنیکا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۸۲	حکومت کی اجازت سے موت { اراضی آباد کرنے کا حکم	۳۸۳	فصل کے نقصان کی وجہ سے پڑوسی سے { درخت کو جڑ سے کاٹنے کے مطالبہ کا حکم
۳۸۵	موت کو آباد کرنے کی وجہ سے چشمہ { کا پانی دوسرا اراضی پر بند کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۸۴	عارضی کسی کی زمین پر تصرفات کی وجہ { سے استحقاق کا دعویٰ کرنا
۳۸۵	مشترک زمین میں دوسرے شرکا کی اجازت { کے بغیر تصرف کرنے کا حکم	۳۸۵	کسی کی مملو کر زمین پر قبضہ کے متعلق فیصلہ کا حکم { مدعی کا زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں
۳۸۶	عرصہ دراز تک آمدورفت کی وجہ سے { راستہ پر تھی مرور کا دعویٰ کرنے کا حکم	۳۸۶	زمین کے نامعلوم حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم { عارضی پر لی ہوئی زمین سے معیر کو تنگ کرنے
۳۸۷	ایک شخص سے خریدی ہوئی زمین پر { ملکیت کے دعویٰ میں تاریخ کی تقدیم	۳۸۷	کیٹے مستعیر کا درخت نہ کاٹنے کے متعلق فیصلہ { والد کا عقد بیع کی اجازت سے
۳۸۷	مقتول کے وارث کی طرف سے قاتل کو { معاف کرنے کے بعد قتل کے دعویٰ کا جائزہ	۳۸۸	مشترک چشمہ پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ { زنجش کی وجہ سے پانی کا تقدیم
۳۸۹	بیٹے کو بہن کی ہوئی زمین پر ورثہ { کے دعویٰ ملکیت کا جائزہ	۳۸۹	راستہ روکنے کے متعلق فیصلہ { حصہ دار کی اجازت کے بغیر اس کی
۳۹۰	بلاک شدہ مال کے بارے میں قرض { اور مضاربت کے اختلاف کا فیصلہ	۳۹۰	زمین فروخت کرنے کا حکم { مثنوی بھائی کے بیٹوں کی موجودگی میں
۳۹۱	غیر اختیاری کاموں میں کسی کی ذمہ داری { قبول کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۹۱	اس کی ذاتی جائیداد باپ کے ترکہ میں { شامل کر کے تقسیم کرنے کا حکم
۳۹۱	کسی کے عقد پر دوبارہ عقد بیع { کرنے کے متعلق فیصلہ	۳۹۲	حکومت کی طرف سے دی گئی زمین پر { فریقین کے دعویٰ ملکیت میں اختلاف
۳۹۲	باپ کی وفات کے بعد بیٹوں { کا اس کے عقد بیع سے انکار	۳۹۲	کے متعلق فیصلہ { کسی غیر کے نام مندرج نہ پر قبضہ زمین
۳۹۳	عقد مضاربت کے متعلق ایک فیصلہ کی تصحیح	۳۹۳	میں فریقین کے اختلاف کا فیصلہ {



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲۲	دعویٰ کب تک قابل سماعت ہے	۳۹۴	ٹیوب ویل کی نوکری پر فریقین کے تنازعہ کا فیصلہ
۳۲۳	پاگل کے دعویٰ کا حکم	۳۹۵	بیٹے کا باپ کے ترکہ میں سے اپنے لیے
۳۲۴	نابالغ بیٹے کی جگہ باپ کو قسم دینے کا حکم	۳۹۸	زمین کا کچھ حصہ ہبہ کرنے کے دعویٰ کا جائزہ
۳۲۴	مصلحت کے بعد ارث کا دعویٰ کرنا	۳۹۹	عقد بیع میں اختلاف کے متعلق فیصلہ
۳۲۵	دعویٰ کے ثبوت کے لئے شرعی ضابطہ	۳۹۹	شفعہ کے دعویٰ میں راستہ کا
۳۲۶	ہبہ تمام کے بعد دعویٰ ارث ناقابل سماعت ہے	۴۰۲	شریک پڑوسی پر مقدم ہے
۳۲۷	تنازعہ تقسیم ترکہ میراث اسحاق	۴۰۳	فریقین میں سے ہر ایک کا زمین پر
۳۲۷	نزاب (مرحوم) پلوسی پشاور	۴۰۳	ملکیت اور قبضہ کے دعویٰ کا جائزہ
۳۳۲	فیصلہ شرعی مابین سید یوسف خان	۴۰۶	فریقین میں سے ہر ایک کا دوسرے کی مقبوضہ
۳۳۲	وسلطان شاہ پسران حیات شاہ	۴۰۶	جائیداد میں ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ
۳۳۴	مدعی اور مدعی علیہ میں سے قسم کس پر ہے	۴۰۸	قدیم راستہ میں تنازعہ کے متعلق فیصلہ
۳۳۵	زمین کے تنازعہ پر فریقین	۴۰۸	گواہوں پر جرح کے متعلق قاضی
۳۳۵	میں فیصلہ شرعی	۴۰۹	کے فیصلہ کا جائزہ
۳۳۷	مدعی مدعی علیہ کو قسم دینے کے	۴۱۰	نوے سال سے قابض زمین پر ملکیت
۳۳۷	بعد گواہ پیش کرے	۴۱۰	کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ
۳۳۷	مدعی علیہ کے تصرفات پر اظہار	۴۱۲	آبا و اجداد کی شرکت کی وجہ سے ورثاء کا
۳۳۹	رضامندی کے بعد دعویٰ کرنا	۴۱۲	شریک کی جائیداد میں کچھ حصہ پر
۳۳۹	کاغذی ثبوت پیش کرنے کے بعد	۴۱۹	ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ
۳۴۰	مدعی علیہ کا انکار کرنا	۴۲۰	فیصلہ شرعی درباب شفیعہ دعویٰ
۳۴۰	مدعی بہ کے سامنے ہونے کی صورت	۴۲۰	راضی نامہ کے بعد دعویٰ کرنا اور
۳۴۱	مقدار مدعی بہ میں غلطی ہو جانا	۴۲۱	مدعا علیہ سے قسم لینا
۴۲۲	فیصلہ شرعی بین الفریقین	۴۲۱	مدعی بہ کی مقدار میں غلطی ہو جانا مسقط دعویٰ نہیں
۴۲۵	فیصلہ شرعی	۴۲۱	دعویٰ ہبہ کے لئے معتبر شہادت ضروری ہے
		۴۲۱	الحق لا یسقط بتقدیم الزمان کا مطلب

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۵۹	قانون کی قسمیں		باب التحکیم
۲۵۹	انسانی قانون کی حیثیت	۲۲۴	
۲۶۰	مقننہ کے مختلف شعبے		
۲۶۰	سربراہ مملکت	۲۲۴	
۲۶۰	آئین ساز ادارے	۲۲۴	
۲۶۰	عدالتی نظام	۲۲۸	
۲۶۱	رحمانی قانون کی حقیقت	۲۲۹	
۲۶۱	رحمانی قانون کے ماخذ	۲۵۰	
۲۶۲	اسلامی قانون کے بار میں غیر مسلموں کے تاثرات	۲۵۱	
۲۶۳	اسلامی قانون کے اہم شعبے		
۲۶۳	اسلام کا شخصی قانون	۲۵۱	
۲۶۲	اسلام کا ملکی قانون	۲۵۲	
۲۶۳	حفاظت نفس		
۲۶۳	حفاظت نسب	۲۵۳	
۲۶۵	حفاظت مذہب	۲۵۳	
۲۶۵	حفاظت مال	۲۵۴	
۲۶۵	حفاظت عقل		
۲۶۵	حفاظت عزت	۲۵۵	
۲۶۶	غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار	۲۵۶	
۲۶۷	نظام قضاء کے لیے قوتِ تنفیذ کی ضرورت		
۲۶۸	غیر اسلامی علاقوں میں نظام	۲۵۷	قانون کی حقیقت
	قضاء کے چند نظائر	۲۵۷	قانون کی ضرورت
۲۶۹	فقہی جزئیات کی تائید	۲۵۸	قانون کی ابتداء



صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۸۱	اسلامی نظام عدل نے شاہان وقت { کو بھی معاف نہیں کیا	۲۶۹	مسلمانوں کے اتفاق سے قاضی کی تقرری
۲۸۲	اہل اسلام کا طرہ امتیاز	۲۷۰	عصر حاضر میں غیر اسلامی ممالک میں { قضاء کی چند صورتیں
۲۸۲	اہل مغرب کا سفاکانہ کردار	۲۷۰	پہلی صورت
۲۸۳	روسی کمیونسٹوں کا مسلم اقلیت { سے ظالمانہ سلوک	۲۷۰	انفرادی طریقہ کار کی کمزوریاں
۲۸۳	برطانوی دور کے مظالم	۲۷۱	دوسری صورت
۲۸۳	دشمن سے اسلام کا روادارانہ سلوک	۲۷۲	غیر اسلامی حکومت سے عہدہ قضاء { قبول کرنے کی شرعی حیثیت
۲۸۳	حقوق کے اقسام	۲۷۳	انصاف کی رعایت ہونے کے وقت { عہدہ قضاء قبول کرنا جائز نہیں
۲۸۵	دور صدیقی کے عہد نامے		
۲۸۶	حضرت عمرؓ کا ایک لطیف استدلال		
۲۸۷	ذمیوں کے بار میں حضرت عمرؓ کی خصوصی ہدایت	۲۷۳	اسلام کا نظام عدل وانصاف
۲۸۸	شہادت کے اصول		
۲۸۹	رشوت کے اقسام اور انکے احکام	۲۷۵	عدل کی ہمہ گیری
۲۹۰	شرعی عدالت میں شاہ و گدا برابر ہیں	۲۷۶	مروجہ بین الاقوامی قوانین اور انکے نتائج
۲۹۱	قاضی عدالتوں کو کتاب سنت کا پابند کرنا ہوگا	۲۷۶	نظام عدل کا مرکزی نکتہ
	<b>کتاب الشہادۃ</b>	۲۷۷	حضرت ماعزؓ کا واقعہ
		۲۷۷	رات کی تاریکی میں خوف خدا کا اثر
		۲۷۹	شہادت حق اور قرابتیں
۲۹۷	سکے بھائی کے لئے گواہی دینا جائز ہے	۲۷۹	حضرت اسامہ کی سفارش پر دربار نبوت کا رد عمل
۲۹۷	نا بینا کی گواہی کی شرعی حیثیت	۲۸۰	عدل فاروقی کی ایک جھلک
۲۹۸	وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت	۲۸۰	امیر المؤمنین قاضی کی عدالت میں
۲۹۹	اجرتی قائل کی گواہی کی شرعی حیثیت	۲۸۱	انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور { ایک آدمی برابر ہیں
۲۹۹	داڑھی منڈانے والے کی شہادت کا حکم		

صنو	عنوانات	صنو	عنوانات
۵۱۳	شہادت میں شہود لہ یا علیہ کا نام مع ولدیت لینا	۵۰۰	قتل میں عورت کی گواہی کا حکم
۵۱۴	شہادت کے لئے خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے	۵۰۰	دشمن کی گواہی کی شرعی حیثیت
۵۱۵	صرف عورتوں کی گواہی کا حکم	۵۰۱	گواہی کے لئے آمدورفت کا خرچہ لینے کا حکم
۵۱۶	اثبات جرم کے ریکارڈ شدہ شہادت کافی نہیں	۵۰۲	قبضہ اور ملکیت میں شہادت کا حکم
۵۱۶	اثبات جرم کے لئے تصویر کا حکم	۵۰۳	شہادت غیر قابض کی قبول ہوگی
۵۱۷	قاتل کے جسم یا کپڑوں پر مقتول کا خون لگا ہو تو	۵۰۳	زیر کاشت زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے میں گواہ خارج کے مقدم ہونگے
۵۱۸	مسودہ قانون شہادت میں مولانا سمیع الحق کی بعض دیگر ترامیم و تقاریر	۵۰۴	نکاح کی مجلس میں بغیر حاضر ہونے
۵۱۸	اقرار اور اقبال جرم	۵۰۵	نکاح کی گواہی دینا جائز ہے
۵۲۰	اقرار کے شرائط	۵۰۵	اثبات زیادتی کی وجہ سے خارج کے گواہوں کا حکم
۵۲۰	شادی وغیرہ کا ثبوت	۵۰۶	زیادت کا دعویٰ کرنے والے کے گواہ مقدم ہوں گے
۵۲۱	دوران ازواج بچے کی پیدائش	۵۰۷	گواہوں کی عدم موجودگی میں محض شک کی وجہ سے سزائے موت دینے کا حکم
۵۲۱	مدت حمل	۵۰۸	شرکا کا روبرو ایک دوسرے کے لئے گواہی دینا
۵۲۲	اکثر مدت حمل میں اقوال اور حکمت خداوندی	۵۰۹	باپ کا بیٹے کیلئے گواہی دینا
۵۲۳	وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت	۵۰۹	بچرے کی گواہی کا حکم
۵۲۳		۵۱۰	تائب ناستق کی گواہی کا حکم
		۵۱۰	بینائی سے محروم شخص کی گواہی کا حکم
		۵۱۱	قوت گویائی سے محروم شخص کی شہادت کا حکم
		۵۱۲	گواہ کی خفیہ تحقیقات کرنیگی شرعی حیثیت
		۵۱۳	علت زائل ہونے کے بعد اس مقدمے میں شہادت کا حکم



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۳۷	مشترکہ منافع کو تقسیم کرنے کا حکم	۵۲۵	اسلام اور خواتین کی شہادت
۵۳۸	ایک فریق کی عدم موجودگی میں { جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ	۵۲۶	شیعہ مسلک اور خواتین کی شہادت
۵۴۰	مشترکہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ	۵۲۷	عورت کی امامت اور حکمرانی
۵۴۱	کتاب الاکراه	۵۲۷	حکمت اور علت حکم میں فرق
۵۴۱	حکومت کا رعایا کی کسی چیز پر جب قبضہ کرنا	۵۲۸	شہادت فرض ہے سچی نہیں
۵۴۲	جبراً نکاح کا حکم	۵۲۸	فرائض اور احکام میں عورتوں سے رعایت
۵۴۲	جبراً زنا میں عورت گنہگار نہ ہوگی	۵۲۹	کسی غیر مکلف کو نصوص میں مخاطب نہیں بنائیں
۵۴۳	اکراه کی صورت میں کلمہ کفر کہنا	۵۳۳	کتاب القسمة
۵۴۳	حالت جبر میں زنا کا حکم	۵۳۳	کسی ایک شریک کے مطالبہ پر جائیداد { کی دوبارہ تقسیم کا حکم
۵۴۴	کسی مسلمان کو حالت جبر میں قتل کرنا	۵۳۴	تا بالغ کے حصہ کی تقسیم کا حکم
۵۴۴	جبراً شراب پینے پر حد نہیں	۵۳۴	کسی ایک شریک کی غائبانہ حالت { میں جائیداد تقسیم کرنا
۵۴۵	جبراً زنا کی صورت میں حد کا حکم	۵۳۵	قرعہ اندازی کے بغیر جائیداد تقسیم کرنا
۵۴۶	مجبور مرتزبہ پر حد زنا کا حکم	۵۳۶	غبن کی صورت میں تقسیم جائیداد کا اعادہ کا حکم
۵۴۶	جبراً ہلاک شدہ مال کے ضمان کا حکم	۵۳۶	غلطی کی صورت میں تقسیم کا اعادہ
۵۴۷	جبراً کھلائے گئے مال پر ضمان کا حکم		
۵۴۸	مجبور مفعول پر حد جاری کرنے کا حکم		



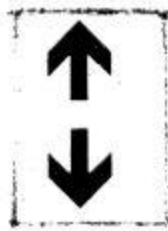




لَيَنْفِقُوا كَذُوًّا سَاعَةً مِّنَ السَّاعَةِ

وَمَنْ قَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ

فَلَيَنْفِقُوا مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ



مِّنَ حُلُوفٍ حَامِيَةٍ

أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ



# کتاب النفقات

(خرچہ کے احکام و مسائل)

بیوی کا علاج کرانا خاوند پر لازم نہیں | سوال :- زید کی بیوی کافی عرصہ سے بیمار سے اپنے گھر لے گئے اور وہاں اس کا علاج معالجہ کرایا گیا، کچھ عرصہ بعد عورت کے والدین نے زید سے علاج معالجہ پر خرچ ہونے والی رقم کا مطالبہ کیا، تو کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- بیوی کا علاج معالجہ کرانا بہر حال خاوند پر واجب نہیں البتہ مروت کے باب میں علاج کرانا مناسب ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمام رحمہ اللہ : ولقائل ان يقول علیہا کاجرة الطیب الخ

رفتح القدير ج ۴ ص ۲ باب النفقة - کتاب النکاح ۱۰۱

والدین کے نان نفقہ کا حکم | سوال :- والدین کا نان و نفقہ اولاد پر واجب ہے یا نہیں؟ نیز اگر اولاد تنگ دست ہو تو پھر بھی

اسے والدین کے نفقہ کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین اگر خود غنی ہوں تو اولاد کو ان کے اخراجات برداشت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے اولاد خوشحال ہی کیوں نہ ہو، لیکن جب والدین کا متبادل بند و بست نہ ہو تو ان کے اخراجات کی ذمہ دار مبالغ اولاد پر عائد ہوتی ہے تاہم اگر اولاد خود تنگ دست ہو تو اسے اس کے لیے مجبور کرنا بھی مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم : (ولا بویہ واجدہ وجداتہ لوفقراد) ای تجب

لہ قال العلامة ابن نجیم : وقید بالنفقة لان السداوة لاتجب علیہ

اصلاً - (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۲ باب النفقة)

ومثله فی الہندیة ج ۱ ص ۵۲۹ کتاب النکاح - الباب النفقة -

النفقة لهؤلاء..... واطلق في الابن ولعريقيد في الغنى مع انه مقيد به لما  
في شرح الطحاوي ولا يجبر الابن على نفقة للابوين المعسرين اذا كان معسراً-

البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵ باب النفقة - كتاب النكاح ( ۱ )

**بالغ اولاد کے نفقہ کا حکم** | سوال :- بالغ اولاد کے اخراجات کی ذمہ داری  
والد پر عائد ہوتی ہے یا وہ اپنے اخراجات کی خود

ذمہ دار ہوتی ہے ؟

**الجواب :-** اولاد جب تک نابالغ ہو تو اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری والد پر  
عائد ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر والد فقیر ہو تو پھر بھی اس کو اپنی ذمہ داری نبھانا ضروری  
ہے، البتہ جب بچے بالغ ہو جائیں تو ان کی ذمہ داری والد سے اٹھ جاتی ہے لیکن بچیوں  
کا خرچہ ان کی شادی ہونے تک والد ہی برداشت کرے گا۔

لما قال العلامة ابن نجيم: وقيد بالعجز عن الكسب وهو بالاثوثة مطلقاً...  
فلا يعتبر في الاثوثة الا الفقر - البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱ باب النفقة ( ۲ )

**عدت کے دوران بیوہ کے اخراجات کا حکم** | سوال :- خاوند کی وفات کے  
بعد اس کی بیوہ کے عدت کے

دوران اخراجات کون برداشت کرے گا ؟

**الجواب :-** کسی شخص کی وفات سے اس کے ترکہ میں جملہ شرعی وراثہ کے حقوق  
ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح خاوند کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں ثمن و آٹھواں حصہ یا ربع

لما قال شيخنا آسا سلام برهان الدين المرفينا في: وعلى الرجل الموسر ان  
ينفق على ابويه واجلاده وجداته اذا كانوا فقراء وان خالفوه في الدين-

الهداية ج ۲ ص ۲۲۰ باب النفقة - كتاب النكاح ( ۱ )

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۸۳ - كتاب النكاح - الباب في النفقة -

لما قال العلامة ابن همام: والاولاد كباراً مائتات..... فللاناث عليه نفقتهن الى ان

يتزوجن اذ العيكن لهن مالٌ - فتح القدير ج ۲ ص ۲۱۶ - باب النفقة ( ۱ )

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۵۸۳ - كتاب النكاح - الباب في النفقة -



دیجو تھا حصہ کے علاوہ اخراجات کے نام سے کچھ زائد لینے کی عورت مجاز نہیں اور نہ ہی دیگر ورثہ پر اس کے اخراجات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، عورت خاوند کے ترکہ سے اپنا حصہ لے کر عدت کے دوران گزارہ کرے گی، اگر اس سے اس کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے ہوں اور محارم میں سے کوئی بھی اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو پھر وہ ہاتھ کی کاٹی سے گزارہ کرے گی۔

لما قال العلامة ابن نجيم: قوله لالموت ..... م ای لا تجب النفقة للمعتقة الموت - رالبحر الرائق ج ۴ ص ۲ کتاب النکاح - باب النفقة ( لہ

چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے | سوال :- ایک شخص کی بیوی کے بطن سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا

ہے اگر وہ اسے طلاق دے دے تو ان بچوں کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا یا ماں کے؟  
الجواب :- بچوں کا جب اپنا مال نہ ہو تو ان کا نفقہ باپ پر واجب ہے خواہ یہ بچے باپ کے گھر میں رہ رہے ہوں یا میاں بیوی میں جدائی کی صورت میں والدہ کے ساتھ رہائش پذیر ہوں۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: نفقة البنت البالغة يجب كالصغيرة ولكل عليه اذا لم يكن للصغير مال -

ر خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۶۳ کتاب النکاح - فصل فی النفقة م لہ

والدین کے گھر رہنے کی صورت میں نفقہ کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک

شخص کی بیوی اس کی رضامندی سے اپنے والدین کے گھر رہتی ہو تو کیا شوہر کو اس کے

لہ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ولا نفقة للمتوفی عنها زوجها - رفتح القدير ج ۴ ص ۲۱۴ باب النفقة م

لہ قال العلامة قاضیخان، نفقة الاوکادا الصغار والاناث المعسرات علی الاب لا یشارکہ فیہا احد ولا یسقط بفقرة - (الخانیة علی هامش الہندیة ج ۱ ص ۲۲۵ فصل فی النفقة م) ومثله فی الہندیة ج ۱ ص ۵۶ کتاب النکاح - باب النفقة -

اخراجات برداشت کرنے پڑیں گے یا اس کے والدین کو؟  
**الجواب:** - خاوند کی اجازت سے والدین کے گھر جانا عورت کے لیے مخص ہے  
 اس لیے اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت سے والدین کے گھر رہے تو اس کے اخراجات  
 خاوند کے ذمہ ہوں گے، گویا عورت کے محض والدین کے گھر رہنے سے خاوند اخراجات کی  
 ذمہ داری سے فارغ نہیں ہو سکتا جب تک یہ عورت ناشزہ (نافرمان) نہ ہو۔

ماقال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: فتجب للزوجة علیٰ نهر وجهها  
 رولوهی فی بیت ابیہا، اذ الحریط لیبہا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی۔  
 الدر المختار شرح تنویر الابصار ج ۳ باب النفقة ۵۷۵

**معذور اولاد کے نفقت کا حکم** | سوال: - کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بچہ جب  
 بالغ ہو جائے لیکن معذور یعنی نابینا ہو اور اپنے  
 اخراجات پورے کرنے سے قاصر ہو تو اس کا خرچہ باپ پر واجب ہے یا اس کے  
 بالغ ہونے کے ساتھ ہی باپ کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔

**الجواب:** - اگر کسی کا بچہ معذور ہو تو بالغ ہو جانے کے باوجود اس کا نفقہ  
 باپ سے ساقط نہیں ہوتا، جب تک والد زندہ ہو تو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ معذور  
 بچے کے اخراجات پورے کرے ورنہ بصورت دیگر دوسرے ورثاء پر بقدر الارث  
 یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ماقال العلامة ابن الہمام: والذکور اما عاجزون عن الکسب لزمانة وعی  
 او شلل او ذهاب عقل فعلیہ نفقتہم۔ (فتح القدیر ج ۲ باب النفقة)

ماقال العلامة قاضی خان: الناشزۃ لا نفقة لہا وہی التي خرجت عن منزل  
 الزوج بغير حق۔ (الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ باب النفقة ۲۲۶)  
 ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ۵۲۲ باب النفقة۔

ماقال العلامة ابن نجیم: وحکم ولد الکبیر الزمن اولانثی مطلقاً کالصغیر  
 لما سیأتی۔ (البحر الرائق ج ۲ ۱۹۶ باب النفقة۔ کتاب النکاح)  
 ومثله فی الہندیۃ ج ۱ ۵۶۳ کتاب النکاح۔ باب النفقة۔



**ناراضگی کے ایام کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں** | سوال :- اگر کوئی عورت خاوند سے ناراض ہو کر کئی سال تک والدین کے ہاں رہے

اور بعد میں عدالت میں ناراضگی کے ایام کے نفقہ کی دعویٰ کر دے تو کیا یہ عورت گذشتہ ایام کے نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں جبکہ زیادتی شوہر کی طرف سے ہو؟

**الجواب :-** غلطی شوہر کی ہو یا بیوی کی اگر عورت ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر چلی جائے تو ناراضگی کے زمانہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں تاہم اگر قاضی بیوی کے حق میں فیصلہ کرے کہ شوہر بیوی کو اتنا نفقہ سالانہ یا ماہانہ ادا کرے گا لیکن بعد القضاہ بھی اگر خاوند نفقہ نہ دے تو اس صورت میں یعنی قضاء کے بعد والے ایام کا نفقہ خاوند کے ذمے واجب الادا ہے جو قرض شمار ہوگا۔

لما قال العلامة قاضخان: لا تطالب بنفقة ما مضى من الزمان قبل الفرض لا عندنا لا تصير النفقة ديناً إلا بالقضاء۔ (فتاویٰ الخانیة علی هامش الہندیة ج ۱ ص ۲۳۳ باب النفقة) ۱

**نافرمان عورت کا خرچہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں** | سوال :- اگر ایک عورت بلا وجہ

بار بار بلانے کے باوجود خاوند کے گھر نہ آئے تو اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ رہے گا یا نہیں؟

**الجواب :-** عورت کا بلا وجہ خاوند کے گھر سے چلے جانا اور بلانے کے باوجود نہ آنا شوہر کے حکم میں ہے، ایسی ناشرہ (نافرمان) عورت کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب نہیں، جب تک عورت نافرمانی ترک کر کے خاوند کے گھر نہ آجائے اس وقت تک خاوند سے خرچہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

قال المرغینانی: وان نَشَرَ فَلَانْفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهِ۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۱۶ باب النفقة) ۲

۱ قال العلامة ابن ہمام: واذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبة بذلك فلا شيء

لها الا ان يكون القاضي فرضه لها النفقة۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۲۰۰ باب النفقة) ۱

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۳ ص ۵۹۳ باب النفقة۔

۲ قال العلامة الحصكفي: لانفقة لاحد عشر روعدها منها، وخارجة من بيته بغير حق وهي

الناشرة۔ (الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۲ ص ۲۰۰ باب النفقة) ۱

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۵۲۵ ابواب السبع عشر في النفقة۔ الفصل الاول في نفقة الزوج۔



سوال :- گھریلو ناچاتی کی وجہ سے زید ناچاتی کے باوجود شوہر پر اہل و عیال کا خرچہ لازم ہے | نے اپنے اہل و عیال پر نفقہ بند کر دیا

اب اس کی بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب :- شوہر کے ذمے اہل و عیال کا خرچہ شرعاً لازم ہے اگر وہ کسی وجہ سے خرچہ دینے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو اس کو بذریعہ جرگہ وغیرہ خرچہ دینے پر مجبور کیا جائے یا پھر وہ طلاق دے کر بیوی کو قارغ کر دے، بلا عذر شرعی اہل و عیال کا خرچہ بند کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحسکفی رحمۃ اللہ علیہ: ویجب لوفات الاماک بالمعروف۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۵۷۲ کتاب الطلاق) لہ

سوال :- اگر شوہر عینین نامرد ہو اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کی بیوی کا نفقہ

نامرد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے

کس کے ذمے ہے؟

الجواب :- چونکہ یہ عورت اس شخص کے لیے محبوس ہے، اس لیے کہ دونوں کا نکاح ہو چکا ہے تو بیوی کا خرچہ اس کے ذمے لازم ہے اگرچہ وہ وطی کرنے پر قادر نہ ہو۔

قال العلامة الحسکفی رحمہ اللہ: فتجب للزوجة بنکاح صحیح۔ الخ علی زوجها لانہا جزأ

الاحتباس۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۹۔ باب النفقة) لہ

لہ قال الامام ابو زہرۃ: لقولہ تعالیٰ: (ولا تمسکون بضرار التعدوا) وقولہ تعالیٰ: (فامساک

بمعروف او تسرعوا باحسان) وان البقاع عدم الانفاق ضرراً۔ وامساک بغير معروف،

وكان حقاً علیہ ان یطلق زوجته۔ ولما یقسم بذلك وقد تعین علیہ قام القاضی مقامہ

فیہ۔ (الاحوال الشخصية ۳۲۹ باب اللعان۔ التفریق لعدم الانفاق)

وَمِثْلُهُ فِي قِتاوای دارالعلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۱۱۳۔ باب النفقة۔

لہ قال العلامة ابو بکر المرغینانی رحمہ اللہ: النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة كانت

او كافرة اذا اسلمت نفسها الى منزله فعليه نفقتها وكسوتها وسكنها الخ۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۱۳ کتاب الطلاق، باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي بِدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۵۱ کتاب النفقة۔

**قاحتہ اور بدکردار بیوی کے نفقہ کا حکم** | سوال :- اگر کسی شخص کی بیوی بدچلن اور بدکردار ہو اور باز نہیں آتی ہو مگر رہتی شوہر کے ساتھ اس کے گھر میں ہو تو کیا ایسی عورت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم ہوگا ؟

**الجواب :-** جو کوئی جس کی وجہ سے محبوس ہو اُس کا خرچہ بھی اسی کے ذمے لازم ہے، چونکہ صورتِ مشولہ میں یہ عورت باوجود اپنی بدکرداری اور بدچلنی کے شوہر کے لیے محبوس ہے اس لیے شوہر پر اس کا نفقہ لازم ہے۔

قال العلامة الحصكفي: فتجب للزوجة بتكاح صحيح..... على زوجها لانها جزأ الاحتباس - ( الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۹۹ باب النفقة ) لہ

**سوال :-** ایک عورت خاوند سے ناراض ہو کر کئی سال اپنے والدین کے گھر رہی، اب جرگہ رہنچایت والے میاں بیوی کے درمیان فیصلہ راضی نامہ کرنا چاہتے ہیں لیکن عورت والدین کے گھر گزارے ہوئے سالوں کے خرچے کا مطالبہ کرتی ہے، کیا شرعاً شوہر کے ذمے ان گذشتہ سالوں کا خرچہ لازم ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** فقہی ذخائر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ان سالوں کا خرچہ شوہر کے ذمے واجب نہیں اس لیے عورت مذکورہ کا یہ مطالبہ ناقابل قبول ہے تاہم اگر شوہر بخوشی یہ خرچہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصكفي رحمه الله :- والنفقة لا تصير دينا

لہ قال العلامة قاضی خات رحمہ اللہ : واما نفقة المرأة فمقابلة بالاحتباس وقد احتسبت بحق الزوج فتصان لها النفقة على الزوج - ( الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص ۲۵۱ باب النفقة )

ومثله في الهداية ج ۲ ص ۱۵۱ باب النفقة - هكذا في مجمع الانهر

ج ۲ ص ۲۹۲ باب النفقة )

الابا بقضاء اور الرضاء۔ ( الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵۱ باب النفقة ) لہ  
**چھوٹے بچے کا نفقہ باپ کے ذمے ہے** | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی  
 ہے جبکہ اس کا ایک چھوٹا بچہ ماں کے پاس ہے، تو کیا اُس بچے کا خرچہ باپ کے ذمے ہے یا نہیں؟ جبکہ بچے کا باپ خرچہ دینے سے  
 انکار کرتا ہے؟

**الجواب :-** شریعت مقدسہ نے اگرچہ سات سال تک بچے کی پرورش کا حق عورت  
 (ماں) کو دیا ہے، صورتِ مسئلہ میں اس بچے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا، باپ حقِ حضانت  
 کی وجہ سے بچے کے نفقہ سے بری نہیں ہوگا اور اس کا انکار درست نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفی :- وتجب النفقة بانواعها علی الحر لطفله یعم الانثی

والجمع - ( الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲ باب النفقة ) لہ

**زچہ بچے کا خرچہ شوہر کے ذمے ہے** | سوال :- بچے کی ولادت کے وقت زچہ خانے میں عورت پر جو خرچہ  
 ہو تو اسکی دائیگی شوہر کے ذمے لازم ہے یا عورت کے والدین کے ذمے ہے؟  
**الجواب :-** چونکہ شرعاً یہ بچہ شوہر کا ہے لہذا اس کی پیدائش پر جو خرچہ ہوگا وہ بھی اسی  
 کے ذمے لازم ہوگا۔

قال المرغینانی :- ونفقة الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکہ فیہا احد کما لا یشارکہ فی نفقة

الزوجة - (الهدایة ج ۲ ص ۴۲۰ باب النفقة) لہ

لہ قال المرغینانی :- وادامت مدۃ لم ینفق الزوج علیہا وطلبتہ بذلک فلا شیء لہا الا ان ینکح القاضی فرض لہا

النفقة او صالحت الزوج علی مقدار نفقتها فیقضى لہا بنفقة ماضی - (الهدایة ج ۲ ص ۴۲۰ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْمَعِ الْاَنْهَرِ بَابِ النَّفَقَةِ ج ۲ ص ۴۹۹ باب النفقة -

لہ قال المفتی عزیز الرحمن :- نفقة صغیرہ تدرید است حسب عرف نفقة از پدر گرفته شود و تا ہفت سال زردھانہ

ام یا ام الام یا غیر او شاں بماند - (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۱۱۸ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْوَقَايَةِ ج ۲ ص ۱۱۸ باب النفقة -

لہ قال العلا قاضی خان :- نفقة الاولاد الصغار والانا المعسر علی الاب لا یشارکہ فی ذلک احد -

(فتاویٰ الحانیة علی ہامش الہندیة ج ۱ ص ۲۴۵ فصل فی نفقة الاولاد)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَةِ ج ۱ ص ۵۱ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد -



**سوال :-** جناب مفتی صاحب! میں بوڑھا اور نادار  
**تادار والدین کا نفقہ اولاد پر لازمی ہے** | شخص ہوں جبکہ میرے دو بیٹے صاحب ثروت

(مائلدار) ہیں، کیا میرا نان و نفقہ ان کے ذمے ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ماں باپ جب محتاج ہوں اور ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی  
 ذریعہ آمدن نہ ہو تو ان کا نان و نفقہ اولاد پر لازم ہے، اگر اولاد ادا نہ کرتی، ہو تو گنہگار ہوگی۔  
 قال العلامة الحسینی: وتجب علی موسر الخ النفقة لاصولہ الفقراء۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۲ ص ۴۳۶ باب النفقة) لے

**سوال :-** اگر کسی بچے کا باپ فوت ہو  
**یاپ کی وفات کے بعد بچے کے نفقہ کا حکم** | جائے اور وہ خود کمانے کی صلاحیت نہ

رکھتا ہو تو اس بچے کا خرچہ ماں کے ذمے ہے یا کسی اور کے؟

**الجواب :-** جس بچے کی حالت صفر میں اس کا باپ فوت ہو جائے اور وہ بچہ خود کمانے  
 کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا جملہ خرچہ اس کی ماں کے ذمے لازم ہوگا۔  
 قال العلامة ابن عابدین: وحی اولی بالتحمل من سائر الاقارب۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۹۲۲ باب النفقة) لے

لے قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: وعلى الرجل ان ینفق علی ابویہ  
 واجدادہ وجداتہ اذا كانوا فقراء وان خالفوه فی دینہ۔

(الهدایة ج ۲ ص ۴۲۲ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي مَعِينِ الْقَضَاءِ وَالْمَفْتِينَ ص ۸۵ مادة ۲۹۵ الفصل الثالث عشر  
 فی احکام النفقة۔

لے وفي الہندیة: الامّ اولی بالتحمل من سائر الاقارب حتی لو كان  
 الاب معسراً والامّ موسرة وللصغير جدّ موسر توامراً بالانفاق من  
 حال نفسہا۔ (الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۵۶۲ باب النفقة)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوی الخانیة علی ہامش الہندیة ج ۱ ص ۴۲۴ باب النفقة۔ کتاب  
 الطلاق۔

# کتاب الایمان والتذکر

## قسم اور تذکر کے احکام و مسائل

**سوال:** یمین منعقدہ کا حکم | ایک لڑکی کے والد نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دوں گا۔ اب فریقین کی آپس میں صلح ہو گئی ہے البتہ قسم کا معاملہ باقی ہے، اب اگر یہ آدمی (لڑکی کا والد) اس شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی دیدے تو اس پر کیا لازم آئے گا؟

**الجواب:** اگر لڑکی کے والد نے یوں قسم کھائی ہو کہ میں فلاں شخص کے نکاح میں اپنی لڑکی نہیں دوں گا تو عقد نکاح کر دینے سے حانت ہو گا جس کے بدلے میں کفارہ لازم آئے گا۔ تاہم اگر لڑکی بالغ ہو تو وہ والد کے کسی دخل کے بغیر اس شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس سے اس کا والد حانت نہیں ہو گا۔

قال العلامة الحسینی (رو) ثالثها (منعقدة وهي حلفه على مستقبل (آت) الخ... (رو)  
هذا القسم (في الكفارة) الخ... فقط الخ... ان حنت - (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۵۲)

کتاب الایمان لہ  
**سوال:** حلال اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرنے کا حکم | فلاں کام نہ کیا تو تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام

ہوں گی، تو اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے قسم منعقد ہوگی یا نہیں؟ اگر منعقد ہوگی تو اس کا کفارہ کس وقت ادا کیا جائے گا؟

**الجواب:** صورت مذکورہ میں شخص موت سے قبل وہ جائز کام کرے تو حنت سے بچ جائے گا، تاہم اگر پوری زندگی معبودہ جائز کام کرنے سے یہ شخص قاصر رہے تو زندگی کی آخری گھڑیوں میں حانت متصور ہو گا جس کی وجہ سے اس کے ورثاء پر کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ تمام

لہ قال العلامة ابوالبرکات النسفی: وعلى آت منعقد وفيه الكفارة فقط - (کنز الدقائق ص ۱۶۴ کتاب الایمان)  
و مثله في السندیة ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان - الباب الاول -

حلال چیزوں کے عموم کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ بیوی بھی اس وقت طلاق بائن سے جدا ہوگی۔

قال العلامة الحسینی: (کل حل) او حلال اللہ او حلال المسلمین (علی حرام) ناد الکمال او الحرام یلزمی ونحوہ (فہو علی الطعام والشراب) ولكن (الفتاویٰ فی زماننا) (علی انہ تبین امراتہ الخ۔) (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۶۵ کتاب الایمان) لہ

اگر فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں  
یمین ہے یا نہیں؟  
مسوال :- ایک شخص نے یوں قسم کھائی کہ اگر  
میں نے فلاں کام کیا تو کافر ہوں گا۔ اب اگر  
وہ اس کام کو کرے تو اس کے عقیدے پر

کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب :- اگر یہ شخص بے علم ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ایسی قسم سے حانت کافر ہو جاتا ہے تو یہ حنت کی صورت میں کافر ہو جائے گا، بصورت دیگر کافر تو نہ ہوگا بلکہ حانت ہو کر کفارہ لازم آئے گا۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال ان فعل کذا فہو یہودی اوتصہر فی اومجوسی اوبری من الاسلام اوکافرا ویعید من دون اللہ اویعبد الصلیب اوتحسو ذلک مما یكون اعتقاد کفر فہو یمین استعسانا کذا فی البدائع فی لو فعل ذلک الفعل یلزمہ الکفارة وهل یصیر کافرا اختلف المشائخ فیہ قال شمس الائمة السرخسی والمختار للفتاویٰ انہ کان عندہ انہ یکفر متی اتی بہذا الشرط ومع ہذا اتی یصیر کافر الرضا بالکفر وکفارسا تہ ان یقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وان عندہ انہ اذا اتی بہذا الشرط لا یصیر کافرا لیکفر و ہذا اذا حلف بہذا الالفاظ علی امر فی المستقبل واما اذا حلف بہذا الفاظ علی امر فی الماضي بان قال ہو یہودی اوتصہر فی اومجوسی ان فعل کذا افس وهو یعلم انہ قد کان فعل انہ

لہ قال العلامة ابوالبرکات عبد اللہ ابن احمد ابن محمود النسفی: کل حل علی حرام علی الطعام والشراب والفتاویٰ علی انہ تبین امراتہ بلانیۃ۔ (کنز الدقائق ص ۱۶۶ کتاب الایمان) ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۵۶، ۵۵ کتاب الایمان۔ الباب الثانی۔ الفصل الاول۔



لا يلزمه الكفارة عند نالاده يمين غموس وهل يصير كاقراً اختلف المشائخ فيه قال شمس الآبنة  
السنخسي والمختار الفتوى انه كان عندة أن هذا يمين ولا يكفر متى حلف به لا يكفر  
وان عندة انه يكفر متى حلف به يكفر رضاه بالكفر - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۴ کتاب  
الایمان ، الباب الثاني ۲ له

**قرآن مجید کی قسم کھانے کا حکم** | سوال :- قرآن پاک کی قسم کھانا کیسا ہے ؟  
کیا اس سے قسم ہو جائے گی یا نہیں ؟

**الجواب :-** چونکہ قسم کا دار و مدار عرف پر ہوتا ہے اس لیے متاخرین ارباب فتویٰ  
نے عرف کا بناء پر قرآن کریم کی قسم کھانے کو الفاظِ یمن سے شمار کیا ہے ۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : قال الكمال ولا يخفى ان الحلف بالقران  
الآن متعارف فيكون يميناً واما الحلف بكلام الله فيدور مع العرف . وقال  
العيني وعندي أن المصحف يمين لا سيما في زماننا وعند الثلاثة المصحف والقران  
وكلام الله يمين - ( الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۲ ، ۵۳ کتاب الایمان ) ۲

له قال العلامة الحصكفي رحمه الله : (روى القسم بقوله ان فعل كذا فهو يهودي  
او نصراني او فاشهدوا على بالنصرانية او شريك الكفار او كافر) فيكفر بحدثه  
لوفى المستقبل أما الماضي عالمًا بخلافه فغموس واختلف في كفره (و) الاصح  
ان الحالف (لم يكفر) سواء (علقه بماض أو أت ان كان عندة) في اعتقاده  
انه (يمين وان) جاهلا و عندة انه يكفر في الحلف بالغموس وبمباشرة  
الشرط في المستقبل (يكفر فيها لرضاه بالكفر) - ( الدر المختار على هامش  
رد المحتار ج ۳ ص ۵۹ کتاب الایمان )

وَمِثْلُهُ فِي خِلاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۳ ص ۱۲۴ کتاب الایمان - الفصل الثاني -  
له قال العلامة زين الدين ابن نجيم المصري : وفي فتح القدير ثم لا يخفى  
ان الحلف بالقران الآن متعارف فيكون يميناً كما هو قول الاثمة الثلاثة  
( البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ کتاب الایمان )

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۵۳ کتاب الایمان ، الباب الثاني ، الفصل الاول -

**ہزار روزے رکھنے کی قسم کھانے کا حکم | سوال :-** ایک شخص نے کہا کہ میں کسی کی غیبت نہیں کروں گا اور اگر کی تو قسم ہے میں ایک ہزار روزے رکھوں گا، بعد ازاں اس شخص نے کسی کی غیبت کی تو اب اس پر پورے ہزار روزے رکھنا لازم ہیں یا کفارہ قسم؟

**الجواب :-** یہ شخص کفارہ یمین (یعنی تین روزے رکھنے) سے فارغ الذمہ ہو سکتا ہے۔  
 لما فی الہندیۃ : وان علق بشرط لا یرید کد حول الدار او نحوہ یتخیر بیت الکفارة و بین عین ما التزمہ - و روی ان ابا حنیفۃً الى التخییر ایضاً و بهذا یفتی اسما عیل الزاهد قال رضی اللہ عنہ هو اختیار ایضاً کذا فی البسوط۔  
 (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۶۵ کتاب الایمان، الفصل الثانی فی الکفارہ)۔

**فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا | سوال :-** ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں مسجد میں نماز پڑھاؤں تو کافر ہوں گا، پھر اس نے اس مسجد میں نماز پڑھا دی، اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** یہ شخص اس مسجد میں نماز پڑھانے کے بعد مانت ہو کر کفارہ ادا کرے گا لیکن کافر نہ ہوگا۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال ان فعل کذا فهو یہودی او نصرانی او مجوسی او بری من الاسلام او کافر او یعید من دون اللہ او یعبد الصلیب او نحو ذلک مما یکون اعتقادہ کفر فهو یمین استحساناً کذا فی البدائع حتی لو

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ان فعلت کذا فعلی حجة او صوم سنة او صدقة ما املکھ اجزاه من ذلک کفارة یمین وهو قول محمد و یتخرج عن العہدۃ با لوفاء بما سمی ایضاً اذا کان شرطاً لا یرید کونہ لان فیہ معنی الیمین وهو المنع وهو بظاہرہ فیہ نیت خیر و یمیل الی ای الجہتین شاء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب الایمان)۔

و مثلہ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان، الفصل الثانی۔

فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً اختلف المشايخ فيه - قال  
شمس الأئمة السررسي والمختار للفتاوى انه ان كان عنده انه يكفر متى أتى  
بهذا الشرط ومع هذا أتى يصير كافراً الرضاه بالكفر وكفارته أن يقول لا إله  
إلا الله مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ ط وان كان عنده انه اذا أتى بهذا الشرط لا يصير  
كافراً لا يكفر الخ - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۲ الباب الثاني فيما يكون يميناً  
وَمَا لَا يَكُوْنُ يَمِيْنًا) له

**اگر عمر سے بات کروں تو ماں سے زنا کروں، قسم نہیں** | سوال: نیر نے کہا اگر میں نے عمر سے بات کی تو  
یہ ایسا ہے کہ میں نے اپنی ماں سے زنا کیا اب زید  
عمر سے باتیں کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے تو باتیں کرنے کی صورت میں زید پر کچھ لازم آئے گا یا نہیں؟  
**الجواب:** - صورت مذکورہ میں زید عمر سے باتیں کر سکتا ہے اور اس میں کوئی مواخذہ نہیں  
کیونکہ یہ قسم نہیں، مزید برآں یہ الفاظ موجب ظہار بھی نہیں لعدم التشبه اور نہ موجب ایلاء ہے  
لعدم ارادة زوجة -

لما في الهندية: لو قال ان فعلت كذا فان زان أو سارق أو شارب خمر أو اكل ريفو فليس بحالف  
كذافي الكافي - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۵۵ الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً - الفصل الأول) له  
قال العلامة الحصكفي: (و) القسم بقوله (ان فعل كذا فهو) يهودي أو نصراني أو فاشهد  
على بالنصرانية أو شريك الكفار أو كافر) فيكفر بعنثه لوفى المستقبل ما الماضي لما بخلافه  
فغوس واختلف في كفره (و) الاصح أن الحالف (لم يكفر) سواء عاقبه بماض أو أت ان كان  
عنده (في اعتقاده انه (يمين وان) جاهلاً و) عنده انه يكفر في الحلف (بالغو  
وبمباشرة الشرط في المستقبل) يكفر فيهما الرضاه بالكفر - (الدرا المختار على هامش المختار ج ۳ ص ۵۵ كتاب الايمان)  
وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۲۰ كتاب الايمان (الجنس الاول)

له قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (والان) فعله غضبه الخ أو هو من ان أو سارق  
أو شارب خمر أو اكل ربا لا) يكون قسمًا لعدم التعارف فلو تعورف هل يكون يميناً  
ظاهر كلامهم نعم وظاهر كلام الكمال لا وتما في

(الدرا المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۶۲ كتاب الايمان)

وَمِثْلُهُ فِي كُنْزِ الدَّقَائِقِ ص ۱۵۵ كتاب الايمان -



**بھائی کے ساتھ تعلقات نہ رکھنے کی قسم کھانا** | سوال :- ایک شخص نے قسم

حقیقی بھائی کے ساتھ تعلقات نہیں رکھوں گا، اب وہ والدہ کے ناراض ہونے کی صورت میں بھائی سے تعلقات بحال کرنا چاہتا ہے، اور اگر وہ قسم توڑ دے تو شرعاً اس کیلئے کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے، شیخ بھی قسم توڑ کر کفارہ دیدے ورنہ گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله : ومن خلف علي معصية كعدم الكلام مع ابويه  
 او قتل فلان اليوم وجب الحنث والتكفير - (الدر المختار على هامش رد المحتار  
 ج ۳ ص ۶۲ - مطلب كفارة اليمين ۱ لہ

**محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہ ہونے کی قسم کھانا** | سوال :- ایک شخص نے یوں

کہا کہ اگر میں نے فلاں کیڑے پہن لیے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہیں ہوں گا، بعد میں اُس شخص نے وہ کیڑے پہن لیے، اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** یہ الفاظ یمن میں سے ہیں لہذا حنث کی صورت میں یہ شخص کفارہ ادا کرے گا تاہم حنث ہونے سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصكفي : تعليق الكفر بالشرط يمين وسيجيبي بانه ان اعتقد الكفر  
 به يكفر والا يكفر اى تلزمه الكفارة - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۵۲ - مطلب في القرآن اما الخلق بكلام الله

قال العلامة عبيد الله بن مسعود بن تاج الشريعة : ومن حلف على معصية كعدم الكلام  
 مع ابويه حنث وكفر - (شرح الوقاية ج ۲ ص ۱۳۹ كتاب الايمان)  
 ومثله في مختصر القدوري ص ۲۰۲ كتاب الايمان -

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : وفي قوله هو يهودي ان فصل كذا وحنث  
 لزمته الكفارة وهل اختلف المشائخ فيه قال الشيخ الامام شمس الاثمة ان اعتقد يميننا  
 يكون يميننا واعتقد كفرنا يكون كفرا على ما يأتي في لفاظ الكفر - (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۱۱۱ كتاب الايمان)  
 ومثله في الهنديه ج ۲ ص ۵۱ الباب الاول، الفصل الثاني -

کلمہ توجید پڑھنے سے قسم کے انعقاد کا حکم | سوال :- بعض علاقوں میں یہ رواج

ہے کہ کسی بات کا یقین دلانے اور مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے کلمہ توجید پڑھ کر بات کرتے ہیں، عرف میں اس فعل کو قسم سمجھا جاتا ہے، کیا صرف کلمہ پڑھنے سے قسم منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- واضح رہے کہ قسم کے انعقاد کا حکم نیت اور ارادہ پر ہے جس کے انعقاد میں عرف کا کافی عمل دخل پایا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھنا اگرچہ بذاتِ خود قسم نہیں لیکن جہاں عرف کی موجودگی میں کلمہ پڑھنا قسم کی نیت سے ہو تو اس سے قسم واقع ہو جائے گی۔

لما فی الہندیۃ : ولو قال لا الہ الا اللہ لا فعلن کذا لایکون فلیس بيمين الا ان ینوی یمیناً وکذا لک سبحان اللہ واللہ اکبر لا فعلن کذا فی سراج الوہاج ۔  
 ( الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۵۰ الباب الثانی - الفصل الاول )

آسمانی کتابوں سے بری ہونے کی قسم کھانا | سوال :- زید نے قسم کھائی کہ

اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں چاروں آسمانی کتابوں سے بری ہوں گا، اس کے بعد اس نے وہ کام کر لیا، تو اب اس صورت میں وہ طانت ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- یہ الفاظ قسم کے ہیں اس لیے حنث کی صورت میں اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔

قال العلامة ابواللیث السمرقندی : ولو قال ان فعل کذا فانابری من الکتب الاربعة فان حنث فعليه كفارة واحدة - ( الفتاویٰ النوازل ص ۱۶۳ )

لے قال الشيخ طاہر بن عبد الرشید البخاری : وفي التجريد عن محمد لوقال لا الہ الا اللہ افعل کذا اوسبحان اللہ لیس بيمين الا ان ینوی ۔

( خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۱ کتاب الایمان - الجنس الاول )

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۳ ص ۵۲ کتاب الایمان ۔

لے وفي الہندیۃ : ولو قال ان فعلت کذا فانابری من الکتب الاربعة فهو یمین واحدة

( الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۵۰ الباب الثانی - الفصل الاول )

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الایمان ۔

کسی دینی مصلحت کے لیے قسم توڑنا | سوال :- اگر قسم کھانے کے بعد انسان

کو یہ احساس ہو کہ قسم کھانے وقت میں نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے، تو کیا ایسی حالت میں قسم کا پورا کرنا ضروری ہے یا عانت ہو کر کفارہ دینا مناسب ہے؟

الجواب :- اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے اور بعد ازاں اس کام کی مخالفت میں کوئی دینی مصلحت سامنے آئے تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کی مخالفت کر کے کفارہ ادا کرے۔

عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال ما علی الارض یمین اخلت علیہا فاری غیرہا خیراً منها الا اتیتہ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۱۲۳ باب من حلف علی یمین

غیرہا خیراً۔) لہ

کفارات یمین میں تداخل کا حکم | سوال :- ایک شخص نے متعدد بار قسمیں کھا کر

رہا، اب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو کیا اس شخص کے لیے تمام قسموں کا ایک ہی کفارہ کافی ہوگا یا متعدد کفارہ جات کی ادائیگی ضروری ہوگی؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے مطابق احتیاط اسی میں ہے کہ متعدد کفارات ادا کئے جائیں۔

قال العلامة الحسینی: تتعدد الکفارة لتعدد الیمین۔ (اللمختار علی ما مشرد المختار ج ۳ ص ۵۲

ہاں اگر پہلے کفارہ ادا نہیں کیا تو امام محمدؒ کے نزدیک ایک کفارہ بھی کافی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وفي البغیة کفارات الایمان اذا كثرت تداخلت ویخرج بالکفارة الواحدة عن عہدة الجميع۔ وقال شہاب الائمة

لہ قال الامام الحافظ المجتہد ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی: وقد بلغنا عن النبی انه قال من خلت علی یمین فرأی غیرہا خیراً منها فلیأت الذی هو خیر ویکفر عن یمینہ۔ (کتاب الاصل المعروف بالمیسوط ج ۳ ص ۱۹ کتاب الایمان)

ومثله فی الہدایة ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب الایمان۔



هذا قول محمد قال صاحب الاصل هو المختار عندى اہم مقدسى. ومثله فى  
القہستانی عن المنیة - رد المحتار ج ۳ ص ۵۲ کتاب الايمان م لہ  
کفارہ قسم ادا کرنے کا طریقہ | سوال :- اگر کوئی شخص قسم توڑ دے تو اس پر کتنا کفارہ  
لازم ہوگا؟

الجواب :- قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا  
کھلانا یا دس مسکینوں کو پوشاک دینا جو بدن کے اکثر حصہ کو ڈھانپ لے، البتہ اگر کوئی  
مالی کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو پھر تین روزے رکھنے سے وہ اپنی ذمہ داری سے  
فارغ ہو سکے گا۔

قال الله تبارك وتعالى: فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا  
تَطْمَعُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ قَمِينَ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ  
ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيِّمَانِكُمْ - (سورة المائدة آیت ۷۰) م لہ  
کھانا کھلانے میں تسلسل کا حکم | سوال :- جس طرح روزہ کے کفارہ میں مسکین کو کھانا  
کھلانے میں تسلسل کا ضروری ہے اسی طرح قسم کے کفارہ  
میں بھی تسلسل کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ کبھی ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلایا اور  
پھر ناغہ کر دیا پھر کبھی ایک دو مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلایا، اسی طرح مختلف اوقات میں

لہ وفى الہندیة: اذا حلف الرجل على امر لا يفعله ابداً ثم حلف في ذلك المجلس او مجلس  
اخر لا يفعله ابداً ثم فعله كانت عليه كفارة يمينين وهذا اذا نوى يميناً اخراً او تولى التغليظ  
اولم يكن له نية واذا نوى بالكلام الثاني اليمين الاولى عليه كفارة واحدة۔

(الفتاوى الہندیة ج ۲ ص ۵۲ کتاب الايمان)

وَمِثْلُهُ فى کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۳ ص ۲۳۸، ۲۳۹ کتاب الايمان۔

لہ قال ابوالبركات النسفی: وكفارته تحريير رقية او اطعام عشرة مساكين كهما فى  
الظهار او كسوتهم بما يستر عامة البدن فان عجز عن احدهما صام ثلاثة ايام متشابهة  
رکنز الدقائق ص ۱۶۵، ۱۶۶ کتاب الايمان)

وَمِثْلُهُ فى الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳ کتاب الايمان۔

حساب پورا کر دینے سے کفارہ ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** قسم کے کفارہ میں اگر دس دن مسلسل کھانا نہیں کھلایا جاسکا بلکہ بیچ میں کچھ  
 نامغے ہو گئے تو کچھ حرج نہیں صرف شمار اور تعداد پوری کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة قاضیخان: وفي كفارة يمين يعتبر العدد - (فتاویٰ قاضیخان ج ۲ ص ۲۸۶) لہ  
**کفارہ کے روزوں میں تسلسل ضروری ہے** | سوال: عانت ہونے کی صورت میں  
 کفارہ کے روزے رکھنے میں تسلسل قائم  
 رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قسم کے کفارہ میں رکھے جانے والے روزوں میں تسلسل ضروری ہے اگر  
 کسی وجہ سے درمیان میں تاغہ ہو جائے تو از سر نو روزے رکھنے ہوں گے۔

قال العلامة السمرغینانی: فان لم يقدر على احد الاشياء الثلاثة صيام ثلاثة  
 ايام متتابعات - وقال الشافعي: بخير لا تطلق النص ولنا قرأة ابن مسعود رضي الله عنهما  
 فصيام ثلاثة ايام متتابعات وهي كالخبر المشهور - (الہدیہ ج ۲ فصل فی کفارة اليمين) لہ

**کفارہ یمین ایک شخص کو دینے کا حکم** | سوال: کفارہ یمین (قسم) کی ادائیگی میں اگر دس  
 مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت پیش ہو تو کیا  
 یہ تمام فدیہ کسی ایک مسکین کو بطور ملکیت دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا دس مسکینوں کو ہی  
 دینا ضروری ہے؟

**الجواب:** کفارہ یمین کا فدیہ کسی ایک مسکین کو ایک ہی دن میں یکمشت دینا اگرچہ بعض

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ولو عشاهم في رمضان عشرين ليلة  
 اجزاء الخ - (رد المحتار ج ۳ ص ۵۳ کتاب الایمان)

وَمِثْلُهُ فِي خِلاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۲۵ جنس اخذ فی کفارة اليمين -  
 لہ قال الشيخ طاهرون عبد الرشيد البخاري: وفيه انصاف كفارة المعسر صيام ثلثة  
 ايام متتابعات ولو حاضت المرأة في الثلث استقبلت بخلاف كفارة صيام رمضان -  
 (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الایمان، کفارہ اليمين)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۶۱ کتاب الایمان، الفصل الثاني -

اقوال کی رو سے فراغتِ ذمہ کے لیے کافی ہے لیکن صحیح رائے کے مطابق ایسا کرنا درست نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس میں تعدد کی رعایت ہو اور فدیہ دس مسکینوں کو علیہ علیہ دیا جائے۔

وفي الهندیة: ولواعطى مسكيناً واحداً عشرة اُتواب في مرة واحدة لم يجزه  
كفا في الطعام وان اعطاه في كل يوم ثوباً حتى استكمل عشرة اُتواب في عشرة ايام اجزاه  
كفا في الطعام - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۶۲ کتاب الایمان، الفصل الثانی ۱۰)

ناذر کا نذر سے کچھ کھاتے کا حکم | سوال :- اگر نذر ماننے والا شخص بہت زیادہ غریب ہو تو وہ اپنی نذر میں سے کچھ کھا سکتا

ہے یا نہیں؟

الجواب :- نذر شدہ چیز واجب التصدق ہوتی ہے اس کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہیں اس لیے نذر سے نہ تو اغنیاء کو کچھ کھلایا جا سکتا ہے اور نہ ناذر خود کھا سکتا ہے اگرچہ نذر ماننے والا فقیر ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ نذر غریب سے متاثر نہیں ہوتی۔  
قال العلامة المحصنی: ولو ترك التضحية ومضت اياها تصدق بها حية ناذر عمل تصدق  
(لعينة) ولو فقيراً ولو ذبحها تصدق بلحمها ولو نقصها تصدق بقيمتها النقصان ايضاً  
ولايأكل الناذر منها فان اكل تصدق بقيمتها ما اكل - (رد المحتار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳، ۲۰۴ کتاب الاضحية) ۲

۱۰ قال العلامة ابن عابدین: ای تحقیقاً او تقدیراً حق لواءعطى مسكيناً واحداً في عشرة ايام كل يوم نصف صاع يجوز ولواعطاة في يوم واحد بدفعات في عشر ساعات قيل يجوز قيل لا هو الصحيح - (رد المحتار ج ۳ ص ۶ کتاب الایمان، مطلب كفارة اليمين)  
ومثله في فتاوى قاضیخان ج ۲ ص ۲۸ کتاب الایمان -

۱۱ قال الشيخ طاهر بن عبد الرشيد البخاري: لا يأكل الناذر منها ولو اكل منها فعليه قيمتها  
(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲ کتاب الاضحية، الفصل الرابع فيما يجوز من الاضحية وفيما لا يجوز)  
ومثله في بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۶۸ کتاب التضحية -  
فصل واما كيفية الوجوب فانواع -



**نذر مانی ہوئی چیز کی قیمت ادا کرنے کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے یوں نذر

گاٹے یا بھینس ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کروں گا، کام ہو جانے پر اب نذر ماننے والا گاٹے یا بھینس کا گوشت فقراء میں تقسیم کرنے کی بجائے اس کی قیمت دینا چاہتا ہے تو کیا ایسا کرنے سے نذر ادا ہو جائے گی یا عین منذور چیز ہی دینا ضروری ہے؟  
**الجواب :-** صدقات و اجبہ کی ادائیگی میں بنیادی فلسفہ فقر ادا اور غرباء کی ضروریات کی تکمیل اور انکی حاجت برآری ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا سے کیا ہے، اس لیے نذر کو اختیار ہے کہ عین منذور ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

قال العلامة الحصكفي: نذر ان يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيرة  
 جاز ان ساوى العشرة كتصدق به يثمنه - (الدر المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۳۱)  
 مطلب في احكام النذر - النذر غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير بل  
**نذر کی پیشگی ادائیگی کرنا** | سوال :- ایک شخص نے کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو  
 میں فلاں چیز اللہ کے نام پر دوں گا، اب اگر وہ کام  
 ہو جانے سے پہلے ہی نذر دے دے تو کیا اس سے نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یا کام  
 ہو جانے کے بعد نذر پوری کرنا ضروری ہے؟

**الجواب :-** نذر کا وجوب جب کسی کام کے ساتھ مشروط ہو جائے تو شرط کی  
 موجودگی سے پہلے مشروط واجب نہیں ہوتا اور نہ اس کی ادائیگی درست ہے اس لیے کام  
 ہونے سے پہلے نذر دینے سے فارغ الذمہ نہیں ہو سکتا بلکہ کام ہو جانے کے بعد دوبارہ  
 نذر پوری کرنا ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: بخلاف النذر المعلق فانه لا يجوز  
 له وفي الهندية: ويجوز دفع القيمة في الزكوة عند تا وكذا في الكفارات وصدقة  
 الفطر والعشر والنذر كذا في الهداية - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۱ ابواب الثالث  
 في زكوة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني في العروض )  
 ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۲۲۳ كتاب الزكوة - الفصل الثامن في اداء الزكوة -

تعمیله قبل وجود الشرط۔ (الرد المحتار ج ۳ ص ۳۰۳ مطب في احكام النذر، النذر،  
غير المعلق لا يختص بزمان ومكان ودرهم ۱۰۰)

**نذر کے روزوں میں تسلسل کا حکم** | سوال :- اگر کوئی شخص چند روزے رکھنے  
کی نذر مانے تو کیا ان میں تسلسل ضروری ہے؟

یا جب چاہے مختلف اوقات میں رکھ کر پورے کر سکتا ہے؟  
**الجواب :-** اگر پے درپے روزوں کی نیت نہیں کی ہو تو نذر کے روزے رکھنے  
میں تسلسل ضروری نہیں ورنہ تسلسل کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

وفي الهندیة : ولو قال لله على ان اصوم شهراً متتابعاً لزمه المتتابع وان  
اطلق ليخير۔ (الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۲۱ کتاب الصوم الباب السادس في النذر، ص ۲۰)

**نذر کی ہوئی گائے کے منافع کا حکم** | سوال :- ایک گائے جو کہ اللہ کیلئے نذر  
کی گئی ہو اگر اس گائے کے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا

کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ نذر کا ہوگا یا اس کو بھی صدقہ کیا جائے گا؟  
**الجواب :-** جب کسی جانور کو نذر کیا جائے تو یہ حکم اس کے جملہ اجزاء کو شامل

۱ قال العلامة علاؤ الدین الكاساني: وان كان معلقاً بشرط نحو ان يقول ان شفى الله مريضاً او ان  
قدم فلان العنائب فله على ان اصوم شهراً او اوصلي ركعتين او تصدق بدراهم ونحو ذلك  
فوقته وقت الشرط فما لم يوجد الشرط لا يجيب بالاجماع ولو فعل ذلك قبل  
وجود الشرط يكون نقلاً لان المعلق بالشرط عدم قبل وجود الشرط۔

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۹۳ کتاب النذر۔ فصل واما حکم النذر، الخ

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۲۹۱ کتاب الايمان۔

۲ قال العلامة فخر الدين حسن بن منصور بن محمود المعروف بقاضيخان، لو قال لله على  
صوم مثل شهر رمضان قال ان ارا ومثله في الوجوب فله ان يفرق وان ارا  
وفي المتتابع فعليه ان يتتابع وان لم يكن له نية فله ان لصوم متفرقاً۔

(الفتاوى قاضيخان ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۲۰۹ کتاب الصوم۔ الباب السادس في النذر۔



ہوتا ہے بچہ بھی اس کا ایک جزو ہے، اس لیے گائے کی طرح بچہ بھی واجب التصدق ہوگا۔

قال العلامة الحسینی: و ت الاضحیة ولد قبل الذبح یدبح الولد معها و عند بعضهم یتصدق به بلا ذبح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۵ کتاب التضحیة ہام

نذر کا دار و مدار الفاظ پر ہے | سوال: ایک شخص نے کہا کہ اگر مجھے فلاں چیز مل گئی تو اتنی رقم خیرات کروں گا جبکہ دل

میں ارادہ یہ تھا کہ اگر وہ چیز صحیح ہو لیکن زبان پر یہ تعین نہیں ہوا، اب متعلقہ چیز ملنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو خراب ہے، تو کیا اس شخص پر اتنی ہی رقم خیرات کرنا واجب ہے یا مطلوب چیز میں نقص کی وجہ سے خیرات کی رقم میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟

الجواب: نذر کی تکمیل کا تمام مدار و مدار الفاظ پر ہوتا ہے، نیت کا زیادہ دخل نہیں رہتا اس لیے جب الفاظ مطلق ہوں تو اس چیز کے ملنے پر مقررہ رقم خیرات کرنا واجب ہے اگر وہ چیز درست حالت میں نہ ہوں۔

قال العلامة التمرتاشی: و من نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشرط وکان من جنسه (واجب) فرض وهو عبادة مقصودة وجد الشرط المعلق به لزم النذر (کصوم و صلوة و صدقة۔ (تنویر البصار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۶۶، ۶۷ کتاب الایمان) ۲

۱۔ قال الامام فخرالدين حسن بن منصور المعروف بقاضي خان: ولو ولدت ولداً يكون ولداً لها للاضحیة۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیة جلد ۳ ص ۳۲ کتاب الاضحیة۔ فصل فی صفة الاضحیة و وقت وجوبها و من تعیب علیہ)۔

و مثله فی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۹۷، ۹۸ کتاب التضحیة فصل و اما بیان ما یتعجب قبل التضحیة۔

۲۔ قال العلامة برهان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی: وان علق النذراً بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنقص النذر۔

(الہدایة ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الایمان۔ فصل فی الکفارة)

و مثله فی شرح الوقایة ج ۲ ص ۲۲ کتاب الایمان۔



متذوہ روزوں میں عدم تسلسل کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! مجھے کینسر کا مرض لاحق تھا، بیماری کے دنوں میں میں نے یہ نذرمانی کہ

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی تو میں دو ماہ روزے رکھوں گا۔ اب الحمد للہ میں صحتیاب ہوں اور روزے رکھنے کے قابل ہوں تو کیا میں دو ماہ مسلسل روزے رکھوں یا غیر مسلسل بھی رکھ سکتا ہوں۔ یہ یاد رہے کہ بیماری کی وجہ سے جسم میں کمزوری بھی بہت ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جو اب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے جواب میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر تو آپ نے نذرمانی وقت تتابع یعنی دو ماہ مسلسل روزے رکھنے کی نیت کی ہو تو پھر دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے اور اگر یہ نیت نہ کی ہو تو شرعاً آپ کو اجازت ہے کہ غیر مسلسل روزے رکھیں یا مسلسل، غیر مسلسل کی صورت میں ساٹھ روزے پورے کرنے ہوں گے۔ باقی اگر کمزوری بہت زیادہ ہے تو مکمل صحتیابی تک انتظار بھی کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : وکذا الحکم لو نکر السنۃ او شرط التتابع فی فطرہا لکنہ یقضیہا ہتا متتابعۃ ویعید لو اقطر یوماً بخلاف المعینۃ ولو لم یشرط التتابع یقضی خمسۃ و ثلاثین۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۲ ص ۳۳۲ کتاب الصوم، مطلب فی الکلام علی التذرم)

سوال :- جناب مفتی صاحب! میرے بچے کی نابالغ بچے کی نذر کی شرعی حیثیت | عمر دس سال ہے اور وہ پانچویں جماعت کا طالب علم ہے جب اس کا سالانہ امتحان قریب آیا تو اس نے اپنی والدہ سے کہا کہ اگر میں امتحان میں

لہ لما قال العلامة مولانا اشرف علی التھانویؒ : فی الدر المختار قبل بالاعتکاف : وکذا الحکم لو نکر السنۃ او شرط التتابع الی قولہ ولو لم یشرط التتابع یقضی خمسۃ و ثلاثین اھ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر تتابع کی شرط نہیں تو تتابع واجب نہیں البتہ ایام منہیہ کے عوض روزے رکھنے پڑیں گے تاکہ ایک ماہ کی تکمیل ہو جاوے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۷ کتاب النذر)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۱ ص ۲۶ الفصل الرابع فی النذر۔

کامیاب ہو گیا تو چار روزے اور ستوروپے اللہ کے نام نذر دوں گا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ امتحان میں پاس ہونے کے بعد اس بچے کے لیے چار روزے اور ستوروپے اللہ کے نام نذر دینا لازم ہے یا نہیں؟

**الجواب ۱-** نابالغ بچہ چونکہ غیر مکلف ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کی مانی ہوئی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر آپ کا بچہ پانچویں جماعت کے امتحان میں کامیاب بھی ہو جائے تو بھی اس کے ذمے چار روزے رکھنا اور ستوروپے کی نذر دینا واجب نہیں۔

لما قال الشيخ اشرف على التهانوى: سؤال (۶۷۶) طفل نابالغ جو عقل رکھتا ہے اس نے نذر معین یا غیر معین مانی، بعد حصول مقصود اس پر ادا کرنا اس نذر کا واجب ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** واجب نہ ہوگا، اگر وہ نذر مالی ہے تو ادا کرنا جائز بھی نہ ہوگا۔

رامداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۷ کتاب النذر

**منذور چیز نہ ملنے پر اس کے قائم مقام حکم** | سوال: ایک شخص نے اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی لیکن اس کے علاقے

میں اونٹ ملنا مشکل ہے اور اگر ملتا بھی ہے تو اتنا مہنگا کہ اس کی قوت خرید سے باہر ہے، اب اس شخص کے لیے اونٹ ہی ذبح کرنا ضروری ہے یا کوئی اور جانور اس کے بدلہ میں ذبح کر سکتا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جو اب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

**الجواب:** اگر یہ شخص واقعی کسی ایسے علاقے میں رہتا ہے جہاں اونٹ ملنا مشکل ہے تو اب اس کو اختیار ہے کہ یا تو سات بکریاں ذبح کر کے اپنی نذر پوری کرے یا پھر درمیانی قسم کے اونٹ کی قیمت صدقہ کر دے، اس سے اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔

لما قال العلامة الحصکفی: ولو قال لله علی ان اذبح جذوراً و تصدق للمعصه فذبح مکانہ سبع شاة جائز۔ راد المحدثار بحوالہ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۲ کتاب النذر

لما قال العلامة اشرف على التهانوى: اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔ راد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۲ کتاب النذر

**نذر مطلق واجب علی التراخی ہے** | سوال: ایک شخص نے نذر ماتی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تین روزے رکھوں گا، لیکن

ان کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔ اب الحمد للہ اس شخص کا کام ہو گیا ہے، جبکہ موسم بہت گرم ہے جس کی وجہ سے اس کے لیے روزے رکھنا بہت مشکل ہے۔ تو کیا یہ شخص سردی کے موسم میں یہ روزے رکھ سکتا ہے یا کام ہو جانے کے فوراً بعد گرم موسم میں ہی رکھنے ضروری ہیں؟

**الجواب:**۔ نذر مطلق جس کے لیے کوئی وقت مقرر نہ ہو اس کی ادائیگی علی التراخی واجب ہوتی ہے۔ اس لیے صورت مسئلہ کے مطابق اس شخص کے لیے نذر روزوں کا رکھنا مخص ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کام ہو جانے کے فوراً بعد نذر کے روزے ادا کیے جائیں۔

لما فی الہندیۃ: لو قال للہ علی ان اصوم یوماً فانه یلزمہ صوم یوم و تعیین الاداء الیہ وهو علی التراخی بالاجماع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۲۰۹)

الباب السادس فی التذکر

**درود شریف پڑھنے کی نذر ماننے کا حکم** | سوال: میں نے ایک کارخانے میں نوکری کے لیے درخواست دی تھی، اس کی منظوری کے

لیے میں نے نذر ماتی کہ نوکری ملنے کے بعد چالیس دن تک روزانہ ستوا بار درود شریف پڑھوں گا، اب جبکہ میری درخواست منظور ہو گئی ہے اور اسی جگہ مجھے نوکری مل گئی ہے تو کیا مجھ پر چالیس دن تک روزانہ درود شریف پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ نذر کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل کسی مقام پر فرض یا واجب ہو، درود شریف پڑھنا بھی بعض مواقع میں واجب ہے، اس لیے درود شریف پڑھنے کی نذر ماننا صحیح ہے، اگرچہ بعض علماء کرام کا اس میں کلام ہے مگر صحیح اور راجح قول صحت کا ہے۔ لہذا اب آپ پر چالیس دن تک روزانہ ستوا بار درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: ولونذرت ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا الزمة وقیل لا۔ قال ابن عابدین: تحتہ قوله لزمہ لان من جنسہ فرضاً..... منہ یعلم انه کلا یشرط کون الفرض قطعياً وقوله قیل لا لعل وجهہ اشتراط کون الفرض قطعياً..... قلت والاحوط الاول۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۱ بحوالہ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۹۲ کتاب التذکر)



”میں اپنے باپ سے نہیں ہوں گا“ کہنے کی شرعی حیثیت | سوال: پختون معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بات پر کسی کو نچتہ یقین دلانا چاہتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ اگر میں نے یہ کام اس طرح نہ کیا تو میں اپنے باپ کے نطفہ سے نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس قسم کے الفاظ سے یمین قسم منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اپنی اس قسم کو پورا نہ کر سکے تو کیا اس کے ذمہ کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قسم کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اٹھائی جائے بدون اس کے یمین منعقد نہیں ہوگی۔ صورتِ مسئلہ کے الفاظ سے قسم منعقد نہیں ہوتی اور نہ مخالفت کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ: (سوال) اگر یہ کہہ دے کہ اگر میں آپ کے گھر جاؤں تو اپنے باپ سے نہیں بلکہ کسی خاکروب سے ہوں پھر اگر چلا جاؤں تو کفارہ لازم ہے یا نہ؟

(الجواب) اس میں کچھ کفارہ نہیں جانا درست ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ج ۱ کتاب الایمان) ۵۴۲  
سوال: ایک شخص نے بھرے مجمع میں کہا میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ چوری نہیں کروں گا، کچھ عرصہ تو وہ اس توبہ پر قائم رہا لیکن پھر اس سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا، اب اس شخص پر شرعاً کیا حکم لاگو ہوگا؟ یعنی توبہ کے مذکورہ الفاظ قسم شمار ہو کر اس شخص پر کفارہ قسم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس قسم کے الفاظ اگرچہ کسی بات کی توثیق کے لیے مفید ہوتے ہیں مگر یہ یمین کے لیے مثبت نہیں اس لیے اس شخص پر کوئی کفارہ نہیں، البتہ چوری جیسے قبیح فعل کے دوبارہ ارتکاب پر مال اصل مالک کو واپس کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو انشاء اللہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: (سوال) اگر کسی نے یہ کہا کہ میں فلاں گناہ سے توبہ کرتا ہوں اب کبھی نہ کروں گا، تو یہ قسم ہوگی یا نہیں؟  
(الجواب) یہ قسم نہیں ہے۔

رامداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۲۹ کتاب الایمان

**کفارہ یمن میں پس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلانا** | سوال :- اگر کوئی شخص

کفارہ یمن میں پس مساکین کو ایک ہی وقت کھانا کھلا دے تو کیا اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟  
الجواب :- کفارہ یمن میں دس مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ضروری ہے، اگر کوئی شخص ایک وقت میں بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس سے دو وقتوں کی تلافی نہیں ہوگی بلکہ یہ ایک وقت کا کھانا متصور ہوگا اس کے ذمے دوسرے وقت کا کھانا کھلانا لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: واذا غدى مسكيناً وعشى غيره عشرة ايام لم يجزه لانه فرق طعام العشرة على عشرين كما اذا فرق حصته المسكين على مسكينين -  
رد المحتار ج ۳ ص ۲۶ کتاب الیمن۔ مطلب کفارۃ الیمن ۱۷

**غیر اللہ پر قسم کھانے کا حکم** | سوال :- بعض علاقوں کے لوگ جب کسی بات کی توثیق کرتے ہیں تو دوسرے سے کہتے ہیں کہ تیرے سر کی قسم میں یہ کام کروں گا۔

تو کیا اس سے شرعاً قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :- قسم اٹھانے کی صورت میں دو مقصد پیش نظر ہوتے ہیں (۱) مقسم بہ کی تعظیم (۲) بات کی نچنگی۔ اگر صورتِ مسئلہ میں اس قسم کی یمن سے بات کی نچنگی مراد ہو اور مقسم بہ کی تعظیم کا کوئی ثابہ نہ ہو تو یہ شرعی قسم نہیں صرف بات کو نچتہ کرنے کی وجہ سے اس کو یمن کہا گیا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے اس کو جائز کہا ہے اور اگر مقسم بہ کی تعظیم مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں مشارکت کی بناء پر جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی: وهل يكره الحلف بغير الله تعالى قبل نعم للنهي وعامتهم لا وبه افتوا لا ييمان في زماننا وحملوا النهي على الحلف بغير الله لا على وجه الوثيقة كقولهم بابيك ولعمرك ونحو ذلك - (الدر المختار على صدره المختار ج ۳ ص ۲۵) کتاب الیمن۔ مطلب حکم الحلف بغيره تعالى

۱۷ ولما قال العلامة ابوبکر بن علی الحداد الیمنی: وان غدا عشرة وعشا عشرة غیرهم لم یجزیه وکذا اذا غدا مسکیناً وعشا غیره عشرة ايام لم یجزیه لانه فرق طعام العشرة على عشرين يحصل لكل واحد منهم المقدار المقدار كما اذا فرق حصته المسكين على مسكينين۔

(الجوهرة النيرة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب الایمان)

وَمَا أَهْلَ بِهِ لِعِیْرِ اللَّهِ سے کیا مراد ہے؟ | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

سبب میں کہ ایک آدمی جنگل میں سفر کر رہا ہے اور اس کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کی موت واقع ہونے کا بھی خدشہ ہے، جبکہ اس کے پاس کھانے کی صرف دو چیزیں موجود ہیں، ایک نذر غیر اللہ کی اور دوسرے خنزیر کا گوشت۔ اس صورت حال میں ان دونوں چیزوں میں سے کون سی کھانا اس کے لیے مخصص ہے کہ اس سے اس کی جان بچ جائے؟ جبکہ قرآن کریم کی اس آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِزْيِرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لِعِیْرِ اللَّهِ فَهِنِ اضْطَرَّ غَيْرِ بَیْعٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْرَ عَلَيْهِ اِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۰ میں مراد خون، خنزیر کا گوشت اور نذر غیر اللہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہذا آیت کریمہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ مَا أَهْلَ بِهِ لِعِیْرِ اللَّهِ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، دوسری یہ کہ اس سے غیر اللہ کے نام کی نذر مراد ہے، یعنی کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جو غیر اللہ کے لیے نامزد کی گئی ہوں اور اس سے غرض یہ ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے۔ مَا أَهْلَ بِهِ لِعِیْرِ اللَّهِ کی پہلی قسم اور خنزیر حرمت میں دونوں برابر ہیں، مضطر کو اختیار ہے کہ حالت اضطرار میں ان دونوں میں سے جو چاہے بقدر ضرورت اتنا کھالے کہ مرنے سے بچ جائے۔ اور دوسری قسم جو کہ نذر غیر اللہ ہے وہ اگرچہ حرام ہے مگر حرمت میں خنزیر سے کمتر ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خنزیر کی حرمت لعینہ ہے اور غیر اللہ کے نام کی نذر کی حرمت لغیرہ ہے، اور حرمت لغیرہ بہ نسبت حرمت لعینہ کے کمتر درجے کی حرمت ہے۔ اس لیے مضطر پر لازم ہے کہ خنزیر کو چھوڑ کر نذر غیر اللہ سے بقدر ضرورت اتنا کھالے کہ مرنے سے بچ جائے۔ فقط واللہ اعلم



ایصالِ ثواب کے لیے مانی گئی نذر کی شرعی حیثیت | سوال :- ایک شخص نے یہ نذر

ایصالِ ثواب کے لیے ہر روز چار رکعت نفل نماز پڑھوں گا اور ہر ماہ ایک بکرا اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ کئی ماہ تک تو اس شخص نے اس پر عمل کیا مگر کچھ حادثات کی وجہ سے اب وہ مالی مشکلات سے دوچار ہے اور نفل نماز تو پڑھ لیتا ہے مگر ہر ماہ بکرا ذبح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اس شخص کے لیے شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ شخص ہر ماہ بکرا ذبح نہ کرے تو کیا وہ عند اللہ مجرم ہو گا یا نہیں؟

**الجواب :-** نذر کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ اس کی جنس سے کوئی واجب یا فرض عمل موجود ہو۔ چونکہ ایصالِ ثواب ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی جنس میں کوئی واجب عمل موجود نہیں ایسے صورتِ مسئلہ میں بھی ایصالِ ثواب کے لیے مانی گئی نذر منعقد نہیں ہوتی ہے اور اب یہ شخص چونکہ نادار اور غریب ہے اور ہر ماہ بکرا ذبح نہیں کر سکتا تو اس عمل کے ترک کرنے سے وہ عند اللہ مجرم نہ ہو گا۔

لما قال العلامة نطفراً أحد العثماني: (الجواب) ایصالِ ثواب کی نذر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ما لیس من جنسہ واجب لا ینعقد التذمہ اور کو تصدق کی جنس سے واجب ہے، مگر یہاں اصل مقصود ایصالِ ثواب بروحِ میت ہے تصدق کی نذر تبعاً ہے اور نذر صحیح میں بھی صحت نذر کی تعیین مکان و زمان و تعیین فقیر نہیں بلکہ اس میں تغیر کا اعتبار رہتا ہے۔ (رامداد الاحکام ج ۳ ص ۳۰ کتاب الایمان والنذر) لہ

لہ قال العلامة ابن العربی: حقیقة النذر التزام الفعل بالنقو مما یكون طاعة الله عز وجل ومن الاعمال قربة ولا یلزم نذرها المباح، بدلیل ما روی فی الصحیح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأى ابا اسرائیل قائماً فسأل عنه فقال لو انذر ان یقوم ولا یقع ولا یتنظّل ولا یصوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مروءة فلیصم ویقع ولا یتنظّل فاخبره باتمام العبادۃ ونهاه عن فعل المباح۔

راحکام القرآت ج ۱ ص ۳۵۲ سورۃ آل عمران

وَمِثْلُهُ فِي احکام القرآن للشیخ نطفراً أحد العثماني رحمه الله ج ۲ ص ۱۸ سورۃ آل عمران۔



১৮



## کتاب الوقف (وقف کے مسائل و احکام)

مسجد کے لیے وقف مکان میں دعویٰ ارث نہیں چلتا | سوال :- مسجد کیلئے وقف مکان میں امام مسجد

رہائش پذیر تھے ان کی وفات کے بعد ورثاء ارث کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ ورثاء مسجد کی امامت و خطابت جیسی ذمہ داریوں سے وابستہ نہیں ہیں، تو کیا ایسی حالت میں ورثاء اس مکان میں ارث کا دعویٰ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- مسجد کی موقوفہ جائیداد پر کسی کو ارث کے دعویٰ کا حق حاصل نہیں، مذکورہ مکان اگر مسجد کے لیے باقاعدہ وقف ہو تو امام کی موت کے بعد اس کے ورثاء کا اس میں کسی قسم کا کوئی حق نہیں، صرف مسجد کے منافع کے لیے اس کا استعمال ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفی: وعندنا هو حسبها علی ملک اللہ تعالیٰ و صرف منفعتها علی من احب و لو غنیا فیلزم فلا يجوز ابطاله ولا یورث عنه و علیہ و الفتاویٰ۔

رالدر المختار علی هامش ردالمحتار ج ۳ ص ۳۹۴ کتاب الوقف حصہ

سوال :- ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین مسجد موقوفہ زمین کو فروخت کرنے کا حکم | یا قبرستان کے لیے باقاعدہ طور پر وقف کی،

اب واقف موقوفہ زمین کو فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کیا موقوفہ زمین کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- وقف تام ہونے کے بعد واقف کو موقوفہ جائیداد میں کسی قسم کے

لہ وقال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم یکن لہ ان یرجع فیہ ولا یربعہ ولا یورث عنہ لانه یحضر عن حق العباد و صار خالصاً للہ تعالیٰ۔

الهدایۃ ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقف، فصل فی المسجد۔

ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب الوقف، البایب الثانی عشر فی الریاطات والمقابو۔

رد و بدل کا اختیار حاصل نہیں اور نہ اس کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: واذا اصم الوقت لم يجز بيعه ولا تمليكہ۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف) لہ

**سوال:** ایک آدمی نے اپنا باغ وقف کرتے وقت زمین یا آبد کا تعین نہیں کیا اسکی وفات کے بعد جب باغ

کے درخت فائدہ کے قابل نہ رہے تو ورثانے زمین کا دعویٰ کر دیا، ان کا موقف یہ ہے کہ ہم سے مورث نے باغ کے درخت اور اس کی آمدنی وقف کی تھی زمین نہیں، چونکہ اب نہ تو باغ کے درخت رہے ہیں اور نہ اس کی آمدنی، اس لیے یہ زمین ہم آپس میں تقسیم کرتے ہیں، تو اس معاملہ میں ان کو کہاں تک حق بجانب سمجھنا چاہیے؟

**الجواب:** شرعاً باغ کی زمین کی طرح اس کے درخت اور میوہ کا وقف کرنا بھی جائز ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں واقف کے الفاظ اور عرف کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کرنا زیادہ مناسب ہے، اگر علاقہ میں وقف صرف درخت اور میوہ کیا جاتا ہو تو پھر اس کا اعتبار ہوگا ورنہ زمین بھی وقف متصور ہوگی۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: لان هذا صدقة بالمنفعة او بالغلة وذلك قد يكون مؤبداً فمطلقه لا ينصرف الى التابيد فلا بد من التنصيص۔ (الهدایة ج ۲ ص ۶۳۹ کتاب الوقف) لہ

**سوال:** ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین مسجد کے لیے وقف سے رجوع کرنے کا حکم وقف کی اور وقف تمام بھی ہو گیا، اب وہ اس

قال العلامة التمراشی: فاذا تم ولزم (ای الوقف) لا يملك ولا يعار ولا يرهن ای يملك لتمليك لغيره بالبيع۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲۱ فصل حكم الواقف الجائز۔

لہ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: واذا وقف مالا لاجل المساجد فانه جائز لجر يان العرف به۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۱۵ کتاب الوقف۔ الفصل الثالث)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۵ ص ۲۰۰ کتاب الوقف۔

وقت سے رجوع کرنا چاہتا ہے، تو کیا واقف اپنے وقت سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** جو کوئی اپنی مملوکہ زمین ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف کرے اور وقت بھی  
 تمام ہو جائے تو اس کے بعد واقف اپنے وقت سے رجوع کرنے کا شرعاً مجاز نہیں۔  
 لما قال العلامة فخرالدين الرازي الشهير بقاضي خان: وعن محمد بن وهب عن ابي حنيفة  
 اذا جعل ارضه وقفاً على المسجد جائز ولا يكون له ان يرجع -

(فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۹۱ باب الرجل يجعل داره مسجداً الخ)

**موقوفہ زمین میں امام مسجد کے لیے مکان بنانے کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے  
 مصالح کے لیے کچھ زمین وقف کی ہے

اب مسجد کی انتظامیہ امام مسجد کے لیے اس موقوفہ زمین میں رہائشی مکان تعمیر کرنا چاہتی ہے، تو کیا  
 انتظامیہ کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - جو زمین مسجد کے مصالح کے لیے وقف ہو اس میں انتظامیہ کو امام مسجد کے  
 لیے مکان تعمیر کرنا شرعاً درست ہے، کیونکہ امام مسجد کی ضرورت بھی مسجد کے مصالح میں شامل ہے

لما قال العلامة ابن نجيم: وبما ذكرناه علم انه لو بني بيتا على سطح المسجد لسكنى الامام  
 فانه لا يضر في كونه مسجداً لانه من المصالح - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف، فصل احكام المسجد)

**عید گاہ میں کھیلنا جائز نہیں** | سوال :- عید گاہ میں کھیلنا اور ورزش کرنا از روئے  
 شریعت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - اگرچہ عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں، اسی لیے بعض فقہاء اس میں

لہ وقال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا صح الوقف لم تجز بيعه ولا  
 تمليكه - (الهداية ج ۲ ص ۲۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲۱ فصل الذي يرجع الى الموقوف -

لہ وقال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: ويبدا من غلته بعبارتہ ثم ما  
 هو اقرب لعبارتہ كما ما مسجد و مدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم -

دالما المختار علی صدر المختار ج ۳ ص ۳۶۶ مطلب يبداء من غلة الوقف بعبارتہ)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۱۱ کتاب الوقف -



ادب و احترام کے اس درجہ کے قائل نہیں جو مساجد کے لیے ہوتا ہے تاہم ہمارے معاشرہ میں عید گاہ کو مسجد کی طرح سمجھا جاتا ہے اس لیے اس کا احترام زیادہ مناسب ہے اور اس میں ہر قسم کے کھیل کود سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: اما مصلى العيد لا يكون مسجداً مطلقاً وانما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالامام وان كان منفصلاً عن الصفوف وفيما سوى ذلك فليس له حكم المسجد وقال بعضهم يكون مسجداً حال اداء الصلوة لا غير وهو الحيانة سواءً ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً والظاهر ترجيح الاول لانه في الخانية يقدم الاشهر - رد المختار ج ۲ ۳۵۶ الوقف في احكام المساجد

**موقوفہ زمین میں عشر ادا کرنا ضروری ہے** | سوال :- ایک شخص نے مدرسہ کیلئے کچھ زمین وقف کی ہے اور وقف تمام

بھی ہو گیا ہے تو کیا اس موقوفہ زمین میں عشر دینا ضروری ہے یا نہیں؟  
الجواب: جو زمین مدرسہ وغیرہ کے لیے وقف ہو جائے اور اس کے بعد اس میں کاشت وغیرہ کی جائے تو اس کی آمدنی میں عشر دینا ضروری ہے۔

لما قال في الهنديّة: قال ارض الوقت اذا كانت عشرية دفعها القيم مزارعة او معاملة فعشر جميع الخارج في نصيب الدافع وهذا على قول ابي حنيفة فان عند في الاجارة بالدرهم العشر على الاجر كما لخارج وعندهما يجب في الخارج

له وقال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: وما اتخذ لصلوة العيد فانه لا يكون مسجداً مطلقاً وانما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالامام وان كان منفصلاً عن الصفوف اما فيما سوى ذلك ليس له حكم المسجد قال بعضهم له حكم المسجد حال اداء الصلوة لا غير وهو الحيانة سواءً ويجنب هذا المكان عما يجنب المسجد احتياطاً وفي الواقع المسجد الذي اتخذ لصلوة العيد فالمختار للفتوى انه مسجداً في حوت جوامر الاقتداء وان انفصلت الصفوف واما في ما عد ذلك فلا رفقاً بالناس۔

رفتاوی تاتارخانیة ج ۵ ۸۲۵ کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد

ومثله في البحر الرائق ج ۵ ۲۲۸ کتاب الوقف۔

فكذلك المزارعة - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف - الباب الخامس له  
**موقوفہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے کا حکم** | سوال :- کافی مدت سے ایک زمین  
 اب وہ آدمی اسی زمین کی دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو کیا شرعاً اس شخص کا یہ دعویٰ  
 درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر اس زمین کا وقف ہوتا مسلم اور میر ہن ہو تو یہ زمین باقاعدہ مسجد ہی  
 رہے گی اور کسی کی ملکیت متصور نہ ہوگی اور نہ رجوع صحیح ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ومن اتخذ أرضه مسجداً لم يكن له  
 ان يرجع فيه ولا بيعه ولا يورث عنه لانه يحرز عن حق العباد ووصار خالصاً لله تعالى -

(الهداية ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقف م ۲)

**موقوفہ قبرستان میں مردے دفنانے سے منع کرنے کا حکم** | سوال: ایک  
 شخص نے قبرستان

کے لیے اپنی زمین وقف کی جس میں سینکڑوں کی تعداد میں مردوں کو دفنایا جا چکا ہے،  
 اب محلہ کی تنظیم والے اس قبرستان میں لوگوں کو اموات کے دفنانے سے روکتے ہیں، تو  
 کیا اس تنظیم والوں کا یہ رویہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - اگر اس قبرستان کا وقف ہوتا مسلم اور میر ہن ہو تو یہ زمین باقاعدہ  
 قبرستان ہی رہے گی، اور محلہ کی تنظیم والوں کا یہ رویہ شرعاً درست نہیں ہے، اس قبرستان  
 میں مردوں کو دفنایا جائے گا منع کرنا ناجائز ہے۔

له قال العلامة المرغینانی: قال ابو حنیفة ر فی قلیل ما اخرجته وكثیره العشر سو استقی

سیحاً واستفته السمار - (الهداية ج ۱ ص ۲ باب العشر)

ومثله فی تنقیح الحامدية ج ۱ ص ۱ کتاب الصلوة -

له وقال فی الهندية: اما حكمه عندهما زوال العين عن ملكه ..... فانه يصح

حتى لا يملك بعيه ولا يورث - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۲ الوقف ابنا الاول فی تعریفه)

ومثله فی الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۲ کتاب الوقف، مطلب فی شرواقف الكتب -

لما قال في الهدية: واذا كان يزول الملك عندهما يزول ملكه بالقول عند أبي يوسف وهو قول الأئمة الثلاثة وهو قول أكثر أهل العلم وعلى هذا مشايخ بلخ وعليه الفتوى... أما حكمه عندهما زوال العين عن ملكه إلى... فانه يصح حتى لا يملك ببيعه ولا يورث. (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۲ الوقف، الباب الأول في تعديقه الخ) طه

**وقف میں واقف کی شرائط کے معتبر ہونے کا حکم** | سوال: ایک شخص نے حالت حیات میں محلہ والوں کو

مدرسہ کی تعمیر کے لیے جگہ دے دی اور کہا کہ جب تک اس مدرسہ میں طلباء تعلیم حاصل کرتے رہیں گے تو مجھے اور میرے ورثاء کو اس زمین میں مداخلت کا حق نہیں ہوگا لیکن اگر کسی وجہ سے مدرسہ میں سلسلہ تعلیم بند ہو گیا تو پھر یہ وقف میرا یا میرے ورثاء کی ملکیت شمار ہوگا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد سلسلہ تعلیم بند ہو گیا ہے تو اس شخص نے کہا کہ اب میں اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہوں اس پر لوگوں نے اسے منع کیا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ تو کیا اس آدمی کو حق استرداد شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتہ مذکورہ میں چونکہ واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر سلسلہ تعلیم بند ہو گیا تو پھر یہ وقف کردہ زمین میری یا میرے ورثاء کی ملکیت شمار ہوگی، تو یہ وقف عدم تابد کی وجہ نامنظور ہے اور وقف تام نہ ہونے کی وجہ سے یہ جگہ واقف کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے اس لیے واقف مذکورہ زمین کو واپس لے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فان شرائط الواقف معتبرة اذ لو تخالف الشرع وهو ملك فله ان يجعل له حيث شاء ما لم يكن معصية وله ان يخلص صقاً من الفقراء. (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۱ کتاب الوقف) طه

قال العلامة برهان الدين المرقيني: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يرجع ولا يبيعه ولا يورث عنه. (الهداية ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقف) ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۴ کتاب الوقف۔

طه قال العلامة ابن نجيم: شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم شرط الواقف كنص لشارع اى في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف) ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۱۲۶ کتاب الوقف۔



**طلباء کے لیے مخصوص وقف کا حکم** | سوال :- دینی مدارس کے لیے جو بکرے یا  
گوشت آتا ہے کیا طلباء کے علاوہ اساتذہ

اور دیگر عملہ بھی اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر گوشت اور بکرے واقف نے صرف مدرسہ کے طلبہ کے لیے وقف  
کیے ہوں تو اس گوشت وغیرہ کو طلباء کے علاوہ کوئی اور استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں  
واقف کی شرط سے مخالفت لازم آتی ہے جو کہ ناجائز ہے کیونکہ شرط واقف شارع کی نص کی  
طرح ہے، تاہم صرف مدرسہ کو دے کر مدرسہ کے ذمہ دار حضرات کو اختیار دینے کی صورت میں  
مدرسہ کے لیے دیئے گئے دیگر عطایا کے حکم میں ہو کر طلباء کے علاوہ مدرسہ کے اساتذہ  
اور ملازمین بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

ما قال العلامة ابن عابدین: قال في الاسعاف يجب صرف الغلة على ما  
شرط الواقف وفي غيره شرط الواقف كنص الشارع اى في المفهوم والدلالة -  
(تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۱۲۶ کتاب الوقف) لہ

**شاملات دیہہ زمین کے وقف کا حکم** | سوال :- ایک قطعہ اراضی تمام گاؤں والوں  
کی مشترکہ ملکیت ہے اور سرکاری کاغذات میں وہ  
شاملات دیہہ ہے، گاؤں کے چند آدمیوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کر دیا اور وقف  
کی تحریری دستاویز پر انگوٹھے اور دستخط وغیرہ ثبت کیے، جبکہ گاؤں کے تمام لوگ اس وقف پر  
راضی نہیں، تو کیا ایسا وقف شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر مذکورہ زمین واقعی پورے گاؤں والوں کی مشترکہ ہے اور اس کو تمام  
مالکان نے نہیں بلکہ بعض نے وقف کیا ہو تو یہ وقف شرعاً صحیح نہیں کیونکہ یہ وقف  
مشاع ہے لہذا شاملات دیہہ زمین کا وقف بدون تمام شرکاء کی رضامت کے درست نہیں۔

ما قال العلامة فخرالدين حسن بن منصور والشهير بقاضى خان، وقف المشاع

لہ قال العلامة الحصكفي: قولهم شرط الواقف كنص الشارع اى في المفهوم والدلالة

الدرا المختار على صدر الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۳ کتاب الوقف

ومثله في الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۳۲ کتاب الوقف۔

عند محمد لا يجوز والفتوى على قول محمد<sup>ج</sup>۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہاشم الہندیہ ج ۳ ص ۳۳۳ فصل وقف المشاع) لہ  
**قاضی کے لیے استبدال وقت جائز ہے** | سوال: اگر کوئی شخص کسی دینی مدرسہ کے  
 لیے کچھ زمین وقف کرے اور بعد میں کسی مصلحت  
 کی بناء پر اس کو بدلنا چاہے تو شریعت کی رو سے اس طرح کی استبدال جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر قاضی استبدال وقف میں مصلحت  
 سمجھے تو اسے شرعاً اختیار حاصل ہے کہ وہ وقف میں استبدال کرے البتہ قاضی کے علاوہ کسی  
 اور کو شرعاً یہ اختیارات حاصل نہیں۔

لما قال العلامة فخرالدين حسن بن منصور الشهير بقاضي خان: ما بدون الشرط  
 اشار في السيرانية لا يملك الاستبدال الا القاضى اذا رأى المصلحة في ذلك۔  
 فتاوى قاضیخان علی ہاشم الہندیہ ج ۳ ص ۳۳۳ فصل مسائل شرط وقف لہ

**مشترکہ جائیداد بلا تقسیم مسجد کے لیے وقف کرنا** | سوال: کئی مالکوں  
 ان میں سے چند ساتھیوں نے کچھ زمین مسجد کے لیے وقف کی جبکہ ان میں بعض ساتھی  
 اس پر راضی نہیں ہیں، تو کیا شریعت کی رو سے یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** مشترکہ جائیداد بغیر تقسیم کیے وقف مشاع کے مترادف ہے، اس لیے  
 وقف تمام نہ ہونے کی وجہ سے ناراض مالکوں کی طرف وقف کنندگان بھی اپنے حصص  
 سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

لما قال في الہندیة: واتفقا على عدم جعل المشاع مسجداً او مقبرة

لہ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة  
 غير جائز مطلقاً اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۷ کتاب الوقف)  
 ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الوقف۔  
 لہ قال العلامة زين الدين بن ابراهيم الشهير ابن نجيم: شرط الوقف عدم الاستبدال  
 فللقاضي الاستبدال اذا كان اصلاً۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۳ کتاب الوقف)  
 ومثله في مجموعة الفتاوى ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب الوقف۔

مطلقاً سوا ان كان مبالاً یحتمل القسمة او یحتملها۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۶۵ فصل فی وقف المشاع) لے

**قبرستان کے درختوں کو فروخت کرنے کا حکم** | سوال :- ایک قبرستان میں بڑے بڑے درخت ہیں جن کو فروخت کر کے ان کی قیمت اگر قبرستان میں ہی لگا دی جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جہاں کہیں درخت زمین کے قبرستان بن جانے سے قبل اُگے ہوں تو مملوکہ زمین ہونے کی صورت میں درخت مالک زمین کے ہوں گے، خواہ مالک کوئی ایک شخص ہو یا قوم، البتہ زمین کے قبرستان بن جانے کے بعد درخت اُگے ہوں اور یہ زمین کسی کی ملکیت نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کے قبرستان کے لیے وقف ہو تو اس کے درخت فروخت کر کے ان کی قیمت قبرستان یا دوسرے اجتماعی مفاد میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

لمافی الہندیۃ : مقبرة علیہا اشجار عظیمة فہذا علی وجہین امان کانت اکل اشجار قبل اتخاذا الارض مقبرة او نبت بعد اتخاذا الارض مقبرة فی الوجه الاول المسألة علی قسمین امان کانت الارض مملوكة لہا مالک او مواتاً لا مالک لہا واتخذ اهل القرية مقبرة۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴۳ - باب ثانی عشر الخ)

لے وقال العلامة ابن نجیم : والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة غیر جائز مطلقاً اتفاقاً و فی غیرہما ان کان مما لا یحتمل القسمة جاز اتفاقاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۰ کتاب الوقف) وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الوقف۔

لے وقال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری : مقبرة علیہا اشجار ان کانت ثابتة قبل اتخاذا الارض مقبرة والارض مملوكة لہا مالک جعلها مقبرة فالاشجار باصلها علی ملک رب الارض یصنع الورثة بالاشجار ماشاء قال ان الشجرة لا تدخل تحت الوقف۔ وان کانت الارض مواتاً لا مالک لہا باصلها علی مالہا القديمة ہذا کله اذا کانت اکل اشجار ثابتة قبل اتخاذا مقبرة ولم یثبت بعد ذلك لا یخلوا امان علم غارسها او لا یعلم ان علم کانت للغارس وان لم یعلم بہا غارس فالحکم للقاضی۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الوقف - الفصل الثالث نوع اخر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۰۱ کتاب الوقف۔



**وقت مشاع کی خرید و فروخت کرنے کا حکم | سوال :-** اگر چند آدمی کچھ رقم اکٹھی

کر کے مسجد کے لیے زمین خریدیں جس کے مالکانہ حقوق بھی ان کو منتقل ہوئے ہوں لیکن اب اس جگہ کو تبدیل کرنے کی ضرورت پڑ گئی ہے، تو کیا یہ اشخاص اس جگہ کو فروخت کر کے کسی دوسری جگہ مسجد کے لیے زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** چند اشخاص کا مشترکہ طور پر مسجد کے لیے زمین خریدنا وقت مشاع کے حکم میں ہے جو صحیح نہیں، اس لیے صورت مذکورہ میں ان اشخاص کی خریدی ہوئی جگہ مسجد کے لیے وقف نہ ہونے کی وجہ سے اس کو فروخت کرنے میں کوئی امر مانع نہیں، ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ زمین خریدنے سے قبل یہ اشخاص کسی ایک کو رقم ہبہ کر دیں اور وہ ہوب لہ اپنی رقم اور وہ ہوبہ رقم ملا کر اس سے زمین خریدے اور بعد ازاں اس کو مسجد کے لیے وقف کرے، اس طرح کرنے سے اس جگہ کی تبدیلی جائز نہیں ہوگی۔

لما قال فی الہندیۃ: وقت المشاع المحتمل للقسمۃ لا یجوز عند محمد و بہ  
اخذ مشائخ بخاری و علیہ الفتاوی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۲ فصل فی وقف المشاع۔ ع۔

**سوال :-** ایک شخص تقریباً

۶۰ سال سے ایک وسیع جائیداد پر غاصب ہے اور اس جائیداد کی کافی آمدنی ہے، اب اگر یہ شخص اس جائیداد کی آمدنی کا کچھ حصہ مسجد کی تعمیر یا دیگر رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے وقف کرے تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** منصوبہ جائیداد واجب الروی ہے اور ایسی جائیداد کی آمدنی غاصب کیلئے ذاتی طور پر استعمال کرنا حلال نہیں اور نہ ثواب کی نیت سے کسی مسجد یا منفا عامہ کے لیے وقف کر سکتا ہے، کیونکہ وقف کی صحت کے لیے اس چیز کا مالک ہونا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرة غیر جائز مطلقاً  
اتفاقاً۔ (البحر المرائق ج ۵ ص ۱۹۷ کتاب الوقف)  
ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۶۰۱ کتاب الوقف۔

لما قال العلامة التمرتاشي: هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق بالمنفعة - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الوقف) لہ  
پرانے قبرستان پر مدرسہ تعمیر کرنے کا حکم | سوال :- یہاں ایک ایسا قبرستان ہے  
 بالکل ہموار ہو چکی ہیں، ان کے آثار پر حیوانات چرتے ہیں اور لوگوں کے واسطے بول و  
 براز کا مرکز بن چکا ہے، کیا ایسے قبرستان پر دینی مدرسہ قائم کرنا شریعت کی رو سے  
 جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر واقعی قبرستان کی موقوفہ زمین پر قبروں کے نشانات نہ ہوں اور  
 پرانا قبرستان ہو اور اس کی زمین بھی ہموار ہو چکی ہو تو چراگاہ بنانے اور بول و براز پھینکنے  
 کے بجائے یہ بہتر اور ضروری ہے کہ اس پر کوئی دینی مدرسہ تعمیر کر لیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ولو بلى الميت وصارت تواباً جاز دفن غيره في قبرة  
 وزرعه والبناء عليه - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹ کتاب الجنائز) لہ

جنازہ گاہ میں کنواں کھودنا جائز ہے | سوال :- ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین  
 جنازہ گاہ کے لیے وقف کی جبکہ ایک دوسرے  
 شخص نے اس میں ایک کنواں اس غرض سے کھودا کہ لوگ اس کے پانی سے وضو وغیرہ کریں  
 گے، تو کیا اس شخص کا یہ عمل شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** صورتِ مرقومہ کے مطابق چونکہ کنواں کھودنے والے کا عمل اور ارادہ  
 زمین وقف کرنے والے کے عمل اور ارادے کے منافی نہیں بلکہ کنواں کھودنے والا واقف

لہ وقال العلامة ابن نجيم المصري: هو حبس العين على ملك الواقف والتصدق  
 بالمنفعة - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي السُّنَنِ ج ۲ ص ۳۵۰ کتاب الوقف - الباب الاول في تعريقه -

لہ وقال في الهندية: ولو بلى الميت وصارت تواباً جاز دفن غيره في قبرة وزرعه  
 والبناء عليه - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۴ باب الجنائز)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۹۵ باب الجنائز -

کے عمل و ارادے کے لیے مکمل اور معاون ہے، لہذا مذکورہ شخص کا یہ عمل شرعاً درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال في الهدية: الذي يبدا من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا، ثم الى ما هو اقرب الى العبارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة ثم السراج والبسط كذلك الى آخر المصالح۔ (الفتاوى الهندية ج ۲۔ الوقف۔ الباب الثاني) <sup>۳۶۸</sup> سوال ۱۔ اگر ایک شخص زمین وقف کرتے ہیں ہبہ کے لفظ سے وقف کرنے کا حکم وقت "ہبہ" کا لفظ استعمال کرے یا یوں کہے کہ میں نے یہ زمین مسجد کو دے دی ہے، کیا اس سے وقف جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ زمین وقف متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب ۱۔ چونکہ "ہبہ" اور "اعطاء" کے لفظ سے بھی دائمی حقوق دیئے جاتے ہیں اس لیے فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں "ہبہ" اور "اعطاء" سے بھی وقف صحیح ہے، لہذا یہ زمین موقوفہ (وقف شدہ) زمین ہوگی۔

لما قال في الهدية: ولو قال وهبت داري للمسجد او اعطيتها له صحیح ويكون تملكاً في شرط التسليم كما لو قال وقتت هذه المائة للمسجد يصح بطريق التملك اذا سلمه للفقير۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ من ۴۶ الفصل الثاني في الوقف على المسجد) سوال ۱۔ شہر سے باہر لوگوں نے نماز عیدین کے لیے ایک میدان مقرر کیا ہے تقریباً نو سال تک عید گاہ میں ہسپتال بنانے کا حکم

لہ وقال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: الشعائر التي تقدم شرط ام لم بشرط بعد العبارة هي امام..... وقتاديل وحصر وما و ضوء۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ کتاب الوقف) <sup>۳۷۱</sup>

ومثله في الخانية على هامش الهدية ج ۳ من ۳۸۸ قبل كتاب اللقطة۔

لہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: ولو قال "وهبت داري للمسجد او اعطيتها له صحیح ويكون تملكاً في شرط التسليم كما لو قال وقتت هذه المائة للمسجد۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ من ۱۵۳ کتاب الوقف۔ مسائل وقف المساجد)۔



اس میدان میں نماز عیدین ادا کی گئی ہے، اب حکومت اس جگہ پر ہسپتال بنانے کا ارادہ رکھتی ہے اور عید گاہ کے لیے اس کے بدلے میں ایک دوسری جگہ بھی دینے کو تیار ہے، کیا حکومت کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مذکورہ عید گاہ موقوفہ ہو تو حکومت کا اس پر ہسپتال وغیرہ بنانا شرعاً جائز نہیں کیونکہ یہ جہت وقف کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز ہے کیونکہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہوتی ہے، البتہ اگر یہ جگہ وقف نہ ہو بلکہ ویسے ہی اس جگہ پر کئی سالوں سے نماز عیدین پڑھی جا رہی ہو تو اس صورت میں اس کو دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع و هو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۹۵ کتاب الوقف۔ مطلب ما خالف شرط الواقف)

**واقف کی شرط کے اعتبار کا حکم** | سوال :- اگر ایک شخص مسجد سے ملحقہ اپنی دو مریلہ زمین اس شرط پر مسجد کے لیے وقف کرے کہ مسجد سے

ملحقہ ایک دوسرا پلاٹ خرید کر اس پر جنازہ گاہ بنایا جائے گا، اور اگر کسی وجہ سے ملحقہ پلاٹ نہ مل سکے تو کیا یہ شخص اپنی دو مریلہ زمین کی واپسی کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین واقف نے کسی شرط کے ساتھ وقف کی ہو اور وہ شرط پوری نہ ہو سکتی ہو تو واقف اپنی زمین کو واپس لینے کا شرعاً مجاز ہے، لہذا موصوف اپنی دو مریلہ زمین واپس لے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وما خالف شرط الواقف فهو خالف للنص وهو حکم لا دلیل علیہ سواد کان نصہ فی الوقت نصاً

لہ ولما قال العلامة ابن البرزازی رحمہ اللہ: شرط الواقف کنص الشارع مالم تخالف الشرع۔ (الفتاویٰ البرزازیة علی هامش الہندیة

ج ۶ ص ۲۵۱ الباب الثانی فی نصیب المتولی وما یمکھ اولاً۔۔۔ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۶ کتاب الوقف۔

او ظاہراً و ہذا موافق لقول مشائخنا کغیر ہم شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۵ کتاب الوقف، مطلب ماخالف شرط الواقف) لہ

**قبرستان کے لیے موقوفہ زمین میں تصرف کرنا** | سوال :- ایک شخص نے اپنی ملوکہ زمین قبرستان کے

لیے وقف کر دی، واقف کے فوت ہونے کے ۳۵/۳۶ سال بعد اس کے بیٹے نے موقوفہ زمین میں کچھ یوں تصرف کیا کہ جسے چاہتا ہے میت دفن کرنے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے روک دیتا ہے، اس کے علاوہ وقف شدہ زمین کے کچھ حصہ میں فصل بھی کاشت کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ والد کی موقوفہ زمین میں بیٹے کا کسی قسم کا تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** صورت مذکورہ میں واقف کا بیٹا باپ کی وفات کے بعد اس موقوفہ زمین میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا حق دار نہیں رہتا، اس لیے کہ ایک دفعہ وقف تام ہونے کے بعد زمین مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے جس کے بعد واقف اور اس کے ورثاء کو تصرف کا کوئی حق نہیں رہتا۔

لہال العلامة فخرالدین الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ : وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالقول و عند محمد اذا استسقی الناس عن السقایة و سکنوا الخان والرباط و دفنوا فی المقبرۃ ذال الملک الخ۔ (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۳ کتاب الوقف) لہ

لہ قال العلامة ابن نجیم : شرط الواقف یجب اتباعہ لقولہم شرط الواقف کنص الشارع۔ (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْمُوعَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب الوقف۔

لہ وقال فی الہندیۃ : من جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذلک حتی یحکم بہ لہا کم عند ابی حنیفۃ وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالقول کما ہوا صلہ..... ودفنوا فی المقبرۃ ذال الملک و یکتفی بواحد ذکر فی المبسوط ان الفتاوی علی قولہما فی ہذہ المسائل و علیہ الاجماع۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۲ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۵۳ کتاب الوقف۔

**جنازہ گاہ سے راستہ جدا کرنے کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے جنازہ گاہ کے لیے تین کنال زمین وقف کر دی اور وقت تام بھی ہو گیا ہے، لیکن اب اس وقت شدہ زمین میں راستہ کی اشد ضرورت ہے، تو کیا شریعت کی رو سے اس سے راستہ جدا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر مذکورہ زمین کو وقف کرنے کے بعد نماز جنازہ کے لیے استعمال کیا گیا اگرچہ ایک دفعہ ہی کیوں نہ ہو تو اس سے وقف اب وقت تام ہو گیا ہے اب اس کا استعمال راستہ وغیرہ کے لیے شرعاً جائز نہیں۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ: فاذا تم ولزم (ای الوقف) لا یملك ولا یعاسر ولا یرهن (ای) لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع۔  
(تنویر الایضار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۲ کتاب الوقف)

**وقف غیر تام کے استبدال کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے زمین وقف کی ہے جبکہ اس کے قریب ہی ایک اور مسجد موجود ہے لیکن پھر بھی اس جگہ پر مسجد بنانے میں فائدہ ہے، لہذا اگر یہ شخص اس زمین کے بدلے جس پر ابھی تک مسجد نہیں بنائی گئی ہے کسی دوسری جگہ مسجد بنالے تو شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** مسجد کی زمین کے وقف تام ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کا راستہ الگ کر کے عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر اذان اور اقامت سے کم از کم ایک دفعہ نماز یا جماعت ادا ہو جائے چونکہ صورت مذکورہ میں یہ اقدامات نہیں ہوئے ہیں، لہذا یہاں وقف تام نہ ہونے کی وجہ سے مالک زمین اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، اور جب کسی زمین پر ایک دفعہ باقاعدہ شرعی مسجد بن جائے تو ایسی جگہ کو مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے استعمال میں نہیں لائی جاسکتی۔

لہ قال العلامة برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: اذا صح الوقف لم تجز بیعہ ولا تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۴۰ کتاب الوقف)  
ومثله فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۱ کتاب الوقف۔



لما قال العلامة ابن نجيم: ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه عنده حتى يفرتمه  
عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه واذا صلى فيه واحد زال ملكه -

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۸ الوقف في أحكام المسجد) لہ

**وقف کے مملوکہ ہونے کا حکم** | سوال: کسی نے مسجد کے واسطے زمین وقف  
کر دی اور اس پر مسجد بنا کر اس میں نماز باجماعت

بھی ادا کی گئی، کیا یہ موقوفہ زمین مسجد کے بانی کی ملکیت متصور ہو سکتی ہے یا نہیں؟  
الجواب: مساجد اللہ تعالیٰ کی بندگی کے واسطے بتائی جاتی ہیں، اسکی زمین پر  
باقاعدہ مسجد بن جانے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت بن جاتی ہے، اس لیے مذکورہ موقوفہ  
زمین کسی کی ملکیت میں نہیں آ سکتی۔

لما قال في الهدية: وعندهما جسد العين على ملك الله تعالى وجه تعو  
منفعة الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف) لہ

**موقوفہ زمین میں فلش بنانے کا حکم** | سوال: مسجد کے احاطہ میں جو جگہ نماز کے  
لیے متعین نہ ہوئی ہو بلکہ چیلوں (بھوتوں) اور

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: واذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنده حتى يفرتمه  
عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه واذا صلى فيه واحد زال عن  
ملكه - الخ - (الهداية ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۲ الْوَقْفُ، الْبَابُ الْحَادِي عَشْرُ فِي الْمَسْجِدِ -  
لہ وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وعندهما جسد علي حكم ملك الله تعالى  
وصرف منفعتها على من احب وعليه الفتوى قوله على حكم ملك الله تعالى  
قد لفظ الحكم ليفيد ان المراد لم يبق على ملك الواقف ولو انتقل الى ملك  
غيره وقوله وعليه الفتوى اي على قولهما يلزمه -

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب الوقف -

استنجائوں وغیرہ کے لیے متعین نہ ہو اس میں فلش ریٹرین) بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسجد کے احاطہ میں جو جگہ نماز کے لیے متعین نہ ہو بلکہ جوتوں استنجائوں اور غسلخانوں وغیرہ کے لیے مختص ہوں تو اس میں فلش ریٹرین) بنانا جائز ہے۔

لما قال العلامة شهاب الدین احمد رحمہ اللہ: لوجعل تحتہ حانوتا وجعلہ وقفاً علی المسجد قیل کلا یتعجب ذلک ولکنہ لوجعل فی اکابتہ، ہکذا صار مسجداً وقفاً علیہ ویجوز المسجد والوقف الذی تحتہ۔

(شلبی علی ہامش تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۳ کتاب الوقف) لہ

**موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہ ہونے کا حکم | سوال:** ایک شخص نے اپنی زمین کا کچھ حصہ اہل محلہ کی

ضروریات کے لیے وقف کر کے ایک شخص کے حوالے کر دیا تھا، کیا واقف کی وفات کے بعد اس کے ورثاء یہ زمین واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ اہالیان محلہ کو اب بھی اس کی ضرورت ہے اور متعلقہ متولی بھی فوت ہو گیا ہے؟

**الجواب:** وقف تمام ہونے کے بعد واقف یا متولی کی وفات سے وقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک اہل محلہ کو اس کی ضرورت ہو تو واقف کے فیصلہ کی رعایت ہوگی، واضح ہو کہ موقوفہ زمین میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: فلا یجوز لہ ابطالہ

لہ لما قال العلامة ابن تیمیم المصری رحمہ اللہ: وبما ذکرناہ علم انہ لو بنی بیتاً علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لایضر فی کونہ مسجداً لانہ من مصالح المسجد..... اذ ابنی مسجداً وبنی غرفة وهو فی یدہ فلہ ذلک وان کان عین بناہ خلی بینہ وبين الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لا یترکہ وفي جامع الفتاوی اذا قال عنیت ذلک فانہ لایصدق۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ الوقف، فصل فی احکام المسجد)

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۳ ص ۳۳ کتاب الوقف۔

وکلا یورت عنه وعليه الفتاویٰ ابن الکمال وابن الشمننة۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۲ کتاب الوقف) لہ

متروکہ جائیداد میں وقف پر اقرار کا حکم | سوال۔ ایک شخص فوت ہو گیا اور کچھ جائیداد ترکہ میں رہ گئی، اس کے ورثاء

میں ایک بیٹا یہ اقرار کرتا ہے کہ والد صاحب نے یہ زمین باقاعدہ وقف کی تھی جبکہ باقی ورثاء اس سے انکار کر رہے ہیں، اندریں حالات کیا تمام جائیداد وقف منظور ہوگی یا یہ مقرر کے حصہ تک محدود رہے گی؟

الجواب:- مذکورہ صورت میں اقرار حجت قاصرہ بھی ہے اور دوسرے پر اقرار بھی، جو کہ صحیح نہیں اس لیے مقرر کا اقرار وقف صرف اس کے حصہ تک محدود رہے گا اور دوسرے ورثاء پر اس کا اقرار حجت نہیں بن سکتا، وہی حصہ موقوف رہے گا جو مقرر کے حصہ میں آئے۔

لما قال فی الہندیۃ: ولو اقر بالوقف الی..... وان کان مع المقر وارث اخر یجحد ذلك كان نصيب المجاهد من هذه الارض للجاهد يفعل ما يشاء، ونصيب المقر یكون وقفاً علی ما اقر به۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۲۲ الوقف، ابواب الثامن فی الاقرار) لہ

لہ وقال فی الہندیۃ: وكذلك اذا جعل داره فی ثغر مسکنا للغزاة او المرابطين ودافعها الی وال یقوم علیها فلیس لہ ان یرجع فیها وان مات لم تکن میراثاً عنده وان لم یسکنها احد۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۶ ابواب الثانی عشر فی الرباطات) ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۶ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة عالمین العلاء الانصاری رحمہ اللہ: واما اذا كان ثمة وارث آخر فان اقر الاخر بجمیع ما اقر به هذا لوارث كان الجواب كما قلنا وان انکر الواقف كان نصيب المنکر ملكاً لہ یتصرف فیہ بما شاء، ونصيب المقر وقف۔ (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب الوقف) الاقرار بالوقف) لہ

ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲ کتاب الوقف، قبل الفصل الرابع فی المسجد۔



## باب المساجد

(مساجد میں وقف کے احکام و مسائل)

**وقف کی یادداشت (تحریر) لکھنے کا حکم | سوال :-** ایک شخص مسجد کے لیے زمین کا ایک ٹکڑا وقف کرنا چاہتا ہے، اگر وہ بطور یادداشت

یہ لکھے کہ میں نے زمین کا یہ ٹکڑا مسجد کے واسطے وقف کیا، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کسی واقعہ کا تحریر میں لانا دوام اور استحکام کی دلیل ہے، عرف میں بھی جس واقعہ کو ضبط تحریر میں لایا جائے یا سرکاری کاغذات میں اندراج کیا جائے تو وہ زیادہ قوی سمجھا جاتا ہے، اس لیے وقف کو یادداشت کے لیے لکھنا یا سرکاری کاغذات میں انتقال کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک مستحسن اقدام ہے تاکہ بعد میں کسی وارث کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ لہذا قال اللہ تبارک و تعالیٰ: إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ فَأَكْتَبُواْ - (سورة البقرة آیت ۲۸۲)

ولما قال العلامة حافظ عماد الدین رحمہ اللہ: هذ الرشاد منه تعالى لعبادة المؤمنين اذا تعاملوا بمعاملات مؤجلة ان يكتبوها ليكون ذلك احفظ لمقدارها وميقاتها واضبط للشاهد فيها وقد نبه على هذا في آخر الآية - (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۸ - سورة البقرة پ ۳)

**مسجد کے لیے موقوفہ زمین پر دوکانیں تعمیر کرنے کا حکم | سوال :-** گاؤں کے چنڈ معززین نے ایک پلاٹ تقریباً ۶ کنال برائے جامع مسجد وقف کیا، جس میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی

لہذا وقال العلامة اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: - معاملة كاللکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ (ربیان القرآن ج ۱ ص ۱۶۸ - سورة البقرة آیت ۲۸۲) وَمِثْلَهُ فِي تَفْسِيرِ فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۳ ص ۳ - سورة البقرة -

مسجد کی تعمیر سے بچ جانے والی زمین بنجر ہے جسے لوگ عیدینا کی نماز کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اب ان معززین نے فیصلہ کیا ہے کہ اس بنجر زمین پر دوکانیں یا کچھ مکانا بنا دیئے جائیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد پر صرف کیا جائے۔ تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - مذکورہ پلاٹ کے جس حصہ پر باقاعدہ مسجد بن گئی ہے خواہ اس میں مستقل چھت ڈالی گئی ہے یا عارضی چبوترہ بنا کر اس میں نماز پڑھی جا رہی ہو یا ویسے ہی کھلی جگہ ہو ایسی جگہ میں دوکانیں بنانا یا مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا جائز نہیں، البتہ مسجد کے نام سے جو زمین وقف کی گئی ہے اور اس میں کچھ حصہ ویسے ہی غیر آباد چھوڑا گیا ہے اور تاحال اس پر آبادی نہیں ہوئی ہے تو وہ جگہ مسجد کے علاوہ مذکورہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی ترحیح نہیں ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: قیم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حوانیت فی المسجد و فی فتاۃ لان المسجد اذا جعل حانوتاً و مسکناً تسقط حرمتہ و ہذا لایجوز و الفناء یتبع المسجد فیکون حکم المسجد - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ کتاب الوقف - الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد و تصرف القیم غایۃ فی مال الوقف ص ۲۶۲)

**ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانے کا حکم** | سوال: - قیام پاکستان کے بعد یہاں پر ہندوؤں کی کچھ جائیدادیں رہ گئی ہیں جن پر کچھ لوگ قابض ہیں، بعض لوگوں کا تو قانونی قبضہ ہے اور بعض لوگ غیر قانونی طور پر محض قوت کے بل بوتے پر قابض ہیں، کیا ایسی متروکہ جائیداد پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** - صورت مسئلہ میں حکومت نے قانونی طور پر جن قابضین کا حق تسلیم کر کے انہیں مالکانہ حقوق دیئے ہوں تو وہ جائز مالک متصور ہو کر ان کا وقف صحیح ہے

لہ وقال العلامة ابن الہمام: قیم المسجد اذا اراد ان یبنی حوانیت فی المسجد اؤفد فناءہ لایجوز لہ ان یفعل لانه اذا جعل المسجد سکناً تسقط حرمة المسجد واما الفناء فلانه یتبع للمسجد - (فتح القلید ج ۵ ص ۴۴۶ کتاب الوقف - الفصل الاول فی المتولی - ومثله فی التارخانیۃ ج ۵ ص ۸۶ کتاب الوقف - الفصل الحادی والعشرون فی المساجد -)

لیکن جس جائیداد پر کسی کا غاصبانہ قبضہ ہو تو مقصود یہ جائیداد کے وقف کی عدم صحت کی وجہ سے اس پر بنائی ہوئی مسجد شرعی مسجد نہیں رہے گی الا یہ کہ حکومت باقاعدہ اجازت دے دے۔

لہا قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : من شرائطه الملك وقت الوقت حتى لو غصب ارضاً فوقفها..... لا تكون وقفاً۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف (۱) لہ

مسجد کی زمین سے ملک کے زائل ہونے کا حکم | سوال :- مسجد کی زمین سے مالک کی ملک کا ازالہ کب ہو

جاتا ہے ؟

الجواب :- مسجد کی زمین سے مالک کی ملک صرف نماز کی اجازت پر اسی مسجد میں یا انہی الفاظ کے معنی پر ملک زائل ہو جاتی ہے، اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے اور قضا کے باب اور وقت میں اس کا قول راجح ہو جاتا ہے۔

وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله : وقال ابو يوسف يزول ملكه بقوله جعلته مسجداً لان التسليم عندك ليس بشرط لانه اسقاط لملك العبد فيصير خالصاً لله تعالى بسقوط حق العبد وصار كالا عتقاق۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب الوقف۔ فصل في احكام المسجد (۲) لہ

منہدم مسجد کی تبدیلی کا حکم | سوال :- ایک مسجد کسی وجہ سے شہید ہو گئی ہے، اب گاؤں والے یہ چاہتے ہیں کہ اسکے

لہ وقال في الهندية: (رومنها) الملك وقت الوقت حتى لو غصب ارضاً فوقفها..... لا تكون وقفاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف بطلب وقف لذي) ومثله في رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۱ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وعند ابى يوسف يزول بمجرد قول الواقف ولا يجوز بيعه ولو مالاً يورث۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۲ کتاب الوقف الاول) ومثله في بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف والصدقة۔



بدلے میں کسی دوسری جگہ مسجد تعمیر کر لی جائے اور اس مسجد کا ملبہ اور زمین وغیرہ فروخت کر  
کر دیا جائے، تو کیا شریعت کی رو سے منہدم مسجد کا سامان اور جگہ وغیرہ بیچنا جائز ہے  
یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو اور اس پر مسجد بن گئی ہو تو وہ قیامت  
تک مسجد ہی رہے گی اس کی تبدیلی کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ۔

(الهدایة ج ۲ ص ۲۲۰ کتاب الوقف) لہ

ارض مغبوبہ پر مسجد بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے غیر ملوکہ زمین مسجد

۹/۸ سال تک نمازیں بھی پڑھیں، ۸/۹ سال بعد زمین کے اصل مالک نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین  
میری ہے اور میں نے اس کو مسجد کے لیے وقف نہیں کیا ہے، لوگوں نے کہا کہ آپ اس  
کے بدلہ میں دوسری جگہ لے لیں اور مسجد کو اپنی جگہ پر رہتے دیں لیکن وہ نہیں مانتا، تو اب  
شریعت کی رو سے اس مسجد کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- وقف کے لیے باقاعدہ ملک تام ہونا شرط ہے، جہاں کہیں کسی  
غیر کی زمین کو بغیر اس کی اجازت کے مسجد کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ شرعی مسجد  
کے حکم میں نہیں، اس لیے مالک اگر چاہے تو وقف کر سکتا ہے ورنہ مغبوبہ زمین سے  
مسجد گرا کر زمین فارغ کرانا مالک کا حق ہے۔

لما فی الہندیۃ: (رومنہا) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقہا ثم اشتراھا من مالکھا  
ودفع الثمن الیہ او صالح علی مال دفعہ الیہ لا تکتون وقفاً۔ (فتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف، مطبوعہ دار الفکر)

لہ وقال العلامة التمرتاشی: فاذا تم ولزم (رای الوقف) لا یمکن ولا یعار ولا یرهن) ای لا یقبل  
التملیک لغیرہ بالبیع۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف۔

لہ وقال العلامة ابن نجیم: من شرائطه الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا  
فوقہا..... لا تکتون وقفاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۱ کتاب الوقف۔

موقوفہ زمین کو مسجد کے مصالح میں استعمال کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے

وقف کی جس پر ابھی تک نماز نہیں پڑھی گئی ہے، کیا یہ زمین مسجد کے مصالح مثلاً دوکان وغیرہ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** جو زمین مسجد کیلئے وقف کی گئی ہو اور اس پر نماز بھی نہیں پڑھی گئی ہو تو اس کو مسجد کے مصالح پر صرف کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے۔

مآقال فی الہندیۃ : والاصح ما قال الامام ظہیر الدین ان الوقف علی عمارۃ المسجد  
وعلی مصالح المسجد سواءً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۵۰ کتاب الوقف، الفصل فی المتولیٰ لہ

مسجد کی زمین پر گھر بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے کچھ

اب یہ مسجد گاول کے لیے ناکافی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس مسجد کے بدلے دوسری جگہ جس میں مسجد کے متعلقہ تمام انتظامات و سہولیات ہوں، وقف کی جائے اور پرانی مسجد کی جگہ مکان بنا لیا جائے، تو کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جس زمین پر ایک مرتبہ مسجد بنی گئی اور اس میں نماز بھی پڑھی گئی تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں ہے اس کو کسی دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی اصلی حالت پر مسجد کی حیثیت سے باقی رکھا جائے گا۔

مآقال العلامة المصنفی: بیقی مسجداً ابداً الی قیام الساعة وہ یفتی۔ وقال ابن عابدین  
فلا یعود میثلاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواءً کانوا یصلون فیہ اولا  
وهو الفتوی۔ (الدرا المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۸ کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد وغیرہ) لہ

لہ وقال العلامة ابن الہمام: ان الوقف علی عمارۃ المسجد و مصالح المسجد سواءً فی فتح القدییر ج ۵ ص ۲۵۰ کتاب الوقف  
و مثلاً فی رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۲ کتاب الوقف۔

۲ وقال العلامة ابوبکر الکاسانی: واما الذی یرجع الی نفس الوقف فهو التابید  
وهو ان یکن مؤبداً حتی لو وقف لم یجز کائے انزالۃ الملک لا الی حد۔ ریدۃ الصائغ  
ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف، فصل فی شرائط الجواز۔ و مثلاً فی الہدایۃ ج ۲ ص ۶۳۹ کتاب الوقف۔



مسجد سے پرندوں کے گھونسلے اتارنے کا حکم | سوال: بعض اوقات

گھونسلے بناتے ہیں اور ان میں انڈے اور بچے وغیرہ بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے مساجد میں کافی گندگی پھیل جاتی ہے، تو کیا شریعت کی رو سے ان کے گھونسلے اتار کر باہر پھینکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ پرندوں کے گھونسلوں سے مساجد میں عموماً گندگی پھیلتی رہتی ہے نیز نمازیوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے مساجد سے ایسے گھونسلوں کا اکھاڑنا منصوص ہے۔

لما قال في الهندية: ولو كان في المسجد عش خطاف او خفاش يقذر المسجد  
لابأس برميہ بما فيه من الفراخ۔ الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲ کتاب الکراہیۃ اقبال ص ۷

مسجد میں ذکر بالجہر کرنے کا حکم | سوال: بعض لوگ جمعرات کی شب اکٹھے ہو

اور کودتے ہیں جس کی وجہ سے نمازیوں کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو کیا ان لوگوں کا یہ عمل ذکر بالجہر شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہے، اس لیے اس میں ذکر کے نام پر مذکورہ طرز اور طریقہ پر اچھلنا کودنا اور ایک ہنگامہ کی سی صورت اختیار کرنا شریعت کی رو سے ناجائز اور ممنوع ہے، البتہ اگر ذرا کریں ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے نمازیوں وغیرہ کو تکلیف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وفي الملتقى و عن النبي صلى الله  
عليه وسلم انه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنائز فما ظنك به  
عند الغناء الذي يسمونه وجداً ومجبة فانه مكروه لا اصل له في الدين

لہ وقال العلامة الحصکفی: ولا بأس برمي عش خفاش و حمام لتنقيته۔

والدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ کتاب الصلوٰۃ مطلب فین سقت ... الخ

ومثله في البرازية علی هامش الهندية ج ۶ ص ۳۲ کتاب الکراہیۃ۔ الفصل التاسع المتفرقات۔



وزاد فی الجوهرة وما یفعله متصوفة فی زماننا حرام لا یجوز القصد والجلوس  
إلیه - (رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۹ کتاب الخطر والاباحت - قبل فصل فی اللبس) لہ

مسجد کے جملہ امور میں تصرف کرنے میں بانی مسجد  
کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے

سوال :- ایک شخص نے موقوفہ  
زمین پر اپنے پیسوں سے مسجد  
بنائی، بعد میں کچھ لوگ باہر سے  
آکر اس مسجد کے قریب آباد ہو گئے، اب بانی مسجد اور اہل محلہ میں اختلافات پیدا ہو  
گئے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کے جملہ امور میں تصرف کرنے کا زیادہ مستحق  
کون ہے؟ بانی مسجد یا اہل محلہ؟

الجواب :- مسجد بنانے والا اہل محلہ کی نسبت مسجد کے تمام امور میں تصرف  
کرنے پر مقدم ہے کیونکہ بانی کو مسجد کی مرمت، بجلی، پانی کے اخراجات اور امام و مؤذن  
کے مقرر کرنے میں اہل محلہ پر سبقت حاصل ہے۔

لما قال العلامة ابراہیم الحلبي رحمہ اللہ: رجلٌ بنى مسجدًا وجعلہ لله فهو احق  
بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصير والقناديل والاذان والاقا والامامة فيه  
ان كان اهلاً لذلك وان لم يكن فالرأى في ذلك اليه وكذا اولد الباني وعشيرة  
من بعده اولى من غيرهم - (حلبی کبیری ص ۶۱۵ فصل فی احکام المسجد)

لہ وقال العلامة حموی رحمہ اللہ: واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استعجاب  
ذکر اللہ تعالیٰ جماعة فی المساجد وغیرها من غیر تکبیر الا ان یشوش جہرہم  
بالذکر علی نائم او مصل او قاری کہا ہو مقرر فی کتب الفقہ۔

(عیون البصائر حاشیة الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۶۱ القوی احکام المسجد)  
ومثله فی التاتارخانیة ج ۵ ص ۲۲۲ کتاب السیر - الفصل الاول فی بیان صفة الجهاد -  
لہ وقال العلامة ابن نجيم المصری رحمہ اللہ: فيكون اولی بولاية  
لمن اتخذ مسجداً يكون اولی بعمارته ونصب المؤذن فيه۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۶ کتاب الوقف)

ومثله فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب الوقف۔

غیر آباد مسجد کی زمین زراعت کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں | سوال: خلخولہ

ویران ہو جائے اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں تو اس کی زمین زراعت کے لیے استعمال کرنا از روئے شریعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جس زمین پر ایک دفعہ شرعی مسجد بن جائے تو قیامت تک کے لیے وہ مسجد ہی رہتی ہے اس میں کسی قسم کی فصل کاشت کرنا یا کسی دوسرے دنیاوی کام کے لئے استعمال کرنا شرعاً ناجائز ہے اگرچہ ویران ہی ہو جائے۔

لما قال العلامة الحصكفي: يبقى مسجداً ابداً الى يوم القيامة وبه يفتى -

(الدسالمختار على هامش ردالمحتار ج ۴ ص ۳۵۸ - الوقف - مطلب فيما لو خرب المسجد)

مسجد کے لیے موقوفہ مکانات میں سے تبلیغی حضرات کے لیے مکان وقف کرنے کا حکم | سوال: ایک جامع مسجد بناتے وقت ابتداءً مسجد کے نیچے کچھ مکانات تعمیر کر کے کرائے پر دے دیئے گئے

اور ان کی آمدنی مسجد کی ضروریات پر صرف ہو رہی ہے اب مسجد کی موجودہ انتظامیہ یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان مکانات میں سے ایک مکان تبلیغی حضرات کے لیے وقف کیا جائے تو کیا عند الشریعہ یہ وقف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مشورہ میں اگر ان واقفین نے مکانات کے متعلق کوئی تصریح نہ کی ہو بلکہ مطلقاً وقف کیا ہو تو متولی اور انتظامیہ مسجد کے اہل حل و عقد کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، وہ اس مکان کو تبلیغی حضرات کی سکونت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں ورنہ واقفین کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: قال واذا اراد القيم ان يبني

لے وقال العلامة الكاساني: واما الذي يرجع الى نفس الوقف فهو التابيد وهو ان يكون مؤبداً حتى لو وقت لم يجز لانه ازالة الملك لا الى حد - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف والصدقة - الفصل واما شرائط الجواز)

ومثله في الهداية ج ۳ ص ۶۳۹ کتاب الوقف -



فیہا قریة لا کرتہا وحفاظہا فیحرن فیہا القلۃ لحاجتہ الی ذلک کان لہ ان یفعل  
ذلک۔ الفتاوی التاتاریخانیة ج ۵ ص ۲۴۵ کتاب الوقف۔ الفصل السابع تصرف الیتم۔ لہ

**مسجد کے لیے وقف شدہ گھڑی کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی** | سوال :- کسی جگہ پر  
فورج کے ڈویونٹ

اکٹھے قیام پذیر تھے، وہاں پر ایک مسجد بھی تھی جس کے لیے ان فوجیوں نے مشترکہ طور پر  
چندہ کر کے ایک گھڑی خرید کر وقف کی، کچھ مدت گزرنے کے بعد ایک یونٹ والے  
وہاں سے جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ یہ وقف شدہ گھڑی ہم اپنے ساتھ لے جائیں  
گے، اب سوال یہ ہے کہ اس یونٹ والوں کا مذکورہ گھڑی کو اپنے ساتھ لے جانا شرعاً  
درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** صورت مذکورہ کے مطابق یہ گھڑی چونکہ مسجد کے لیے وقف کی  
گئی اور وقف تمام ہونے کے بعد وہ کسی کی ملکیت نہیں رہی، لہذا اس موقوفہ  
گھڑی کو کسی بھی یونٹ والے اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: اذا صح الوقف لم یجذب ببعہ  
ولا تملیکہ۔ (الہدایة ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف) لہ

**قبرستان کے لیے وقف شدہ زمین پر جنازہ گاہ بنانے کا حکم** | سوال :- ایک  
شخص نے قبرستان

لہ وقال العلامة فخر الدین الرازی الشہیر بقاضی خان: وکذا لو کان الوقف خاناً  
علی الفقراء واحتاج الی خادم یکسح الخان ویقوم وینفتح بابہ وسدہ فیسلم  
بعض البیوت الی رجل اجرة لہ ليقوم بذلک کان لہ ذلک۔ (فتاوی قاضیخان علی ہامش  
الہندیة ج ۳ ص ۳ کتاب الوقف، باب الرجل یجعل دارہ مسجدًا)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۱ کتاب الوقف۔ الفصل الثاني فی الوقف علی المسجد... فی مال الوقف۔  
لہ وقال العلامة التمریاشی: فاذا تم ولزم رای الوقف (لا یملک ولا یعار ولا یرهن) ای یقبل  
التملیک لغيرہ بالبیع۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۴ کتاب الوقف)  
وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الوقف۔ فصل واما الذی یرجع الی الموقوف فانواع۔



کے لیے زمین وقف کی، اب چونکہ قبرستان کے لیے جنازہ گاہ کی بھی اشد ضرورت ہے تو کیا واقف کی اجازت سے اس وقف شدہ زمین میں جنازہ گاہ بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ وقف میں واقف کی نیت معتبر ہوگی لہذا اس کے لیے سوائے معصیت کے ہر قسم کے تصرفات جائز ہیں، اور مذکورہ صورت میں جنازہ گاہ چونکہ ضروریات مقبرہ میں سے ہے اور واقف کے اجازت بھی موجود ہے لہذا جنازہ گاہ بنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ماله حيث شاء ما لم یکن معصیة وله ان یخص صنفاً من الفقراء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۰ - ۳۳۱ مطلب شرائط الواقف المعتبرة)۔  
مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کی آمدنی مسجد کے مصالحوں پر خرچ کرنا | سوال کسی شخص نے اپنی زمین مسجد کیلئے

وقف کر کے اسے کریم پر دیدیا جس سے کافی آمدنی حاصل ہوئی، تو سوال یہ ہے کہ اس موقوفہ زمین کی آمدنی مسجد کے مصالحوں پر خرچ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہوتی ہو تو متولی کے لیے اس آمدنی کو مسجد کے مصالحوں پر خرچ کرنا جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ: مسجد لہ مستغلاً و اوقاف الادلہ المتولی ان یشتری من غلۃ الوقف للمسجد  
دھنا و حصیلاً و حشیشاً..... تفعل ما تری من مصلحة المسجد کان لہ ان یشتری  
للمسجد ما شاء وان لہ یوسع۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف الفصل الثانی.... فی مال الوقف)  
لہ وقال العلامة ابن نجیم: شرط الواقف کنص الشارع یجب اتباعہ لقولہم شرط الواقف کنص الشارع۔  
الاشیاء والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف۔ ومثله فی تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ کتاب الوقف۔  
لہ وقال العلامة ابن عابدین: والذی یدأ بہ ارتفاع الوقف ای من غلۃ عمارتہ  
شرط الواقف او کلاثر ما هو اقرب الی العمارۃ وأعم للمصلحة کالاموال للمسجد..... ثم السراج  
والسیاط الی آخر المصالح۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۷ کتاب الوقف)

ومثله فی الخانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۹۷ کتاب الوقف۔ باب الرجل یجعل مسجداً۔

**مسجد کے لیے موقوفہ زمین کے درختوں کا حکم | سوال :-** ایک شخص نے کچھ زمین پر

مسجد کی دیوار سے ملحق ہی واقف کا گھر ہے، واقف نے وقف شدہ مسجد کے صحن میں انڈروٹ کے درخت لگائے تھے، اب وہ کہہ رہا ہے کہ ان درختوں کے پھل پر صرف میرا ہی حق ہے جبکہ اہل محلہ اس کو اس سے منع کرتے ہیں اور اس کو پورے محلہ کا حق قرار دیتے ہیں، شرعاً اس پھل کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف میں واقف کے قول کو اعتبار دیا جائے گا، مذکورہ صورت میں واقف نے اگر وقف کرتے وقت تصریح کی ہوگی کہ اس درخت کو بھی وقف کیا تھا یا کچھ بھی نہ کہا ہو تو دونوں صورتوں میں درخت وقف ہوگا، البتہ اگر وقف کرتے وقت واقف نے اس درخت کا استثناء کیا ہو تو اس صورت میں واقف کے قول کا اعتبار کر کے درخت وقف شمار نہ ہوگا بلکہ واقف کی علیحدہ ملکیت متصور ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: قال في الاسعاف ويدخل في وقف الارض ما فيها من الشجر والبناء دون الزرع - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۱ مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار) لہ

**پرانے قبرستان پر مسجد بنانے کا حکم | سوال :-** ایک مسجد کے متصل بہت پرانا قبرستان ہے

جس میں دو سال سے کسی بھی میت کو دفن نہیں کیا گیا، اب اہل محلہ مسجد میں توسیع کے خواہشمند ہیں اور قبرستان کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنا چاہتے ہیں، تو کیا محلہ والوں کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مذکورہ قبرستان اگر موقوفہ ہو اور اموات کے اجسام ظن غالب میں خاک ہو چکے ہوں اور گاؤں والوں نے اس میں اموات کو دفناتا چھوڑ دیا ہو تو پھر اس قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا قابل اعتراض نہیں۔

لہ وقال العلامة ابن نجيم: والحاصل ان الوقف كالبيع لا يدخل فيها الزرع والثمر الا بالذكر - (البيح والبراق ج ۵ ص ۲۰۱ کتاب الوقف -

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الوقف - الفصل الثالث -



لما قال في الهندية : لو بلى الميت وصارت تراباً جاز دفن غيره في قبرة وذرعه  
والبناء عليه - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۶۷ الباب الحادي والعشرون في الجنائز) له

**مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم | سوال :- کیا محلہ والے یا حاکم وقت  
متولی مسجد کو معزول کر سکتے ہیں یا نہیں؟**

**الجواب :-** متولی مسجد اور اسی طرح امام مسجد کو بغیر خیانت کے کوئی بھی معزول نہیں کر  
سکتا البتہ اگر شرعی جرم ثابت ہو جائے تو متولی اور امام مسجد کو اہل محلہ یا قاضی معزول کرنے  
کے مجاز ہیں۔

لما قال في الهندية : ولوان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف  
غير مأمون على الوقف فللقاضي ان ينزعها من يده -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۰۹ کتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف) له

**طریق عام کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے مسجد کیلئے  
زمین وقف کی جو کہ طریق عام کے ساتھ**

متصل ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب وہ مسجد نمازیوں کیلئے نا کافی ہوتی جا رہی  
ہے، اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ اس عام راستہ سے زمین کا کچھ حصہ مسجد میں فراخی کے لیے  
شامل کر لیا جائے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرنے سے راستہ تنگ نہ ہوتا ہو

له وقال العلامة ابن عايدین : ولو بلى الميت وصارت تراباً جاز دفن غيره في قبرة وذرعه  
والبناء عليه - (رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹ کتاب الجنائز -

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۱ الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي الْجَنَائِزِ - الْفَصْلُ السَّادِسُ -  
له ولما قال العلامة ابن عايدین رحمه الله : لا يصح عزل صاحب وظيفة بلا جنحة

او عدم اهلية — قال في البحر واستفيد من عدم عزل الناظر  
بلا جنحة عدم مهال صاحب وظيفة في وقت بغير جنحة وعدم اهلية -

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۳ ص ۶۲۳ کتاب الوقف -



اور لوگوں کو آمد و رفت میں تکلیف نہ ہوتی ہو تو ایسا کرنا شرعاً مریض ہے ورنہ نہیں؟  
 لما قال العلامة فخر الدين عثمان الزيلعي رحمته الله: اذا بنى قوم مسجداً واحتاجوا  
 الى مكان يتسع فادخلوا شيئاً من الطريق في المسجد وكان ذلك لا يضر باصحاب  
 الطريق جاز ذلك - (تبيين الحقائق ج ۳ ص ۳۳۱ کتاب الوقف، نزل ومن بنى مسجداً لم يضر  
 مسجد کی زمین پر ڈاکخانہ بنانے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے مسجد کے لیے  
 کچھ زمین وقف کی ہے اور وقت بھی تام ہوا ہے، اب حکومت اس مسجد کے ایک گونہ میں ڈاک خانہ بنانا چاہتی ہے جس کی  
 آمدنی مسجد کو ملے گی لیکن ملکیت حکومت کی رہے گی، اب سوال یہ ہے کہ مسجد کے لیے  
 وقف شدہ زمین حکومت کے اغراض و مقاصد کے لیے دینا شریعت مقدسہ کی رو  
 سے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جوزین مسجد کے لیے ایک دفعہ وقف کی گئی ہو تو اس میں ماسوائے  
 مسجد کے متعلقہ امور کے دیگر امور مثلاً دوکان یا ڈاکخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں کیونکہ  
 واقف کی نیت سے مخالفت لازم آتی ہے اور واقف کی نیت کے خلاف کرنا شرعاً  
 جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص والحكم  
 بهم حکم بلا دلیل - (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ کتاب الوقف ص ۲۹۵)  
 لما قال العلامة شهاب الدين احمد شلبي بطريق اللعاوي واسعد فبنى فيه اهل الحلة مسجداً للعامة ولا يضر  
 ذلك بالطريق قالوا لا بأس به قوم بتوا مسجداً واحتاجوا الى مكان يتسع المسجد فتحذوا من  
 الطريق فادخلوه في المسجد اذا كان ذلك يضر باصحاب الطريق لا يجوز والافلا باس به -  
 ر شلبي علی ہامش تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳۳۱ کتاب الوقف - ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۵۶ کتاب  
 لہ وقال العلامة ابن عابدین، وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وهو حکم بلا دلیل ای  
 لا دلیل علیہ سواء كان نصه في الوقف نصاً او ظاهراً وهذا موافق لقول مشائخنا کثیرهم  
 شرط الواقف کتص الشارع فيجب اتباعه كما صرح به في شرح المجمع -

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۷ کتاب الوقف)

ومثله في الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ کتاب الوقف -

مسجد میں خیاطت کرنے کا حکم | سوال :- مسجد میں خیاطت کرنا کپڑے سینا، شربیت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خیاطت کا تعلق چونکہ دنیاوی امور سے ہے اور مسجد میں دنیاوی امور سے اجتناب ضروری ہے، لہذا مسجد میں خیاطت و درزی کا کام کرنا شرعاً مکروہ ہے البتہ اگر کوئی مسجد کی حفاظت کے واسطے مسجد میں کپڑوں کی سلائی کا کام کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشيخ ابراهيم الحلبي رحمه الله: والخیاطة فيه تکره الا اذا كان لضرورة حفظه عن الصبيان و نحوهم۔

رحلبی کبیری ص ۶۱ کتاب الصلوٰۃ۔ فصل فی احکام المسجد ص ۱۰

متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے بغیر مسجد کی تعمیرات میں تصرف کرنا | سوال :- ایک شخص نے زمین خرید کر اس پر مسجد بنائی اور بعد میں وہ اس مسجد کا متولی مقرر ہوا، اب دوسرے محلے کا ایک

شخص اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جبکہ متولی اس کی اجازت نہیں دے رہا، تو کیا از روئے شرع متولی کا انکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ میں متولی مسجد اور اہل محلہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے محلے والے کو اس مسجد میں ہدفاً و بناءً تصرف کرنا جائز نہیں، ایسے معاملات کے اختیارات صرف اہل محلہ اور متولی ہی کو حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی غیر متعلقہ شخص کو۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: اراد ونقض المسجد وبنائوه وأحكم من الاول ان لم يكن الباني من اهل المعلة ليس لهم ذلك وان كان

له وقال العلامة حافظ الدين محمد بن محمد البزاز رحمه الله: والخیاطة فيه تکره الا اذا كان لحفظ المسجد عن الصبيان ونحو ذلك کذا لکاتب۔

البرزازية على هامش الهدية ج ۲ ص ۸۲ کتاب الصلوٰۃ لفصل السار والعشرون

ومثله في الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۵۶ القول في احکام المسجد۔

من اهل المحلة لهم ذلك - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد) لہ

**بانی مسجد کے لیے لوگوں کو مسجد سے منع کرنا جائز ہے** | سوال :- ایک مسجد کے لیے کچھ زمین وقف

تھی، کسی نے اس زمین پر اپنے خرچ سے مسجد بنائی اور مسجد کی آبادی میں کسی نے بھی اس سے تعاون نہیں کیا، اب اس بانی کے ساتھ اہل محلہ اور پیش امام کی ناراضگی پیدا ہو گئی ہے جبکہ بانی مسجد یہ چاہتا ہے کہ اہل محلہ اور پیش امام کو مسجد میں آنے جانے سے روک دے، تو کیا شریعت کی رو سے یہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :- بشرط صدق وثبوت بانی مسجد کا پیش امام یا اہل محلہ کو مسجد سے منع کرنا شرعاً حرام ہے -**

لما قال الله تبارك وتعالى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ - (سورة البقرة آیت ۱۱۴) لہ

**ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر خرچ کرنے کا حکم** | سوال :- ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد

پر لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ایک مسجد کا چندہ دوسری مسجد پر لگانا اس وقت درست ہے جب اس مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر فی الحال اس چندہ کی مسجد کو ضرورت نہ ہو اور آئندہ ضرورت پیش آنے کا امکان ہو تو پھر بھی دوسری مسجد میں اس چندہ کا استعمال

لہ وقال في الهندية: وفي الكبرى مسجد مبني الارادرجل ان ينقضه ويبيئه ثانياً احكم من البناء الاقل ليس له ذلك لانه لا ولاية كذا في المصنعات -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب الوقف باب الحادى عشر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبِزَازِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۶ ص ۶۱ کتاب الوقف باب الرابع في المسجد

لہ وقال العلامة بيضاوى رحمه الله: عام لكل من خرب مسجداً أو سعى في تعطيل مكان مرشح للصلوة - (تفسير بيضاوى ج ۱ ص ۱۰۱ - سورة البقرة)

وَمِثْلُهُ فِي تَفْسِيرَاتِ كَثِيرٍ ج ۱ ص ۱۵۶ - سورة البقرة -



درست نہیں، تاہم اگر چندہ دہندگان اجازت دے دیں تو پھر کسی دوسری مسجد پر صرف کرنے میں کوئی عوج نہیں۔

لما قال العلامة الحسکفی: وعن الثاني ينقل الى مسجد آخر باذن القاضي.....  
حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما وكذا الرباط والبراط والمبراط اذا لم ينتفع  
بهما فيصرف في وقف المسجد والرباط والبراط والمحوض الى اقرب مسجد او  
رباط او حوض. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۹ کتاب الوقف) ۱۰

**مسجد کی چھت کی پرانی چادروں کا حکم** | سوال :- ایک مسجد جو کہ ۱۹۵۵ء میں تعمیر

کی گئی تھی اور اس کی چھت چادروں کی تھی بعد میں اسے تہید کر کے اس میں توسیع کی گئی اور اس کے ساتھ ہی اہل محلہ پیش امام کیلئے ایک مکان بھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اب اگر اس مسجد کی پرانی چادروں کو پیش امام کے گھر میں استعمال کیا جائے تو شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر یہ چادریں مسجد کے کسی کام میں استعمال نہ ہو سکتی ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ان کو فروخت کرنا یا امام صاحب کے گھر میں استعمال کرنا از روئے شریعت مرنص ہے بلکہ ان کو فروخت کر کے رقم مسجد کی تعمیر جدید میں خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال العلامة عالم بن علاء الانصاری: سئل ابو بکر عن حشيش المسجد يخرج عن المسجد يا  
الربيع؟ قال ان لم يكن له قيمة فلا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس برفعه والانتفاع  
به. (فتاوى تاتارخانية ج ۵ ص ۱۵۵ کتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد) ۱۰

لما قال العلامة عالم بن علاء الانصاری: سئل شمس اللہ الحلوانی عن مسجد او حوض خراب ولا يحتاج  
اليه لتفرق الناس هل للقاضي ان يصرفه او قافه الى مسجد آخر او حوض آخر؟ قال نعم.  
(الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب الوقف) ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۹۳۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخارى: حشيش المسجد اذا خرج من المسجد يا  
الربيع ان لم يكن له قيمة لا بأس بطرحه خارج المسجد ولا بأس بدفعه والانتفاع به.  
(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۵ کتاب الوقف، الفصل الرابع) ۱۰

ومثله في الهندية ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الوقف، الباب الحادى عشر۔

## متولی مسجد کی وفات کے بعد مسجد کے اختیارات کا حکم | سوال :- ایک آدمی

مسجد کے تمام اختیارات اس کو حاصل تھے، تو اس کی وفات کے بعد اس کے اختیارات اُس کی اولاد کو منتقل ہو سکتے ہیں؟

الجواب :- مسجد کے بانی اور متولی کو تمام تر اختیارات شرعاً حاصل ہوتے ہیں اور مسجد کے لیے مؤذن، امام و خطیب وغیرہ مقرر کرنا اسی کا حق ہوتا ہے، لہذا اس کی وفات کے بعد تمام تر اختیارات اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوں گے، وہ اپنی خوشی سے مسجد کے امور میں جائز اور مناسب تصرفات کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والباقي احق بالامامة والاذان وولد من بعده وعشيرته اولى بذلك من غيرهم وفي المجرى عن ابى حنيفة ان الباقي اولى بجميع مصالح المسجد ونصب الامام والمؤذن اذا تأهل للامامة۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۹ کتاب الوقت) لے

## مسجد کا پنکھا گھر میں استعمال کرنا جائز نہیں | سوال :- ایک شخص نے

مسجد کے لیے وقت کیا، تو کیا مسجد کا پیش امام اس پنکھے کو اپنے گھر میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مسئلہ کے مطابق اگر یہ پنکھا واقعہ مسجد کے لیے وقف شدہ ہو تو مسجد کے پیش امام کے لیے اس پنکھے کا اپنے گھر میں استعمال شرعاً جائز نہیں، اگرچہ پیش امام کا وجود و مصالح مسجد میں سے ہے تاہم اگر واقف نے علی الاطلاق نیت کی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال في الهندية: متولى المسجد ليس له ان يحمل سراج المسجد

لے وقال الشيخ ابراهيم الحلبي رحمه الله: وكذا اولد الباقي وعشيرته من بعده اولى من غيرهم۔ (رحلى كبرى ج ۱ ص ۱۵۱ فصل في احكام المسجد) ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الفصل، الباب الرابع۔

الى بيته وله ان يحمله من البيت الى المسجد -

والفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الوقف له

**مسجد میں نکاح پڑھانے کا حکم | سوال :-** بعض لوگ مسجد میں نکاح پڑھانے کو سنت سمجھتے ہیں، کیا واقعی مسجد میں نکاح

پڑھانا سنت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** نکاح پڑھانا خود ایک مستون عمل ہے جو عبادت کا ایک شعبہ ہے اس لئے مسجد میں نکاح کے ایجاب و قبول کرانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم ایسے مواقع پر کوئی ایسی حرکت کرنا جو مسجد کے آداب کے منافی ہو سے اجتناب کرنا اشد ضروری ہے۔

لما ورد في الحديث : عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدقوف -  
(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۴۲ کتاب النکاح) لہ

**ذکر واذکار اور نماز میں مشغول لوگوں کو سلام کرنے کا حکم | سوال :-** مسجد میں لوگ عموماً ذکر واذکار اور

نماز میں مشغول ہوتے ہیں، تو ایسی حالت میں مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے ان پر سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا شخص بھی حکماً ذکر ہے جیسا کہ روایت

لہ وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله : متولى المسجد ليس له ان يحمل سراج المسجد الى بيته وله ان يحمله من البيت الى المسجد -

(خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب الوقف - الفصل الرابع)

وَمِثْلُهُ فِي التَّاتَارِخَانِيَةِ ج ۵ ص ۸۵ کتاب الوقف - الفصل الحادي والعشرون -

لہ وقال في الهندية : مباشرة عقد النكاح في المساجد مستحبٌ -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراهية - الباب الخامس)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب النکاح -



سے ثابت ہے، اس لیے یہ بھی ذاکر کے حکم میں ہو کر اس کو سلام کرنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی نماز کے بعد ویسے ہی فارغ بیٹھا ہو تو اسے سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما ورد في الحديث : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جلس من مجلس يجلس ينتظر الصلوة فهو في الصلوة - (ترمذی ج ۱ ص ۱۱۱ ابواب الجمعة) لہ

**مسجد میں تھوکنے کا حکم** | سوال :- سنا ہے کہ انسان کے منہ سے نکلنے والا تھوک پاک ہے، اس کے پاک ہونے کی صورت میں کیا مسجد میں تھوکنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مساجد اللہ تعالیٰ کا گھر اور مسلمانوں کی عبادت گاہ ہیں اس لیے ان کی عظمت اور عزت برقرار رکھنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، ایسے کام جن میں تھوک کا معمولی سا شائبہ بھی ہو ان سے بھی مساجد کو پاک رکھا جائے۔ مسلمان کی تھوک اگرچہ بالاتفاق پاک ہے لیکن مسجد کی عظمت نشان اور آداب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس میں سے تھوکنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة الشيخ ابراهيم الحلبي رحمته :- ولا يبزق على حيطان المسجد ولا على ارضه ولا على ابوابه وكذا المخطاط لكن يأخذها بطرف ثوبه ويد لك بعضه ببعض - (كبيري ص ۶۱۲ فصل في احكام المسجد)

**مسجد کے لیے موقوفہ زمین پر پیش امام کا تصرف کرنا** | سوال :- مسجد کے ساتھ متصل زمین مسجد کے

لہ وقال في الهندية : ويكره السلام عند قراءة القرآن جهراً وكذا عند مذاكرة العلم وعند الاذان والاقامة والصحيح انه لا يرد في هذه المواضع ايضاً - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵ كتاب الكراهية - ابواب السابغ) ومثله في رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۶ باب ما يفسد الطلاق - مطب المواضع التي يكره فيها السلام - لہ ما ورد في الحديث : قال النبي صلى الله عليه وسلم البزاق في المسجد خبيثة وكفارتها دفنها - (ابوداؤد ج ۱ ص ۶۸۵ باب كراهية البزاق في المسجد) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ كتاب الكراهية - ابواب الخامس -

مصارف کے لیے وقف کی گئی تھی، اس زمین میں مسجد کا پیش امام اپنے لیے کھیتی باڑی کرتا رہا، کچھ عرصہ بعد پیش امام نے چپکے سے مسجد کی انتظامیہ یا کسی اور کو بتائے بغیر اس زمین کا سرکاری کاغذات میں انتقال اپنے نام کرا لیا ہے، تو پیش امام کے اس اقدام کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا یہ زمین پیش امام کی ملکیت ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:-** چونکہ مذکورہ زمین مسجد اور مسجد کے مصالح کے لیے وقف کی گئی ہے جس میں پیش امام کی شخصیت کا کوئی دخل نہیں، لہذا مسجد کے مصارف کے لیے جو چیزیں وقف ہو وہ مسجد ہی کا حق ہے اور پیش امام کا قبضہ اور اپنے نام انتقال کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے پیش امام کا یہ اقدام خلاف شرع ہوگا اس زمین کا مالک متصور نہ ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ : ارضی وقف علی مسجد صارت بحال لا تصرع فجعلہا رجل حوضاً للعامة لا یجوز للمسلمین اتنفاع عاد ذلک الحوض -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب الوقت الفصل الثانی)

**سوال :- ایک وسیع و عریض ایک مسجد کی موجودگی میں دوسری مسجد تعمیر کرنا | مسجد کے باوجود بعض لوگ امام سے اختلاف کا بہانہ بنا کر دوسری مسجد تعمیر کر لیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس سے قوم میں بے اتفاقی کا احتمال بھی ہو۔**

**الجواب:-** ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے قوم میں بے اتفاقی اور اختلافات کا ذریعہ بنا بد قسمتی کی دلیل ہے۔ اگر امام سے اختلاف ذاتی وجوہات یا غیر شرعی امور کی وجہ سے ہو تو ایسے اختلافات کا شکار ہونا خود بھی گناہ ہے، پھر اس ایک گناہ کے ارتکاب کے بعد مسلمانوں میں بے اتفاقی کا موقع فراہم کرنا دوسرا بڑا جرم ہے۔ ایسی صورت میں دوسری مسجد بنانے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر ان واقعات کی وجہ سے کوئی شخص زمین باقاعدہ وقف کر کے اس پر مسجد بنائے تو دوسری مسجد بھی مسجد شرعی رہے گی، اس کے ذاتی اغراض کا معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ البتہ بوقت ضرورت یا باہمی اختلافات سے بچنے کے لیے دوسری مسجد بنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

قال ابن نجیم : واذا قسم المحلۃ المسجد وضرہ بوافیہ حائطاً وکل منہم امام علی حدۃ و مؤذنہم

واحد لا بأس بہ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵ باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا)



**مسجد کے بعض حصّہ کو سڑک میں شامل کرنا** | سوال :- ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جو اپنے رقبہ کے لحاظ سے نمازیوں کی تعداد کے مقابلہ میں

کافی وسیع ہے، اور مسجد کے متصل ایک سڑک بھی بن رہی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کا کچھ حصّہ اس سڑک میں شامل کر دیا جائے تاکہ سڑک وسیع ہو کر لوگوں کے مفاد میں بہتر ثابت ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے تو پھر اس کا کچھ حصّہ افادہ عام کے لیے سڑک میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اسے کسی اور کام میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں اگرچہ فوائد اس میں زائد ہوں، لہذا مسجد کا کوئی بھی حصّہ سڑک میں شامل کرنا جائز نہیں۔

قال الحصکفی: (جعل شیء) ای جعل البانی شیئاً من الطریق مسجداً (لضيقه ولم یضر بالمارین) (جاز) لانهما للمسلمین (کعکسہ ای بجواز عکسہ وهو ما اذا جعل فی المسجد ممرًا لتعارف اهل الامصار فی الجوامع وجاز لكل احد ان یمتد فیہ حتی الکافر الا الجنب والمخاض والدواب زلیعی) (کما جاز جعل) الامام (الطریق مسجداً کعکسہ) جواز الصلوٰۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد - (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۳۷۷ احکام المساجد کتاب الوقف) ۷۲

**مساجد میں بلند آواز سے نعت خوانی اور تقریر کرنا** | سوال :- مساجد میں بلند آواز سے نعت خوانی اور تقریر کرنا جیسا کہ آج کل

جلسوں میں ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مساجد میں بلند آواز سے تقریر کرنا اور ایسے ہی نعت خوانی کرنا اگر کسی نمازی کی نماز میں باعث تشویش نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اگر کہیں نمازیوں کی نماز میں تشویش کا ذریعہ ہو تو مکروہ ہے۔

قال الحصکفی: انتقاد ضالۃ او شعراً کما فیہ ذکر و رفع صوت بد کر الا للمتفہمۃ۔

لہ وفي الہندیۃ ان ارادوا ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لہم ذلک وانه صیحیح کذا فی محیط - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب الوقف) ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۵ کتاب الوقف۔



قال ابن عابدین تحت هذا القول وفي حاشية الحموی عن الامام الشعرائی  
اجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استجباب ذکر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش  
جهنم على نائرها ومصلا او قاری الخ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۶ احکام المساجد، کتاب الصلوة) لہ

**سوال :-** ایک مقام پر بعض لوگوں نے  
**سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے مسجد بنانا**  
گورنمنٹ کی زمین پر جبراً قبضہ کر کے مسجد

تعمیر کر لی جبکہ حکومت نے انہیں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اب حکومت اپنے نقشہ  
کے مطابق شہر کی تعمیر چاہتی ہے، دریافت طلب اس پر ہے کہ کیا ایسی غصب شدہ زمین پر بنائی گئی  
مسجد مسجد شرعی کے حکم میں ہے؟ اور کیا حکومت اس کو منہدم کر کے اپنے مصرف میں لاسکتی ہے؟  
**الجواب :-** مسجد کے لیے زمین وقت کرنے کے لیے واقف کا ملک تام ہونا شرط ہے،

جبکہ یہ زمین حکومت کی ملکیت ہے، تو عوام کو حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں۔  
کسی کی زمین پر جبراً قبضہ کر کے وہاں مسجد بنالی جائے تو وہ شرعی مسجد نہیں، اسلئے اگر حکومت ایسی  
مسجد کو منہدم کر کے اس جگہ کو کسی اور مصرف میں استعمال کرے تو جائز ہے تاہم اگر ضرر نہ ہو تو  
اسی جگہ مسجد کو باقی رکھنا بہتر ہے۔

قال ابن عابدین: افادان الواقف لا بد ان يكون مالكا له وقت الوقف ملكا ياتوا ولو  
بسبب وان لا يكون محجورا عن التصرف حتى لو وقف الغاصب المخصوص لم يصح  
وان ملكه بعد بشراء او صلح ولو جازا للمالك وقت الفصولی جاز۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۲ کتاب الوقف، مطلب قد یتثبت الوقف بالضرورة) لہ

لہ فی الصیغ البخاری عن السائب بن یزید قال: کنت قائما فی المسجد فخصبني رجل فنظرت  
الیہ فاذا عمر بن الخطاب اذہب فأتنی بہمدین فجتہ بہما فقال ممن انتما و من  
این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لا وجعتكما ترفعان اصواتكما  
فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الصیغ البخاری ج ۱ باب رفع الصوت فی المسجد)  
وَمِثْلُهُ فِي الطَّحَاوِي حَاشِيَةٌ مَرَاتِي الْقَلَّاح ص ۲۰۲ کتاب الصلوة۔

لہ قال ابن نجيم: الخامس من شرائط الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقها تُحَرَّر  
اشتراها من مالکها ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفاً۔  
(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۵ کتاب الوقف) وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف۔

**مسجد کے مسبح ہونے کا حکم | سوال :-** ایک مسجد جو کہ عوام کے تعاون سے تعمیر کی گئی ہے لیکن ڈیزائن اور نقشہ کے لحاظ سے مسبح ہے جبکہ عام مساجد کی تعمیر مربع اور مستطیل شکل میں ہوتی ہے اور فقہاء امت کے اقوال سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مروجہ طریقہ کو چھوڑ کر جدید طریقہ سے مسجد بنانا جائز ہے؟ جبکہ اس مسجد کا ڈیزائن بعض غیر مسلم عبادت گاہوں سے بھی متشابه ہے؟

**الجواب :-** مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہ اور شعائر اللہ میں سے ہیں جن کا مقصد یادِ الہی اور صلوٰۃ واذکار ہیں، ان کی یہ حیثیت تب برقرار رہتی ہے جب یہ اسلامی مساجد کی ہیئت اور شکل و صورت کی طرح ہوں اور ان کو بعض غیر مسلم اقوام کی عبادت گاہوں کا، تم شکل بنانا جائز نہیں، تاہم اگر تشبیہ کی نیت کے بغیر محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایسا نقشہ اختیار کیا گیا ہو تو پھر اس مسجد کی شرعی حیثیت پر یہ نقشہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا تَمْسِكُمُ النَّارَ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ  
ثُمَّ لَا تَنْصُرُوهُم - الآية (سورۃ ہود، رکوع ۷۱)

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم - رواه احمد وابوداؤد - (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب اللباس) لہ

**مسجد میں گم شدہ چیزوں کے اعلان کا حکم | سوال :-** لاؤڈ سپیکر سے استفادہ کی خاطر عموماً گم شدہ اور چلبسوں کے اعلانات مساجد میں ہوتے رہتے ہیں، کیا از روئے شرع یہ امور جائز ہیں؟

**الجواب :-** مسجد عبادت گاہ ہے اس لیے جو چیز مسجد سے باہر گم ہو گئی ہو تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا جائز نہیں البتہ جو چیز مسجد میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان مسجد کے اندر بھی مرنص ہے۔ اسی طرح مسجد میں گم شدہ بچے کا اعلان کرنا انسانی جان کی عظمت کی وجہ سے جائز ہے۔

لما قال العلامة المحصن (بکرة انشاد الضالة) قال السيد احمد الطحطاوى فى حاشية على الدر المختار تحت قوله وانشاد الضالة لقوله عليه السلام اذا رأيت من ينشد الضالة فى المسجد فقولوا لا ردھا الله عليك قوله الامامیہ ذکر نحوه الموعظة لانه



كان ينشد الشعر بين يديه صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد ويأمر حسنا بذلك -  
 والطحاوي على الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۸ مكرهات الصلوة - فصل في احكام المساجد - ص ۱

**مسجد کی جائد موقوفہ پر دعویٰ ارث** | سوال :- ایک قطعہ اراضی اور مکان کسی شخص نے مسجد کی ضروریات کے لیے وقف کیا، امام کو مسجد کے

مکان میں رہائش کی اجازت دی گئی، جب تک موصوف مسجد کے امام تھے تو ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا لیکن موصوف کی رحلت کے بعد اس کے پسماندہ ورثاء مکان پر قبضہ جما کر مکانہ حقوق کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ کیا مسجد کی موقوفہ جائد پر کسی کے ارث کا دعویٰ درست ہے؟

**الجواب :-** اگر مکان اور زمین مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہوں تو امام صاحب کے پسماندہ ورثاء بطور وراثت اس پر قابض نہیں ہو سکتے، کیونکہ مسجد کے لیے وقف شدہ چیز کسی کی ملک نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ مسجد کی ضروریات کے لیے ہی استعمال ہوگی۔

قال المرغینانی: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم يكن له ان يرجع فيه ولا يبيعه ولا يورث عنه لانه يحترق عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى وهذا لان الاشياء كلها لله تعالى - (الهداية ج ۲ ص ۶۰۸ - كتاب الوقف، فصل في المسجد) ص ۱

لہ لما قال العلامة محمد يوسف بنوری: واما انشاء الفلألة فلها صوتان احدهما وهي اقبم واشتغ بان یضل شیء خارج المسجد تقرینشد فی المسجد لاجل اجتماع الناس فیہ -

والثانية ان یضل فی المسجد نفسه فیئشده فیہ وهذا یجوز اذا كان من غیر لغظ وشغب - (معارف السنن ج ۳ ص ۳۱۳ باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء... والشعرا <sup>فلمسجد</sup>) ومثله فی رد المختار ج ۱ ص ۶۶ مطلب فی افضل المساجد، کتاب الصلوة -

لہ وقی الہندیہ: اما حکمہ عند ہما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وعند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حکمہ صیرورۃ العین محبوسۃ علی ملکہ بحيث لا تقبل النقل عن ملک الی ملک والتصدق بالغلۃ البعدومۃ متى صح الوقف بان قال جعلت ارضی ہذا صدقۃ موقوۃ مؤبدۃ او وصیت بہا بعد موتی فانه یصح حتی لا یملک بیعہ ولا یورث عنہ لکن ینظر ان خرج من الثلث یجوز - (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۳۵۲ ابنا الاول فی تعریف الوقف کتاب الوقف) ومثله فی رد المختار ج ۲ ص ۳۵۱، ۳۵۱ کتاب الوقف -



**مسجد میں کھانے پینے کا حکم** | سوال :- مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں تو ان میں کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** مسجد میں کھانا پینا صرف معتکف کے لیے جائز ہے، البتہ غیر معتکف یا مقیم وغیرہ اگر کسی وجہ سے مسجد میں کھانا کھانا چاہتے ہیں تو بغیر نیت اعتکاف کے مکروہ ہے، لہذا مسجد میں کھانا کھاتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی جائے۔ مسجد کے ساتھ متصل زمین یا کمرہ کو چھوڑ کر بلند مسجد میں ہی کھانا کھانا اچھا نہیں۔

وفي الهندية: ويكره النوم والاكل لغير المعتكف واذا اراد ان يفعل ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل فيه ويذكر الله تعالى بقدر ما نوى او يصلي ماشاء كذا في السراجية - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراهية - الباب الخامس في آداب المسجد)

**مدرس کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا** | سوال :- مسجد میں بچوں کو پڑھانے والے استاد کو مسجد کے فنڈ سے اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مدرس کو مسجد کے لیے جمع شدہ فنڈ سے تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ مدرس مسجد کے مصارف میں سے نہیں ہے، اس لیے مدرس کی تنخواہ کا کوئی اور انتظام کیا جائے۔ البتہ اگر جمع شدہ فنڈ مسجد کی ضروریات سے زائد ہو تو اس کو کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے جو اقرب الاقرب ہو۔

قال المحكفي: حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهم (رو) كذا (الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر) والحوض (الى اقرب مسجد او رباط او بئر) وحوض (اليه) - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۹ کتاب الوقف) تاہم اگر واقف نے مال دینے وقت یہ نیت کی ہو کہ اس مال سے مسجد اور اس کے متعلق امام و مؤذن اور مدرس کو تنخواہ دی جائے تو اس صورت میں جائز ہے ایسے

قال قاضي خان: ويباح للمعتكف الاكل والشرب في معتكفه (ج ۱ ص ۲۳۲ باب الاعتكاف، قاضي خان علی هامش فتاویٰ ہندیہ) - وَمَنْ لَّهُ فِي رَدِّ الْمُجْتَدِ ج ۱ ص ۶۶۱ احکام المساجد - لہ وفي الهندية: واذا اراد ان يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد والى مؤذن المسجد ليس له ذلك الا ان كان الواقف شرط ذلك في الوقف -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف - الباب الحادي عشر في المسجد - الفصل الثاني)

**مسجد میں رہائش پذیر طلباء کا مسجد کی چیزوں کو استعمال کرنا** | سوال: مسجد میں رہائش پذیر طلباء جو کہ علم دین حاصل کر رہے

ہوں کیا وہ مسجد کی اشیاء مثلاً بجلی، لکڑی، درمی وغیرہم استعمال کر سکتے ہیں؟  
**الجواب:** مسجد کی موقوفہ اشیاء کا طلباء کو استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ طلباء کو اگر  
 مساجد کے مصالح سے متعلق نہیں، البتہ اگر واقف اس کی نیت کرے تو امام و مؤذن کی طرح ان  
 کے لیے بھی استعمال جائز ہے۔

قال ابن عابدین (قوله اتخذ الواقف والجهة) بان وقف وقفین علی المسجد  
 احدھا علی العمارۃ والاخر الی امامہ او مؤذنه والامام والمؤذن لا یتقرقلۃ المرسوم  
 للعاکم الدین ان یصرف من فاضل وقف المصلح والعمارۃ الی الامام والمؤذن باستصوا  
 اهل الاصلاح من اهل المحلۃ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۶ کتاب الوقف) لہ

**عارضی مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں** | سوال: ہم ایک سرکاری کالونی میں رہائش پذیر ہیں  
 جبکہ اس کالونی میں کوئی مسجد نہیں ہے اور حکومت نے

ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نقشہ کے مطابق آپ کو مسجد کے لیے زمین دیں گے، کالونی میں  
 دو دکانیں اور ان کے سامنے برآمدہ بھی ہے۔ کیا فی الحال عارضی طور پر ہم ان دوکانوں کی  
 ہیئت کو بدل کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ مثلاً ان کے درمیان میں محراب بنا لیا جائے جبکہ یہ  
 دکانیں حکومت کی ملک ہیں۔ اور بعد میں جب حکومت کی طرف سے مسجد کے نام پر زمین الاٹ  
 ہوگی تو اس الاٹ شدہ زمین پر منتقل طور پر مسجد بنائی جائے گی۔ کیا یہ دوکانیں جن میں عارضی طور پر  
 مسجد بنائی گئی تھی بعد میں اس کو دوبارہ دکانوں کے کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب:** جس زمین پر عارضی طور پر مسجد بنائی جائے یا مقصوبہ زمین پر مسجد بنائی جائے  
 تو یہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں، ضرورت ختم ہونے پر مالک اس زمین کو اپنی ذاتی ضروریات کے لیے  
 استعمال کر سکتا ہے، چونکہ یہ دوکانیں بھی مالک کی اجازت کے بغیر مسجد کے لیے استعمال ہوئی ہیں

لہ وفي الہندیۃ: واذا اراد ان یصرف شیئاً من ذلك الی امام المسجد او الی مؤذن  
 المسجد فلیس لہ ذلك الا ان کان الواقف شرط ذلك فی الوقف کذا فی الذخیرۃ۔  
 والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف۔ ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۶



اس لیے یہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں بلکہ بعد مالک یعنی حکومت اس کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔

قال ابن عابدین: افاذات الواقف لا یدان یكون مالک له وقت الوقت ملکاً یا تاولو بسبب فاسد وان لا یكون معجوراً عن التصرف حتی لو وقت الغاصب المغصوب له یصح وان ملکہ بعد بشرأ او صلح ولو جاز المالك وقف الفضولی جاز۔

رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۰ کتاب الوقف مطلب قد یتبث الوقف بالضرورة) لے

سوال :- رمضان المبارک میں اعتکاف معتکف کا مسجد میں ریح (ہوا) خارج کرنا

الجواب :- بدبو پھیلنے کے سبب مسجد میں ہوا خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے جس سے مسجد کو پاک رکھا جائے، چونکہ معتکف کے لیے مسجد میں سونے کی اجازت ہے اس لیے سونے کے ساتھ جو اس کے لوازمات ہیں وہ سب جائز ہیں تاہم بہتر نہیں۔

وفي الہندیۃ: اختلف فی الذی یفسوا فی المسجد فلم یر بعضہم بأساً وبعضہم قالوا لا یفسوا ویخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح ولا بأس للمحدث ان یدخل المسجد فی اصح القولین ویکرہ النوم والاکل فیہ لغير المعتکف۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراہیۃ) لے

الباب الخامس

لہ قال ابن نجیم: الخامس من شرائطہ الملك وقت الوقت حتی لو غضب

ارضا فوققہا ثم اشتراها من مالکها ودفع الثمن الیہ او صالح علی مال دفعہ الیہ

لا تكون وقفاً۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف)

ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف)

لہ قال ابن عابدین: وكذا لا یخرج فیہ الریح من الدبر كما فی الاشباہ

واختلف فیہ السلف فقيل لا بأس وقيل یخرج اذا احتاج الیہ وهو الاصح

جموی عن شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی۔ رد المحتار علی الدر المختار

جلد ۱ ص ۲۸۶ احکام المساجد)

ومثله فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف۔



**مسجد کا پانی گھر لے جانا** | سوال :- بعض علاقوں میں مسجد کا پانی اکثر لوگ گھر لے جاتے ہیں، کیا مسجد کا پانی گھر لے جانا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** یہ پانی اگر صرف مسجد کے لیے وقف ہو تو پھر مسجد کی ضروریات تک محدود رہے گا، مسجد سے گھروں کو پانی لے جانا جائز نہیں، البتہ اگر واقف نے پانی وقف کرتے وقت اس کی اجازت دی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں لیکن مسجد کی ضروریات کو مقدم رکھا جائے گا۔ اب اگر واقف نے کنواں مسجد اور دیگر ضروریات کے لیے تو وقف کیا ہے مگر پانی بجلی کی موٹر یا ڈیزل انجن وغیرہ کے ذریعے نکالا جاتا ہو تو اس میں بھی چند دہندگان کی نیت ضروری ہوگی۔

قال ابن نجيم: التوضي من السقاية اذا اتخذها للشرب اختلف المشائخ ولو اتخذها للتوضوء لا يجوز الشرب منه بالاجماع - (البحر الرائق جلد ۵ ص ۲۵۵ کتاب الوقف) لہ

**مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دینا** | سوال :- ایک شخص نے کچھ زمین مسجد کے لیے وقف کی تھی جس میں اس نے یہ تعین کیا تھا کہ نصف زمین کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر پر لگا دی جائے اور نصف زمین مزارعت کے لیے ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع امام کی تنخواہ میں صرف کیا جائے۔ اب جس مزارع کے پاس زمین ہے وہ نفع دینے سے انکاری ہے، ان حالات میں مسجد کے فنڈ سے امام کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ایسا فنڈ جو مسجد کی تعمیر کے لیے حاصل ہو اس سے امام کو تنخواہ نہیں دی جاسکتی، اگر واقف اس کی نیت کرے تو اس صورت میں دینا جائز ہے، البتہ مسجد کی عام ضروریات کے لیے رکھے ہوئے چندہ سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے کیونکہ یہ بھی مسجد کی ضرورت ہے۔ قال ابن عابدین: (قوله اتخذ الواقف والجهة) ان وقف وقفین علی المسجد احدھما علی العمارة والاخرالی امامہ او مؤذنہ ولا اماماً والمؤذن لا يستقر

لہ قال ابواللیث السمرقندی: یبدل ثمنہ فی مسجد اخر فی موضع ماء لعمارة المسجد اوقی الطرق للشرب لایجوز التوضی بہ الا اذا کان کثیراً وکذا لایجوز دفع الجمر من السقاية - (الفتاویٰ النوازل ص ۲۳۳ کتاب الوقف)

ومثله فی الہندیة ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقف

لقلة المرسوم للحاكم الدين وان يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى  
الامام والمؤذن باستصواب اهل الصلاح من اهل المحلة .

رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۳۶ کتاب الوقف مطلب في نقل انقضاء المسجد ونحوه

**سوال :-** ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس  
مسجد کے فنڈ سے امام کے لیے مکان بنانا کے ساتھ متصلہ رقبہ مسجد کے لیے وقف ہے

اس میں بعض اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ امام صاحب کے لیے مکان تعمیر کرایا جائے، لیکن مکان کی  
تعمیر کے لیے مستقل چندہ نہیں کیا گیا بلکہ مسجد کے فنڈ سے ہی مکان کو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا گیا  
ہے۔ کیا عند الشرح مسجد کے فنڈ سے امام صاحب کے لیے مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے ؟

**الجواب :-** صورتِ مسئلہ میں مکان کی تعمیر مسجد کے فنڈ کے مصارف میں سے نہیں ہے  
البتہ اگر واقف اس کی نیت کرے کہ اس فنڈ سے امام مسجد کے لیے مکان بھی تعمیر کرایا جا  
تو پھر شرعاً جائز ہے۔

قال ابن عابدین: قوله اتخذ الواقف والجمعة بان وقف وقفين على المسجد أحدهما  
على العمارة والاخرى امامه ومؤذنه والامام والمؤذن لا يستقر لقللة المرسوم للحاكم  
الدين ان يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى الامام والمؤذن باستصواب  
اهل الصلاح من اهل المحلة۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۳۶ کتاب الوقف)

۱۔ قال طاهرون عبد الرشيد: ولو شرط الواقف في الوقف الصرف الى امام المسجد وبين قدره  
يصرف اليه ان كان فقيراً وان كان غنياً لا يجعل له وكذا الوقف على الفقهاء والمؤذنين۔

(خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۳ الْبَابُ الْحَادِي عَشْرُ فِي الْمَسْجِدِ وَالْفَصْلُ

الثَّانِي فِي الْوَقْفِ عَلَى الْمَسْجِدِ۔

۲۔ وفي السَّهْنَدِيَّةِ: واذا اراد ان يصرف شيئاً من ذلك الى امام المسجد او الى مؤذن المسجد  
فليس له ذلك الا ان كان الواقف شرط ذلك في الوقف كذا في الذخيرة۔

(الفتاوى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الوقف۔ الباب الحادي عشر في المسجد الفصل الثاني)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب الوقف۔



**سوال :-** ہماری مسجد کے قریب تقریباً ۵۵ گز کے فاصلہ پر ایک چبوترہ ہے، ہمارے محلہ میں عقائد کے لحاظ سے بہت اختلاف ہے، اسی اختلاف کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز کو جائز نہیں سمجھتے، ان حالات میں ہر فریق نے اپنے لیے الگ الگ مسجد بنائی ہے لیکن دونوں مساجد اتنی قریب ہیں کہ بسا اوقات ایک دوسرے کی تکبیرات اور قرأت سنی جاتی ہے۔ ان حالات میں دوسری مسجد کا قیام جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر اہل محلہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ آپس میں صلح کر لیں اور اختلاف کو رفع کر دیں اور اگر اختلاف رفع نہ ہو سکے تو رفع فساد کے لیے ایک مسجد کو تقسیم کرنا شرعاً جائز ہے اس لیے قریب میں دوسری مسجد بنانا بطریق اولیٰ جائز ہے۔  
قال ابن نجيم: واذا قسم اهل المحلة المسجد وضر بوافيه حائطاً وكل مناهم امام على حدة ومؤذنين واحداً باس به۔

البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵۲ باب ما يفسد اهلوة وما يكره فيها، له

**سوال :-** کسی کو مسجد میں آنے سے منع کرنے کا شرع میں کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** مسجد کسی کی ملک نہیں، یہ ایک عبادت گاہ ہے جس میں ہر ایک کو آنے کا حق حاصل ہے کہ اس میں نماز و تلاوت و ذکر کرے۔ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔ (سورة الجن آیت ۱۷) اس لیے مساجد میں آنے سے کسی کو منع کرنا گناہ عظیم ہے، قرآن کریم میں مساجد میں آنے سے منع کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے، ارشادِ ربّانی ہے  
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُدْخَلَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا (البقرة ۱۱۴)  
البتہ اگر مسجد تنگ ہو تو اپنی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر دوسرے محلے والوں کو مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

قال ابن عابدین: قال في القنية وكن اهل المحلة ان يمنعوا من ليس منهم

له قال الحصكفي: وجعل المسجدين واحد او عكسه لصلوة۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج ۱ ص ۶۶۳)

احكام المساجد۔ - وَفِيئِلَّةً فِي السُّنَنِ ج ۵ ص ۳۲ كتاب الكراهية -



عن الصلوة فيه اذا ضاق بهم مسجد۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۲ کتاب الصلوة) <sup>۱</sup>  
**مسجد میں گوبر کا استعمال** | سوال :- مسجد میں گوبر کا استعمال کیسا ہے؟ جیسا کہ بعض مساجد <sup>جد</sup>  
 میں آگ جلانے یا مٹی میں خلط کر کے کارا بنا کر استعمال کیا

جاتا ہے؟

**الجواب :-** مسجد میں گوبر کا استعمال جائز نہیں، البتہ ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے، تاہم  
 اگر گوبر کے علاوہ کسی متبادل چیز سے ضرورت پوری ہو سکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس متبادل چیز  
 کو استعمال کیا جائے۔

قال ابن عابدین: (ولا تطيبينه بنجس) في الفتاوى الهندية يكره ان يطيبين  
 المسجد بطين قد بل بمارنجس بخلاف السرقين اذا جعل فيه الطين لان في ذلك  
 ضرورة وهو تحصيل غرض لا يحصل الا به كذا في السراجية۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المساجد) <sup>۲</sup>

**ویران مسجد کا حکم** | سوال :- ہمارے محلہ میں ایک پرانی مسجد ہے جو کسی وقت آباد  
 تھی لیکن اب لوگ اس میں نماز نہیں پڑھتے، بعض لوگ اس میں مویشی  
 بھی باندھتے ہیں، جبکہ کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ اس پرانی اور ویران مسجد کو جنازہ گاہ میں تبدیل  
 کیا جائے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** جب کسی مقام پر ایک دفعہ مسجد بنا دی جائے اور مستقلاً اس میں نماز بھی  
 پڑھی گئی ہو تو اس کو ویران ہونے کے بعد کسی بھی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں  
 وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، لہذا اس ویران مسجد کو جنازہ گاہ یا اصطبل میں بدلنے کی اجازت

۱۔ قال ابن نجيم: وكذا الاهل المحلة ان يمتعوا من ليس منهم عن الصلوة فيه اذا  
 ضاق بهم المسجد۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵ کتاب الوقف)  
 ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۲۲ کتاب الكراهية)

۲۔ قال ابن نجيم: اذا نزع الماء النجس من البركوة له ان يبيل به الطين فيطين به  
 المسجد على قول من اعتبر نجاسة الطين۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵ باب يفسد الصلوة)  
 ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۱ کتاب الكراهية الباب الخامس في اداب المسجد۔

نہیں بلکہ اگر ہو سکے تو از سر نو اس مسجد کو تعمیر کر کے آباد کیا جائے۔

قال المحصن، ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الامام  
والثاني) ابدأ الى قيام الساعة (رويه يفتي) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین (عند الامام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل  
ماله الى مسجد آخر سواء كان يصلون فيه او لا وهو الفتاوى حاوی القدسی  
واكثر المشائخ عليه مجتبی وهو الاوجه۔

رد المختار ج ۲ ص ۳۵۸ کتاب الوقت مطلب فيما لو خرب المسجد وغيرها

**مسئلہ** مسجد شرعی کا تبادلہ  
اہل محلہ نے وہاں مسجد تعمیر کر کے نماز شروع کر دی، اب یہ شخص کہتا ہے کہ

یہ جگہ مجھے واپس کر دی جائے میں اس کے بدلہ میں دوسری جگہ دیتا ہوں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب**؛ جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف کر دی گئی اور باقاعدہ طور پر وہاں مسجد  
بھی بنائی گئی اور نماز شروع ہو گئی تو ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہے گی، اب اس کو منہدم کر اس کے  
بدلے میں دوسری مسجد بنانا یا اس کی جگہ کو تبدیل کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال المحصن، ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجد عند الامام والثاني)  
ابدأ الى قيام الساعة (رويه يفتي) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین (عند الامام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل مالہ الى  
مسجد آخر سواء كان يصلون فيه او لا وهو الفتاوى حاوی القدسی واكثر المشائخ عليه مجتبی  
وهو الاوجه۔ (رد المختار ج ۲ ص ۳۵۸ باب الوقت مطلب فيما لو ضرب المسجد وغيرها)

قال طاهر البخاری: اذا خرب المسجد وفي الفتاوى اذا خربت القرية فيها المسجد وجعلت مزارع وخرب  
المسجد ولا يصل فيه احد فلا بأس بان ياخذها صاحبه ويبيعه وهو قول محمد وعن ابى يوسف لا يعود  
الى ملك الباني ولا الى ملك ورثته وهو مسجد ابدأ۔ (خلاصة الفتاوى جلد ۴ ص ۲۲۲ کتاب الوقت،  
الفصل الرابع في المسجود اوقافه) ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقت فصل في المسجد۔

وفي الخلاصة الفتاوى: اذا خرب المسجد وفي الفتاوى اذا خربت القرية التي فيها المسجد وجعلت مزارع  
وخرب المسجد ولا يصل فيه احد فلا بأس بان ياخذها صاحبه ويبيعه وهو قول محمد وعن ابى يوسف لا يعود الى  
ملك الباني ولا الى ملك ورثته وهو مسجد ابدأ۔ (رد المختار ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقت الفصل الرابع في المسجد وغيره)  
ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۶۵ کتاب الوقت فصل في المسجد۔



**مسجد میں کسی کے لیے جگہ متعین کرنا** | سوال :- بعض لوگ مسجد کے اندر اپنے رفقا کے لیے بیٹھنے کی جگہ متعین کر دیتے ہیں اور اس جگہ پر چادر یا جائے نماز رکھ کر دوسروں کو وہاں بیٹھنے نہیں دیتے جبکہ ابھی تک وہ لوگ مسجد میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ کیا اس طرح کسی کے لیے مسجد میں جگہ متعین کرنا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** مسجد میں غیر موجود لوگوں کے لیے جگہ روکنا خصوصاً جمعہ کے دن ایسا کرنے کو غیر مستحسن اور ناجائز سمجھا گیا ہے کیونکہ مسجد کسی کی ملک نہیں، یہ حق پہلے آنے والوں کا بتلے، علاوہ ازیں بعد میں آنے والا شخص بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں یا کندھوں کے اوپر سے گذر کر جائے گا اور دوسرے مسلمانوں کی اپذارسانی کا سبب بنے گا جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔

عن ابی سعید و ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعة ولبس من احسن ثیابہ و مس من طیب ان کان عندک ثم اتی الجمعة فلم یتخط اعناق الناس ثم ما کتب اللہ لہ ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یفرغ من صلواتہ کانت کفارة لما بینہا و بین جمعة التی قبلہا۔ ۲ و ۱۰۱ ابوداؤد (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۲) باب التنظیف والتکبیر، الفصل الثانی (۱) لہ

**مسجد کے باغیچہ پر چھت ڈالنا** | سوال :- مسجد کے ساتھ صحن میں ایک باغیچہ ہے، بعض اہل محلہ کا ارادہ ہے کہ اس باغیچہ پر چھت ڈال دی جائے تاکہ طلباء کرام دینی علوم حاصل کر سکیں یا کسی اور مصالح میں اس کو استعمال کیا جاسکے، کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** اگر مسجد کا یہ صحن داخل ہو اور اس میں مستقل طور پر کسی وقت نماز

لہ حدیثنا ہارون بن معروف نا بشر بن السری نا معاویۃ بن صالح عن الزاہدۃ قال کتبا مع عبد اللہ بن بسر صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعة فجاء رجل یتخطی رقاب الناس فقال عبد اللہ بن بسر جاء رجل یتخطی رقاب الناس یوم الجمعة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجلس فقد اذیت۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۹) باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة

وَمِثْلُهُ فِي الْجَامِعِ التِّرْمِذِيِّ ج ۱ ص ۶۱۰ بَاب فِي كَرَاهِيَةِ التَّخَطُّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔



پڑھ لی گئی ہو تو اب یہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس کو کسی اور مصرف میں لانا عند الشرح جائز نہیں۔ تاہم چونکہ دینی تعلیم کا حصول مساجد کے مقاصد میں شمار ہوتا ہے اس لیے مسجد یا اس کے کسی کونے کو مدرسے کے طور پر استعمال کرنا مخصص ہے، لیکن دیگر مصالح کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔

لساروی ابوہریرۃ عن النبی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من جاء مسجدی لحریات الا الخیر لتعلمہ او یعلّمہ فہو بمنزلۃ المجاہد فی سبیل اللہ۔ الخ قال المسلا علی القاری فیہ دلالة علی جواز التدريس فی المسجد۔ (المرقاة شرح مشکوٰۃ جلد ۲۲)

باب المساجد الفصل الثالث، کتاب الصلوٰۃ (۱۰)

**متولی مسجد کا بغیر اذن چندہ دہندگان کے اجرت لینا** | سوال :- اہل محلہ نے اپنی مسجد کے لیے ایک متولی مقرر کیا

ہے لیکن اس کے لیے اہل محلہ نے کوئی مشاہرہ مقرر نہیں کیا، تو کیا متولی بغیر اذن اہل محلہ مسجد کے فنڈ میں سے اپنی اجرت لے سکتا ہے؟

**الجواب :-** چندہ کے اموال ایک امانت ہوتے ہیں اور یہ وقت عرفی ہے شرعی نہیں، لہذا ایسے امور کے لیے واقفین سے اس کی اجازت لینا ضروری ہے، بغیر اذن کے متولی کو مسجد کے فنڈ سے تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

وفی الہندیۃ: لو وقف دراهم او مکیلاً او ثیاباً لم یجز وقیل فی موضع تعارفوا ذلک یعنی بالجوا ذقیل کیف الدرہم تقرض للفقراء ثم یقبضها او تدفع مضاربتہ و یتصدق بالربح والخیطة تقرض للفقراء ین دعون ثم تؤخذ منهم والثیاب الا کسیتہ تعطی للفقراء لیسوہا عند حاجتہم ثم تؤخذ کذا فی الفتاوی العتابیۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۳۷۲ کتاب الوقف۔ الباب الثانی فیما یجوز وقفہ الخ)

فہو فی الشرع عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حیس العین علی ملک الواقف لتصدق بالمنفعۃ علی الفقراء و علی وجہ من وجوہ الخیر بمنزلۃ العواری کذا فی الکافی فلا یكون

لہ فی الہندیۃ: یجوز الدرہم فی المسجد وان کان فیہ استعمال للبود والبودی المسبلة لاجل المسجد۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۲ الباب الخامس فی آداب المسجد) ومثله فی امداد المفتیین المعروف بفتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۸۱۲۔

لازمًا وله ان يرجع وبيع كذا في المضمرات ولا يلزم الا بطريقين احدهما قضاء التقاضي  
بلزومه والثاني ان يخرج مخرج الوصية..... وعندهما جسد العين على حكم ملك الله  
تعالى على وجه لقود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية  
الى العيون التيممة ان الفتاوى على قولها كذا في شرح الشيخ ابي المكارم للنقاية -  
دفتاوى هندية ج ۲ ص ۳۵۵ كتاب الوقف، الباب الاول في تعريفه (۱) له

**مسجد میں ٹیپ ریکارڈر لانا** سوال :- بعض لوگ مسجد میں ٹیپ ریکارڈر لے آتے  
ہیں جس سے تقاریر اور تلاوت وغیرہ سنتے ہیں اور ریکارڈ

کرتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** ٹیپ ریکارڈر بذاتِ خود ایک آلہ ہے، اس کو اچھے اور بُرے دونوں کاموں  
میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر اسے اچھے کاموں میں استعمال کیا جائے مثلاً تلاوتِ قرآن یا  
کسی کی تقریر ٹیپ کرنا، اگر اس نیت سے مسجد میں لایا جائے تو شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں،  
البتہ اگر اس ٹیپ ریکارڈر سے گانے سننے جائیں یا کسی اور گناہ کے کام کے لیے لایا جائے تو  
مسجد و خارج مسجد دونوں میں مطلقاً جائز نہیں۔

قال طهر بن عبد الرشيد: وفي الفتاوى استماع صوت الملاحى كالضرب بالقصب وغيره  
حرام لانه من الملاحى وقال عليه الصلوة والسلام استماع الملاحى معصية  
والجلوس عليها فسوق والتلذذ بها من الكفر هذا على وجه التحديد ولكن  
وجب عليه ان يجتهد حتى لا يسمع لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه ادخل  
اصبعه في اذنه منذ ذكر اشعار العرب ان كان فيها ذكرا فسق كرههم بالمعصية

له قال المحصفي رجس العين على حكم رملك الواقف والتصدق بالمنفعة، ولو في الجملة  
والاصح انه رعداه، جائز غير لازم كالعارية روعندهما هو وجسها على حكم رملك الله تعالى  
وصرف منفعتهما على من احب - (در مختار ج ۳ ص ۳۵۷ كتاب الوقف)

قال المرغيناني: لا يزول ملك الواقف الا ان يحكم به الحاكم او بعلة بموته فيقول اذامت  
نقد وقفت دارى على كذا وقال ابو يوسف يزل ملكه بمجرد القول وقال محمد لا يزول حتى يجعل  
للقوف - (الهدية ص ۴۳۷ كتاب الوقف)

ان عزم علیہ الاثم۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۴۵ کتاب الکراہیۃ الفصل الثالث فیما یتعلق بالعمای) لہ

**بوقت ضرورت متولی کی اجازت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا** | سوال :- اگر مسجد کے گرجانے کا

خوف ہو تو دوسرے محلہ میں سے کسی شخص کو بغیر اذن متولی یا اہل محلہ کے اس کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** بسا اوقات ایسے بلا اجازت تصرفات سے بہت سی بے اعتدالیاں پیدا ہو جاتی ہیں جس سے مساجد کا انتظام بری طرح متاثر ہوتا ہے، ایسی مساجد میں جملہ تصرفات بانی مسجد، متولی یا اہل محلہ کی اجازت پر موقوف رکھے جائیں، تاہم کسی متعنت اور انارٹی متولی کے جابرانہ رویہ کا اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم: البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشیرتہ اولیٰ من غیرہم بنی مسجدانی محلۃ تنازعہ بعض اهل المحلۃ فی العمارۃ فالبانی اولیٰ مطلقاً۔ (الاشیاء والتطایر ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الوقف)

**مسجد کے لیے باقاعدہ وقف سے ملکیت کا زائل ہونا** | سوال :- ایک شخص نے کسی مسجد کے لیے زمین وقف کی ہے،

اس زمین سے اس شخص کی ملکیت کب زائل ہوگی کیا وقف کے بعد اس کو مالکانہ تصرفات کا حق حاصل رہتا ہے؟

**الجواب :-** مسجد کے لیے زمین کا وقف باقاعدہ اجازت سے نماز باجماعت پڑھنے پر موقوف ہے لہذا ایک دفعہ نماز باجماعت پڑھنے سے اس کی ملکیت زائل ہوگئی، البتہ امام ابو یوسفؒ

لہ قال المحکمی: (وکرہ رکب لہم) لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کل لہم المسلم حرام الا ثلاثۃ ملاعبتہ اہلہ وتادیبہ لفرسہ ومناصلتہ بقوسہ۔ (در مختار ج ۵ ص ۲۴۳ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع) ومثله فی الفتاویٰ الہندیہ ج ۵ ص ۳۵۱ کتاب الکراہیۃ۔

قال طہر بن عبد الرشید: مرجل بنی مسجدانی سکھ فنازعہ بعض اهل السکۃ فی عمارتہ اونصب المؤذن والامام فالمختاران البانی اولیٰ وفی العمارۃ اولیٰ بالاتفاق۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۱ کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹ باب احکام المساجد، کتاب الوقف۔



کے نزدیک اس میں نماز پڑھنا بھی ضروری نہیں بلکہ صرف اس کے قول سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے،  
باقاعدہ وقت کے بعد واقف کو مالکانہ تصرفات کا حق حاصل نہیں۔

قال المحقق: ریزول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ، یا لفعل بقوله جعلته مسجداً  
عند الثانی روشروط محمد، والامام بالصلاة فیہ، بجماعة وقیل یکفی واحد وجعله فی  
الخانیة ظاہر الروایة۔ (الدر المختار عاشر رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۹ کتاب الوقف)

**سوال :-** ہمارے شہر ربما میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے

وہاں کے لوگ اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ اگر شریعت میں  
عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت ہے تو ایک جگہ متعین کر کے عورتوں کے لیے بھی مسجد بنا دی  
جائے جس میں عورتیں نماز پڑھیں اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں شمولیت اختیار کر سکیں۔ ایسا  
کرنا اس دور میں جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قرونِ اوٹی میں اگرچہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن اس دور  
میں فتنہ و فساد کے عموم کی وجہ سے فقہاء نے انہیں مسجدوں میں جانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ  
عورتوں کی مساجد میں حاضری کے اتنے فوائد نہیں جتنے نقصانات یقینی ہوتے ہیں، لہذا فساد  
زمانہ کی وجہ سے عورتوں کو مسجد میں آنا مستحسن نہیں۔

قال المحقق: ویکرہ حضورہنّ الجماعة (ولو لجمعة وعید ووعظ) مطلقاً  
ولو عجوناً لیللاً (علی المذہب) المفتی بہ لفساد الزمان۔ (الدر المختار علی ہاشم رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۵)

لہذا ذابنی مسجد المدینہ عن ملکہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن للناس بالصلوة  
فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال عن ابی حنیفۃ<sup>۲</sup> عن ملکہ وقال ابو یوسف یزول ملکہ  
بقوله جعلته مسجداً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف تصلیٰ فی المسجد)  
وَمِثْلُهُ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۰۸ کتاب الوقف الفصل الاول)  
لہ قال ظاہر: اما اذا الرجل انسا فی مسجد بجماعة لیس معہن رجل لا یاس بہ و فی غیر المسجد من  
البیوت ونحوها یکرہ الا ان یکون معہ ذات رحم محرم وتخرج العجوز الی العید والجمعة و فی الفجر والعشاء دون  
الظہر والعصر والغز مختلف فالحال ان فی المقن اختلاف الروایة وعندہما تخرج الی جمیع الصلوة ہذا جواب  
الاصل وقال فی الفتاویٰ لا تخرج العجائز فی زماننا الی الجماعات۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۵ کتاب الصلوة)  
وَمِثْلُهُ فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۹ فصل فی الجماعة۔

**مسجد کے متولی کو معزول کرنے کا حکم** | سوال :- ایک مسجد کے متولی کو بعض لوگ معزول کرنا چاہتے ہیں لیکن اکثر لوگ اس کی معزولی کے اسباب نہ جاننے کی وجہ سے ایسی سرگرمیوں میں شرکت نہیں کرتے۔ کیا کسی متولی مسجد کو اہل محلہ یا حاکم معزول کر سکتا ہے اور وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے متولی کو معزول کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** اہل محلہ یا حاکم نے جن امور شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی کو متولی بنایا تھا اگر یہ متولی ان امور شرعیہ کا لحاظ نہیں رکھتا بلکہ کہیں خیانت کا ارتکاب کر کے وقف کے اموال کو غیر شرعی طور سے استعمال کر رہا ہو اور اسی طرح ایسے دوسرے امور کا ارتکاب کر رہا ہو جس سے اہل محلہ تنگ ہوں تو امور فسقیہ کی وجہ سے اسے معزول کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اگر ایسے امور کا خود واقف بھی مرتکب ہو تو اسے بھی معزول کیا جاسکتا ہے۔

قال المحصنی، رجعل الواقف (الولاية لنفسه جازم) وكذا الولع لشرط لا حد فالولاية له عند الثاني وهو ظاهر المذهب نهر خلافا لما نقله المصنف ثم لوصيته ان كان والا فللعاکم فتاویٰ ابن نجیم، قاری الہدایۃ وسیبجی (وینزع وجوباً بنزایۃ ولو) الواقف رد فقیرہ بالاولی (غیر مامون) او عاجز او ظہر بہ فسق کشر ب خمر و نحوہ فتح اوکان یصرف مالہ فی الکیمیانہر بحثاً (وان شرط عدم نزعہ)

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۲ کتاب الوقف)

**مصالح مسجد کے لیے موقوفہ زمین کا حکم** | سوال :- اکبر اور ریحان کے آباد اجاد نے مسجد میں پانی کی نکاسی کے لیے ایک رہٹ لگایا تھا اور اس رہٹ کے اخراجات کے لیے ۵ کنال اور تین مرلہ زمین بخشی تھی جس کا اندراج کاغذات میں موجود ہے۔ اب جبکہ مسجد میں بجلی کا پمپ بھی ہے اور کٹری کے رہٹ کے بجائے لوہے کا رہٹ لگا دیا گیا ہے، لہذا اس زمین سے جو اخراجات اس رہٹ کے پورے کیے جاتے تھے اب ان کی ضرورت نہیں رہی، اب اہل مسجد نے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ زمین جو پانی کی نکاسی

له وفي الہندیۃ: ودان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف غیر مامون علی الوقف فللقاضی ان ینزعہا من یدہ کذا فی الہدایۃ - (ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الوقف)

ومثلہ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۳ کتاب الوقف



کے لیے وقف کی گئی تھی اس کو مسجد کے کسی اور مصرف میں لایا جائے، مثلاً اجارہ پر دے دی جائے یا جن کے قبضہ میں ہے ان سے ادھانفع لے کر مسجد کے مصالح میں خرچ کر دیا جائے، لیکن ریجان اور اکبر مسجد کی اس اراضی کو اپنے قبضہ سے نکالنے کو تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف رہٹ کے ذمہ دار تھے جبکہ اب زمین اس سے مستغنی ہو گئی ہے لہذا یہ زمین اب ہمارے ہی ہے اب ہم اسے اپنے مصرف میں خرچ کریں گے، کیا ان کا ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** عرف کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ معاملہ وقف کا ہے لہذا جس نے اپنی زمین کی آمدنی مسجد کے لیے معین کر دی ہے تو یہ زمین بھی وقف سمجھی جائے گی اس لئے ریجان اور اکبر کو اس پر قبضہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ اس کی آمدنی کو پمپ یا مصالح مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ونظیرہ قال ابن نجیم: اشتروا من غلۃ داری ہذا کل شہر بعشرۃ دارہم  
خبراً و فرقوہ علی المساکین صارت دار وقفاً۔ (البحر الرائق ج ۹ ص ۱ کتاب الوقف)  
**مساجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا حکم | سوال:** مساجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کا کیا حکم ہے، خصوصاً جب مسجد میں کیا جائے؟  
اس دور میں مساجد میں عام طور پر چندہ مانگا جاتا ہے۔ اگر کسی محلہ والوں کو ایک عام اور پکی مسجد بنانے کی استطاعت ہو لیکن وہ پکی مسجد بنانے کے لیے چندہ کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** مساجد کو تعمیر کرنا اصل کے لحاظ سے سلطان وقت کی ذمہ داری ہے۔  
قال ابن عابدین، فاندہ یجب ان یتخذ الامام للمسلمین مسجداً من بیت المال ومن مالہم  
ان لہم بیت مال کذا فی فتح القدير۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۸ کتاب الوقف)  
جبکہ اس دور میں عموماً سلاطین مساجد کی تعمیر کے لیے متوجہ نہیں ہوتے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ مساجد کی تعمیر کے لیے چندہ کریں چاہے یہ چندہ مساجد میں کریں یا مساجد سے

لہ دق الہندیۃ: رجل قال فی مرضہ اشتروا عن غلۃ داری ہذا کل شہر بعشرۃ دارہم خبراً  
و فرقوا علی المساکین صارت الدار وقفاً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۵۹ کتاب الوقف، فی الافاظ الیٰ تیم بہا الوقف)  
و مثلہ فی رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۹ کتاب الوقف



باہر، اور بعض روایات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

عن جریر قال کنا فی صدر النہار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء قوم عرابة محتابی الثمار والعباء متقلدی السیوف عامتهم من مضر بل کلمہ من مضر فتمعر وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہما رای بہم من الفاقة فدخل ثم خرج فامر بلالاً فاذا ن واقام فصلى ثم خطب فقال يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ رَأَى الْآخِرَةَ الْآيَةَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا - الآية - التي في البحر اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّ مَتَّ لِعَاقِبَةٍ - تصدق رجل من دینارہ من درہمہ من ثوبہ من صاع برہ من صاع تمرہ حتی قال ولولیشق تمرہ الی الآخر -

مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۳ کتاب العلم

مسجد کے ہوتے ہوئے مندر میں نماز پڑھنا

سوال: ہمارے علاقے میں اکثر مہاجرین، ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے ہیں جب ہم ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تو اس علاقے میں کسی جگہ پر بھی کوئی مسجد نہیں تھی البتہ ہندوؤں کا ایک مندر تھا جس کو ہم لوگوں نے نماز کے لیے متعین کر دیا اور کچھ عرصہ باقاعدہ اس میں نماز پڑھتے رہے، بعد میں گورنمنٹ سے منظوری لے کر ایک جگہ مسجد کے لیے متعین کر کے اس پر مسجد تعمیر کر دی، لیکن بعض لوگ اب بھی اس مسجد کے ہوتے ہوئے مندر ہی میں نماز پڑھتے ہیں۔ تو کیا مسجد کے ہوتے ہوئے اس مندر میں نماز پڑھنی جائز ہے؟

الجواب :- مذکورہ سوال میں مندر کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں، اگر اس کو مستقل طور پر مسجد کی ہیئت میں بنا دیا گیا ہو اور اس کی پہلی شکل میں تبدیلی کر دی گئی ہو تو اس کو مسجد جیسا ہے لہذا یہ مندر بھی مسجد میں شمار ہوگا۔ البتہ اگر مندر کی صورت تبدیل نہیں کی گئی ہو اور اس کو اپنی اصلی حالت میں رکھا گیا ہو اور نہ ہی اس کو مستقل مسجد بنانے کی نیت کی گئی ہو تو یہ مسجد کے حکم میں نہیں اور اس میں نماز پڑھنا تشبہ بالکفار کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، تشبہ بالکفار کی حرمت پر بے شمار دلائل ہیں۔ کما قال تعالیٰ: لَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

۱۱۲ وفی المسلم: عن جریر قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت علی الصدقة بمعنی حدیث جریر۔ (صحیح مسلم جلد ۲ کتاب العلم باب من سن سنة حسنة الخ)

قَتَمَسَكُمُ النَّارُ - قال النبي صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم -

رابو داؤد ج ۲ ص ۵۵۹ کتاب اللباس، باب لبس الشهرة

**سوال :-** ہمارے شہر میں ایک مسجد تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی ہے اور اس کی عمارت بھی بوسیدہ ہو چکی ہے جس

کے گرنے کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے، اگر کوئی شخص اس مسجد کو ترک کر کے دوسری نئی مسجد میں چلا جائے تو پڑھے تو شرعاً کیسا ہے؟ بعد میں اگر کسی شخص نے اس بوسیدہ مسجد کی عمارت کو شہید کر کے نئے سرے سے اس کی تعمیر کرائی ہے، اس صورت میں اس قدیم مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جدید مسجد میں؟

**الجواب :-** کسی جگہ جب ایک دفعہ مسجد بن جائے تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے لہذا قدیم مسجد جب نئے سرے سے بنائی گئی ہو تو اس کے حقوق مسجد قریب ہونے کی بہ نسبت دوسری مسجد کے زیادہ ہیں لہذا اس قدیم مسجد کو ہی آباد کیا جائے، بہر حال جدید مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے لیکن بہتر نہیں۔

قال ابن عابدین: ومسجد حية وان نقل جمعه افضل من الجامع وان كثر جمعه -

رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۸ باب ما یفسد الصلوة) ۲

**سوال :-** ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے جس میں نمازیوں کی بہت کمی ہے اور اس میں حوض بنانا کے لیے ایک حوض بنانے کا ارادہ ہے، لیکن اگر حوض کو کامل طریقہ سے بنایا جائے تو مسجد کا کچھ حصہ اس حوض میں شامل ہوگا، اور مسجد اپنی وسعت کے لحاظ سے اتنی

۱۰ وعن ابن عمر قال قال رسول الله من تشبه بقوم فهو منهم قال الملا علی القاری ای من تشبه نفسه بالكفار مثلاً فی اللباس وغیر... فهو منهم ای فی الاثم - (ترقاہ جلد ۸ کتاب اللباس الفصل الثانی ص ۲۵۵)

وَمِثْلُهُ فِي جواهر الفقه ج ۱ ص ۲۲۱ مساجد کی تشکیلیں اور ان کے مقاصد

۱۱ وفي الخلاصة ان نسخة القافی لا ما رجل یصلی فی الجامع لكثره الجمع ولا یصلی فی مسجد حیه فانه یصلی فی مسجد منزله وان كان قومه اقل وان لم یکن لمسجد منزله مؤذن

ویصلی وان كان هناك واحد - رج ۱ ص ۲۲۸ الفصل السادس والعشرون فی المسجد ینقل بہ

وَمِثْلُهُ فِي الفتاوی الہندیة ج ۱ ص ۸۳ باب الامامة -



بڑی ہے کہ اس کا کچھ حصہ حوض میں شامل کرنے کی وجہ سے مسجد کے صفوف میں کچھ نقصان نہیں آتا۔  
کیا ایسی صورت میں مسجد کے بعض حصے کو حوض میں شامل کیا جاسکتا ہے؟  
الجواب: مسجد جب ایک دفعہ مسجد بن جائے تو پھر اس کو کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا، یہ تا قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس لیے مسجد کے کسی بھی حصے پر حوض بنانا جائز نہیں ہے۔

قال المحقق: لانه مسجد الى عنان السماء وفي رد المختار وكذا الى تحت الثرى۔

(رد المختار علی ہامش رد المختار ج ۱ ص ۲۸۵ کتاب الصلوٰۃ فی الکعبۃ)

علاوہ ازیں فقہاء کرام نے مسجد میں مضمضہ و استنشاق مکروہ لکھا ہے، اس لیے مسجد کے کسی حصے میں حوض بنانے سے اس کراہیت کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے۔

البتہ اگر مسجد بنانے کے ابتدائے ہی میں کوئی جگہ حوض یا وضو کے لیے متعین کر دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وفي الخلاصة ويكره التوضي والمضمضة في المسجد الا ان يكون فيه موضع اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه۔ رج ۱ ص ۲۲۹ الفصل السادس والعشرون وما يتصل به

**سوال:** ہمارے علاقے میں ایک مسجد ہے جو چند دکانوں کے اوپر واقع ہے اور باقاعدہ اس میں اذان و جماعت بھی ہوتی ہے جبکہ یہ دوکانیں مالک کی ملک میں ہیں۔ کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کو مسجد شرعی کا درجہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** دوکانوں کے اوپر مالک کی اجازت سے مسجد بنانے میں کوئی حرج نہیں، اس میں نماز بلا کراہیت جائز ہے، اگر مالک کی اجازت کے بغیر یہ مسجد بنائی گئی ہو تو اس میں نماز مکروہ ہے، البتہ یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں نہیں بلکہ عرفی مسجد کے حکم میں ہے شرعی مسجد کا حکم اس پر

له قال ابن نجيم، وفي الخلاصة وغيرها ويكره الوضوء والمضمضة في المسجد الا ان يكون موضع فيه اتخذ للوضوء ولا يصلى فيه۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۲ فصل مفاخر من بيان الكراهة في الصلوة)

وَقْتْلُهُ فِي الرَّهْنِيَّةِ ج ۱ ص ۱۱۱ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة وما لا يكره۔



اُس وقت ہوگا جب دو کانوں سے مالک کی ملکیت کو ختم کر کے مسجد کی ملکیت میں دیدی جائیں۔  
 قال ابن عابدین: وفي القهستاني ولا يد من افرازه ای تمیزہ عن ملكه من جميع  
 الوجوه فلو كان العلو مسجد او السفل حوانيت او بالعكس لا يزول ملكه لتعلق حق  
 العبد به كما في الكافي - (مراد المختار على الدر المختار ج ۳ ص ۳۷ کتاب الوقف) لہ

**مسجد کے متولی کی شرعی حیثیت** | سوال :- کیا تولیت مسجد میں ارث جاری ہو سکتا ہے اور  
 متولی مسجد کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

**الجواب :-** متولی نسلًا بعد نسل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ بعد میں آنے والے کے اندر صلاحیت ہو امام و مؤذن  
 اور مسجد کی دوسری ضروریات کا اہتمام کرنا متولی کے فرائض منصبی ہیں۔

قال ابن نجيم: الباني اولي بنصيب الامام والمؤذن وولد الباني وغيره اولي من غيرهم بنى مسجدا  
 في محله فتازعه بعض اهل المحلة في العارته قال باني اولي مطلقاً۔

راکاشاہ والنظائر ج ۲ ص ۳۳۲ کتاب الوقف) لہ

**سوال :-** مسجد میں خانہ کعبہ کی ایسی تصاویر  
 کعبۃ اللہ کی ایسی تصاویر جن میں انسانوں کی  
 تصاویر بھی ہوں مسجد میں آویزاں کرنا  
 آویزاں کرنا جن میں کعبۃ اللہ کی تصویر کے  
 علاوہ انسانی شکلیں بھی طواف کی ہیئت کو

لہ من بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقة ويأذن بالصلوة فيه فاذا  
 ضلّ فيه واحد زال ملكه - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب الوقف)  
 وايضاً قال ابن نجيم: وحاصله ان شرط كونه مسجداً ان يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع  
 حق العبد عنه لقوله تعالى **وَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ** - (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الوقف)  
**وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۶۲۲** کتاب الوقف)

لہ وفي الہندیۃ: قال فی الجامع الفصولین لو شرط الواقف ان یکون المتولی من اولادہ  
 واولاد اولادہ هل للقاضي ان یولی غیرہ بلا خیانة لو وکلاه هل یکون متولاً  
 قال الشیخ الاسلام بن ہان الدین فی فوائدہ کذا فی النہر الفائق۔

والفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۴۱۲ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۴۱۱ کتاب الوقف)

ظاہر کرتی ہوں کیا ایسی تصاویر مسجد میں آویزاں کرنا جائز ہیں؟

**الجواب:**۔ کعبۃ اللہ ایک قابل احترام جگہ ہے اور ایسے ہی غیر ذی روح ہونے کی بنیاد پر اس کی تصویر مسجد میں آویزاں کرنا جائز ہے، البتہ کعبۃ اللہ کی ایسی تصویر آویزاں کرنا جس میں لوگوں کو طواف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہو اور جس میں اشخاص کی معرفت ہوتی ہو شرعاً ناجائز ہے، پھر جائز نہ ہونے کے علاوہ ایسی تصاویر کو مسجد میں آویزاں کرنا یہ زیادت علی الاثم ہے لہذا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے جیسا کہ مسجد میں تصویریں نہ لگانا مسجد کی عظمت کے منافی ہے۔

عن عائشةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاھنون بخلق الله۔ متفق عليه (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵۔ باب التصاویر)

عن عبد الله بن مسعود قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اشد الناس عذاباً عند الله المصنوعون۔ متفق عليه۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۸۵۔ باب التصاویر)

**سوال:**۔ دو قوموں کا ایک قطعہ زمین پر جھگڑا تھا ایک قوم نے دوسری قوم کی املاک پر حملہ کر کے جبراً قبضہ

کر لیا اور تمام مکینوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا، ان املاک میں مکان اور زمین کے علاوہ مساجد بھی ہیں اور ان مساجد پر بھی غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کر لیا گیا ہے۔ اندریں صورت ایسی مساجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ قریرہ مذکورہ میں جو مساجد ہیں وہ غصب سے پہلے کی بنی ہوئی ہیں جو کسی کی ملک نہیں اور غاصبین بھی مسلمان ہیں جن کے نزدیک بھی مساجد کا احترام ملحوظ ہے، ایسی مساجد میں نماز پڑھنے میں کوئی کراہیت نہیں اور ان مساجد پر اس قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کسی کو

لہ عن عائشة تقول دخل على رسول الله... يا عائشة اشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاھنون بخلق الله۔

عن عبد الله بن مسعود يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد الناس عذاباً يوم القيامة المصنوعون۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۰۱۔ باب تحريم تصوير

صورة الحيوان وتحريم الخ)



مسجد سے منع کرنا ظلم عظیم کے مترادف ہے۔

وفی الہندیۃ: قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اذا غضب ارضاً فبني فیہا مسجداً  
او حماماً او حانوتاً فلا بأس بالصلوۃ فی المسجد۔ (ج ۵ ص ۳ کتاب الکراہیۃ) لہ

**مسجد کی تعمیر کے وقت قبر کے درمیان میں آنے کا حکم** | سوال: ہمارے محلے میں ایک

مسجد ہے جو کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہو گئی ہے، اس کے قریب ہی ایک خالی پلاٹ واقع ہے جبکہ مسجد اور پلاٹ کے درمیان  
ایک پختہ قبر ہے، اگر اس پلاٹ کو مسجد میں شامل کر دیا جائے تو قبر مسجد کے دروازہ پر آتی ہے  
جس سے مسجد کی زینت خراب ہوتی ہے، اگر اس دروازہ کو بند کیا جائے تو دوسری طرف دروازہ  
نکلنے پر حُسن قائم نہیں رہتا، اندریں صورت قبر کے ساتھ کیا کیا جائے؟

**الجواب:** جب مسجد کی وسعت ناگزیر ہو تو قبر کے درمیان میں آنے کی صورت میں  
اگر قبر اتنی پرانی کہ اس میں انسانی اعضاء بوسیدہ ہو گئے ہوں تو اس صورت میں اس قبر کو بالکل  
منہدم کر کے مسجد کے ساتھ اس جگہ کو ملانے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قبر جدید ہو تو پھر قبر کے  
ارد گرد تعین کے لیے دیوار بنا کر دوسرے حصہ میں مسجد بنائی، تاہم اس بات کا خیال رہے کہ مسجد کی  
وضع ایسی ہو کہ قبر کی طرف کہیں توجہ نہ رہے تاکہ قبر پرستی کا شبہ نہ رہے، ایسی حالت پر زینت کا  
مسئلہ اثر انداز نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة فخر الدین الزلیعی: ولو بلی المیت وصارت تدابراً جاز دفن غیرہ و  
تہارۃ والبناء علیہ (تبییین الحقائق ج ۱ ص ۲۲۶ باب الجنائز)  
قال الطحاوی: وفي القہستانی عن جنائز المصمرات لا تکرہ الصلوۃ الی

لہ قال فی النیابیع اذا غضب ارضاً فبني ہا مسجداً او حماماً فلا بأس بدخول المسجد  
للصلوۃ۔ (الجوہرۃ الخیرۃ ج ۲ ص ۲۵ کتاب الوقف)

قال قاضی خان: عن ابی یوسف ذکرۃ الناطعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الوقعات اذا بنی فی  
ارض الغصب مسجداً او حانوتاً فلا بأس بالصلوۃ فی المسجد۔  
(الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۶۶ فصل فی المسجد)



جہتہ القبر الا اذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوة خاشعين دفع بصره عليه۔  
 رططاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۶۱ مکروہات الصلوٰۃ ۱۷

**مسجد کی دوکان پر مدرسہ تعمیر کرنا** | **سوال** :- مسجد کے غسل خانوں اور دوکانوں پر دینی علوم کا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- مسجد کے غسل خانے اور دوکانیں اگرچہ مسجد کے لیے وقت ہیں لیکن احکام کے اعتبار سے من کل الوجوه ایک ہیں، لہذا جب مسجد کو دینی علوم کے لیے استعمال کرنا جائز ہے تو ان مقامات پر مدرسہ تعمیر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

وفي الخلاصة: اما المعلم الذي يُعلم الصبيان باجرا اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره لا يكره۔ رج ۱ ص ۲۲۹ کتاب الصلوٰۃ ۲

**مسجد میں رقص و سرود** | **سوال** :- مسجد میں رقص و سرود کا کیا حکم ہے؟

**الجواب** :- رقص و سرود از روئے شرع ناجائز اور حرام ہے، مساجد تو درکنار کسی بھی مقام پر اس کا اہتمام اور اس میں شرکت عذاب الہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

وفي الہندیۃ: قال رحمه الله تعالى السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد اليه والجلوس عليه۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۲ کتاب الکراہیۃ۔ الباب السابع عشر فی لغا والہو ص ۳

۱۷ لما فی الہندیۃ: ولو بلی المیت وصارت تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وصرعہ والبناء علیہ۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الجنائز الفصل السادس فی القبر والمدفن

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔

۱۸ قال ابن نجيم: لان المسجد ما بين الاله من صلوة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه و

قراءة قرآن۔ والبحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۲ وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الصلوٰۃ

۱۹ قال المرغيناني: ان الملاهي كلها حرام حتى التفتي بضرب القضيبي وكذا قول أبي حنيفة

الهداية ج ۳ ص ۲۵۳ کتاب الکریہۃ فصل الاكل والشرب

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْخِتَارِ عَلَى صَدْرِ الدَّرِّ الْخِتَارِ ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع۔

**سوال**۔ ایک شخص نے عید گاہ کے لیے زمین وقف کی، اب وہاں عید گاہ پر مسجد بنانا لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا شرعاً اس عید گاہ کے رقبہ پر مسجد

تعمیر کی جاسکتی ہے؟

**الجواب**۔ اگر کوئی قطعہ زمین صرف عید کی نماز کے لیے وقف کیا گیا ہو تو بغیر اذن واقف کے اس پر مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں، کیونکہ شریعت میں واقف کی شرائط کو ملحوظ رکھا جانا ہے جب تک شریعت کے موافق ہوں۔ جب واقف اجازت دے دے تو اس تعمیر میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر یہ قطعہ زمین قانونی وقف ہو شرعی وقف نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

قال ابن نجيم المصري: شرط الواقف يجب اتباعه لقوله لم شرط الواقف كنص الشارع اى في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة كما بيناه في شرح الكندى الا في مسائل - (الاشياء والنظائر ج ۲ ص ۲۲۸ كتاب الوقف) لہ

**سوال**۔ عموماً سائلین مساجد میں عوام کی حاضری کو غنیمت سمجھ کر سوال کرتے ہیں، ان کا یہ اقدام کیسا

**مسجد میں سوال کرنے کا حکم**

ہے اور ایسے سائلین کے ساتھ مالی تعاون کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب**۔ مسجد میں سوال کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ان کو دینے میں دؤ قول ہیں، بعض علماء تو مطلق کراہیت کے قائل ہیں، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر نمازیوں کو رعایت رکھ کر سائل سوال کر رہا ہے تو اس کو دینا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

قال ابن عابدین تحت هذا القول (ويحرمه فيه السؤال ويكره الاعطاء مُطلقاً وقيل ان تخطى اى هو الذى اقتصر عليه الشارح فى الخطر حيث قال فرع يكره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم يتخط رقاب الناس فى المختار لان علياً تصدق بخاتمته فى الصلوة فمدحه الله تعالى

لہ قال ابن عابدین فان شرائط الواقف معتبره اذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله ان يجعل ما لمحيث شاء ما لم يكن معصية وله ان يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع فى كلمه قريبه - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۳ كتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبره... الخ)



بقوله وَيُؤْتُونَكَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِرُونَ درہد المختار ج ۱ ص ۶۵۹ فی افضل المساجد لہ  
**مساجد میں نمازی کی توجہ متاثر کرنے والی زینت کا حکم | سوال:** مساجد میں بطور آرائش و  
 زیبائش ایسا نقش و نگار کرنا،  
 طفرے یا خطوط لکھنا جو نمازی کے لیے نمازیں باعث تشویش و حائل اندازی ہوں۔ کیا اس طرح  
 مسجد کی زیبائش کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** مسجد ایک عبادت گاہ ہے اور اس کی تعمیر فقط عبادت اور یادِ الہی کے  
 لیے ہوتی ہے، اور اگر اس میں ایسے نقوش جو آجکل کی مروجہ تعمیرات میں ہیں بنا دیئے جائیں  
 تو اس سے مسجد کی تعمیر کا مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ جدید عمارت کی طرح یہ بھی ایک سیر و تفریح  
 کا مقام بن جائیں گی، پھر اس میں نماز پڑھنے والے کا دھیان مکمل طور پر نماز میں بھی نہیں ہوگا۔  
 لہذا مسجد کی اتنی زینت کر لی جائے جس سے مسجد خوبصورت اور صاف بختری نظر آئے  
 البتہ ضرورت سے زیادہ اموال خرچ کر کے مسجد کو مزین کرنا مکروہ ہے۔

قال الحسکفی: (ولا بأس بنقشہ خلا محرابہ) فانہ یکرہ لانه یلہی المصلیٰ ویکرہ  
 التکلف بد قائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۱ ص ۶۵۸ احکام المساجد ص ۲۷)

**مسجد کے درخت اور پھلوں کا حکم | سوال:** ہماری مسجد کے صحن میں پھلدار درخت  
 ہیں۔ کیا شرعاً ان پھلوں کو اپنے استعمال میں لانے کی  
 اجازت ہے یا ان کی قیمت سے مسجد کے مصارف پورے کئے جائیں؟  
**الجواب:** مسجد میں پھلدار درخت اگر وقف برائے مسجد ہوں تو ان کا کھانا جائز نہیں،

لہ اعطأ سوال المسجد انه اذا كانوا لا يخطون رقاب الناس ولا يمرون بين يدي المصلين يسألون  
 ما لا بد لهم منه ولا يلحون في السؤال فلا بأس ولا بالمطانة۔ (فتاویٰ غیاثیة ص ۲۱)  
 لہ وفي الہندیة: اما المتولى يفعل من مال الوقف ما يرجع الى أحكام البناء  
 دون ما يرجع الى النقش حتى لو فعل يضمن كذا في الہدایة۔

والفتاویٰ الہندیة ج ۱ ص ۱۰۹ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلٰی وما لا یکرہ  
 ومثله فی الہدایة ج ۱ ص ۱۲۳ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکرہ فیہا۔



البتہ اگر واقف نے ابتداءً اس کی شرط رکھی ہو تو پھر جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے پھل فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

قال ابن نجيم: وفي الحاوي وما غرس في المساجد من الاشجار المثمرة غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين ان يأكل منها وان غرس للمسجد لا يجوز صرفها الا الى مصالح المسجد الا هم فالاهم كسائر الوقوف۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۵ کتاب الوقف) لہ

امام کا مسجد کو ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا | سوال: مسجد کا صحن یا برآمدہ جس میں باقاعدہ نماز باجماعت پڑھائی جاتی ہو، کسی وقت حالات کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص یا امام مسجد اپنے ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کے برآمدہ یا صحن کو جب باقاعدہ مسجد کا حصہ قرار دیا جا چکا ہو تو ایک دفعہ مسجد بن جانے کے بعد وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کو اب کسی دوسرے امور میں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ تاہم اگر یہ برآمدہ کہیں مسجد کے لیے وقف ہو لیکن نماز اس میں نہیں پڑھی گئی ہو تو ایسی صورت میں مسجد پر وقف ہو کر واقف کی اجازت یا متولی کی صوابدید پر امام کا اپنی ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

قال العلامة المحصن المولود لو حرب ما حوله واستفتى عنه يفتي مسجداً عند الامام (والثاني) ايداً الى قيام الساعة (وبه يفتي)۔ قال ابن عابدین: (تحت قوله عند الامام والثاني) فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كان يصلون فيه لولا وهو الفتاوى حاوی القدسی

لہ قال العلامة طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری، وسئل ابو بکر عن وقف شجرة اصلها والشجرة فيما ينتفع باوراقها وبثمرها۔ قال فالوقف جائز وينتفع بثمرها ولا يقطع اصلها الا ان يفسد اغصانها فان لم ينتفع باوراقها وبثمرها فانها تقطع وتصرف ثمنها على سبيله فان نبت ثانياً ولا غرس مكانها۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۱۹ کتاب الوقف۔ نوع منہ) ومثله في الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۰۰ کتاب الوقف۔

واكثر المشائخ عليه مجتبیٰ وهو الاوجه فتح (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ مطلب فيما لو خرب المسجد)

**مسجد بنانے کے ارادہ سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی** | سوال :- اہل محلہ نے ایک

جگہ کا تعین کر کے مسجد بنانے کا ارادہ کیا اور پتھر وغیرہ بھی جمع کر لیے، بعض وجوہات کی وجہ سے اس جگہ مسجد بنانا موزوں نہیں سمجھا گیا، اب ایک دوسری جگہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے، کیا یہ تبادلہ جائز ہے یا اسی جگہ پر جہاں پہلے ارادہ کیا گیا تھا مسجد کے لیے کام شروع کیا جائے؟

**الجواب :-** ضرر ارادہ کرنے سے یہ جگہ شرعی مسجد کا حکم نہیں رکھتی بلکہ مسجد کیلئے باقاعدہ

وقت کے علاوہ نماز پڑھتی بھی ضروری ہے لہذا وقت تام نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جگہ دوسرے مقام پر مسجد بنانا جائز ہے اور اس جگہ کو اپنی ذاتی اغراض کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

قال المرغینانی: واذا بنی مسجداً المیزل ملکہ عنہ حتی یقرنہ عن ملکہ بطریقہ

ویاذن للناس بالصلوة فیہ فاذا صلی فیہ واحدٌ زال عند ابی حنیفۃ عن ملکہ

وقال ابو یوسف یزول ملکہ بقولہ جعلتہ مسجداً (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوقت فصل فی المسجد) ص ۲

**مسجد کی ضرورت سے زائد اشیاء کی فروخت کا حکم** | سوال :- ایک پرانی مسجد کا کچھ

سامان مثلاً شہتیر وغیرہ زائد از ضرورت پڑے، اگر اسے فروخت نہ کیا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا مسجد کے زائد

سامان کو فروخت کرنا جائز ہے جبکہ اس کے نفع کو مسجد پر ہی خرچ کیا جائے؟

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرحمن شہید البخاری: وفي الفتاویٰ اذا خربت القرية التي فيها

المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیہ احدٌ فلا بأس بان یاخذہ

صاحبہ ویبیعہ وهو قول محمد وعن ابی یوسف لا یعود الی ملک البانی ولا الی

ملك وراثتہ وهو مسجد ایداً - (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقت فصل الرابع فی المسجد وقا فہم)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الوقت فصل فی المسجد -

قال طاہر بن عبد الرحمن شہید: ولو جعل دارہ مسجداً یجوز باکجام ولا یجوز مشاعاً وانما یجوز اذا

سلمہ والتسلیم ان یصلی فیہ بجماعہ باذان واقامة باذنه عند ابی حنیفۃ ومحمد

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۰۸ کتاب الوقت الفصل الاول)



**الجواب:** مسجد کے اموال کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی منقول چیز ہو یعنی جو مسجد کی جہت میں داخل نہ ہو، مثلاً درمی وغیرہ۔ اگر اس کی ضرورت نہ رہے اور مالک موجود ہو یا مالک کے فوت ہونے کی صورت میں اسکے ورثاء موجود ہوں تو مالک یا ورثاء کی اجازت سے اس کی فروخت جائز ہے۔ اور اگر ان میں کوئی نہ ہو تو پھر اہل محلہ کے اتفاق یا قاضی و حاکم کی اجازت سے فروخت جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ چیزیں باقاعدہ مسجد کا حصہ بن جائیں اور علیحدہ کرنے میں مسجد کا نقصان نہ ہو لیکن کہیں تعمیر کی نیت سے یہ چیزیں الگ کی گئی ہوں تو پھر اہل محلہ کے اتفاق یا قاضی کی اجازت سے ان کی فروخت جائز ہے۔

وفی الہندیۃ: ذکر البوالیث فی نواز لہ حصیر المسجد اذا صار تخلقاً واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان كان الطارح حياً فہولہ وان كان میتاً ولم یدع لہ وارثاً رجوان لا بأس بان یدفع اهل المسجد الی فقیر وینتفعوا بہ فی شراء حصیر اخر للمسجد والمختار انہ لا یجوز لہم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الوقف) لے

**سوال:** کیا مسجد کے چندہ کو کسی شرط کے مسجد کے چندہ کو کسی شرط سے معلق کرنا نیلام ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میری بولی پوری نکلی تو میں ۹۰۰ روپے مسجد میں بطور چندہ دوں گا اب اس کی بولی پوری نکل آتی ہے اور یہ ۹۰۰ روپے چندہ مسجد کے لئے دے دیتا ہے تو دوسرا شخص

لہ قال ابن عابدین: (حشیش المسجد) ای الحشیش الذی یفرش بادل الحصر کیا یفعل فی بعض البلاد کبلاد الصعید کما اخبرنی بہ بعضهم قال الذیلعی وعلی ہذا حصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عنہما یرجع الی مالکہ عند محمد وعند ابی یوسف ینقل الی مسجد اخر۔۔۔۔۔ وصرح فی الخانیۃ بان الفتویٰ علی قول محمد قال فی البحر وہ علم ان الفتویٰ علی قول محمد فی کالات المسجد۔

(رہد المختار ج ۴ ص ۳۵۵ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۵۲ کتاب الوقف۔



اس کی بولی پر بولی بولتا ہے تو یہ شخص چندہ دینے سے انکاری ہے اور واپسی کا مطالبہ کرتا ہے تو کیا یہ شخص چندہ کی واپسی کا حقدار ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسجد کا چندہ ایک صدقہ ہے جس سے مقصود رضاء الہی کا حصول ہے، اگر اس کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا جائے تو شرط باطل ہو کر صدقہ جائز ہو جاتا ہے بعد ازاں اس میں رجوع کا حق حاصل نہیں، لہذا یہ شخص متولی کے قبضہ کرنے کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔

وفی الہندیۃ: وما لا یبطل بالشروط الفاسدۃ ستۃ وعشرون (القرض والہبۃ والصدقہ) ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الہبۃ (الصدقۃ بمنزلۃ الہبۃ فی المشاع وحاجتہا الی القبض الا انہ لا رجوع فی الصدقۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۰۶ الباب الثانی عشر فی الصدقۃ)

**سوال:** سکھوں کے دور میں بازار کے اندر ایک خالی مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا

مقام کو مسلمانوں نے مسجد کے لیے متعین کیا اور اس پر نمازیں پڑھنے لگے، جب اس اراضی کی فروخت شروع ہوئی تو سکھ اس کو خریدنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں نے اس پر ایک کمرہ تعمیر کر لیا اور بعد میں اس پر دوسری منزل بنا دی اور باقاعدہ اس میں پنجگانہ نمازیں شروع کیں یہاں تک کہ جمعہ وعیدین بھی اس میں پڑھنے لگے۔ اب اس مسجد کے فنڈ میں کثرت کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسجد کے نچلے حصے دوکانیں بنا دی جائیں اور اوپر والا حصہ مستقل طور پر مسجد ہی رہے گا، جبکہ متولی کہہ رہا ہے کہ جس وقت ہم مسجد کی دوسری منزل بنا رہے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اگر ہمارے پاس گنجائش ہوگی تو ہم نچلے حصہ میں دوکانیں بنائیں گے۔ اندر میں صورت مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مذکورہ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبضہ مسلمانوں نے مشترکہ طور پر مسجد کے لیے متعین کیا ہے اور حکومت وقت کی طرف سے اس پر مسلسل خاموشی اختیار کرنا دلالتاً مسجد کی اجازت ہے۔ لہذا جب مسجد ایک دفعہ مسجد بن جائے تو اب اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اسلئے

لہ قال الحسکفی: (رو) حکمہا انہا لا تبطل بالشروط الفاسدۃ (فہبۃ عبد علی ان یعتقہ تصحیح و یبطل الشرط۔ (الدر المختار علی صدر الدر المختار ج ۵ ص ۶۸۸ کتاب الہبۃ) (والصدقۃ کالہبۃ) بجامع التبرع و حینئذ (لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم ولا رجوع فیہا۔ (الدر المختار علی صدر الدر المختار ج ۵ ص ۶۹۰ کتاب الہندیۃ)

مسجد کے نچلے حصہ میں دوکانیں بنانا اگرچہ مسجد کے مصالح میں سے ہیں جائز نہیں۔ البتہ اگر کوئی ابتداء سے ہی نیچے دوکانیں بنائے اور اوپر مسجد بنائے اور وہ دوکانیں مصالح مسجد کے لیے ہوں تو یہ جائز ہے۔

وفي الهندية: قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في حد المسجد اوفى قنائه لان المسجد اذا جعل خالوتنا ومسكنا لا تقط حرمة وهذا الايجوترو والفتاوى تتبع المسجد فيكون حكم المسجد كذا في محيط السرخسي. الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۶۲ كتاب الوقف، الفصل الثاني الوقف في المسجد، لہ

**سوال** :- زمانہ قدیم سے منبر عموماً محراب کے دائیں جانب رکھا جاتا تھا، موجودہ دور میں بعض مقامات پر ایسا نہیں ہوتا۔ کیا محراب کی دائیں طرف منبر کا ہونا ضروری ہے یا محض عرف کا فیصلہ ہے؟

**الجواب** :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں منبر مصلیٰ کے دائیں طرف ہوا کرتا تھا، لہذا سنت یہ ہے کہ منبر محراب و مصلیٰ کے دائیں جانب رکھا جائے۔

كان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمين المحراب اذا استقبلت القبلة - ريدل المجهود ج ۲ ص ۱۸۰ باب موضع المنبر لہ

**سوال** :- کیا مسجد کی آمدنی سے تجارت کرنا جائز ہے؟

**الجواب** :- مسجد کا متولی مسجد کی بہتری کے لیے اپنی صوابدید پر مسجد کے چندہ میں تصرفات کر سکتا ہے، اگر خرید و فروخت میں مسجد کا فائدہ ہو تو متولی کو یہ حق حاصل ہے تاہم

لہ قال ابن نجيم: في المجتبى لا يجوز لقيم المسجد ان يبني حوانيت في حد المسجد اوفى قنائه - البحر المرائق ج ۵ ص ۲۲۹ كتاب الوقف،

لہ وقال النووي: في مناسكه ما لفظه وفي احيا علوم الدين انه اي المصلی يجعل عود المنبر حذا منكبہ الايمن ويستقبل السارية التي الى جانبها الصندوق وتكون الرائفة التي في قبلة المسجد بين عينيته فذلک موقف رسول الله صلى الله عليه وسلم - (وفاء الوفاة ج ۱ ص ۳۴۲ محراب المسجد النبوي ومتى)



چندہ دہندگان سے اجازت مستحسن ہے۔

وفي الہندیۃ: القیم اذا اشترى من غلة المسجد حانوتاً او داراً ان يستغل  
و یباع عند الحاجة جاز ان کان له ولا یة الشراء و اذا جاز له ان یتبعه کذا فی  
السراجیۃ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۴۶۲ کتاب الوقف) لہ

**مسجد کے درخت کی ملکیت کا حکم** | **سوال** :- مسجد کے صحن میں امام صاحب نے پھلدار  
درخت لگایا، اب جبکہ وہ درخت تناور ہو کر

قیمتی درختوں میں اس کا شمار ہوا ہے تو امام موصوف اس درخت کی ملکیت کا دعویٰ کرتا

ہے۔ از روئے شریعت اس درخت کا مالک امام موصوف ہے یا مسجد؟

**الجواب** :- کاشت کرتے وقت جب ذاتی اغراض کی نیت نہیں کی ہو جیسا کہ  
عام مسلمانوں سے یہی توقع کی جاتی ہے، تو مسجد کی ملکیت شمار ہوگی۔

وفي الہندیۃ: سئل نجم الدین عن رجل غرس تالة فی مسجد فکبرت بعد  
سینین فاراد متولی المسجد ان یصرف هذه الشجرة الی عمارة یترقی هذا السکة  
والغارس یقول هی لی فانی ما وقفتمہا علی المسجد قال الظاہران الغارس جعلها  
للمسجد فلا یجوز صرفہا ای البئر ولا یجوز للغارس صرفہا الی حاجة نفسه  
کذا فی محیط۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۴۴۴ کتاب الوقف) لہ

**مساجد میں تعویذ فروشی کا حکم** | **سوال** :- بعض لوگ مساجد میں مستقل طور پر تعویذ  
فروخت کرتے ہیں جس کے لیے نا محرم عورتیں بھی مساجد

لہ قال ابن نجیم: یمح فناء المسجد یتجر فیہ القوم ا ویضع فیہ سرراً اجرھا یتجر  
فیہا الناس فلا یأس اذا کان لصلاح المسجد ویعد من المستاجر ان شاء اللہ تعالیٰ  
اذا المریکن ممر العامة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲۳ کتاب الوقف الفصل الرابع فی المسجد۔  
لہ قال ابن نجیم: وفي المحيط رجل غرس فی المسجد یكون للمسجد لانه بمنزلة البناء  
بالمسجد۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۴ کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فی الخلاصۃ ج ۲ ص ۴۲۳ کتاب الوقف الفصل الثالث فی صحۃ الوقف۔



کارخ کرتی ہیں، عین ممکن ہے کہ ان میں بعض عورتیں ایسی بھی ہوں جو طبیعی بیماریوں کی وجہ سے مساجد میں داخل ہونے کی اہل نہیں ہوں۔ تو کیا مساجد میں تعویذ فروشی کرنا جائز ہے اور ایسی حالت میں شرعاً عورتوں کے لیے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے؟

**الجواب:** مسجد میں عورتوں کا فی نفسہ داخل ہونا جائز ہے لیکن فسادِ ازمنہ کی وجہ سے انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو تعویذ کے لیے کس طرح اجازت دی جاسکتی ہے، خاص کر جبکہ ان میں بہت سی عورتیں ناپاکی کی حالت میں ہوں اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ تاہم اگر پاک ہوں تو حدود کی رعایت رکھ کر تعویذ لے سکتی ہیں، لیکن مسجد میں تعویذ فروشی کا دھندہ مطلقاً جائز نہیں۔

قال ابن عابدین: (و) یمنع حل (دخول مسجد) ای ولو مسجد مدرستہ او دارہ  
لا یمنع اھلھما الناس من الصلوٰۃ فیہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۱ باب الحيض) لے

**مسجد کے ساتھ متصل کمروں میں سونے کا حکم** | **سوال:** مساجد کے ساتھ متصل جو کمرے ہوتے ہیں ان میں سونے کا شرعاً

کیا حکم ہے؟ اور کیا ان کمروں اور مسجد کا حکم ایک ہی ہے؟  
**الجواب:** مسجد کے ساتھ متصل کمرے اگر ابتداء ہی سے مسجد سے باہر بنائے گئے ہوں تو ان میں سونا بلا کراہیت جائز ہے، البتہ اگر شروع ہی سے یہ کمرے مسجد میں شامل تھے بعد میں انہیں مسجد سے نکال کر کسی عذر کی بناء پر کمرے بنائے گئے ہوں تو ان کا حکم اور مسجد کا حکم ایک ہے، ان میں بلا ضرورت سونا مکروہ ہے۔

وفي الھندیۃ ویکرۃ النوم والاکل فیہ لغير المعتكف واذا اراد ان یفعل ذلک

لے وفي الھندیۃ (ومنها) انه یجر علیہا وعلى الجنب الدخول فی المسجد سوا ما کان للجلوس وللعبور  
ھکذا فی منیۃ المصلی (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۳ ص ۳۸ الفصل الرابع فی احکام الحيض)

مرجل ینبع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراة والانجیل والفرقان  
ویاخذ علیہ المال ویقول ادفع الی الھدایۃ لا یحل لہ ذلک۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص ۳۲۱)

کتاب الکراہیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد

ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸ باب الحيض۔

ينبغي ان ينوى الاعتكاف فيدخل فيه ويدكر الله تعالى بقدر ما توى او يصلي ثم يفعل ما شاء  
كذا في السراجية ولا بأس للغريب ولصاحب الدار ان ينام في المسجد في الصحيح  
من المذهب والاحسن ان يتورع فلا ينام كذا في حزانة الفتاوى :-

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ كتاب الكراهية (لم)

**سوال :-** ہمارے ہاں تقریباً ایک سو بیس سال سے آباد ایک پرانی  
**قبلہ کی تحقیق** مسجد ہے، اب بوسیدہ ہونے کی بناء پر اس کو شہید کر کے اس کی از سر نو تعمیر  
کرنے کے لیے جب نئی بنیادیں رکھنے کا وقت آیا تو مستری نے کہا کہ میں قطب ستارہ کا ماہر ہوں اور  
قطب ستارہ کی رو سے اس مسجد کی سمت قبلہ صحیح نہیں۔ اب اگر اس کی بنیادوں میں تبدیلی کی  
جائے تو اس میں کئی مفاسد شرعیہ ہیں، مثلاً مسجد کے بعض حصے کا راستہ میں شامل ہو جانا وغیرہ  
جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ کیا ایسی صورت میں اس مستری پر اعتماد کر کے اس کی بنیادوں میں  
برائے تعیین سمت قبلہ تبدیلی کی جاسکتی ہے یا قیدی حالت میں بدستور برقرار رکھی جائے؟  
**الجواب :-** اس مسئلہ پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ استقبال قبلہ فرض ہے البتہ اس کی  
تفہیل میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ علماء احناف نے عوام کی آسانی کے لیے یہ حکم فرمایا کہ نمازی کا  
بحالت نماز مواجہت مابین المغربین اگر ہو تو استقبال قبلہ ہو جاتا ہے۔ یعنی موسم سرما میں مغرب  
کا آخر وقت اور موسم گرما میں مغرب کا آخر وقت کے درمیان میں جو فاصلہ ہو، اگرچہ عین قبلہ سے  
قد سے انحراف ہی کیوں نہ پایا جائے

البتہ مستری کا یہ کہنا کہ میں قطبی ستارہ کا ماہر ہوں، یہ اس کا دعویٰ ہے، اگر وہ اپنے  
اس دعویٰ میں سچا ہو اور اس میں اس کی شہرت ہو تو اس پر اعتماد کر لیا جائے ورنہ نہیں،  
بہر حال تحقیق پھر بھی ضروری ہے۔

قال ابن عابدین: وقال في شرح ناد الفقير وفي بعض الكتب المعتمدة في  
استقبال القبلة الى الجهة اقاويل كثيرة واقربها الى الصواب قولان الاول ان ينظر

۱۔ قال القاضي خان: وقيل لا بأس للغريب ان ينام في المسجد -

فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۶۶

ومثله في ما المختار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۶ مكررها الصلوة مطلب احكام المسجد -



فی مغرب الصیف فی اطول ایامہ ومغرب الشتاء فی اقصر ایامہ فلیدع الثلثین  
فی الجانب الایمن والثلث فی الایسر والقبلة عند ذلک ولو لم یفعل لکن اوصلی  
فیما بین المغربین یحوزہ و اذا دفع خارجا منها لا یحوزہ بالاتفاق -

رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۳۱ میحت فی استقبال القبلة

قال ابن عابدین (قوله كالقطب) هو اقوی الادلة وهو نجم صنعیر فی بنا

الصغری بین الفرقین والجدی اذا جعله الواقف خلف اذنه الیمنی كان

كان مستقبلا القبلة - رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۱ میحت فی استقبال القبلة له

**مسجد کی چھت پر بیت الخلاء بنانا** | **سوال** : مسجد کے اوپر راستہ کی طرف اگر بیت الخلاء  
بنا دیا جائے تو کیا شرع میں اس کی گنجائش ہے ؟

**الجواب** : مسجد کی حدود میں بیت الخلاء بنانا شرعاً جائز نہیں، اگرچہ مسجد کی چھت

پر ہی کیوں نہ ہو اور اس کا راستہ علیحدہ ہو۔ البتہ مسجد کے نیچے ابتداء سے واقف کی  
نیت سے بیت الخلاء وغسلخانہ بنانا جائز ہے۔

قال المحکفی (وکرة نحو ما) عن لوط و فوقه والبول والتفوط) لانه مسجد الی

عتان السماء - الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد له

له قال ابواللیث : وقبلة اهل خراسان ما بین مغیب الصیف ومغیب الشتاء قال  
ابومنصور قبلة ما وراء النهر هو ان یتروک الثلثین من یمین المصلی والثلث من یسارہ  
من المغربین - (فتاوی نوازل ص ۳۰۰ فصل فی شروط الصلوٰۃ )

وفی الطحاوی اصابه بجهتها رقا لمغرب قبلة لاهل المشرق بالعکس (ص ۱۱۵ باب شرط الصلوٰۃ)

امافی البحار فدلیل القبلة النجوم وقد روی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال

تعلموا من النجوم ما فہتدوا به الی القبلة اھـ وذلک كالقطب - (طحاوی ص ۱۰۰)

له قال ابن نجیم (والوطؤ فوقه والبول والدخلی) ای کرة الوطؤ فوق المسجد

و کذا البول والتفوط لان سطح المسجد له حکم المسجد -

البحر الرائق - باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

ومثله فی الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۹ فصل فی غلق باب المسجد



**مسجد کے نیچے آتش خانہ بنانا** | سوال: مسجد کے تہہ خانہ میں سردی کے موسم میں بوقت

ضرورت آگ جلانے کے لیے جگہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** نفسِ مساجد میں آگ لے جانا یا جلانا بذاتِ خود ممنوع نہیں، البتہ ٹھوسوں کی طرح معبد گاہ بنانا جائز نہیں۔ اگر یہ آگ مسجد کے مصالح کے لیے جلائی جائے مثلاً پانی گرم کرنے یا مسجد کے گرم کرنے کے لیے، جیسا کہ بعض ممالک میں ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے تہہ خانہ میں آگ جلائی جاتی ہے جس سے موسمِ سرما میں مسجد گرم ہو جاتی ہے۔ تو یہ جائز ہے۔

قال ابن عابدین: رواذا جعل تحتہ سرداباً لمصالحہ (ای المسجد رجاء)۔  
 کہ مسجد القدس اذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فهو كسرداب  
 بیت المقدس هذا هو ظاهر الرواۃ وهناك روايات ضعیفۃ مذکورۃ فی الهدایۃ۔  
 رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ کتاب الوقف، مطلب فی احکام المساجد لہ

**مسجد کے متصل غسل خانہ بنانا** | سوال: ایک شخص نے مسجد کی دیوار کے متصل غسل خانہ

بنایا ہے اور غسل خانہ کی چار دیواری میں سے ایک دیوار مسجد

کی ہے، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟  
**الجواب:** غسل خانہ کو مسجد کے اندر بنانا جائز نہیں، البتہ واقفِ مصالحِ مسجد کی رعایت کرتے ہوئے مسجد کے نیچے غسل خانہ اور بیت الخلاء بنا دیا جائے تو جائز ہے۔ بہر حال اگر کسی نے مسجد کے ساتھ متصل اپنی زمین میں غسل خانہ بنایا ہے اور مسجد کی دیوار کو بطور پردہ استعمال کیا ہے تو یہ جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن خلافِ اولیٰ ہے، اس بات کی رعایت ضرور رکھی جائے گی کہ اس سے مسجد کو نقصان نہ پہنچے اور کل کہیں محض پردہ کے استفادہ سے اس دیوار کی ملکیت کا دعویٰ نہ کرے۔

قال ابن عابدین: لو جعل الواقف تحتہ بیتاً للخلاء هل يجوز کما فی مسجد

لہ وفقی المہندیۃ، ومن جعل مسجداً تحتہ سرداباً او فوقہ بیت وجعل  
 باب المسجد الی الطريق وعزله فله ان یبیعہ وان مات یورث عنہ ولو کان  
 السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس کذا فی المہدایۃ۔

(الفتاویٰ المہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب الوقف)۔ — ومثلہ فی المہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب الوقف۔

محلة الشحم في دمشق لم اكره صريحاً نعم سيأتي متناني كتاب الوقف انه لو جعل  
تحت سرداباً لمصالحه جانر تامل - (رد المختار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶ مكرهات  
الصلوة - مطلب احكام المسجد) له

**مسجد کی آمدنی کے لیے بینک میں کھاتہ کھولنا** | سوال :- کیا امام یا خزانچی مسجد کا  
فند اپنے نام پر بینک میں جمع کر سکتا

ہے؟ اور کیا اس فند کو اپنے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتا ہے؟

**الجواب :-** مسجد کا فند خرچ ہونے سے پہلے وقف عرفی ہوتا ہے شرعی نہیں ہوتا۔  
امام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ چندہ دہندگان کی اجازت کے بغیر مسجد کا فند بینک میں داخل کرائے  
یا اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرے، البتہ اگر چندہ دہندگان اجازت دے دیں تو امام  
اسے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اور بینک میں جمع کرنا بغیر اضطراری حالت کے  
اچھا نہیں اگرچہ بغیر سود کے، ہی کیوں نہ ہو۔

وفي الهندية: لو وقف دراهم او مكيلا او ثيابا لمریجز و قیل فی موضع تعلقوا  
ذلك یفتی بالجواز قیل کیف قال الدرهم تقرض للفقراء یزید عون ثم تؤخذ منهم  
والثياب و الاكسية تعطى للفقراء لیلبسوها عند حاجتهم ثم تؤخذ كذا فی  
الفتاوى العتاییة - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۶۲ كتاب الوقف)

قال المحقق: (جس العین علی) حکم (ملك الواقف والتصدق بالمنفعة) ولو فی الجملة  
والاصح انه (عندة) جائز غیر لازم كالعارية او عندهما هو جسمها علی حکم ملك الله تعالى و  
وصرف منفعتهما علی من احب! (الدر المختار علی صدر الدر المختار ج ۲ ص ۲۳۴ كتاب الوقف) له

لو فی الهندية ومن جعل مسجداً تحت سرداب او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطريق  
وعزله فله ان یبیعه وان مات یورث عنه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما فی مسجد  
بیت المقدس كذا فی الهدایة - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۶۵۵ كتاب الوقف)

وَمَثَلُهُ فِي الْهُدَايَةِ ج ۲ ص ۶۳۲ كتاب الوقف - فصل فی وقف المسجد -

قال المرغینانی: قال ابو حنیفة لا یزول ملك الواقف عن الوقف الا ان یحکم به الحاكم او یعلقه بموته  
فیقول اذامت فقد وقفت داری علی كذا - وقال ابو یوسف یزول ملكه بمجرد القول - وقال  
محمد لا یزول حتی یجعل للوقف متولياً ویسلمه الیه - (الهدایة ج ۲ ص ۶۱۶ كتاب الوقف)







**سوال** :- مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا اور اسی طرح مسجد کی چار دیواری کا انتظام نہ کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- مسجد کی چار دیواری تو مسجد کے فنڈ اور رقم سے بنائی جاتی ہے اور اگر مسجد کا فنڈ اتنا نہ ہو کہ اس سے مسجد کی چار دیواری تعمیر کی جاسکے اور اہل محلہ بھی باوجود قدرت رکھنے کے اس کا انتظام نہیں کرتے جس سے مسجد کی املاک کے تلف یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو عند اللہ اہل محلہ گنہگار ہوں گے۔ البتہ مسجد میں گندہ پانی داخل کرنا یا اس میں گندے پانی کی نالی گزارنا عند الشریعہ جائز نہیں، کیونکہ مساجد کو پاک اور صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قَوْلُهُ تَعَالَى: طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔ (سورۃ البقرہ) لے

**سوال** :- ہمارے علاقہ میں مسجد کے ساتھ متصل ایک قطعہ زمین ہے

جو کہ حکومت کی ملکیت ہے اور جو مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد کو درکار ہے جبکہ حکومت یہ زمین مسجد کو دینے سے انکاری ہے۔ کیا مسجد کی ضرورت کے پیش نظر جبراً یہ زمین مسجد میں شامل کی جاسکتی ہے؟

**الجواب** :- مسجد کے ساتھ متصل زمین کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ متصل زمین عام راستہ ہے یا مکان اور دوکان ہے، اگر راستہ ہو تو لوگوں کی مصلحت کو دیکھ کر اس کو مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ البتہ اگر اس کو مسجد میں شامل کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہو تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں، اور مکان و دوکان کو مسجد میں شامل کرنے کے لیے قاضی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

وفي الهندية: قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلى مكان يتسع المسجد واخذوا من الطريق وادخلوه في المسجد ان كان يضر بأصحاب الطريق لا يجوز، وان كان

لہ قال ابن عابدین: (قوله) وادخلوا (خال نجاسة فيه) عبارة الاشياء وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث اهـ۔ ومقادة الجواز لو جافة لكن في الفتاوى الهندية لا يدخل المسجد من على يده نجاسة۔ (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶، مطلب في احكام المسجد)۔ ومثله في قاضيان على هامش الهندية ج ۱ ص ۶۲۲ فصل في المسجد۔

لا یضربہم رجوت ان لا یكون به بأس کذا فی المصمرا... ایضاً فیہ: ارض وقت علی  
مسجد والارض یجنب ذلك المسجد وأراد ان یزید وافی المسجد شیئاً من الارض  
جاز لکن یرفعون الی القاضی لیاذن لهم ومستقل الوقف کالدار والمخاتوت علی هذا  
کذا فی الخلاصة - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الوقف  
تاہم اگر مسجد کے ساتھ متصلہ زمین ہو اور حکومت دینے سے انکار کرتی ہو تو مسجد کی  
ضروریات کو مد نظر رکھ کر جبراً قیمتاً حاصل کی جا سکتی ہے -

ولوضاق المسجد علی الناس ویجنبہ ارض لرجل توخذ ارضہ بالقیمۃ کرہا کذا  
فی فتاویٰ قاضی خان - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الوقف ص ۱۰)

سوال: آجکل جو صفائی کے برش راج  
کس برش کا استعمال مسجد میں جائز ہے؟

ہیں ان میں اکثر خنزیر کے بال استعمال  
کیے جاتے ہیں، اور یہ برش کئی لوگ اپنے گھروں میں استعمال کرتے ہیں، اور بعض مساجد میں بھی  
دیکھا گیا ہے کہ صفائی کے لیے یہ برش استعمال کیے جاتے ہیں۔ کیا ایسے برش کا مسجد میں استعمال  
شرعاً جائز ہے؟

الجواب: مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں ان کو نجاست سے پاک رکھنا بہت ضروری  
ہے، چونکہ خنزیر کا ہر جز نجس العین ہے اس لیے اس سے کسی صورت میں بھی ارتفاع جائز نہیں،  
لہذا ایسے برش جو نجاست سے مخلوط ہوں مساجد ان سے پاک رکھی جائیں۔ لیکن بلا تحقیق کسی چیز  
کے بارے میں نجس کا حکم صادر کرنا دانشمندی کا تقاضا نہیں۔

قَوْلُهُ تَعَالَى: طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ - (سورة البقرة)  
قال العلامة فخر الدين: ولا يبرق في المسجد لافوق الهواء ولا تحت  
الخصيب لانا امرنا بتعظيم المسجد وصونه عن التجاسة فياخذ النجاسة

۱۰ قال المحصن (توخذ اراض) ودار وحنوت ريجنب مسجد  
ضاق علی الناس بالقیمۃ کرہا - (الذخائر علی صدر رد المحتل ج ۲ ص ۳۰۹  
کتاب الوقف)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۵۶ کتاب الوقف -



بشوبہ ولا یلقیہا فی المسجد۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہاشم الہندیۃ ج ۴۲ فصل فی المسجد)

**سوال :-** ہمارے علاقہ میں عرصہ قدیم سے ایک مسجد آباد ہے جس میں گرو ونواح کے لوگ نماز

پڑھتے ہیں؛ جبکہ یہ مسجد سڑک اور دوکانوں کے قریب واقع ہے۔ بعض دوکانداروں نے حکومت کو

یہ درخواست دی ہے کہ اس مسجد کو مسمار کیا جائے کیونکہ اس مسجد کی وجہ سے ہمارے کاروبار میں

فرق آتا ہے؛ کیونکہ یہ مسجد ہماری دوکانوں کے سامنے واقع ہے جس سے ہماری دوکانیں مخفی ہو

جاتی ہیں۔ اندر میں صورت کسی مسجد کو مسمار کرنا بوقت ضرورت جائز ہے؟

**الجواب :-** امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ کسی مقام یا جگہ میں جب ایک دفعہ مسجد بن

جائے تو قیامت تک یہ مسجد ہی رہے گی، اس کو مسمار کرنا یا کسی اور کام میں لانا شرعاً جائز

نہیں، جن لوگوں نے اس کو مسمار کرنے کی درخواست دی ہے انہیں توبہ کرنی چاہیے کسی مسلمان

یا مومن سے ایسی درخواست کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

قال المحصنی: ولو حارب ما حوله واستغنی عنہ یتقی مسجداً عند اکامام

(والثانی) ابدأ الی قیام الساعة (وبہ یفتی) حاوی القدسی۔

قال ابن عابدین: (عند اکامام والثانی) فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ

الی مسجد اخر سوا مکان یصلون فیہ اوکلاً وهو الفتاویٰ حاوی القدسی واكثر المشائخ

علیہ مجتبیٰ وهو الاوجه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ باب الوقف، مطلب فیما لو حارب المسجد)

لہ قال ابن عابدین (قوله) فادخال نجاسة فیہ (عبارة الاشياء وادخال نجاسة فیہ یناف منها التلوث

ام۔ ومفاداً لجوانم لوجافة لکن فی الفتاویٰ الہندیۃ لا یدخل المسجد من علی بدنہ نجاسة۔

رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۵۶ مطلب احکام المسجد)

وَمِثْلُهُ، فی الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۱۱ فصل غلق المسجد۔

قال طاہر بن عبد الرشید: اذا حارب المسجد وفي الفتاویٰ اذا خربت القرية التي فیہا

المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیہ احد فلا بأس بان یاخذہ

صاحبه ویبیعه وهو قول محمد وعن ابی یوسف لا یعود الی ملک البانی ولا الی ملک ورثته

وهو مسجد ابدأ۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۲۲ کتاب الوقف، الفصل الرابع فی المسجد)



**مسجد کے لیے زمین دینے کا وعدہ کرنا** | سوال :- اگر ایک شخص کسی جذباتی فیصلہ کے

لیکن بعد ازاں اس وعدہ پر پابندی نہیں کرتا ہو۔ کیا اس پر زمین دینا ضروری ہے؟  
**الجواب :-** مسجد کے لیے زمین دینے کے وعدہ سے وقت تام نہیں ہوتا بلکہ وقت کے لیے یہ شرط ہے کہ پہلے زمین کو اپنی ملک سے خارج کر کے باقاعدہ عوام کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے، لہذا صرف وعدہ کی صورت میں وقت تام نہیں ہوا، تاہم وعدہ کی خلاف ورزی گناہ ہے۔

وفي المہندیۃ: من بنی المسجد المریزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ  
 ویأذن بالصلوۃ فیہ اما الاقرار فلا نہ لا یخلص اللہ تعالیٰ الایہ کذا فی الہدایۃ۔  
 (الفتاویٰ المہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب الوقف)۔

**مسجد میں چار پائی بچھا کر سونا** | سوال :- کیا مسجد میں سونا جائز ہے؟ جبکہ بعض لوگ مسجد میں چار پائی بچھا کر سوتے ہیں، ان کے بارے

میں شرعی حکم کیا ہے؟

**الجواب :-** مسجد میں سونا بغیر شرعی عذر کے مکروہ ہے، البتہ عذر شرعی ہو مثلاً متکلف ہو یا مسافر وغیرہ، تو اس کو مسجد میں سونا جائز ہے۔ اور جس طرح مسجد میں بغیر چار پائی کے سونا جائز ہے اسی طرح چار پائی بچھا کر بھی سونا جائز ہے۔

وفي المہندیۃ: ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف واذا ادا ان یفعل  
 ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیہ ویذکر اللہ تعالیٰ بقدم ما توی اوی  
 یفعل ما شاء کذا فی السراجیۃ ولا بأس للغریب ولصاحب الداران ینام فی المسجد

ع قال برہان الدین المرغینانی؟ واذا بنی مسجداً المریزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ  
 عن ملکہ بطریقہ ویأذن للناس بالصلوۃ فیہ فاذا صلی فیہ واحد زال  
 عند ابی حنیفہ (رحمہ اللہ) عن ملکہ اما الاقرار فلا نہ لا یخلص اللہ تعالیٰ الایہ۔  
 (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب الوقف، فصل فی المسجد)

ومثله فی کنز الدقائق علی ہاشم البحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۸ کتاب الوقف۔

فی الصبیح من المذهب والاحسن ان يتورع فلا ینام کذا فی خزائن الفتاوی۔

(الفتاوی المہندیۃ ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراہیۃ) لہ

البتہ اگر کوئی غیر معذور آدمی بھی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں سو جائے تو جائز ہے

**مسجد کے لیے وقف شدہ زمین اور عرفی سیرے کی شرعی حیثیت** | سوال: بعض

موقوفہ جائیداد ہوتی ہے جس سے امام اور خطیب استفادہ کرتے رہتے ہیں، لیکن یہ زمین مستقل طور پر مسجد کے لیے وقف ہوتی ہے، ائمہ محض منصب امامت و خطابت کی وجہ سے اس سے استفادہ کے حقدار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض دوسری ایسی جائیداد بھی ہوتی ہے جو کسی امام کو شخصی طور پر دی جاتی ہے تاہم اس میں امام کے موجودہ منصب امامت کا دخل بھی ضرور ہوتا ہے جو اس کے لیے ترجیح کا کام دیتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں کیا یہ جائیدادیں امام قانونی طور پر اپنے نام کرا سکتا ہے؟ اور امام کی وفات کے بعد اگر اس کی اولاد امامت پر مامور نہ ہو پھر بھی اس کی حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ جہاں تک اول الذکر قسم کا تعلق ہے تو چونکہ یہ مسجد کے لیے موقوفہ جائیداد ہے اس کا کسی شخص کی ذات سے کوئی تعلق نہیں، اس میں ارث جاری نہیں ہو سکتا، جو بھی منصب امامت پر فائز ہو وہ اس سے استفادہ کا حقدار ہوگا، اور جب اس ذمہ داری سے علیحدہ ہو جائے تو یہ شخص اس جائیداد سے استفادہ کا حقدار نہیں رہتا، اس کی خرید و فروخت یا تقسیم کرنے کا اختیار اس کو حاصل نہیں۔

قال المرغینانی: ومن اتخذ ارضه مسجداً لم یکن له ان یرجع فیہ ولا یبیعہ ولا یورث عنہ لانه یحرز عن حق العباد و صار خالصاً للہ تعالیٰ و هذا لان الاشیاء کلہا للہ تعالیٰ۔ (المہدایۃ ج ۲ ص ۶۲۵ باب الوقف)

وفی المہندیۃ: واما حکمہ فعدتہما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وعند

لہ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یوضع لہ سریراً وراء اسطوانۃ التویۃ۔ (ابن ماجہ ص ۱۲۷ باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد) ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۶۶۱ مکروہا الصلوۃ۔ مطلب احکام المسجد۔

ابی حنیفہؒ حکمہ صیرورة العین مجبوسۃ علیٰ ملکہ بحیث لا تقبل النقل..... فانہ  
یصح حتی لا یملک بیعہ ولا یورث عنہ لکن ینظر ان خرج من الثلث یجوز۔

(الھندیۃ ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)۔

البتہ مؤخر الذکر جائداد کے بارے میں تذکرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ موصوبہ کی ملکیت  
ہے کیونکہ یہ اس کو ذاتی طور پر دی جاتی ہے، اس میں مسجد پر وقف کرنے کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا  
اور محض امام و خطیب کے منصب کی تعظیم کی وجہ سے کوئی چیز دینے سے مسجد پر وقف نہیں سمجھا جاتا،  
لہذا اس صورت میں امام مسجد کو جملہ مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے، عین حیات میں اس کی  
خرید و فروخت جائز ہے اور اس منصب سے معزول ہونے کے بعد بھی یہ جائداد اس کی رہے  
گی اور مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔

**سوال :-** ایک جگہ پر کسی مسجد کی تعمیر کیلئے  
غیر مسلم کے اموال کو جبراً مسجد پر خرچ کرنا

روپوں اور مال کی ضرورت تھی، بعض لوگوں نے  
غیر مسلموں سے جبراً مال اور روپے وصول کر کے مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے۔ کیا غیر مسلم کا مال جبراً  
وصول کر کے مسجد کی تعمیر میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** دارالاسلام میں غیر مسلموں کی کئی اقسام ہیں۔ ایک غیر مسلم وہ ہے جو مستامن  
یا ذمی ہے، معاملات کے احکام میں مسلمان و ذمی و مستامن آپس میں برابر ہیں، ان کے اموال  
کو جبراً وصول کر کے مسجد میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ احکام کے لحاظ سے مسلمانوں  
کا مثل ہیں۔

البتہ جو حربی ہوں اور دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہوئے ہوں ان کا مال مالِ فتنے

لہ قال ابن نجیم : (قوله ولا یملک الوقف) باجماع الفقہاء کما نقلہ فی فتح القدر  
ولقوله علیہ السلام لعمر رضی اللہ عنہ تصدق باصلہا لا تباع ولا تورث ولانہ  
باللزوم خرج عن ملک الواقف وبلا ملک لا یتمکن من البیع۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰۵ کتاب الوقف)

قال المرغینانی : واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ الا ان یکون مشاعاً عند

ابی یوسف فیطلب الشریک القسمة فیصح مقاسمۃ۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۶۲ کتاب الوقف)



اور غنیمت ہے، ان کا مال مسجد کیلئے جبراً وصول کیا جاسکتا ہے۔

قال العلامة المحصن: لا يمكن حربي متامن فينا سنة وقيل له ان قمت سنة و  
وضعنا عليك الجزية فان مكث سنة فهو ذمي ولا جزية عليه في حول المكث لا بشرط  
اخذها منه فيه ويعبرى القصاص بينه وبين المسلم ويضمن المسلم قيمة تمره وخنزيره  
اذا اتلقه وتجب الدية عليه اذا قتلته خطأ ويجب كف الاذى عنه۔

قال ابن عابدین: (قوله لا يمكن حربي متامن) قيد بالمستامن لانه لو دخل دارنا  
بلا امان كان وما معه فينا ولو قال دخلت بامان الا ان يثبت۔  
(مراد المختار ج ۳ ص ۱۶۱ فصل في استمان الكافر كتاب الجهاد)  
تاہم حرام مال کو مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں۔

قال ابن عابدین: تحت هذا القول (قوله ولو بماله الحلال) قال تاج الشريعة  
امالوا نفق في ذلك ما لا خبيثاً ولا سببه الخبيث والطيب فيكرة لان الله تعالى  
لا يقبل الا الطيب فيكرة تلويث بيته بما لا يقبله۔ (مراد المختار على المختار  
جلد ۲۵۸ باب الامامة۔ مطلب كلمة لا بأس دليل على انه المستحب له  
اور حرام مال سے بنائی ہوئی مساجد شرعی مساجد کے حکم میں سے نہیں ہیں لہذا ایسی مساجد  
میں نماز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے البتہ پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں۔

**سوال:** مسجد کی کچھ دوکانیں ایسی جگہ واقع  
ہوں جو ضرورت و وقت کا تبادلہ جائز ہے  
ہیں جو مسجد سے دور ہیں۔ کیا مسجد کے قرب و

جوار میں واقع بعض دوکانوں سے ان کا تبادلہ جائز ہے؟ جبکہ قریب کی دوکانوں میں یہ احتمال  
بھی ہے کہ کبھی مسجد کی توسیع میں کام آسکیں گی؟  
**الجواب:** مسجد کے لیے ایسے فائدہ کی توقع میں وقت کا استبدال اور مبادلہ جائز ہے

لے عن ابی ہریرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق بعدل تمره من كسب  
طيب ولا يقبل الله الا الطيب فان الله يتقبلها بيمنه ثم يربها لصاحبها كما يربى  
احدكم فلو حتى تكون مثل الجبل۔ مَسْفُوقٌ عَلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۷ باب فضل الصدقة)  
وَمِثْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ ج ۱ ص ۱۱۹ كِتَابُ الزَّكَاةِ۔

لہذا ان دوکانوں کے تبادلہ میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الہندیۃ: مبادلة دارالوقف بداراخری انما یجوز اذا كانت فی محلۃ  
واحدۃ تكون المحلۃ المملوكة خیراً من محلۃ الموقوفۃ وعلی عکسہ لایجوز۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۳ کتاب لوقف۔ الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی لوقف) لہ  
**سوال** :- ایک قبرستان جس میں اب بھی مردے

دفنائے جاتے ہوں، کیا کسی محلہ میں مسجد کی ضرورت

پڑنے پر قبرستان کو ہموار کر کے اس پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے؟

**الجواب** :- جس قبرستان میں مردے فی الحال دفنائے جاتے ہوں اس کو مسجد کیلئے

استعمال کرنا جائز نہیں تاہم جو قبرستان پرانا ہو چکا ہو اور اس میں مردوں کی لاشیں گل سڑ کر

ان کے نشانات ختم ہو چکے ہوں تو اس کو ہموار کر کے اس پر مسجد بنانا جائز ہے، البتہ ملوکہ ہونے کی

صورت میں مالک سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین۔ وقال التزیلعی ولوبلی المیت وصار ترائاً جاز دفن غیرہ فی

قبرہ ونردعہ والبناء علیہ۔ (رد المحتار ج ۲ مطلب فی دفن المیت، کتاب الجنائز)

**سوال** :- تقسیم ہند کے وقت جو ہندو اور سکھ پاکستان سے چلے

منڈ سے مسجد بنانا گئے تھے، ان کے مندروں اور گوردواروں کو مسلمان مساجد میں

تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کیا ان میں تغیر ضروری ہے؟

**الجواب** :- ہندوؤں اور سکھوں کے معابد (مندرا اور گوردوارے) مساجد میں تبدیل کرنا

لہ قال ابن نجیم۔ وفی القنیۃ مبادلة دارالوقف بداراخری انما یجوز اذا كانت فی محلۃ

واحدۃ او تكون المحلۃ المملوكة خیراً من المحلۃ الموقوفۃ وعلی عکسہ لایجوز۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب لوقف)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ عَلَى الدَّرِّ الْمُحْتَارِ ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب لوقف، مطلب فی شرط الاستبدال۔

۲ وفی الہندیۃ: ولوبلی المیت وصار ترائاً جاز دفن غیرہ فی قبرہ ونردعہ والبناء علیہ۔

فتاویٰ ہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۴ - الفصل لساس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی اخر۔

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔



شرعاً جائز ہیں بشرطیکہ ان کی عبادت کے نشانات مٹا دیئے جائیں اور اس میں تغیر کر دیا جائے، مثلاً ان کو قبلہ رو کرنا، اس میں محراب بنانا یا ان کو مستقل طور سے گرا کر از سر نو ان پر مسجد بنانا۔

عن طلق بن علی قال خرجنا وفدًا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه واخبرنا ان بارضنا بيعته لنا فاستوهبنا من فضل طهوره فدعا بماء فتوضا وتمضمض ثم صبته لنا في ادواة وامرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسروا بيعتكم وانضموا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا ان البلد بعيد والحرق شديد والماء ينشف فقال مده من الماء فانه لا يزيد الا طيبا - رواه النسائي -  
(مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۶۹ باب المساجد)

وفي حاشيته فاكسروا الخ غير ومحرابها وحولوه الى الكعبة وقيل حربوه -

**مسجد میں آنے سے منع کرنا** سوال :- بعض لوگوں نے مسجد کیلئے چندہ جمع کر کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کیا ہے، لیکن ایک شخص اس تعمیر سے

روک رہا ہے اور غیر تہذیب الفاظ کا استعمال کر رہا ہے، ایسے ہی ایک اور شخص مسجد کے راستہ کو بند کر رہا ہے جس سے مسجد ویران ہو رہی ہے اور اس سے مسجد میں آنے جانے والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** مسجد کی تعمیر سے منع کرنا اور ایسے ہی مسجد کا راستہ بند کرنا از روئے شرع جائز نہیں، یہ ایک فاسقانہ کام ہے اور یہ شخص قابل تعزیر ہے۔ البتہ اگر یہ راستہ مسجد کا نہ ہو بلکہ اس کی اپنی ملکیت ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کا استعمال مالک کی اجازت پر

عن ابیہ طلق بن علی قال خرجنا وفدًا إلى النبي فبايعناه وصلينا معه واخبرنا ان بارضنا بيعته لنا فاستوهبنا من فضل طهوره فدعا بماء فتوضا وتمضمض ثم صبته في ادواة فامرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسروا بيعتكم وانضموا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا ان البلد بعيد والحرق شديد والماء ينشف فقال مده من الماء فانه لا يزيد الا طيبا فخرجنا حتى قدمنا بلدنا فاكسروا بيعتها ثم نضمنا

مكانها فاتخذتها مسجدا فنادينا فيه بالاذان ... الخ

(سنن النسائي ج ۱ ص ۱۱۱ باب اتخذ البيع مساجد)



پر موقوف ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا  
الاسْمُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا. (الآية)

قال الله تعالى: إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (الآية)  
رمشكوة ج ۱ ص ۶۹ باب المساجد، الفصل الثاني)

**سوال:** مسجد کی اشیاء کو عاریتہ کوئی شخص  
اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسجد کی اشیاء وقت علی المسجد میں ان کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے  
استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، البتہ اگر واقعہ اس کی نیت کرے تو گنجائش ہے۔

قال المحصفي: فاذا تقرر ولزم الوقت ولا يملك ولا يعارض ولا يرهن.

قال ابن عابدین: ولا يعاد ولا يرهن لا اقتضا ثهما الملك -

رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۵ کتاب الوقف، مطلب فی شرط واقف الکتب الہی

**سوال:** ہمارے والد صاحب نے ایک قطعہ اراضی  
مسجد کے لیے وقف کیا تھا اور باقاعدہ اس کی حد بندی کی

گئی تھی اور اس میں شکرانے کے نقل بھی پڑھے گئے تھے، اب ہمارے والد صاحب فوت ہو چکے  
ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اس زمین کے بدلے دوسری زمین مسجد کے لیے متعین کر دیں اور  
اس قطعہ اراضی کو اپنے مصرف میں استعمال کریں۔ کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب:** جب کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی ملوکہ زمین وقف کر کے اپنے سے  
جدا کرے تو اب اس زمین کے ساتھ اس کا مالکانہ تعلق ختم ہو گیا یہی وجہ ہے کہ وقف کے

سواء قال فی الہندیۃ: ولا یحمل القیم سراج المسجد الی بیتہ ویحمل من بیتہ الی المسجد ولا  
یأس ان یتروک لسراج المسجد الی ثلث اللیل ولا یتروک اکثر من ذلك الا اذا شرط  
الواقف ذلك او کان ذلك معتاداً ذلك الموضع -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۱، هل فی کرا غلق باب المسجد)

وَمِثْلُهُ فِي خُلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب الوقف، للفصل الرابع فی المسجد۔

مرنے کے بعد اس موقوفہ زمین میں وراثت کا حق وراثت ثابت نہیں اور اس کی بیع بھی جائز نہیں، جہاں تک استبدال کا تعلق ہے تو اس کی بھی چند صورتیں ہیں :-  
 (۱) واقف اپنے لیے یا کسی وارث کے لیے استبدال کی شرط رکھے۔  
 (۲) اور اگر شرط نہ رکھی ہو لیکن اس جگہ سے ارتفاع کلیتہً ختم ہو چکا ہو تو اس صورت میں باذن القاضی یا حاکم کے استبدال اصح قول کے مطابق درست ہے۔  
 چونکہ صورتِ مشولہ میں دونوں وجود مفقود ہیں اس لیے مذکورہ زمین مسجد کی رہے گی اس کو دوسری کسی زمین میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن الهمام: وقوله ولو شرط ان يستبدل بها ارضا اخرى لمك ووقفاً مكانه فهو جائز عند ابى يوسف و هلال و الخفاف و هو استحسان و كذا اقول على ان ابيعها واشترى بتمتها اخرى مكانا و كذا ليس للقيم الاستبدال الا ان يتصل له بذلك..... ولو قيد شرط الاستبدال للقيم بحياة الواقف ليس له ان يستبدل بعد موته. وفي فتاوى قاضخان قول هلال و ابى يوسف هو الصحيح..... وكذا ارض الوقف اذا قل نزلها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفصل غلتها عن مونتها ويكون صلاح الارض في الاستبدال بارض اخرى وفي نحو هذا عن الانصاري صحة الشرط لكن لا يبيعها الا باذن الحاكم وينبغي للحاكم اذا رفع اليه ولا منفعة في الوقف ان يأذن في بيعها اذا رآه انظر اهل الوقف -  
 رفتح القدير ج ۵ ص ۲۳۹ كتاب الوقف (۱) له

۱  
 له لما قال العلامة ابن عابدین: اعلم ان الاستبدال على ثلاثة. وجو الاول: ان يشترطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه و غيره فلا استبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً والثاني: ان لا يشترطه سوا شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيء اصلاً او لا يبقى بمؤنة فهو ايضا جائز على الاصح اذا كان باذن القاضی و رأيه المصلحة فيه. والثالث: ان لا يشترطه ايضاً ولكن فيه نفع في الجملة و بدله غير منه ربعا و نفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار -

رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ كتاب الوقف. مطلب في استبدال الوقف و شروطه

و مثله في امداد المفتين الشهير بفتاوى دارالعلوم ديوبند ج ۲ ص ۴۱۹ -



**سوال :-** آجکل حکومت کی طرف سے مسجد مکتب سکول کے نام سے مساجد میں سکول کھولنا میں کرسیاں لگا کر عام پرائمری سکولوں کی طرح بے اعتدالیاں کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس سے مسجد کا تقدس بھی پامال ہوتا ہے اور مسجد کی حالت ایک عام حجرہ اور بیٹھک جیسی ہو جاتی ہے؟

**الجواب :-** مذکورہ حالات کی روشنی میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے مسجد کا تقدس اور عظمت باقی نہیں رہتا جس سے اس عہدے کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ کہیں خیر خواہی کے زیادہ میں شعائر اللہ کی توہین کا منظم پروگرام تو نہیں؟ اس لیے تعلیم کا یہ سلسلہ کسی دوسری جگہ پر جاری رکھنا چاہیے، مساجد کو نماز، ذکر اللہ اور قرآن و حدیث کی تعلیم تک محدود رکھیں۔

لما قال الشيخ احمد الحموی: فی شرح الجامع الصغیر للمتواتری ولا يجوز تعلیم صبیان القرآن فی المسجد للمروی، جنیوا صبیانکم المساجد انتھی۔ وهو صریح فی عدم الجواز سواء كان بأجرة أم لا۔ (الاشیاء والنظائر ج ۴ ص ۵۶ القول فی احکام المسجد ص ۱۵)

**سوال :-** کسی مسجد کی تعمیر کے لیے ایک قادیانی نے دو ہزار اینٹیں دیں، کیا از روئے شریعت

یہ اینٹیں مسجد میں استعمال کی جاسکتی ہیں؟

**الجواب :-** قادیانی اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان اور اہل قبلہ کہتے ہیں، لیکن عقیدہ ختم نبوت کے انکار اور دیگر بہت سی ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے مرتد کے زمرہ میں داخل ہیں، اس صورت میں ان کا ہبہ موقوف رہے گا اور اگر یہ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہبہ نافذ ہوگا اور اگر اپنے ارتداد پر بدستور قائم رہیں تو بوجہ مرتد ہونے کے ان کا ہبہ باطل ہے۔

۱۔ قال ابن عابدین: لما اخرجہ المنذری: مرفوعاً جنیوا مساجدکم صبیاناً ومجانینکم وبيعکم وشرادکم ورافع اصنوا تکم الی اخره۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۶ احکام المسجد)

ومثله فی الہندیۃ ج ۵ کتاب الکراہیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد۔ ص ۳۲۱



قال ابن نجيم: توقف مبايعته وعتقه وهبته فان نفذ وان هلك  
بطل - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۳ باب المرتد) له  
قادياتيون کے اموال قبول کرنے سے ایک دوسرا نقصان یہ بھی ہے کہ ان کے کفر کے بارے  
میں پوری اُمتِ مسلمہ کا جو عقیدہ ہے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لیے ان کا یہ کسی صورت  
میں قبول نہ کیا جائے۔

**مسجد کے لیے موقوفہ زمین کی فروخت** | سوال: کیا مسجد کی منتظمہ کمیٹی کو یہ حق حاصل  
ہے کہ مسجد کے لیے موقوفہ زمین کو فروخت کر

دے یا اجارہ پردے یا اُسے کسی اور مصرف کے لیے استعمال میں لائے؟  
**الجواب:** مسجد کے لیے موقوفہ زمین کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں، البتہ زمین کے  
تبادلہ کا جواز کتب فقہ سے ثابت ہے، یہ تبادلہ بھی اُس صورت میں جائز ہے کہ جس میں مسجد کا  
فائدہ ہو، اسی طرح مسجد کے نفع کی خاطر اس کو اجارہ پر دینا بھی جائز ہے۔

وفي الهمدية: مبادلة دارالوقف بداراخرى انما تجوز اذا كانت في محلة  
واحدة تكون المحلة المملوكة خيراً من محلة الموقوفة وعلى ملكه لا يجوز -  
الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۷ کتاب الوقف، البتة الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف

له قال المحقق: يتوقف منه عند الامام وينفذ عندهما كل ما كان مبادلة مال بمال  
او عقد تبرع (كالمبايعه) والصرف والسلم والعتق والتدبير والكتابة والهبه -  
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ۲۵ باب المرتد، قريب من مطلب العصية تبقى بعد الردة)  
وَمِثْلُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ النِّيْرَةِ ج ۲ ص ۳۷۹ كِتَابُ السَّيْرِ

له قال ابن عابدين: قال وفي القنية مبادلة دارالوقف بداراخرى انما يجوز  
اذا كانت في محلة واحدة او محلة الاخرى خيراً وبالعكس لا يجوز وان  
كانت المملوكة اكثر مساحة وقيمة اجرة كاحتمال خرابها في ادون  
المحلتين لدنائتها وقله الرغبة فيها - رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۳۸۶  
كتاب الوقف مطلب في شروط الاستبدال  
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۲۳ كِتَابُ الْوَقْفِ -

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

جس مسجد کی زمین کا باقاعدہ وقف نہ ہو تو وہ شرعی مسجد نہیں

مسئلہ کے بارے میں کہ انگلینڈ میں مکانات کی دو قسمیں ہیں، ایک فری ہولڈ اور دوسرا لیس فری ہولڈ۔ قسم اول میں زمین اور عمارت مالک مکان کی ملکیت ہوتی ہے، اور قسم ثانی میں صرف مکان پر مالک کی ملکیت کا حق ہوتا ہے جبکہ زمین اجارہ کی ہوتی ہے، لیکن یہ فرق بھی صرف امتیازی ہوتا ہے۔ دونوں قسموں کی صورت میں حکومت کو مکمل اختیار حاصل ہے، کیونکہ ان دونوں قسموں کے لیے حکومت کی طرف سے ایک میعاد مقرر ہوتی ہے۔ اگر مقررہ مدت سے قبل حکومت کو اس زمین کی ضرورت پڑ جائے تو حکومت اس مقررہ مدت کو منسوخ کر کے اس زمین کو اپنے مصرف میں راسکتی ہے، اس میں کسی شخص کو بھی حکومت کے فیصلے کو چیلنج کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

آیا ایسی زمین جس پر مالک کو مکمل اختیار حاصل نہیں اگر اس پر مسجد تعمیر کر لی جائے اور باقاعدہ اس میں اذان اور جماعت بھی ہوتی ہو، لیکن جب اس زمین کو جس پر مسجد واقع ہے ضرورت پڑنے کی وجہ سے حکومت اسے اپنے مصرف میں لانے کا ارادہ کرے اور اس کے مالک کو اپنی جانب سے اس عمارت کا عوض دے دے، تو کیا ایسی زمین پر مسجد تعمیر کرنا مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی؟ اور آیا اس کی خرید و فروخت اور اس میں تغیر و تبدل جائز ہے؟ اور اس شہید کر کے کسی اور مصرف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

**الجواب:**۔ اہل علم کی تحقیق کے مطابق مسجد شرعی کے لیے زمین اور مکان دونوں کا وقف مؤبد ہونا شرط ہے، جبکہ یہ شرط یہاں متحقق نہیں۔ اور اہل علم کے نزدیک مسجد کے معاملہ میں اگر کوئی ایسی شرط لگادی جائے جس سے وقف مؤبد میں فرق آ رہا ہو تو وہ شرط باطل ہے اور وقف مطلق اور مؤبد ہوگی۔

قال ابن عابدین: تحت هذا القول (قوله) ولا ذكر معه اشتراط بيعه الخ (في الخصاص لو قال علي ان لي اخراجها من الوقف الخ غير او علي ان اهبها واتصدق بتمها او علي ان اهبها لمن شئت او علي ان ارهنها متي بدالي واخرجها عن الوقف بطل الوقف ثم ذكر ان هذا في غير المسجد اما المسجد لو اشترط ابطاله او بيعه صح وبطل المشروط۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۲ کتاب الوقف قبل مطلب في وقف المرتد والكافر



جس ملک میں خود مالک کو کسی زمین یا مکان پر ملک مؤید حاصل نہیں اور اس کو اس زمین میں تصرف من کل الوجوه حاصل نہیں تو وہ کس طرح وقف مؤید کر سکتا ہے اور کس طرح اس مسجد کو مسجد شرعی کا حکم دیا جا سکتا ہے؟ اس لیے یہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدین: ا فادان الواقف لا بد ان يكون مالکة وقت الوقف ملكاً باتا ولو بسبب فاسد وان لا يكون محجوراً عن التصرف حتى لو وقف لمصوب لم يصح وان ملكه بعد بشرأ او صلح ولو اجاز المالك وقت قضي جاز۔  
رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۰ کتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة) لہ

**مسجد کسی کی ملکیت نہیں ہوتی** | سوال :- ایک شخص نے کسی محلہ میں مسجد بنوائی اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی

کچھ مدت کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ مسجد میری ملکیت ہے لہذا اس میں تمام تصرف میرا ہی چلے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کسی شخص کی ملکیت میں آ سکتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس نے خود ہی یہ مسجد تعمیر کرائی ہو؟

**الجواب :-** جب مسجد ایک دفعہ مسجد بن جائے اور اس میں لوگوں کو نماز کے لیے باقاعدہ اذن عام ہو تو پھر یہ کسی کی ملکیت نہیں رہتی، البتہ باقی کو تولیت کا حق حاصل ہے۔

قال المحصفي: اراد اهل المحلة نقض المسجد وبنائه احکم من الاول ان الباني من اهل المحلة لهم ذلك الا لا الدر المختار على صدر رد المحتار ص ۳۵۷ ج ۲، کتاب الوقف، احکام المساجد) لہ

لہ قال ابن نجيم: من شرط الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضاً فوقها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۸ کتاب الوقف) وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدِيَةِ ج ۲ ص ۳۵۳ کتاب الوقف۔

۲ قال طهري بن عبد الرشيد: رجل بنى مسجداً في سكة فتنازعه بعض اهل السكة في عمارته او نصب المؤذن والامام فالمتار ان الباني اولي وفي العماره اولي باتفاق۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۱ الفصل الرابع في المسجد و اوقافه الخ) وَمِثْلُهُ فِي الْأَشْيَاءِ وَالنِّظَائِمِ ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الوقف۔



**مسجد کے فنڈ سے معاوضہ دینا** | سوال :- ہمارے محلہ میں مسجد کے محراب کے ساتھ

کچھ دوکانیں تھیں، جب مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا گیا تو یہ دوکانیں بھی منہدم ہو گئیں، حکومت نے دوکانداروں کی درخواست پر اس کے تبادلہ جگہ ان کو دے دی، اب ان کا مطالبہ یہ ہے کہ جتنے دن ہمارے کاروبار میں فرق آیا ہے اس کا معاوضہ دیا جائے، ہر دوکاندار تقریباً پانچ ہزار روپے کا طالب ہے اس طرح کل رقم تقریباً بیس ہزار روپے بنتی ہے، جبکہ مسجد کے پاس فنڈ بھی کافی مقدار میں موجود ہے۔ کیا دوکانداروں کے مطالبہ پر ان کو یہ معاوضہ مسجد کے فنڈ سے دینا جائز ہے؟

**الجواب :-** صورت مذکورہ میں دوکانداروں کا یہ مطالبہ کہ تعمیر مسجد کی وجہ سے جتنے دن ہمارا کاروبار متاثر ہوا ہے اس کا معاوضہ ہمیں دیا جائے، غیر شرعی ہے۔ کیونکہ مالک مکان پر کاروبار کے متاثر ہونے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تاہم ان ایام کا کرایہ دوکانداروں سے وصول نہیں کیا جاسکتا اس لیے ایسا غیر شرعی خرچہ مسجد کے فنڈ سے ادا نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اگر شرعاً فساد کا خطرہ ہو تو دفع شرعی کے لیے کچھ رقم دینا مخصص ہے لیکن دوکانداروں کے لیے اس کی وصولی ناجائز اور حرام ہے۔

قال ابن عابدین: الثالث اخذ المال يسوي امره عند السلطان دفعاً للضرر، او جلباً للنفع وهو حرام على الاخذ - (رد المحتار على الدر المختار ج ۴ ص ۳۰۳، کتاب ادب القاضی، مطلب فی الکلام علی الرشوة والهدية) لہ

**مسجد کی خرید و فروخت کا عدم جواز** | سوال :- قیام پاکستان کے وقت جب ہندو

اور سکھ پاکستان سے کوچ کر کے ہندوستان چلے گئے تو اپنے بہت سے مکانات، زمینیں اور جائیداد چھوڑ گئے، جہا جبرین کی ایک جماعت نے ایک جگہ کا انتخاب کر کے باقاعدہ ڈپٹی کمشنر سے اجازت لیکر اور نقشہ منظور کر کے مسجد تعمیر کی، بعد ازاں جب حکومت متروکہ زمین کی قیمت وصول کرنے لگی تو حکومت نے اس جگہ کی قیمت وصول

لہ قال ابن نجيم: ومنها اذا دفع الرشوة يسوي امره عند السلطان حل له الدفع ولا يحل للاخذ ان يأخذ - (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۶۲ کتاب ادب القاضی) ومثله في فتح القدير على الهداية ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب ادب القاضی۔

کرنے سے پہلے ہی مسجد اپنی تحویل میں لے لی اور تقریباً اٹھارہ سال تک اپنی تحویل میں رکھا اور مسجد کے لیے موقوفہ دوکانوں کی آمدنی بھی حکومت وصول کرتی رہی، اب جبکہ حکومت نے اسے اپنا قبضہ اٹھالیا ہے تو حکومت اس مسجد کی جگہ کی قیمت کا مطالبہ کرتی ہے، حالانکہ ہم نے یہ مسجد حکومت کی اجازت سے ہی بنائی تھی۔ اندر میں صورت کیا اب مسجد کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے؟ اور کیا یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مستفتی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد حکومت کی اجازت سے تعمیر کی گئی۔ لہذا اگر کسی سرکاری جگہ پر قیمت کی ادائیگی کے بغیر حکومت کی اجازت سے مسجد تعمیر کی جائے تو اس سے وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، کیونکہ مساجد کا اہتمام کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

قال ابن عابدین، فانه يجب ان يتخذ الامام للمسلمين مسجداً امن بيت المال او من مالهم ان لم يكن لهم بيت المال - رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹، کتاب الوقف، مطلب لو وقف على الاغنياء وحدثهم لهم بجز (اور حکومت کا نقشہ کی منظوری دینا باقاعدہ اجازت کے مترادف ہے، اب باقاعدہ مسجد بن جانے کے بعد اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔

قال المرغيناني: ومن اتخذ امرضه مسجداً لم يكن له ان يرجع فيه ولا يبعه ولا يورث عنه لانه يعرض عن حق العباد وصار خالصاً لله تعالى وهذا لان الاشياء كلها لله تعالى - (الهداية ج ۲ ص ۶۲۲ باب الوقف - فصل في وقف المسجد) له

له وفي الهدية: اما حكمه عند هما زوال العين عن ملكه الى الله تعالى وعند ابي حنيفة حكمه صيرورة العين محبوسة عن ملكه بحيث لا تقبل النقل عن ملك الى ملك والتصدق بالعلقة المعدومة متى صح الوقف بان قال جعلت ارضي هذه صدقة موقوفة مؤبدية او اوصيت بها بعد موتي فانه يصح حتى لا يملك ببعه ولا يورث عنه لكن ينظر ان خرج من الثلث يجرى -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف)

ومثله في البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب الوقف -



## عید گاہ میں کھیل کود اور اسے راستہ بنانے کا حکم | سوال: ہمارے گاؤں میں

ایک مسئلہ بڑی شدت اختیار کر گیا ہے وہ یہ کہ گاؤں کی وقت عید گاہ ہے، محلے کے بچے جو تول سمیت اس میں کھیلتے رہتے ہیں اس عید گاہ کے دو دروازے ہیں، ایک دروازہ گاؤں کی طرف اور دوسرا سڑک کی طرف کھلتا ہے گاؤں کی طرف کھلنے والے دروازے کو لوگ عید گاہ سے گزرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جس میں بعض اوقات حیض اور نفاس والی خواتین بھی گذرتی ہیں۔ اب ایک صاحب نے عید گاہ کی حرمت برقرار رکھنے کے لیے اس کے ایک دروازے کو بند کر دیا ہے مگر گاؤں کے لوگ خصوصاً عید گاہ کے قرب و جوار میں رہنے والے اس صاحب کو ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں اور اس پر سخت ناراض بھی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ عید گاہ کو گذر گاہ بنانا، اس میں چلنا پھرنا اور کھیلتا کودنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں آیا نہیں؟

**الجواب:** عید گاہ اور جنازہ گاہ کا مسجد شرعی کے حکم میں ہونا اگرچہ مختلف فیہ ہے مگر راجح مذہب یہ ہے کہ عید گاہ مسجد شرعی کے حکم میں ہے۔

كما قال العلامة قاضي خان: مسجد اتخذ لصلوة الجنائز أو لصلوة العيد هل يكون له حكم المسجد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يكون مسجد حتى لو مات الواقف لا يورث۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۹ کتاب الوقف)

وقال العلامة ابن عابدین: المتخذ لصلوة الجنائز العبد فهو مسجد في جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لاني حق غيره به يفتى نهاية. وعبارة النهاية والمختار للفتوى انه مسجد في حق جواز الاقتداء... فان الباقي لم يعد له لذلك فينبغي ان لا يجوز... وما صححه تاج الشريعة ان مصلى العيد له حكم المساجد وتماه في الشرنبلالية. (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۲ کتاب الوقف)

وفي احسن الفتاوى: جميع احكام في عید گاہ کا بحکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامیہ سے جمیع احکام میں بحکم مسجد ہونے کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

اس لیے عید گاہ میں ہر وہ عمل جو اسکی بے حرمتی اور بے احترامی کی طرف مفضی ہونا جائز و حرام ہے، مثلاً عید گاہ میں راستہ بنانا اور اس میں ہر قسم کے لوگوں (حائفہ، نساء، جنب وغیرہ) کا گذرنا، اس کو کھیل کود کا میدان بنانا، اس کی بے حرمتی کرنا وغیرہ۔



كما قال العلامة ابن نجيم: وقال بعضهم له حكم المسجد حال اداء الصلوة لا غير وهو  
والجنانة سواء، ويجتنب هذا المكان عما يجتنب المسجد احتياطاً.

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

وفی کفایت المفتی: عید گاہ کے احاطے کے اندر کارخانہ کھولنا جس میں ہر قسم کے آدمی  
کام کرتے ہوں جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۷ ص ۱۱۳)

وفی امداد المفتیین: نیز احتیاطاً تعظیم و حرمت میں بھی فقہاء نے اس کو مثل مسجد قرار  
دیا ہے اور زراعت اس کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص ۸۱۵)

وفی احسن الفتاویٰ: عید گاہ کا احترام بہر کیفیت واجب ہے، اگرچہ اس کے مسجد ہونے  
میں اختلاف ہے مگر بیحمتی سے حفاظت بہر حال ضروری ہے لہذا امور مسولہ (کھیل کود،  
دعوت وغیرہ) کا انتظام کرنا کی اجازت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد ۶ ص ۲۲۸ کتاب الوقف)

اور عید گاہ میں یہ امور اس لیے بھی جائز نہیں کہ واقف نے اس زمین کو ان امور مذکورہ  
کیلئے وقف نہیں کیا ہے بلکہ اس کا وقف صرف اور صرف عید گاہ تک محدود ہے اور واقف کی  
نیت کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ (شامی میں ہے: نیت الواقف کنص الشارع۔

رہد المختار ج ۴ ص ۲۳۳ کتاب الوقف)

اور پھر جب عید گاہ کے ساتھ دوسرا تبادل راستہ موجود ہو تو پھر بھی اس میں راستہ بنانا مسجد  
میں راستہ بنانے کے مترادف ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کرتے ہوئے  
ارشاد فرمایا: لا تجعلوا المساجد مساجداً (الحديث) کہ مسجد کو راستہ مت بناؤ۔

اس لیے شریعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید گاہ کی حفاظت کرنا ضروری ہے،  
تا کہ اس کو راستہ نہ بنایا جاسکے، اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے ساتھ تعاون  
کریں جو اس کی حفاظت کرتا ہو، عید گاہ کو کھیل کود کا میدان یا راستہ بنانے سے منع کرنے  
والے پر کسی کو بھی اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں، اس جگہ کو صرف عیدین کی نماز  
یا دیگر دینی تقریبات کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اس کو بطور راستہ،  
کھیل کے میدان اور دیگر خلاف شرع امور میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

واللہ اعلم و علمہ اتم

## جنوبی افریقہ کی قدیم مساجد و مدارس وغیرہ کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان

شرع متین مندرجہ ذیل سوالوں کے اندر کہ :

(۱) جنوبی افریقہ ایک ایسا ملک ہے کہ جہاں کبھی بھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی ہے، حقیقت میں یہ ملک غیر آباد تھا۔ سب سے پہلے ہالینڈ کی ڈچ قوم جاوا سے تین سو سال پہلے یہاں آئی تھی۔ اور یہی ڈچ قوم قریباً ڈیڑھ سو ملائی مسلمان، جو کہ سیاسی قیدی تھے، اپنے ساتھ لائی تھی، پھر انگریز آئے اور انہوں نے ہندوستان سے ہندوستانیوں کو کام کاج کے واسطے بلایا، جب ان ہندوستانیوں کا وقت پورا ہو گیا تو بعض واپس ہندوستان چلے گئے اور اکثر یہاں پر ہی مقیم ہو گئے جن میں سے کچھ تو تجارت، کچھ مزدوری اور کچھ زراعت میں مشغول ہو گئے۔ اس ملک میں سفید فام قوم ۳۵ لاکھ حبشی نژاد ۵ لاکھ، ایشیائی قوم ۵ لاکھ، خالص حبشی ایک کروڑ بیس لاکھ اور مسلمان تقریباً ایک لاکھ ہوں گے۔ اور حکومت اس ملک پر سفید فام عیسائی قوم کی ہے، مسلمان نماز اذان، قربانی اور حج وغیرہ ادا کرنے میں آزاد ہیں، مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے آباد ہیں، اب حکومت نے نسلی امتیاز کا قانون بنا لیا ہے جس کی بنیاد رنگ پر، مذہب پر نہیں۔ اس قانون کی وجہ سے ہر قوم کو الگ الگ جگہوں پر آباد کیا جا رہا ہے، اب جو علاقے سفید فاموں کے لیے مخصوص کئے گئے ہیں وہاں سے ہندوستانیوں کو نکالا جا رہا ہے اور ان کے مکانوں اور زمینوں کی معمولی قیمت دے کر زبردستی ان کو بے دخل کیا جا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ ملک دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور اگر دارالحرب ہے تو پھر مسلمانوں کو یہاں پر رہنا جائز ہے یا، ہجرت کر کے چلے جانا چاہیے؟

(۲) جو علاقے سفید فام قوم کے لیے مقرر ہو چکے ہیں ان علاقوں کے اندر جو مسجدیں آگئی ہیں ان کو فروخت کر کے قیمت لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا ان کو ویسے ہی چھوڑ دینا چاہیے، جبکہ آج ان کی قیمت کئی لاکھ پونڈ سے بھی زیادہ ہے، اور جب ان علاقوں میں مسلمان ہی نہ رہیں گے تو یہ مسجدیں بھی غیر آباد اور شہید ہو جائیں گی۔ اب آپ سے التجا ہے کہ یہ ملک کیا ہے، اور جو مسجدیں سفید فاموں کے علاقے اندر آگئی ہیں ان کے



واسطے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل مطلوب ہے؟  
**الجواب:-** محترم! آپ کے سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں  
 حسب ذیل ہیں:-

(۱) عباراتِ فقہیہ پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کا ملک یعنی جنوبی افریقہ آپ  
 کے واسطے نہ دارالحرب ہے کہ جس سے ہجرت لازم ہو جائے اور نہ مکمل دارالاسلام ہے،  
 بلکہ دارالامن اور دارعہد اگر اس کو کہا جائے تو بجا ہے۔ اس بارے میں فقہاء کرام کی چند  
 عبارات ملاحظہ ہوں:-

(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اعلم ان دارالحرب تصیر دارالاسلام بشرط  
 واحد وهو اظہار حکم الاسلام فیہا قال محمد بن زینب انما تصیر  
 دارالاسلام دارالحرب عند ابی حنیفۃ بشرط ثلاثہ احدها جراح  
 احکام الکفار علی سبیل الاشتہاد وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام والثانی  
 ان تكون متصلۃ بدارالحرب لا یتخلل بینہما بلد من بلاد الاسلام والثالث  
 ان لا یبقی فیہا مؤمن ولا ذمی آمنًا بامان الاول الذی کان ثابتًا قبل  
 استیلا و الکفار للمسلم باسلامہ والذمی لعقد الذمۃ۔ وقال ابو یوسف  
 بشرط واحد لا غیر وهو اظہار احکام الکفر وهو القیاس۔ (ج ۲ من ۳)

(ب) خزائنہ المفتین میں ہے: دارالاسلام لا لقید دارالحرب الا باجراہ  
 احکام الشریک فیہا وان یكون متصلًا بدارالحرب لا یكون بیئہا  
 و بین دارالحرب مصر آخر للمسلمین وان لا یبقی فیہا مسلم و ذمی  
 بالامان الاول فما لم توجد ہذا الشرائط لقید دارالحرب و قال  
 اذا وجدوا فیہا احکام الشریک فانہا لقید دارالحرب سواء كانت  
 متصلۃ بدارالحرب اولم تکن بقی فیہا مسلم او ذمی آمنًا بالامان  
 الاول اولم یبق۔

(ج) اور فتاویٰ بن نازیم میں ہے: قال السید الامام والبلاد التي في ايدي  
 الكفرة اليوم لا شك انها بلاد الاسلام بعد اتصالها ببلاد دارالحرب  
 ولم فيها احكام الكفر بل القضاة مسلمون اما البلاد والتي



عليها قال مسلم جهتهم فيخوز فيها اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج  
وتقليد القضاة وتذويج الايام والادامل لا يتلاء المسلم عليه اما البلاد  
والتي عليها ولاية كفار فيجوز فيها ايضاً اقامة الجمع والاعیاد والقاضي قاض  
بتواضي المسلمين الخ - وذكر الحلواني انه انما لقيد دار الحرب باجراء احكام  
الكفر وان لا يحكم فيها بحكم من احكام الاسلام وان يتصل بدار الحرب  
وان لا يبقى فيها مسلم ولا ذمی آمنًا بالاول فاذا وجدت الشروط كلها  
صارت دار الحرب وعند تعارض الدلائل والشروط يبقى ما كان او يترجح  
جانب الاسلام احتياطاً - انتهى ملخصاً -

(د) اور شرح زيادات للغباني میں ہے: دار الاسلام انما لقيد دار الحرب بثلاث  
شروط احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهار، والثاني ان تكون  
متا بدار الحرب اى متصلة لا يتخلل بينهما بلدة من بلاد المسلمين  
والثالث ان لا يبقى فيها مسلم او ذمی آمنًا بالامان الاول فشرط هذه  
الشروط لا يكون علماً على تمام القهر والاستيلاء اذا دار السلام يحتاج  
لائباط لها وعند هـا يصير دار الاسلام دار الحرب باجراء احكام الكفر  
فيها - انتهى

(هـ) اور طحاوی حاشیہ در مختار میں ہے: قوله باجراء احكام الشرك اى على  
الاشتهار وان لا يحكم فيها بحكم اهل الاسلام هندية - وظاهرة انه  
لو باجريت احكام المسلمين و احكام اهل الشرك لا تكون دار الحرب - انتهى  
ان مجموع عبارات اور ان کے امثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دار الاسلام کے دار الحرب  
ہونے میں شرط یہ ہے کہ احكام کفر على سبيل الاشتهار جاری ہوں اور احكام اسلام  
بالکلیہ موقوف کر دیئے جائیں اور شعائر اسلام و ضروریات دین میں کفار مداخلت کرنے  
نہیں، اور یہ شرط اتفاقی ہے - اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے سوا اور بھی دو شرطیں  
زائد کیں، ایک یہ کہ اس بلاد میں اور دار الحرب میں کوئی بت و مملکت اہل اسلام کا  
باقی نہ رہے، دوسرے یہ کہ امان اول مرتفع ہو جاوے اور با مان کفار اقامت کی نوبت  
آتی ہو، اور دار الحرب سے دار السلام ہونے میں ایک شرط ہے، اور وہ ہے اظہار حکم اسلام -

اس ساری تفصیل کی روشنی میں جب جنوبی افریقہ کے ملک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ شرائط مذکورہ کا رو سے دارالحرب نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ وہاں شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت و ممانعت نہیں ہے، جیسا کہ آپ کے سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت سفید فام عیسائی قوم کی ہے اور مسلمان جو کہ تقریباً ایک لاکھ ہیں۔ اذان، نماز، قربانی اور حج وغیرہ شعائر اسلام میں آزاد ہیں، اس لیے اس ملک کو نہ تو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور نہ دارالسلام کہہ سکتے ہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت مسلمانوں کی نہیں ہے، اور نہ پہلے کبھی اس ملک پر اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے، جیسا کہ آپ کے سوال سے بھی ظاہر ہے کہ اس ملک پر اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی بلکہ یہ ملک غیر آباد تھا، اور سب سے پہلے ایک ڈچ کافر قوم کی حکومت قائم ہوئی، پھر انگریزوں کی حکومت آئی اور اب سفید فام عیسائیوں کی حکومت ہے۔ غرضیکہ احکام مسلمین اور احکام شرک دونوں اس میں جاری ہیں، لہذا جانب اسلام کو ترجیح دے کر دارالسلام بھی نہیں کہا جاسکتا، البتہ ایک درمیانی صورت ہے کہ اس کو دارالامن اور دارعہد کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یا تو آپ کا سفید فام حکومت سے باقاعدہ معاہدہ ہوا ہوگا اور اگر باقاعدہ معاہدہ نہ ہوا ہو تو آپ کے ملک کے حالات پر نظر ڈالنے سے عملاً معاہدہ معلوم ہوتا ہے جس کے ماتحت آپ امن و سکون سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور آپ اپنے تصفیہ طلب معاملات ان کی عدالتوں میں لجاتے ہیں اور جانی و مالی امور میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں، اور دیگر معاملات میں بھی ان کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں فریقین معاہدہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے یہ معاہدہ توڑا بھی نہیں ہے کیونکہ آپ نے کوئی قومی تحریک شروع نہیں کی جس کی وجہ سے توڑ پھوڑ، مار پیٹ اور سول نافرمانی وغیرہ قسم کی چیزوں تک نوبت نہ پہنچ گئی ہو، اس لیے عہد بھی قائم ہے اور امن بھی، پس آپ کا ملک جنوبی افریقہ، دارالامن اور دارعہد ہے۔ ہذا ما ظہری وان لہ

یشرح بہ القلب و لہ تطمئن بہ النفس فان للمقال فیہ مجالاً، واللہ اعلم

(۲) جو مسجدیں سفید فاموں کے علاقے کے اندر آگئی ہیں مجبوراً آپ ان کا عوض لے سکتے ہیں، ان کو فروخت کر کے قیمت لیتا اور اس سے اپنے علاقے میں مسجد تعمیر کرنا درست

ہے۔ چند عبارتیں کتبِ فقہ کی اس مدعی کے اثبات کے لیے درج کی جاتی ہیں :  
 وفي الخانية: رباط بعيد استغنى عنه المارة وبعنسه رباط آخر  
 قال السيد الامام ابو شجاع: تصروف غلته الى الرباط الثاني كما لمسجد  
 اذا حذب واستغنى عنه اهل القرية نرفع ذلك الى القاضي  
 فباع الخشب وصرف الثمن الى مسجد آخر جاز۔

وفي فتاوى النسفی: سئل شيخ الاسلام عن اهل القرية  
 رحلوا وتدعى مسجدها الى الخراب وبعض المتغلبة ليستولون  
 على خشبه وينقلونها الى دورهم هل الواحد من اهل المحلة  
 ان يبيع الخشب بامر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض  
 المساجد او الى هذا المسجد قال نعم۔ (رشامی ج ۳ ص ۵۱۴)  
 اس فتویٰ کی تائید میں علامہ شامی نے یہ دلیل بیان کی ہے: فان المسجد  
 او غيره من رباط او حوض اذا المرينقل ياخذ انقاضه للصوم  
 والمتغلبون كما هو مشاهد۔

ہاں اگر ان کے ساتھ اس بات کا سمجھوتہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے شعائرِ دین کو  
 اپنے حال پر ہی رہنے دیں گے اور انہیں ڈھا کر ویران ویر باد نہ کریں گے تو اس  
 صورت میں اصل حکم یہ ہے کہ ان مساجد کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو  
 فروخت نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہ  
 لا يعود الى ملك مالك ابدأ كذا في المضرات۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۲۵)  
 فقط واللہ اعلم





**أَصْرُهُ وَالتَّحْدِثُ عَنْ**

**الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَاعْتُمْ**

# کتاب الحدود والتعزیرات

(حدود اور تعزیرات کے احکام و مسائل)

**حدود جاری کرنا حکام کا حق ہے** | سوال: کسی مجرم کو کوڑوں یا قصاص کی سزا  
 دینے کا استحقاق صرف حاکم کو ہے یا عوامی  
 جرگہ بھی جاری کر سکتا ہے؟

**الجواب:** - حدود جاری کرنا حکام اور ان کی طرف سے مقرر شدہ قضاة وغیرہ کا  
 حق ہے کسی اور کو حدود جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

وفی الہندیة: ورنکہ (الحد) اقامة الامام او نائبہ فی الاقامة۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۳ ص ۱۲۳ کتاب الحدود) لے

**کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت** | سوال: اسلامی قانون میں  
 حدود اور تعزیرات میں جو کوڑے

لگائے جاتے ہیں اس کوڑے کی ساخت کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ وہ کس طرح  
 کا ہونا چاہیے اور کس چیز سے بنا ہوا ہونا چاہیے اور اس کی لمبائی چوڑائی کا کیا اعتبار ہے؟  
**الجواب:** - حدود و تعزیرات میں استعمال ہونے والے کوڑے کی ساخت متوسط  
 ہونا ضروری ہے خواہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہو تاہم اگر لکڑی کا ہو تو نرم سی چھڑی ہونی چاہیے  
 حدود و تعزیرات میں لاکھی کا استعمال جائز نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم المصنف: (بسوط لا ثمرة له متوسطا) ای لا عقد كاله لان

لہ وقال الامام علاؤ الدین ابی بکر ابن مسعود الکاسانی: واما شرائط جوارن  
 اقامتها فمئها ما یعم الحدود کلها ومنها ما یخص البعض دون البعض اما الذی  
 یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یكون المقيم للحد هو الامام او من ولاة الامام  
 وهذا عندنا۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۲۴۹ کتاب الحدود)

وَمِثْلُهُ فِي كِتَابِ الْفَقْهِ عَلَى الْمَذَاهِبِ الرَّابِعَةِ ج ۵ ص ۲۴۹ كِتَابِ الْخُدُودِ۔



علیاً فی اللہ عنہ لما الادل ان یقیم الحد کسر ثمرته والمتوسط بین المبرح وهو الجارج وغیر المثل لافضاء الاول الی الهلاک وخلق الثاني عن المقصود وهو الانزجار کذا فی الہدایۃ وحاصلہ انہ المثل غیر الجارج۔

(البحر الرائق جلد ۵ ص ۹ کتاب الحدود)۔

**زنا کا جرم ثابت ہو جانے پر حد جاری کرنے کا حکم | سوال :- ایک بالغ لڑکے**

تو کیا ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں جبکہ آج کل ملک میں اسلامی حکومت بھی نہیں ہے، اگر وہ دونوں آئندہ اور ماقبل تمام گناہوں سے توبہ کر لیں تو کیا ان سے حد ساقط ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلامی قانون میں زنا کی سزا محسن (شادی شدہ) مرد و عورت کو زنا ثابت ہونے پر رجم (سنگسار) کرنا ہے اور غیر محسن کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: واذا وجب الحد وكان التزانی عصنا رجمه بالحجارة حتى يموت اهو وان لم يكن محصناً وكان حرافحاً مائة جلدة۔ (الهدایۃ ج ۲ ص ۵۰ کتاب الحدود)

تاہم اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے حدود کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے اسلئے اگر زنا کا مرد اور عورت توبہ کر لیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا یہ گناہ معاف کر دے گا علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اس توبہ کا طریقہ کچھ یوں بیان کیا ہے کہ: "اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز نفل خشوع و خضوع سے پڑھے پھر نہایت آہ و زاری سے آنسو بہا کر عاجزی ظاہر کر کے جیسے کوئی مجرم غلام اپنے آقا سے قصور معاف کراتا ہے دعائے مغفرت کرے

له قال الزلیعی: بسوط لا ثمرۃ له متوسطاً ان یضرب بسوطاً عقدت له ضرباً متوسطاً.....  
وعن علی رضی اللہ عنہ انہ کسر ثمرته ولو لم یکسر الثمرۃ بعد کل ضربۃ یضربتین.....  
والضرب المتوسط هو المثلید غیر الجارج لان الجارج یفضی الی التلف او یتقی فی جسدہ  
اثریشینہ ولہذا یکسر عقدتہ وغیر المثلید لایقید والواجب التادیب دون  
افهلاک۔ (تبیین الحقائق ج ۳ ص ۳ کتاب الحدود)

اور دل میں اس گناہ سے ندامت رکھے اور یہ قصد کرے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا، اور اس عورت کے حق میں بھی دعائے مغفرت کہے اور اگر ابتداء میں وہ عورت راضی نہ تھی تو اس سے بھی عفو و قصور کرائے تاکہ وہ حشر میں دامنگیر نہ ہو، واللہ اعلم۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۵۷ کتاب الحدود لہ

نابالغہ سے زنا بالجبر کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک عاقل بالغ لڑکے نے نابالغ لڑکی سے زبردستی

زنا کیا اور جرم ثابت بھی ہو گیا تو اس نابالغ لڑکی پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟  
الجواب :- اگر کوئی عاقل بالغ لڑکا ایسی نابالغ لڑکی سے زنا کرے جس کے مثل کے ساتھ جماع کیا جاسکتا ہو اور قاضی کے ہاں اس کا ثبوت بھی ہو جائے تو لڑکے پر حد لگائی جائے گی اور لڑکی پر بوجہ عدم بلوغ کے کوئی حد نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی: (اولاً) حد (بزنی غیر مکلف بہ کلفة مطلقاً) لا علیہ ولا علیہا (و فی عکسہ حد) فقط۔ (الدرا المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷

الباب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ لہ

حقیقی بیٹی سے زنا کرنے کی سزا | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا جس کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو گئی اور وہ نابالغ بچے کی ماں بن گئی اور اس نے بلا جبر و اکراہ بچے کو اپنے گئے باپ کی طرف منسوب کیا اور

قال العلامة ابوالبرکاء عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی: فان کان محصناً رجلاً فی قضاء حتی یموت ام و لو غیر محصن جلدہ مائتہ۔ (کنز الدقائق ص ۱۸۱ کتاب الحدود) ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶ الباب الثالث فی کیفیۃ الحد واقامتہ۔

قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزلیعی: (قولہ و بزنا صبیۃ او مجنون کلفة بخلاف عکسہ) ائی لا یجب الحد اذا زنی الصبیۃ او المجنون بأمرأة مکلفۃ وہی البالغۃ العاقلۃ بخلاف العکس وهو ما اذا زنی البالغ العاقل بصبیۃ او مجنونۃ حیث یجب الحد علی الرجل۔ (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۸۳) باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ (ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۲۹) الباب الرابع فی الوطء الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ۔



باپ نے بھی بلا جبر و اکراہ بیٹی سے زنا کرنے کو تسلیم کر لیا، شریعت مقدسہ میں ان دونوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:-** زنا کو اسلام میں ایک انتہائی قبیح فعل کہا گیا ہے، کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کرنا قطعی حرام ہے اور بیٹی تو محرمات میں سے ہے اس کے ساتھ زنا کرنا تو اور بھی زیادہ سخت جرم ہے اور زنا کو حلال سمجھنا موجب کفر ہے، برادر کی لوگ ایسے شخص کے ساتھ قطع تعلق کریں اور حکومت وقت اس پر حد زنا جاری کرے۔

قال العلامة ابن نجيم: من استحل ما حرمه الله تعالى على وجه الظن لا يكفروا وإنما يكفروا إذا اعتقدوا الحرام حلالاً. (ابو البراءة ج ۴ ص ۱۶ باب المرتد) لہ

**پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا** | سوال ۱- اگر کوئی شخص کبھی پاکدامن اور عقیفہ عورت پر

زنا کی تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کی شرعاً کیا سزا ہے؟

**الجواب:-** جو شخص کسی آزاد مسلمان مکلف اور پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر چار گواہ پیش نہ کر سکے تو دارالاسلام میں ایسے شخص کو اسٹی کوڑے لگائے جائیں گے، اور شریعت میں اس کو حدِ قذف کہا جاتا ہے بشرطیکہ قاذف تہمتِ زنا لگانے والا آزاد ہو اس لیے کہ غلام کو آدمی سزا دی جائے گی یعنی چالیس کوڑے لگائے جائیں گے، البتہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی صورت میں قاذف تو بہ کسے اور مقذوف سے معافی مانگے۔

لما فی الہندیۃ: اذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصریح الزنی بان قال زنیة أو یا زانی وطالب المقذوف بالحد حدة الحاكم ثمانین سوطاً ان كان تقاذف حداً وان كان عبد اربعة سوطاً کذا فی الفقہ القدیہ (فتاویٰ الہندیہ ج ۲- البنا السابع حد القذف)

لہ قال العلامة ابن عابدین: من استحل ما حرمه الله تعالى على وجه الظن لا يكفروا وإنما يكفروا إذا اعتقدوا الحرام حلالاً۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۲ باب المرتد)

لہ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: واذا قذف الرجل رجلاً محصناً أو امرأة محصنة بصریح الزنیة أو یا زانی وطالب المقذوف بالحد حدة الحاكم ثمانین سوطاً ان كان حداً القوا لله تعالى: والذین یرمون المحصنات انی ان قال فاجلدوهم ثمانین جلدًا والمراد الرمی بالزنا بالاجماع وان كان القاذف عبداً جلد اربعین سوطاً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۵۲ کتاب الحدود۔ باب حد القذف)



**قابل تعزیر سرقہ کی مقدار** | سوال :- قابل تعزیر سرقہ کا نصاب تو دس درہم ہے لیکن آجکل کی کرنسی کے حساب سے یہ نصاب کتنا بنتا ہے؟

**الجواب :-** "اوزان شرعیہ" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے دس درہم یا پینتیس ماشے چاندی یا اس کی مالیت نصاب سرقہ بنتا ہے اور یہ بات تو مسلم ہے کہ مقدار حد سرقہ دس درہم ہے، لہذا موجودہ کرنسی کے اعتبار سے جتنی قیمت ۳۵ ماشے چاندی کی بنتی ہو سرقہ لازم ہوگا۔

وفي الہندیۃ : أقل النصاب فی السرقة عشرة دراهم مضر و بة لوزن سبعة جیاد کذا فی العنایۃ - (الفتاویٰ الہندیۃ جلد ۲ ص ۱۸۲ کتاب السرقۃ) لہ

**سارق کے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنے کا حکم** | سوال :- اگر سارق کا ہاتھ بطور حد کاٹ دیا جائے تو اجراء حد کے بعد اس کو دوبارہ

جوڑنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** سارق کو سرقہ کے جرم میں صرف سزا دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اس کو ایک ہاتھ سے محروم کرنا ہے تاکہ وہ آئندہ کے لیے یہ کام نہ کر سکے اور اسے دیکھنے والے عبرت حاصل کریں، اس لیے سارق کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دوبارہ جوڑنا شرعاً درست نہیں ہے۔

وفي الہندیۃ : و تقطع یمین السارق من الزند و تحسم و ثمن الذیت و کلفة اللحم علی السارق عندنا - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۲ الباب الثانی فیما یقطع فیہ و مالا یقطع - الفصل الثالث) لہ

لہ قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : (ھی) الخ (عشرة دراهم) الخ (جیاد و مقدار ہا) (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۱۹۲ کتاب السرقۃ)

و مثله فی کنز الدقائق ص ۱۸۱ کتاب السرقۃ -

لہ قال العلامة ابوالبرکات التسفی رحمہ اللہ : و تقطع یمین السارق من الزند و تحسم - (کنز الدقائق ص ۱۹۵ کتاب الحدود، باب حد السرقۃ)

و مثله فی الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۲۰۶ باب کیفیۃ القطع اثباتہ -

**مزارات سے قیمتی اشیاء چرانے کا حکم** | سوال :- آجکل کچھ لوگ اولیاء اللہ کے

مزارات پر عموماً قیمتی خلاف چڑھاتے ہیں اس کے علاوہ مزارات پر روپے پیسے اور قیمتی چیزیں بھی رکھی جاتی ہیں، اگر کوئی شخص ان اشیاء کو چرانے تو اس پر حد سرقہ جاری کی جائے گی یا نہیں؟

**الجواب :-** اگرچہ ان اشیاء کو چوری کرنا جائز تو نہیں تاہم ان اشیاء کو چرانے سے حد سرقہ واجب نہیں ہوتی اور ان اشیاء کا وہی مالک ہوگا جس نے مزار پر رکھی ہوں۔

وقی الہندیۃ : ولو سرق من القبر درہم او دنانیراً و شیئاً غیر الکفن لم یقطع بالاجماع اختلف مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ فیما اذا کان القبر فی بیت مقفل الاصح انہ لا یقطع سوا ربش الکفن او سرق مالاً اخر من خلک البیت و کذا اذا سرق الکفن من تابوت فی القافلۃ لا یقطع فی الاصح کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۷۸)

الباب الثانی فیما یقطع فیہ وما لا یقطع فیہ

**سوال :-** کیا رہزن، ڈاکو اور ہروہ آدمی جس کا فساد ظاہر اور عام ہو تو اس کو صرف حاکم وقت یا

قاضی تعزیراً اور سیاستہ قتل کر سکتے ہیں یا عوام الناس بھی دفع فساد کے لیے اس کو قتل کرنے میں مختار ہیں؟

**الجواب :-** اگرچہ دفع فساد کے لیے حاکم وقت اور قاضی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کے آدمی کو قتل کرے، تاہم اگر عوام رہزن کو دوران واردات قتل کر دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحسینی : (وعلیٰ ہذا) القیاس (المکابر بالظلم و قطاع الطریق

لہ قال العلامة علاؤ الدین الحسینی رحمہ اللہ : (ونیش) لقبور (ولو کان القبر فی بیت مقفل فی الاصح) (او) کان (الثوب غیر الکفن) و کذا الوسرقہ من بیت فیہ قبر او میت لیتاً ولیہ بزیادۃ القبر او التجهیز۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ کتاب السرقۃ مطلب فی ضمان السامی)

و مثله فی بدائع الصنائع فی ترتیب احکام الشرائع ج ۶ کتاب السرقۃ۔



وصاحب المكس وجميع الظلمة اهل، وافق الناصبي بوجوب قتل كل مؤذون في رد المحتار  
ج ۳ ص ۱۸۱ لعل الوجوب بالنظر للامام د انوابه والا باحة بالنظر لغيرهم۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۸۱ مطلب ويكون التعزير بالقتل) لعل

**مفسد کو سزا دینے کا حکم** | سوال :- اگر کوئی شخص لوگوں میں فساد پیدا کرتا ہو تو اس کے ساتھ شرعاً کیا سلوک کیا جائے گا؟

**الجواب :-** حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے ایسے شخص کو روکے اور اس کو تعزیراً سزا بھی دے، اور عوام الناس کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ ترک موالات کریں حتیٰ کہ وہ اپنے اس فعل بد سے باز آجائے۔

قال العلامة الحصكفي: (وعلى هذا) القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بأدنى شئ له قيمة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد ۳ ص ۱۸۱، ۱۸۱ مطلب يكون التعزير بالقتل) لعل

**چارپائے کے ساتھ بد فعلی پر تعزیر کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے بکری چارپائے کے ساتھ بد فعلی کا ارتکاب کیا تو

اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے، جبکہ اس کا یہ جرم گواہوں کے ذریعہ ثابت بھی ہو چکا ہے؟  
**الجواب :-** بشرط صدق وثبوت جانور سے وطی (بد فعلی) کرنے والے پر تعزیر ہے جو قاضی اور حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے تاہم کوڑوں کی سزا کی صورت میں چالیس سے کم کوڑے لگائے جائیں گے، کوڑوں کے علاوہ بھی تعزیر ہو سکتی ہے بشرطیکہ یہ تعزیر

لعل قال العلامة ابن نجيم المصري: وعلى هذا القياس المكابرة بالظلم وقطاع الطريق..... فيباح قتل الكل ويثاب قاتلهم۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۰ باب حد القذف، فصل في التعزير)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۶۴ ابواب السابغ في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير۔ لعل قال العلامة ابن نجيم المصري: وعلى هذا القياس المكابرة بالظلم وقطاع الطريق وجميع الظلمة باو في شئ له قيمة وجميع الكبائر والاعونة والظلمة والسعاة فيباح قتل الكل ويثاب قاتلهم۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۲۲۰ باب حد القذف، فصل في التعزير)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى السَّهْنَدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۶۴ ابواب السابغ في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير۔



جان ضائع ہونے تک نہ پہنچے، البتہ جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے، تاوان و طی کرنے والے کے ذمے ہے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: وفي شرح الطحاوی رجل وطي بهيمة يعزرها فان كانت البهيمة له تذبح ولا توكل وعن عمر انه امر بالبهيمة حتى احرق بالنار. وفي الفتاوى الصغرى في الذي يوكل يذبح ويوكل عند ابي حنيفة ولا يحرق وعند ابي يوسف لا يوكل ويحرق بالنار الخ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۵، ۲۲۶ کتاب الحدود، الفصل الثاني في الزنا) له

**بیوی کو و طی فی الدبر کے لیے مجبور کرنے کا حکم** | سوال :- ایک عورت کا دعویٰ و طی فی الدبر کے لیے مجبور کرتا ہے تو اس شخص کی سزا شرعاً کیا ہے؟ نیز اس عورت کے والدین اُسے اپنے گھر لے جانے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** صورتِ مسئلہ میں عورت اور اس کے اولیاء کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس خاوند کو اس قبیح فعل سے روکیں ورنہ ارتکاب کی صورت میں حاکم اس کو تعزیراً سزا دے اور عادی ہونے کی صورت میں حاکم وقت اُس کو قتل بھی کر سکتا ہے۔

قال العلامة الحسکفی: أو (بوطاً دبر) وقالان فعل في الاجانب حد وان في عبدة وامتہ او زوجته فلا حد اجماعاً بل يعزرق قال في الدرر الاحراق بالناس -

الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۵ باب التعزیر مطلب فیمن و طی ... ۱۵۵

له قال العلامة الحسکفی: (و) لا یجد بوطاً (بهیمة) بل یعزرها وتذبح ثم تحرق ویکو الانتفاع بهامیة ومیتة مجتبیٰ وفي النهر الظاهر انه یطالب ندباً لقولهم تضمن بالیمة -

الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۵ مطلب فی و طی الدابة

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِينِ الْحَقَائِقِ ج ۳ ص ۱۸۱ باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبہ -

له قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ومن اتى امرأة في الموضع المكروه او عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند ابي حنيفة ويعزرو وقال في الجامع الصغير ويودع في السجن و

قالا هو كالزنا في حد - (الهداية ج ۲ ص ۱۵۵) باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبہ

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۵۵ الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجبہ -

**جادوگر کی سزا کا حکم** | سوال :- اگر کوئی کسی پر جادو وغیرہ کرتا ہو اور اس کا یہ فعل گواہی سے ثابت ہو جائے تو شرعاً اس کو کس قسم کی سزا دی جائے گی ؟

**الجواب :-** جادوگر چونکہ مفسد فی الارض ہے اس لئے اگر جادوگر جادو کرتے ہوئے پکڑا جائے اور وہ خود بھی اس کا اقرار کر لے یا گواہی سے اس کا جادو کرنا ثابت ہو جائے تو قاضی یا حاکم وقت اس کو قتل کر سکتا ہے تاہم اگر وہ گرفتاری سے پہلے صدقِ دل سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی اور اس کے بعد اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامة علاؤ الدین الطرابلسی : قال فی التوازل الخناق والساحر یقتل ان اذا اقر الا نهما ساعیان فی الامرض بالفساد فان تابا ان کان قبل الظهور بیہما قبلت توبتہما وبعدهما اخذ الا ویقتلان کما قطع الطریق۔ (معین الحکام ص ۲۲۹)

**فاسق سے ترکِ موالات کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں طلاق کے بعد علماء نے اسے بتایا کہ اب

بغیر حلالہ شرعی کے یہ عورت آپ کے لیے جائز نہیں لیکن اس کے باوجود اس نے بدستور مطلقہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے، تو ایسے اعلانیہ فاسق اور قاہر کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس کو اور اس کے والد کو مسجد میں آنے سے منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اپنی مطلقہ غلیظہ بیوی کے ساتھ بغیر حلالہ شرعی کے ازدواجی تعلقات قائم رکھنا صریح زنا ہے ایسا شخص مستحق سزا ہے مگر خود اسے یا اس کے والد کو مسجد سے یا نماز باجماعت سے منع نہیں کیا جاسکتا، تاہم اس کے رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کا سوشل بائیکاٹ (ترکِ موالات) کریں۔

ونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین عن کلامنا الخ واما انا فکنتا اشب القوم وایجلدہم فکنت اخرج فاشهد الصلوۃ واطوف فی الاسواق ولا یکلمنی احد واتی رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ قال العلامة ابن عابدین : قال ابو حنیفۃ السّاحر اذا قرأ سحرہ اُشیت یقتل ولا یتتاب منه الخ۔ (ردّ المحتار ج ۳، قولہ والکافر بسبب اعتقاد السحر۔ باب المرتد) ومثله فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزلیعی ج ۳، باب المرتدین۔



علیہ وسلم فاسلم علیہ وهو فی مجلسہ بعد الصلوٰۃ الخ  
(الصحيح المسلم ج ۲ ص ۳۶۱ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک) لہ

**اغلام بازی کی سزا** | سوال :- جناب مفتی صاحب! اغلام بازی مرد کا مرد سے  
منہ کالا کرنے کی شرعی سزا کیا ہے؟

**الجواب :-** اغلام بازی ایک قبیح و خبیث فعل ہے، شریعت نے اس کے لیے  
کوئی باضابطہ سزا تو مقرر نہیں کی، البتہ اس قبیح فعل کی سزا کو حاکم کی صوابدید کے موافق رکھا ہے  
وہ چاہے تو اس فعل کے مرتکب کو جلا کر ختم کر دے یا کسی بلند مقام سے اٹا کر سر کے بل کرے، اگر  
اوپر سے پتھر برسائے کا حکم دے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا اس پر دیوار گرانے کا حکم دے  
یا سخت سزا دے کر قید کر دے یہاں تک کہ توبہ کر لے یا قید میں مرجائے۔

قال العلامة الحسکفی: ولا یحد بوطء دبر و قال ان فعل فی الا جانب حد وان فعبده  
اوامته او زوجته فلا حد اجماعاً بل یعذر۔ قال فی الدرر بنحو الاحراق بالنار  
وهدم الجدار والتکیس من محل مرتفع باتباع الاحجار۔

والدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۱۱ کتاب الحدود لہ

**مردہ عورت سے وطی کرنا موجب تعزیر ہے** | سوال :- اگر کوئی شخص کسی  
مردہ عورت سے وطی کرے

لہ قال المفتی علاؤ الدین الطرابلسی الحنفی: والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین  
فقد عزر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالہجر و ذلك فی حق الثلاثة الذین  
ذکرهم اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم فہجروا خمین یوماً لا یکلمہم احدٌ و قستہم  
مشہور فی الصغاح - (معین الحکام ص ۲۳۱ باب التعزیر)

ومثله فی شرح الصحيح المسلم للنواوی ج ۲ ص ۳۶۳ باب حدیث توبۃ کعب بن مالک  
لہ لما قال المفتی محمد شفیع: اس قبیح فعل کے لیے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے جس  
کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کے لیے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا،  
دیوار گرا کر کچل دینا، اونچی جگہ سے پھینک کر سنگار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا وغیرہ۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۲۲ سورۃ النساء)



تو کیا وہ حد کا مستحق ہے یا تعزیر کا؟

**الجواب**۔ مردہ عورت کے ساتھ زنا کرنے والے پر حد زنا لازم نہیں آتی تاہم وہ مستحق تعزیر ضرور ہے۔

وفي الهندية: رجل زنى بأمرأة ميتة اختلفوا فيه قال اهل المدينة حد  
وقال اهل البصرة يعزر ولا يحد وقال ابوالليث رحمه الله تعالى ویه تاخذ۔  
الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۵۰ الباب الرابع في الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجب له

**والدین کی بے ادبی کرنے والے کی سزا** | سوال :- ایک شخص اپنے والد سے ہمیشہ

بھی دیتا ہے، اس کے علاوہ بسا اوقات والد کو ایسی بے رحمی سے مارتا ہے کہ وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب** :- والدین کو مارنے یا گالی گلوچ کرنے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں بلکہ اس کی سزا حاکم وقت اور قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ جرم کی نوعیت کے مطابق سزا تجویز کرے، اگر کوڑے مارنے کی سزا تجویز کرے تو یہ سزا انتالیس کوڑوں سے زیادہ اور تین آسے کم نہ ہو، یا پھر اس کو جیل میں اس وقت تک ڈال دیا جائے جب تک کہ وہ اپنے جرم سے توبہ نہ کرے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحسینی: ومن يتهم بالقتل والسرقه وضرب  
الناس اجسه واخلاه في السجن حتى يتوب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار  
جلد ۳ ص ۱۸۸ مطلب فی تعزیر المتهم) لہ

العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: وفي الفتاوى رجل زنى بأمرأة ميتة لا حد عليه  
ولكن يعزر۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۵ كتاب الحدود۔ الفصل الثاني في الزنا)  
ومثله في فتاوى قاضيان ج ۲ ص ۲۰۶ كتاب الحدود۔

وفي الهندية: من يتهم بالقتل والسرقه وضرب الناس يحبس الناس ويخلد  
في السجن الى أن تظهر التوبة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۶۹ ابنا السابع في حد القذف والتعزير فضل التعزير)  
ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۲۲۲ كتاب الحدود، فصل في التعزير۔

**نابالغ قاتل کو تعزیراً سزا دینا** | سوال :- کیا حکومت کسی نابالغ قاتل کو تعزیر کے طور پر قتل کر سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جن جرائم عظیمہ میں صداور قصاص عوارض خارجیہ کی وجہ سے ساقط ہوں تو اس میں حسب مصلحت تعزیراً سزا دینا جائز ہے چاہے تعزیراً سزائے موت تک پہنچ جائے خواہ مجرم نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین: رأيت في الصارم المسلول للحافظ ابن تيمية ان من اصول الحنفية أن ما لا قتل فيه عند هم مثل القتل بالمشغل والجماع في غير القيل اذا تكرر فللامام أن يقتله قاعله الخ وليس مونه القتل سياسة وفيه ايضاً. ومن ذلك ما سيذكره المصنف موت ان للامام قتل السارق سياسة أي عن تكرر منه وفيه وان الحد لا يجب على الصبي والتعزير شرع عليه۔

رد المحتار ج ۳ مک ۱ باب التعزير، قوله ويكون التعزير بالقتل  
**شاگرد کو سزا اور تعزیر دینے کا حکم** | سوال :- دینی مدارس اور سکولوں میں طلباء کو کسی شرارت پر یا سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے بطور تنبیہ اور تادیب

کے سزا دی جاتی ہے، تو کیا استاد شاگرد کو شرعاً سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** استاد شاگرد کو تعزیر دینے کا حق رکھتا ہے اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نابالغ ہونے کی صورت میں تو معلم اسکے اولیاء کی طرف سے تادیب کا مالک بنا دیا گیا ہے اور بالغ نے خود معلم کو تعزیر کا اختیار دیا، لیکن یہ احتیاط ہے کہ سزا ایسی نہ ہو کہ اس سے طالب علم بدنی یا ذہنی طور پر منفلوج ہو جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: (قوله وفي القنيد الخ) وفيها عن الروضة ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور ضربه بخلاف الحرف فهذا تنصيص على عدم جواز الضرب ولد الأمر بخلاف المعلم لان الأمر يضرب به نيابة عن الأب بمصلحة والمعلم يضرب به بحكم الملك بتعليق ابه بمصلحة الولد اه وهذا اذا لم يكن الضرب قاحتاً۔ (رد المحتار جلد ۳ ص ۱۸۹ باب التعزير) لہ

قال العلامة ابن نجيم: ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور ضربه بخلاف الحرف قال رضي الله عنه فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الأمر بخلاف المعلم لان الأمر يضرب به نيابة عن الأب لمصلحة والمعلم يضرب به بحكم الملك بتعليق ابه لمصلحة الولد اه۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹۹ فصل في التعزير)



**بیوی کو بد فعلی کی بنا پر قتل کرنا** | سوال :- اگر کسی شخص کو بچختہ یقین ہو کہ اس کی بیوی سے قتل کر دے تو اس شخص کا یہ انتہائی اقدام درست ہے یا نہیں؟  
الجواب :- اگر شوہر دوران زنا بیوی کو قتل کرنے تو مجرم نہ ہوگا، بصورت دیگر بیوی کو قتل کرنا قابل مواخذہ جرم ہے۔

وفي الهندية: وان طاوَعته المرأة حَلَّ لَهُ قتلها. ايضاً كذا في النهاية وفيها ايضاً ج ۲ ص ۱۶۷. قالوا لكل مسلم اقامة التعزير حال مباشرة المعصية واما بعد مباشرة فليس ذلك لغير الحاكم - (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۶۷ الباب السابع في حد القذف والتعزير، فصل في التعزير) له

**جنگل سے جانور چوری ہونے کی صورت میں حد کا حکم** | سوال :- ہمارے گاؤں جس کو ہم بیلہ کہتے ہیں، گاؤں کے لوگ اپنے مال مولیشی اس میں چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں جبکہ وہ جگہ غیر محفوظ ہے، اب اگر کوئی شخص اس بیلہ سے کسی کے مولیشی چرا کر لے جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- قطع يد کی سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ چوری کسی ایسے مقام سے ہوئی ہو جو محفوظ ہے، اور اگر چوری کسی غیر محفوظ جگہ سے ہو جائے تو سرفتہ کی شرائط پوری نہ ہونے کی وجہ سے مجرم سے حد ساقط ہوگی تاہم وہ تعزیر سے

له قال العلامة ابن نجيم المصنف: سئل الهند وافي عن رجل وجد رجلا مع امرأة اعجل له قتله قال ان كان يعلم انه ينزجر بالصباح والضرب بما دون السلاح لا وان كان يعلم انه لا ينزجر الا بالقتل حل له القتل وان طاوَعته المرأة حَلَّ لَهُ قتلها. ايضاً وفي الميعة رأى رجلا مع امرأته وهو يزني بها أومع محرمة وهما مطاوعتان قتل الرجل والمرأة جميعاً - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷۱) ايضاً قالوا لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية واما بعد الفراغ منها فليس ذلك لغير الحاكم - (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷۱ باب حد القذف فصل في التعزير) ومثله في شرح النقاية ج ۲ ص ۳۹۷ فصل في التعزير -



نہیں بیچ سکتا۔

لما قال العلامة ابن البزاز: ومنها ان يكون المال الماخوذ محرراً اما بالمكان  
للحفظ كالدر والدصان الخ رالبزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۷  
كتاب السرقة ۱۷

سکول کالج میں طلباء کو جرمانے کا حکم | سوال :- عصر حاضر میں سکولوں اور کالجوں  
کی انتظامیہ کا ایک دستور ہے کہ جب کوئی  
طالب علم غیر حاضری کرتا ہے یا کسی اور جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اساتذہ یا ادارے کا  
سربراہ اس سے مالی جرمانہ وصول کرتے ہیں جو کہ اصلاً ان کے والدین سے وصول کیا جاتا  
ہے، تو کیا شرعاً یہ جرمانہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- طالب علم کا مدرسہ وغیرہ سے انتظامیہ کی اجازت کے بغیر کثرت سے  
غیر حاضر رہنا یا دیگر کسی اخلاقی جرم کا ارتکاب کرنا اگرچہ موجب سزا ہے مگر یہ سزا جسمانی  
حتک محدود ہونی چاہیے مالی جرمانہ شرعاً صحیح نہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ جرم تو  
طالب علم کرے اور سزا کے طور پر مالی جرمانہ اس کے والدین ادا کریں، یہ بات مناسب نہیں۔  
لما قال العلامة اشرف على التهانوى رحمه الله: تعزير مالي  
يعنى جرمانه توهنفيه كمنه اس كى مؤيد بهى هه، پس جرمانه كى طور پر  
مسلم الابطيپ نفس منه اس كى مؤيد بهى هه، پس جرمانه كى طور پر  
تولينادرست نه، هوگا۔ رآمد الفتاوى ج ۲ ص ۵۲۳ كتاب الحدود،  
حكم جرمانه بغير حاضرى طالب علم ۱۷

۱۷ وفي الهندية: وهي في الشرع اخذ العاقل البالغ نصاباً محرراً..... على وجه  
الخفية۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۷۷ كتاب السرقة)  
ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۳۱ كتاب السرقة۔  
۱۸ قال المفتي محمود الحسن: (الجواب) مالي جرمانه امام ابوحنيفة كى نزدیک جائز نہیں  
فسوخ هه اگر ياكيا هو تو اسكى واپسى لازم هه۔ (فتاوى محموديه ج ۵ ص ۱۸۲ كتاب الحدود)  
ومثله في كفايت المفتى ج ۲ ص ۱۶۵ كتاب الحدود۔

**فصل کو نقصان پہنچانے پر جرمانہ کا حکم** | سوال :- اگر کسی کا جانور دوسرے

نقصان پہنچائے تو شرعاً جانور کے مالک کو کیا سزا دی جاسکتی ہے؟

**الجواب :-** اگر جانور کے ساتھ مالک خود موجود ہو اور اس کی موجودگی میں وہ

جانور دوسرے کے کھیت میں جا کر فصل کا نقصان کرے تو شرعاً صرف نقصان کے مطابق

رقم وصول کرنا درست ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ تاہم اگر جانور کے ساتھ

کوئی بھی نہ ہو اور وہ فصل کا نقصان کرے تو اس صورت میں جرمانہ لینا ناجائز ہے۔

لما قال الشيخ اشرف على تھانوی، (الجواب) اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو اس

صورت میں تو یہ جرمانہ ناجائز ہے اور اگر کوئی ساتھ ہو تو جتنا نقصان ہوا ہے اتنا

وصول کرنا درست ہے مگر وہ کھیت والے کا حق ہے۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۲۳ کتاب الحدود) لہ

**حفاظت کی نیت سے مال اٹھانے پر سزا کا حکم** | سوال :- ایک آدمی نے

دوسرے پر مال چوری کرنے کا دعویٰ کیا مگر مدعی علیہ (جس پر چوری کا دعویٰ کیا گیا ہے) کہتا ہے کہ میں نے اس شخص کا

مال چوری کی نیت سے نہیں بلکہ حفاظت کی نیت سے اٹھایا ہے اور میں نے اس شخص

کو اطلاع بھی دی ہے، تو کیا اس شخص پر چوری کی سزا نافذ ہوگی یا نہیں؟

**الجواب :-** صورتِ مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص پر چوری کا دعویٰ کیا گیا ہے

اس نے وہ مال کسی غیر محفوظ مقام سے اٹھایا ہے جس کی موصوف نے مال کے مالک کو اطلاع

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ؛ ولوانہ قال لصاحب الدابة ان دابتك في الزرع

ولم يقل اخريجها فاخرجها صاحبها فافسدت شيئاً في اخراجها كان ضامناً....

ولوان دابة رجل انفلتت ليلاً او نهاراً من غير ارسال فافسدت زرع انسان

لا يجب الضمان على صاحبها لان فعل العجماء هدر۔

(الحنانية على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۵۶ باب جنایة البهائم)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ ج ۱ ص ۲۵۹ کتاب الجنایة۔

بھی دی ہے اور دوسری طرف ملزم مال کو بطور امانت لینے کا بھی مدعی ہے، اس لیے ان حالات کے پیش نظر ملزم کو چوری کی سزا نہیں دی جائے گی (یعنی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا) تاہم اگر مدعی گواہان شرعی سے اس بات کو ثابت کرے کہ یہ مال محفوظ مقام میں تھا تو پھر اس صورت میں اثبات جرم کے تحت مجرم کو چوری کی سزا دی جائے گی۔

قال العلامة الحسکفی: ویقطع لو سرق من السطح نصاباً لاته حرز شرح  
وہبانیہ او من المسجد الادبہ کل مکان لیس بحرز فعم الطريق والصداء و  
رب المتاع عندہ ای بحیث یراک ولو الحافظ ناٹما فی الاصح۔

رالدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب السرقة) لہ

**سوال :-** اگر کوئی شخص کسی حیوان سے بد فعلی کرتے  
**جیوان سے بد فعلی کی سزا** پکڑا جائے اور اس کے اس فعل بد پر گواہ بھی موجود

ہوں تو شریعت مقدسہ میں ایسے شخص کی کیا سزا ہے؟  
الجواب :- کسی حیوان سے بد فعلی کرنا اگرچہ شرعاً حرام اور غیر فطری فعل ہے  
لیکن شریعت مقدسہ میں ایسے شخص کے لیے کوئی مقرر شدہ سزا نہیں ہے البتہ اس فعل بد  
کے مرتکب شخص کو تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے جو حاکم وقت یا قاضی کی صوابدید پر منحصر  
ہے وہ جتنی مناسب سمجھے ایسے مجرم کو سزا دے سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: تحت قوله (ولاعند وطربھیمة)  
وفی القنیة مرفی اجناس الناطفی فرج البھیمة کفیہا لا غسل فیہ  
بغیر انزال و یعذر و تذبح البھیمة و تحرق علی وجه الاستحباب

لہ قال العلامة و ہبۃ الزجیلی: الاصل فی اشتراط ہذا الشرط المتفق علیہ  
قوله علیہ السلام لا قطع فی ثمرة ولا کثر حتی یؤویہ البحرین فاذا اواہ البحرین  
فقیہ القطع" وفی روایة فاذا اواہ المراح او البحرین والحرد لغة: الموضع  
الذی یحرز فیہ الشئ و شرعاً هو ما نصب عادةً لحفظ اموال الناس  
كالدار والحانوت والنھیمة والشخص الخ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۱۷۲)  
الفصل الثالث فی تحذ السرقة)



ولا یرحم اکل لحمها بہ۔ دردمختار ج ۱۲۲۔ باب الغسل ۱۷۵  
**بجلی چوری کرنے پر سزا** | سوال: اگر کوئی شخص بجلی چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جائے اور گواہان کے ذریعہ جرم ثابت ہو جائے تو کیا اس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: کسی جرم کی سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسکی جملہ شرائط پوری کی پوری پائی جائیں، اگر ان میں سے کوئی شرط بھی منفقود ہو تو سزا جاری نہیں ہوگی۔ چوری کی سزا کے معاملہ میں یہ ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ سے اٹھایا جائے تب سزا نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔ صورت مسئلہ میں چونکہ بجلی مال ہونے کے باوجود غیر محفوظ ہے ایسے حد فتنہ ہوگی تاہم تعزیراً سزا ضروری چاہیے۔  
 قال العلامة الحسکفی: ویقطع لوسرق من السطح نصاباً لانه حرر شرح وہبانیة او من المسجد اراد به کل مکان یس بحر رفعم الطریق والصحراء ورب المتاع عندہ ای بحیث یراہ ولو الحافظ نائماً فی الاصح۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب السرقة) ۱۷۵

۱۷۵ قال الشیخ علامۃ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ: واطئی البھیمة یعذر فان کانت البھیمة للواطی ففی شرح الطحاوی وحدود الاصل تذبح ولا تؤکل۔ وفق فتاوی الصغری انها تؤکل وافتی ابوسعید بہذا وقال صدر الشہید الاعتماد علی روایة شرح الطحاوی۔ (معین القضاة والمفتیین ص ۹۲ مادة ۵۲۲)  
 وَمِثْلُهُ فِي الْفَقْهِ الْاِسْلَامِيَّ وَادَّلَتْهُ ج ۶ ص ۶۶ کتاب الحدود۔

۱۷۶ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البغاري: ومنها ان يكون الماخوذ منه محرراً وانما يصير المكان حرراً باحد الامرين امان يكون معداً لحفظ الاموال كالدير والدكاكين والخانات والنجيبة والفساطيط او بالحافظ حتى لو سرق شيئاً من الصحراء وله حافظ يات سرق شيئاً من تحت رأسه وهو نائم في العمارة او في المسجد يقطع ولو كان المال موضوعاً بين يديه اختلف المشيخ قال الامام سرخسي انه محرر۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب السرقة)

وَمِثْلُهُ فِي الْفَتَاوَى التَّاتَارِخَانِيَّةِ ج ۵ ص ۱۶۸ کتاب السرقة۔

**بیماری کی حالت میں حد جاری کرنے کا حکم** | سوال :- اگر کسی شخص پر زنا کا جرم بطریقہ شرعی ثابت ہو جائے اور وہ

دل کا مریض بھی ہو، اب اگر اس پر حد جاری کی جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا، تو اس صورت میں شرعاً کیا کیا جائے، حد جاری کی جائے گی یا نہیں؟

**الجواب:** اگر حد و دکان مجرم کسی ایسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو کہ حد جاری کرنے کی صورت میں اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو مرض کے ختم ہونے تک حد کو موقوف کر کے مجرم کو جیل ہی میں رکھا جائے گا۔

قال العلامة الحصكفي: تقطع يمين السارق من زنده هو تحسم الافي حر وبرد شديد ين فلا تقطع لان الحد ناجر لا تملف ويحبس ليتوسط الامر۔  
قال العلامة ابن عابدین: ر قوله الافي حر وبرد شديد ين والافي حال مرض مفتاح وقيدة في البناية بالمرض الشديد افاده عن الحموي۔

{ رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۶ کتاب السرقة }  
{ باب كيفية القطع واثباته }  
الله

له قال العلامة عالم بن علاء الانصاري: وشرط اصحابنا لقطع اليد اليمنى ان تكون اليد اليسرى والرجل اليمنى صحيحين حتى انه اذا كانت يده اليسرى بحيث لا ينفع بها لا تقطع يده اليمنى وكذلك اذا كانت اليد اليسرى صحيحة الا ان الرجل اليمنى مقطوعة او هي شلاء او بها عرج يمنع المشي عليها تقطع اليمنى۔

{ الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۱۵۶ کتاب السرقة }  
{ الفصل الاول في بيانها }

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۵۶ كِتَابِ السَّرْقَةِ، فَصَلِّ فِي كَيْفِيَّةِ قَطْعِ وَاثْبَاتِهِ۔

**زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں تفریق کی تحقیق** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس

مسئلہ میں کہ زنا جو حرام قطعی ہے، اس کی قطعی حرمت کے پیش نظر صوبائی اسمبلی میں بعض اسلام پسند ممبروں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ ہمارا یہ ملک ایک اسلامی ملک ہے اس لیے شادی شدہ مرد اور عورت دونوں کو قرآنی ہدایت کے مطابق زنا کی پاداش میں سنگسار کرنا چاہیے اور غیر شادی شدہ زانی مرد و عورت کو تلوٹو تلوٹو دروں کی سزا دینی چاہیے اور دونوں قسم کے مجرمین کو سزا دینے میں نرمی یا رعایت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مگر بجائے اس کے کہ یہ جائز اور اسلامی مطالبہ منظور کیا جاتا حکومت کی اکثریتی پارٹی نے زنا کو دو حصوں زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں تقسیم کر کے زنا بالرضا کو جائز قرار دیا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو حکومتی سطح پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کی صریح خلاف ورزی کر کے ایک حرام فعل کو قانون کی مدد سے جائز قرار دیا گیا، اور دوسری طرف اسلام کے عمومی حکم حرمت سے زنا بالرضا کو مستثنیٰ کر کے زنا بالاختیار اور زنا بالجبر کے درمیان حکم کے لحاظ سے تفریق کر دی گئی ہے۔ تو کیا شرعی طور پر طے شدہ ایک حرام فعل کو جائز کرنے کا اختیار کسی شخص یا ادارہ کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو اسلامی شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا زنا کے بارے میں قرآن کریم کی مقرر کردہ سزاؤں سے زنا بالرضا مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟ اس سئلہ کو قرآن و حدیث اور فقہاء امت کے فیصلوں کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

**الجواب :-** سوال کے مضمون پر غور کرنے سے حسب ذیل تین امور پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) قانونی سزا کے بارے میں اسلامی شریعت زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے درمیان تفریق کی قائل ہے؟

(۲) اگر قائل نہیں تو پھر کیا کسی با اختیار ادارہ اور برسر اقتدار جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شریعت کی قانونی سزاؤں سے زنا بالاختیار کو مستثنیٰ کر سکے؟

(۳) حرام قطعی کو جائز کرنے اور حلال سمجھنے والا آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟

ذیل کی سطوریں تینوں اجزاء کے احکام کتاب اللہ، سنت رسول اور فقہاء اسلام کے قطعی فیصلوں کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں :-

**جواب جزء ۱ :-** زنا کے لیے اسلامی شریعت میں جو سزا مقرر کی گئی ہے اس میں شریعت نے زنا کی دونوں قسموں کے مابین فرق اور امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا ہے نہ وہ اس طرح کی کسی



تفریق کی قائل ہے۔ اسی طرح کتاب و سنت کے واضح احکام کی روشنی میں فقہاء اسلام بھی اس بات پر متفق ہیں کہ زنا کی دونوں قسموں میں زنا کرنے والے مرد پر قانونی سزا نافذ کی جائے گی، البتہ عورت زنا بالجبر کی صورت میں قانونی سزا سے مستثنیٰ ہوگی اگرچہ اختیاری زنا کی صورت میں وہ بھی مرد کی طرح سزا کی مستحق رہے گی اور مرد کی طرح اس پر بھی حد شرعی قائم ہوگی۔ ذیل میں مذکورہ بالا دعویٰ کا تفصیلی ثبوت قرآن و حدیث اور فقہاء اسلام کے فیصلوں کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

### زنا قرآن کی نظر میں | قرآن کریم نے زنا کے لیے جو قانونی سزائیں تجویز کی

ہیں ان میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ سزائیں جبری زنا کے لیے ہیں اور اختیاری زنا میں ان کا نفاذ نہیں کیا جائے گا بلکہ قرآن کریم میں جہاں بھی یہ سزائیں بیان کی گئی ہیں وہاں مطلق زنا کا ذکر کیا گیا ہے اور زنا بالجبر کا نام تک نہیں لیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا خواہ بالجبر، ہو یا بالرضا قرآنی قانون کی نظر میں یکساں طور پر جرم ہیں، اور دونوں قسم کے زنا میں یہ قانونی سزائیں نافذ کی جائیں گی۔ اختیاری اور جبری زنا کا یہ فرق اگر مغربی اور عیسائی شریعت میں ہوتا ہو مگر اسلامی شریعت اس فرق سے قطعی طور پر نا آشنا اور یقینی طور پر نا بلد ہے اب ذیل میں وہ قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں زنا کے لیے قانونی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

زنا ایک قبیح فعل ہے | وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَةَ إِنَّهَا كَانَتْ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل)۔ "زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ ایک قبیح فعل اور برا راستہ ہے۔" اس آیت میں مطلق زنا کا ذکر کیا گیا ہے، خاص زنا بالرضا یا زنا بالجبر کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے بلکہ مطلق زنا کو فاحشہ (قبیح فعل) کہہ کر مسلمانوں کو اس کے قریب جانے سے روکا گیا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں مطلق زنا فاحشہ اور قبیح فعل ہے اور معاشرے کو اس سے پاک رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس بارے میں جو لوگ اس قسم کے قبیح افعال کو معاشرے میں فروغ دینے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ بے حیائی لوگوں میں پھیل جائے قرآن کریم نے صریح لفظوں میں یہ اعلان کیا ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (التورہ ۱۹) جو لوگ مسلمانوں اور مسلم معاشرے میں بیحیائی اور قبیح افعال کو فروغ دے کر پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ ہی

خوب جانتے اور تم نہیں جانتے ہو۔

ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان کی یہ نشان نہیں کہ وہ خود زنا جیسے قبیح فعل میں اپنے آپ کو ملوث کرے یا دوسرے مسلمانوں میں اس بے حیائی کے پھیلنے کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش ظاہر کرے۔

**زنا کے چود دروازے** | اسلام نے مسلم معاشرے میں زنا اور حرام کاری کے مکمل انسداد کے لیے یہاں تک انتظام کیا ہے کہ جو امور اس قبیح فعل کے لیے مبادی اور ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو اس کے لیے بمنزلہ چود دروازہ کے ہیں قرآن کریم نے قفل لگا کر ان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے اور صریح طور پر انہیں ممنوع قرار دیا ہے، چنانچہ ”سُئِلَ اللَّيْلُ“ اس نے مردوں اور عورتوں دونوں پر ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے مسلم معاشرے میں زنا وقوع پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم نے سب سے پہلے عورتوں پر یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اجنبی اور غیر محرم مردوں کے سامنے بے پردہ ہو کر نہ آئیں اور نہ ہی دورِ جاہلیت کے ”تَبْرُجِ“ کی نقالی کرتی پھریں، ارشادِ قرآنی ہے :-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب ۳۳) ”یعنی اپنے گھروں میں عزت اور وقار کے ساتھ رہو اور دورِ جاہلیت کے تَبْرُجِ کی نقالی نہ کرتی پھرو، نمازیں قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ ورسول کی فرمانبردار رہو“

لیکن بعض اوقات گھروں سے نکلنے کی بھی ضرورت پیش آتی رہتی ہے تو اس کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ بے پردہ ہو کر نہ نکلیں بلکہ بڑی بڑی چادریں وغیرہ اپنے اوپر ڈال کر رکھیں تاکہ ایک طرف آپ کی زینت اور حسن و جمال دوسروں کے لیے باعثِ فتنہ نہ بنے اور دوسری طرف آپ کے متعلق یہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ شریف اور باحیا عورتیں ہیں جو شریف اور معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں، تو بدطینت لوگ آپ سے چھڑ چھاڑ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے اور نہ کوئی بدتماش آپ کو اذیت پہنچا سکے گا۔ ارشادِ قرآنی ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَا رَزَاكُ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ بِهَا (الاحزاب ۵۹) ”اے پیغمبر حکم دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو، اور مسلمانوں کی تمام عورتوں کو کہ (گھروں سے نکلنے وقت) اپنے



اوپر بڑی بڑی چادریں وغیرہ ڈال کر نکلیں اس سے باسانی ان کی پہچان ہو سکے گی اور انہیں کوئی اذیت نہیں پہنچائی جائے گی۔“

ایک دوسرے مقام پر پوری سوسائٹی کو جس میں مرد اور عورت سبھی شامل ہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ حجاب شرعی کے بغیر ایک دوسرے سے آزادانہ اختلاط نہ کرو نہ ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے دیکھو بلکہ دونوں فریق ”غض بصر“ پر عمل کرتے رہو اس سے آپ کی عفت محفوظ رہ سکتی ہے، اور زنا جیسے قبیح فعل میں ملوث ہونے سے بھی آپ بچ سکتے ہیں ارشاد قرآنی ہے:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُوْنَ اَبْصَارَهُمْ وَ يَحْفَظُوْنَ اَفْرُوجَهُمْ... وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ  
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَ كَايِبُنَّ ذِيْنَ زِيْنَتِهِنَّ اِلَّا  
بِعُوْلَتِهِنَّ - (سورۃ النور ۳۱، ۳۲)۔ اور مومن مردوں کو بھی یہ حکم کیجئے اور عورتوں کو بھی کہ وہ  
اپنی اپنی نگاہوں کو نیچے رکھ کر شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور بجز اپنے شوہروں اور محارم کے  
عورتیں اپنی زینت کو دوسروں کے سامنے نہ کھولیں۔“

اس آیت مبارکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کو یہ حکم کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کو شہوت  
کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں اور زنا سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں لیکن ”غض بصر“ پر حفاظت  
کو مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے  
دیکھنا زنا جیسے قبیح فعل میں ملوث ہونے کا قوی ذریعہ ہے لہذا ایک دوسرے کو دیکھا بھی  
نہ جائے تاکہ زنا میں ملوث ہونے کی نوبت ہی پیش نہ آئے۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ  
یہ تمام کاروائیاں انسداد زنا کے لیے تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں، اب اگر اسلام کی نظر میں  
صرف زنا بالجبر ہی ممنوع ہوتا اور اختیاری زنا ممنوع نہ ہوتا تو ”غض بصر“ کا حکم صرف مردوں  
ہی کو دیا جاتا تاکہ ان کے دلوں میں نظر شہوت سے اجنبی عورتوں کی طرف ناجائز میلان پیدا  
ہو کر کسی وقت ان سے جبراً زنا کے مرتکب نہ ہوں عورتیں ہرگز اس حکم کے تحت نہ آجائیں،  
کیونکہ ان کی طرف سے جبراً زنا کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ  
آیت ہذا میں فریقین یعنی مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر ”غض بصر“ کا حکم دیا گیا ہے  
اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں زنا بالاختیار بھی اسی طرح ایک سنگین  
جرم ہے جس طرح زنا بالجبر سنگین جرم ہے اور چونکہ وہ مرد و عورت دونوں کی باہمی نظر بازی سے



پیدا ہوتا ہے اس لیے دونوں کو "غض بصر" کا حکم دے کر زنا بالاختیار کے اس چور دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

**قانونی سزائیں** | قرآن کریم میں زنا کے لیے جو قانونی سزائیں بیان کی گئی ہیں ان میں بھی زنا بالاختیار اور زنا بالجبر کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزائیں دونوں قسم کے زنا کے لیے مقرر کی گئی ہیں اور زنا بالاختیار ان سے مستثنیٰ نہیں ہے، ارشادِ باری ہے :-

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلِيشْهَدَا عَظْمَاءُ طَائِفَةٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التورع) بدکاری کرنے والی عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو مارو ستو ستو ڈرے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم کے نافذ کرنے میں اگر تم یقین رکھتے ہو خدا پر اور پھلے دن پر اور دیکھیں ان کی یہ سزا کچھ لوگ مسلمانوں میں سے۔

اس آیت میں کوڑوں کی جو سزا بیان کی گئی ہے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں کے لیے بیان کی گئی ہے بلکہ زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ عورت اس سزا کی زیادہ مستحق ہے، حالانکہ زنا بالجبر کی صورت میں پوری ملت اس پر متفق ہے کہ عورت نہ سزا کی مستحق ہے اور نہ اس پر کسی قسم کی حد جاری کی جاسکتی ہے بلکہ اس میں سزا کا مستحق صرف زانی (مرد) ہوگا اور اسی پر کوڑوں یا رجم کی سزا نافذ کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو سزا بیان کی گئی ہے وہ اختیاری زنا کی سزا ہے نہ کہ جبری زنا کی، لیکن الفاظ کے عموم میں چونکہ دونوں قسم کے زنا داخل ہیں اس لیے مرد کی سزا تو دونوں قسم کے زنا میں بحال رہے گی، اور عورت جبری زنا میں چونکہ مجرم نہیں ہے، ہوتی اس لیے وہ اس صورت میں سزا کی بھی مستحق نہ ہوگی۔ چنانچہ روایات میں آگے اس کی تصریح آتی ہے۔ اب قرآن کریم کی اس تصریح اور واضح فیصلے کے بعد بھی اگر کوئی شخص یا ادارہ اس حکم سے زنا بالاختیار کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے تو اس کے متعلق بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ یا نادانستہ طور پر قرآن کریم کے صریح فیصلے میں تحریف کرنا چاہتا ہے۔

## عہد نبوت میں یہ قانونی سزائیں | زنا کے بارے میں قرآن کریم کے بعد جب

ہم حدیث رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی صاف طور پر عہد نبویؐ کے ایسے صریح فیصلے ملتے ہیں جن میں زنا بالاختیار کی صورت میں مرد اور عورت دونوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں۔ اور اس بات کے لیے عہد نبویؐ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کبھی زنا بالاختیار کی صورت میں ثبوتِ جرم کے بعد مرد یا عورت پر قانونی سزا نافذ نہ کی گئی ہو، بلکہ عہد نبوت کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ زنا بالاختیار میں زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں پر کوڑوں کی سزا بھی اعلانیہ طور پر جاری کی گئی ہے اور سنگساری کی سزا بھی۔

## رجم کی سزا | چنانچہ مشہور صحابی حضرت ماعزؓ کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا گیا

حالانکہ وہ زنا اختیاری تھا نہ کہ جبری۔ حضرت ماعزؓ کی سنگساری کے ہولناک واقعہ کے بعد حضرت غامدیہؓ کو بھی حضرت ماعزؓ کی طرح سنگسار کیا گیا تھا، حالانکہ حضرت غامدیہؓ کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے ساتھ کسی نے جبراً زنا کیا تھا ورنہ انہیں ہرگز سنگسار نہ کیا جاتا بلکہ اس شخص کو سنگسار کیا جاتا جس نے ان سے زنا بالجبر کیا تھا۔ کیونکہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ وہ سزا کی مستحق ہے۔

## کوڑوں کی سزا | اس کے علاوہ کوڑوں کی سزائیں بھی عہد نبوت میں مردوں

اور عورتوں دونوں کو یکساں طور پر دی گئی ہیں، حالانکہ عورت پر جبری زنا کی صورت میں کوڑوں کی سزا بھی جاری نہیں کی جاسکتی۔ ذیل میں ایک دو واقعات ایسے ذکر کیے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اختیاری زنا میں مرد و عورت دونوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں۔

## زنا کا جرم قابلِ راضی نامہ نہیں ہے | عن ابی ہریرۃؓ ان رجلیین

اختصما الی التبی فقال احدہما ان ابنی کان علی ہذا فذنی یا مرأتہ فانخبرونی ان علی بنی الزعم فافتدیت منه بمائۃ شاة و بجا ریتہ لثم انی سالت اهل العلم فانخبرونی ان علی بنی جلد مائۃ وانما الزعم علی امرأتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما والذی نفسی بیدہ لا قضین بینکما بکتاب اللہ تعالیٰ اما غمک و جاریتک فرد علیک و جلد ابنتہ مائۃ و امرانیس الاسلامی ان یأتی امرأۃ الا



فان اعترفت فارجمها فاعتوقت فرجها۔ (ابوداؤد ج ۲ ضلحہ) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو آدمی اپنا ایک مقدمہ لے کر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدوری کرتا تھا پس اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے بیٹے کی سزا سنگساری ہے، میں نے اس کے بدلے میں اس شخص کو سو بکریاں اور ایک جاریہ دے دی، پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سو کوڑے ہے اور سنگساری اس شخص کی بیوی کی سزا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں آپ دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا اور وہ یہ ہے کہ تمہاری بکریاں اور جاریہ تمہیں واپس کی جائیں گی اور سزا کے طور پر تیرے بیٹے کو نودترے لگیں گے۔ اور انیس اسلمی کو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کی بیوی کے پاس اور معاملہ کی تحقیق کرو، اگر اس نے زنا کا اقرار کر لیا تو اس کو رحم کرو، چنانچہ اس نے اعترافِ جرم کر لیا اور رحم کی سزا اس پر جاری کی گئی۔

اس حدیث میں زنا کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ جبری زنا کا واقعہ تھا کیونکہ یہ گھر کے ایک مزدور کا گھر کی مالکہ کے ساتھ زنا کا واقعہ ہے اور اس میں جبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آخر اس مزدور کی کیا مجال تھی کہ وہ گھر کی مالکہ کے ساتھ جبراً زنا کرے۔ اس کے علاوہ اگر یہ زنا جبری ہوتا تو عورت پر رحم اور سنگساری کی سزا جاری نہ کی جاتی، کیونکہ جبری زنا میں عورت سرے سے مجرم ہی نہیں تو اس پر سزا جاری کرنے کے کیا معنی؟ اور سزا بھی وہ جو سخت ترین سزا ہے، کیا یہ انصاف ہے کہ عورت باوجود مجبور ہونے کے سنگساری جیسی سنگین سزا جاری کی جائے اور مرد باوجود مجرم ہونے کے کوڑوں کی سزا کا مستحق گردانا جائے۔

حاشا وکلا۔

تو معلوم ہوا کہ یہ زنا اختیاری تھا نہ کہ جبری، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جرمِ زنا اسلامی شریعت میں قابلِ راضی نامہ نہیں ہے، ورنہ اگر یہ جرم قابلِ راضی نامہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ میں متاثرہ فریقین میں ہونے والے راضی نامہ کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر نسخ نہ فرماتے اور اس کے ہوتے ہوئے زانیہ عورت اور زانی مرد پر سزا جاری نہ فرماتے۔

ایک اور واقعہ | عن ابن عمرؓ انہ، قال ان الیہود جاء والی رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم فذکر والہ ان رجلاً منهم وامرأة زنیاً فقال لہم رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ما تجدون فی التوراة فی شان الزنا فقالوا نفضحہم ویجلدون  
فقال عبد اللہ بن سلام کذبتم ان فیہا الرجم فأتوا بالتوراة فنشروہا فجعل احدہم  
یدہ علی ایۃ الرجم ثم جعل یقرأ ما قبلہا وما بعدہا۔ فقال لہ عبد اللہ ابن سلام  
ارفع یدک فرفعہا فاذا فیہا ایۃ الرجم فقالوا صدق یا محمد فیہا ایۃ الرجم فامر  
بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجما۔ قال عبد اللہ بن عمر فرأیت  
الرجل یحیی علی امرأۃ یقیہا الحجارة انہی (سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۸۱)  
(ترجمہ) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ واقعہ  
بیان کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ زنا کے بارے  
میں تمہاری تورات میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں  
اور ان پر کوڑے بھی لگائے جلتے ہیں، عبد اللہ بن سلام نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں  
تو زنا کی سزا رجم ہے، انہوں نے تورات کو لا کر کھولا تو ان میں سے ہی ایک شخص نے آیت رجم  
پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنا شروع کر دیں تو عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ  
اس نے جب ہاتھ اٹھایا تو نیچے آیت رجم موجود تھی، اس پر انہوں نے کہا کہ عبد اللہ واقعی تم سچے ہو  
تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی اور مزنیہ) کے بارے میں رجم  
کا حکم فرمایا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ  
مرد عورت پر بھکتے ہوئے پتھروں سے اس کو بچا رہا تھا،

اس حدیث میں یہودیوں کے جس سنگسار شدہ مرد اور عورت کا ذکر کیا گیا ہے ان کی باہمی محبت  
کا یہ عالم تھا کہ عین سنگساری کے دوران بھی زانی مرد زانیہ عورت پر جھک کر آخر دم تک پتھروں  
سے اسے بچانے کی کوشش کرتا رہا، کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ خیال تک دل میں لا سکتا ہے کہ یہاں  
مرد نے عورت کے ساتھ جو زنا کیا تھا وہ اختیاری نہیں بلکہ زنا بالجبر تھا؟ حالانکہ ہم پہلے بیان کر چکے  
ہیں کہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت قانون کی نظر میں اصلاً مجرم نہیں نہ وہ سزا کی مستحق ہے، پھر  
اس پر سنگساری جیسی سنگین سزا جاری کر کے یہ دوہرا ظلم کیوں کیا گیا؟

زنا بالجبر کی صورت میں عودت  
قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے

ذیل میں ہم ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس  
سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ زنا بالجبر کی

صورت میں عورت قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ اس پر زنا کی حد جاری کی جاسکتی ہے۔  
 عن وائل ابن حجر قال استكرهت امرأة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 فداراً عنها الحد واقامه على الذي اصابها۔ (جامع الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۰)  
 (ترجمہ) وائل ابن حجر کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت سے  
 جبراً زنا کیا گیا تو آپ نے عورت سے حد ساقط کر کے اسے معاف فرما دیا اور زنا کرنے والے مرد  
 پر حد قائم کر دی۔

وعنه ان امرأة خرجت على عهد النبي صلى الله عليه وسلم تريد الصلوة فتلقاها  
 رجل فتجللها فقضى حاجته منها فصاحت وانطلق ومرت عصابة من المهاجرين  
 فقالت ان ذلك رجل فعل بي كذا وكذا فاخذوا الرجل فاتوا به رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم فقال لها اذ هي فقد غفر الله لك وقال للرجل الذي وقع عليها ارجوه۔  
 (جامع الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۱، ۳۱۲)

(ترجمہ) یہ بھی وائل ابن حجر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت  
 گھر سے نماز کے ارادہ سے نکلی، راستہ میں اسے ایک شخص ملا جس نے اسے پکڑ کر زبردستی اس سے  
 زنا کیا، اس پر عورت نے شور مچانا شروع کر دیا جس سے گھبرا کر زنا کرنے والا شخص بھاگ گیا،  
 اتنے میں مہاجرین کی ایک جماعت پہنچ گئی، عورت نے انہیں بتایا کہ فلاں آدمی نے مجھ سے جبراً  
 زنا کیا ہے، انہوں نے اس آدمی کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور  
 عورت بھی اس کے ہمراہ تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا کہ جاؤ خدا نے تجھے معاف  
 کیا ہے اور زانی مرد کے بارے میں حکم فرمایا۔ (چنانچہ وہ آپ کے حکم سے رحم کر دیا گیا)۔  
 اس حدیث کو اوپر والی روایتوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو مجموعہ روایات حدیثیہ اور  
 نصوص قرآنیہ سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ زنا بالجبر کی صورت میں عورت  
 اسلامی قانون کی نظر میں مجرم نہیں ہے نہ اس پر قانونی سزا جاری کی جاسکتی ہے، دوسری یہ کہ  
 قرآن و حدیث میں زنا کے لیے جو قانونی سزائیں بیان کی گئی ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے  
 میں زنا کے واقعات میں جن لوگوں پر یہ قانونی سزائیں جاری کی گئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر  
 واقعات زنا اختیاری سے متعلق تھے نہ کہ زنا بالجبر سے متعلق، اور نہ پھر عورت پر مرد کی طرح ہرگز یہ  
 قانونی سزائیں جاری نہ کی جاتیں۔ — بہر حال قرآن و حدیث کی رو سے اس حقیقت میں ذرہ برابر کوئی



نہیں ہے کہ اسلامی شریعت نے زنا کے لیے جو قانونی سزائیں مقرر کر رکھی ہیں، ان میں نابالغتیا اور زنا بالجبر میں کوئی فرق تسلیم نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی اسلامی شریعت نے ان قانونی سزائوں میں نابالغتیا کو مستثنیٰ کیا ہے، بلکہ زنا کی یہ دونوں قسمیں اسلام کی نظر میں یکساں جرم ہیں اور مرتکب جرم سزا کا مستوجب ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اسلام کی قانونی سزائیں دراصل زنا بالرضا ہی کے لیے مقرر کی گئی ہیں، کیونکہ ان قانونی سزائوں سے اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرہ کثرت زنا سے محفوظ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ معاشرے میں جو زنا کثیر الوجود ہے یا ہو سکتا ہے وہ زنا بالجبر نہیں وہ زنا بالرضا ہے اور اسی کے انسداد کے لیے اسلام نے یہ سزائیں مقرر کی ہیں۔ تو اگر اس (زنا بالرضا) کو ان سزائوں سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو قانون کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کل کے مغرب سے متاثر بعض مسلم دانشور آخر کس معقول دلیل کی بناء پر زنا بالرضا کو اسلامی قانون سے مستثنیٰ کر رہے ہیں؟

”کیا اس میں یہ راز پوشیدہ تو نہیں کہ یہ حضرات اپنے اس ملک میں زنا کاری کے کاروبار میں قانون کے ذریعہ سے توسیع کرنا چاہتے ہیں؟ اور اس ملک میں یونین تہذیب کی جڑوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کر رہے ہیں؟ یا اس ملک میں پہلے سے جو عیاشی و فحاشی کا خطرناک رجحان پایا جاتا ہے اسے یہ حضرات مزید تقویت اور ترقی دینا چاہتے ہیں؟“ (اللہم اهدنا وایاہم صراطک المستقیم، آمین)

رجواب جُزء ۱) اب دوسرے سوال کا جواب سن لیجئے۔ یہ بات مسلمات شریعت میں ہے اور امت مسلمہ کے ہاں طے شدہ ہے کہ جو حکم قرآن و حدیث میں مخصوص طریقہ سے بیان کیا گیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس پر اسلامی معاشرے میں عمل درآمد بھی رہا ہو، نیز کتاب و سنت سے اس حکم کا کسی مخصوص زمانے کے لیے ہونا یا کسی جزوی مصلحت پر مبنی ہونا بھی معلوم نہ ہو تو ایسے حکم میں تمام امت اور پوری ملت بھی مل کر قیامت تک ادنیٰ سے ادنیٰ ترمیم اور تغیر و تبدیل نہیں کر سکتی۔ ایسی کوئی بھی ترمیم ایک طرف آسمانی شریعت میں بندوں کی طرف سے ایک تحریف ہے اور دوسری طرف ان کی جانب سے ایک مکمل تشریح ہے اور آسمانی شریعتوں میں امتیں تحریف کی مجاز نہیں ہیں اور نہ مستقل تشریح کا حق رکھتی ہیں۔ مشرکین مکہ نے اس قسم کی ترمیموں اور تبدیلیوں کا مطالبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے یہ کہا کہ انت بقران غیر ہذا او بدلہ ”ہمیں کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسمیں



ہماری منشاء کے مطابق کوئی تبدیلی کرو، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مطالبہ کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ ملی، قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدَلَ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَرَبَعُ إِلَّا مَا يَوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي (ترجمہ) ”ان سے یہ کہہ دو کہ مجھے یہ حق بہرگز حاصل نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے خدا کے اس قانون میں کوئی ترمیم یا تبدیلی کر سکوں، میرا حق صرف اس قانون کی حرف بہ حرف پابندی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بذریعہ وحی بھیجا جا رہا ہے۔“ جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین اور احکام میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم یا تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں تو دوسرے لوگوں کو ایسی ترمیم اور تبدیلی کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟ قرآن کریم نے اس حقیقت سے بھی پردہ کشائی کی ہے کہ جو لوگ اپنی خود ساختہ قانون سازی کے ذریعہ سے خدائی احکام میں تبدیلی کرتے ہیں پھر لوگوں کو یہ باور کرتے ہیں کہ ہمارا بنایا ہوا یہ قانون بھی اسلامی قانون کا حصہ اور مسلمانوں کے لیے قابل عمل ہے، ایسے لوگ خدا کی نظر میں بڑے مبعوض اور عذاب عظیم کے مستحق ہیں، ارشادِ باری ہے :-

قَوْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَوْلٌ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ آيَاتُهُمْ وَوَيْلٌ مِمَّا يَكْتُمُونَ (بقرہ)

(ترجمہ) ”وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے جو اپنے ہاتھوں سے کوئی کتاب (قانون) لکھ لیتے ہیں، پھر لوگوں سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بھی خدا کا قانون ہے (ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں) کہ اس سے اپنے لیے دنیا کا قلیل منافع حاصل کریں، یہ لوگ ایسی قانون سازی کی وجہ سے بھی مبتلائے عذاب ہوں گے اور جو منافع ان کو اس سے حاصل ہوگا اس کی وجہ سے بھی ہلاکت نصیب ہوگی۔“

بہر حال قرآن کریم نے متعدد مقامات پر غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ شرعی قوانین اور منصوصی احکام میں پوری نوع انسانی کے افراد مل کر بھی کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نوعیت مستقل تشریح (شریعت سازی) کی ہے اور تشریح کا حق اللہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے، البتہ غیر منصوصی مسائل اور معاملات میں ثبوت احکام کیلئے منصوصات شرعیہ سے اجتہاد کے ذریعہ سے احکام اخذ کر کے مستنبط کیے جاسکتے ہیں، مگر تشریح کا مجاز کوئی بھی فرد بشر نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہوگا کہ کوئی بھی فرد بشر شرعی قوانین اور منصوصی احکام میں کوئی تغیر اور ترمیم نہیں کر سکتا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زنا جیسے قبیح جرم کی اسلامی شریعت نے جو قانونی سزائیں مقرر کی ہیں ان سے کوئی بھی با اقتدار جماعت یا ادارہ زنا بالاختیار کو

مستثنیٰ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

رجواب جُزء ۳، رہا تیسرا سوال کہ حرام قطعی کو جائز کرنے اور حلال سمجھنے والا آدمی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ قرآن و حدیث نے اس کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے اسی کو پیش کر دوں، نیز فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے لوگوں کے حق میں جو احکام صادر کئے ہیں انہیں کو بیان کر دوں۔

**قرآن کریم اور تحلیل حرام** | یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور پوری ملتِ اسلامیہ اس پر متفق ہے کہ کائناتِ عالم کا واحد مالک اور بلا شریک غیرے حقیقی حاکم اور حکمران صرف اللہ رب العالمین ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی خاص ملکیت ہے اور سب کا اصل حاکم وہ ہے۔ جب تمام کائنات کا خالق و مالک وہی ہے تو تمام کا حاکم بھی وہی رہے گا اور تمام کائنات میں حکم اور قانون بھی اسی کا چلے گا۔ **الاله الخلق واکامر تبارک اللہ رب العالمین۔** ”یہ حقیقت ہے کہ پیدائش بھی خاص اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلے گا، اللہ بڑا بابرکت اور تمام جہانوں کا مالک ہے۔“ **ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ۔** ”حکم نہیں ہے مگر اللہ کے لیے، اسی نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی دوسرے کی اطاعت و پرستش نہ کرو۔“ **وَلَا یُشْرَکْ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًا۔** ”وہ اپنے حکم اور فیصلے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

قانون کی اس بنیادی ذمہ کے تحت اشیاء کی تحریم اور تحلیل دونوں کا حق اور اختیار صرف خالق اشیاء کو حاصل ہے مخلوق کو قطعاً اس کا حق حاصل نہیں ہے، اس بارہ میں قرآن کریم کا فیصلہ انتہائی صاف اور واضح ہے۔ اُس نے جس طرح تحریم حلالِ خدا کی حلال کردہ اشیاء کو حرام جاننے کی قطعی ممانعت کر رکھی ہے اور فرمایا ہے کہ: **لَا تَحْرِمُوا طِیْبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔** ”وہ پاکیزہ چیزیں حرام نہ سمجھو جو خدا نے تمہارے لیے حلال کر رکھی ہیں اور خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ اور فرمایا ہے کہ: **لَعَنَ تَحْرِیْمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ۔** ”کیوں حرام کرتے ہو اپنے اوپر وہ چیزیں جو خدا نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔“ **قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَہُمْ سَفَہًا بَغْیْرِ عِلْمٍ وَحَرَمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ اِفْتِرَاءً عَلٰی اللّٰهِ۔** ”تحقیق بڑے خسارہ میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے علم کے بغیر حماقت اور نادانی سے اپنی اولاد کو قتل کیا ہے اور



خدا نے ان کو جو حلال رزق دیا ہے اُسے خدا پر بھوٹ باندھ کر حرام سمجھ رکھا ہے۔ بعینہ اسی طرح قرآن کریم نے تحلیل حرام خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال جاننے کی بھی قطعی طور پر ممانعت کر رکھی ہے، ارشادِ ربانی ہے، وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُمْ اَلْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَتُفْتَنُوا عَلٰی اللّٰهِ اَلْكُذِبَ۔ یعنی مت کہو ان چیزوں کو جنہیں تمہاری زبانیں بھوٹ کے طور پر بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام ہیں اس کا انجام خدا پر بھوٹ باندھنا ہے۔ لَا تَعْلَمُوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشُّهُمَ الْحُرَامَ وَلَا الْهَدٰی شَعَائِرَ اللّٰهِ اَشْهُرَ حَرَامٍ اور قربانی کے جانوروں کی ہتک و حرمت کو حلال نہ سمجھو۔ وَلَا یُحْرَمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یُدۡیُنُوْنَ دِیۡنَ الْحَقِّ۔ یہ لوگ خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں۔ ان آیات میں صریح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ تحریم اور تحلیل کا حق بجز اللہ تعالیٰ کے بالذات کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، یہ حقیقت بھی قرآن کریم سے واضح ہے کہ جو چیزیں آسمانی شریعتوں کی رو سے قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں، انہیں جب بھی کسی نے حلال سمجھنا شروع کیا آسمانی شریعتوں سے اس کا تعلق بحال نہیں رہا ہے بلکہ منقطع ہو چکا ہے۔ انسانی تاریخ کے ہر دور میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفر اور عالم اسلام کے مابین حدِ فاصل مقرر کی ہے کہ خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دل سے حرام سمجھنے اور اس کی حلال کردہ اشیاء کو دل سے حلال جاننے کا مضبوط اعتقاد رکھا جائے، اس اعتقاد کے بغیر کوئی شخص نہ ٹومن سمجھا گیا ہے نہ مسلم۔ مثال کے طور پر شرک ہی کو لیجئے، اس کو انسانی تاریخ کے ہر دور میں آسمانی شریعتوں کی رو سے حرمتِ قطعی کی حیثیت حاصل رہی ہے اور جب بھی کسی نے اس کو جائز اور حلال سمجھا ہے تمام آسمانی شریعتوں نے اسے اپنے اپنے دائرہ سے خارج تسلیم کیا ہے اور اس کا تعلق ہر آسمانی شریعت سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے۔

### حدیثِ رسول اور تحلیل و تحریم قرآن کریم کے بعد جب ہم حدیثِ

رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں بھی تحلیل و تحریم کے بارے میں وہی فیصلہ ملتا ہے جو قرآن کریم نے اس بارے میں کیا ہے۔ یعنی سنتِ رسول کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ جس نے خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھا یا اس کی حلال کردہ اشیاء کو حرام جانا اس کا اسلامی شریعت سے تعلق بحال نہیں رہے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع رہے گا۔

علماء اور مشائخ کے بارے میں اہل کتاب کا عقیدہ قرآن مجید میں یہودی عوام



اور عیسائیوں کے متعلق یہ آیا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے سوا اپنے لیے معبود بنا رکھا تھا، ارشادِ ربّانی ہے: **وَ اتَّخَذُوا اَجْبَارَهُمْ وَ وُضِعَ لَهُمُ اَزْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ** (سورۃ آیت ۲۰) جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اہل کتاب میں سے ایک یہودی عالم "عدی ابن حاتم" ہو مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! ہم نے تو کسی عالم یا درویش کو خدا نہیں کہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَمَا كَانُوا اِذَا اَعْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَجْلَوْهُ وَاِذَا حَرَمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَمُوهُ؟** قال نعم، قال هو ذك۔ او کہا قال (ترندی) کیا وہ ایسے نہیں تھے کہ جب ان کے علماء اور مشائخ ان کے لیے کوئی چیز حلال کرتے تو وہ اسے حلال سمجھتے اور جب کوئی چیز ان پر حرام کرتے تو وہ اسے حرام سمجھتے؟ عدی ابن حاتم نے کہا کہ ایسے تو تھے ہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو ان کا شرک تھا!

حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی ابن حاتم سے فرمایا کہ خدائی شریعت سے سند حاصل کئے بغیر جب یہود کے علماء اور مشائخ عوام پر کوئی چیز حرام کرتے تو کیا عوام اسے حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اسی طرح اگر خدائی شریعت سے دلیل حاصل کئے بغیر کسی چیز کو ان کیلئے حلال کرتے تو یہودی عوام اسے حلال نہیں سمجھتے تھے؟ اس کے جواب میں عدی ابن حاتم نے کہا کہ ایسا تو تھا ہی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو بے سند تحلیل و تحریم تھی جس کی وجہ سے وہ شرک میں مبتلا ہوئے تھے۔

اس حدیث سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ جو بھی شخص یا ادارہ اور جماعت خدا کی حرام کردہ اشیاء کو حلال سمجھے گا یا اس کی حلال کردہ اشیاء کو حرام سمجھے گا اسلام کے ساتھ اس کا تعلق ختم ہو جائے گا۔

**فقہاء اسلام کا فیصلہ** | قرآن و حدیث کے ان واضح احکامات کی روشنی میں فقہاء اسلام نے بھی اس بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو قرآن و حدیث کے نشاء سے زیادہ قریب ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "شرح العقائد" میں لکھا ہے کہ: **استحلال المعصیۃ کفر اذا ثبت کونها معصیۃ بدلیل قطعی۔** گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے بشرطیکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو! آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:-

وعلى هذا اتفرع ما ذكر في الفتاوى من انه اذا اعتقد الجرام حلالا فان كانت

حرمته لعینہ وقد ثبت بدلیل قطعی یکفر واکا فلا بان تکون حرمتہ لغیرہ  
اوثبت بدلیل قطعی۔ وبعضہ لم یفرق بین الحرام لعینہ ولغیرہ وقال من استعمل  
حراماً وقد علم فی دین التبی صلی اللہ علیہ وسلم تحریمہ کسکاح المحارم کافر۔

(بحوالہ شامی ج ۲ ص ۳۵۱، ص ۳۵۲)

ترجمہ) اسی قاعدے پر وہ مسئلہ مبنی ہے جو کتب فتاویٰ میں ذکر ہے کہ جب کوئی شخص حرام  
کو حلال جانے تو اگر وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو تو شیخ کافر ہوگا،  
اور اگر اس کی حرمت بغیر ہوا وہ دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوئی ہو تو کافر نہ ہوگا، اور بعض علماء  
نے حرام لعینہ اور بغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے بلکہ مطلقاً یہ کہا ہے کہ دونوں کا تحمل کافر ہو  
گا بشرطیکہ دین نبوی میں اس کی حرمت کا ثبوت معلوم ہو جیسے نکاح محارم۔“

علامہ ابن عابدین نے مندرجہ بالا دونوں مذاہب پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:-

وحاصله ان مشروط الکفر علی القول الاول شیئان قطعیتہ الدلیل

وکونه حراماً لعینہ وعلی الثانی یشرط الشرط الاول فقط

وقد علمت ترجیحہ۔ ۱۰

ترجمہ) اس اختلاف کا حاصل یہ ہوا کہ کفر کی شرط بنا بر قول اول دو چیزیں ہیں۔ ایک دلیل کا  
قطعی ہونا اور دوسرے اس کا حرام لعینہ ہونا۔ اور بنا بر قول ثانی کفر کے لیے شرط صرف یہ ہے کہ  
حرمت کی دلیل قطعی ہو اور بس! اس قول کا راجح ہونا معلوم ہے۔“

اسی کے قریب قریب وہ مضمون ہے جو فتاویٰ میں ”شرح العقائد العصبیہ“ میں ذکر کیا ہے  
چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

واستحلال المحرمات کفر ولا بد من التقید بكون تحریمہ مجمعاً

علیہ دون تكون حرمتہ من ضروریات الدین، وبدون القید الثانی ان کان

الاجماع مستنداً الی الظن لا یثبت ایضاً وکذا ان کان مستنداً الی

دلیل قطعی ولہیکن مشتہراً بحیث یکون من ضروریات الدین۔

(شرح العقائد العصبیہ ص ۱۰۵)

ترجمہ) ”محرمات کو حلال سمجھنا کفر ہے بشرطیکہ ان کی حرمت اتفاقی ہو، نیز ان کی حرمت ضروریات

دین میں سے ہو، اور اگر ان کی حرمت اتفاقی نہ ہو بلکہ اختلافی ہو تو کفر ثابت اصلاً نہ ہوگا اور اگر ان کی



حرمت ضروریات دین میں سے نہ ہو مگر اتفاقی ہو تو اگر یہ اجماعِ بنی برطن ہو تو پھر بھی کفر ثابت نہ ہوگا، اسی طرح اگر وہ بنی بر دلیل قطعی ہو مگر دین میں اس کی حرمت اس قدر مشہور نہ ہو چکی ہو کہ ضروریات دین میں شمار ہوتے کے قابل ہو تو اس وقت بھی کفر ثابت نہ ہوگا۔

مندرجہ بالا تصریحات کا ماحصل فقہاء اسلام کی مذکورہ بالا تصریحات

سے جو امور بطور ماحصل ثابت ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) کسی چیز کی حرمت اگر قطعی ہو اور لذاتہ بھی ہو، نیز دین نبوی میں اس کی حرمت اس قدر مشہور ہوئی ہو کہ وہ ضروریات دین میں شمار ہوتی ہو، تو ایسی حرام چیز کو حلال سمجھنا بالاجماع کفر ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۲) لیکن اگر اس کی حرمت قطعی تو مگر لذاتہ نہ ہو یا لذاتہ بھی ہو مگر ضروریات دین میں سے نہ ہو تو ایسی چیز کو حلال سمجھنے والے آدمی کا کفر مختلف فیہ ہے، جن لوگوں کے نزدیک کفر کے لیے حرمت کا قطعی ہونا فقط کافی ہے، لذاتہ ہونا اور ضروریات دین میں سے ہونا ان کے نزدیک شرط نہیں ہے ان کے نزدیک تو کافر ہے کیونکہ حرمت کی قطعیت دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ اور جن کے نزدیک کفر کے لیے حرمت کی قطعیت اور اس کا لذاتہ ہونا دونوں ضروری ہیں، ان کے نزدیک پہلی صورت میں کفر نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف حرمت کی قطعیت ہے، اور لذاتہ حرمت نہیں ہے، اور دوسری صورت میں کفر ہے کیونکہ اس میں حرمت قطعیت کے ساتھ اس کا لذاتہ ہونا بھی موجود ہے، اور جن لوگوں کے نزدیک کفر کے لیے یہ ضروری ہے کہ حرمت مشہور اور ضروریات دین میں سے ہو ان کے نزدیک ۲ میں کفر اصلاً نہیں ہے کیونکہ یہ حرمت ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

فقہاء کی ان تصریحات کی روشنی میں جب ہم زنا کی حرمت پر غور کرتے ہیں تو وہ حرمت قطعی بھی ہے اور لذاتہ بھی اور اس قدر مشہور بھی ہو چکی ہے کہ ضروریات دین میں شمار ہو چکی ہے لہذا اس کو حلال سمجھنا بالاجماع موجب کفر ہوگا۔ اس اجماعی فیصلہ کے تحت آپ خود غور فرمائیں کہ جو لوگ محرماتِ شرعیہ کو حلال سمجھ رہے ہیں قرآن و حدیث اور فقہاء اسلام کے ان واضح فیصلوں کی روشنی میں ان کا انجام کیا ہوگا؟

ہم اور تکفیر لیکن ہم بذاتِ خود کسی شخص یا ادارہ پر کفر کا فتویٰ دینے سے اس بناء پر معذور اور قاصر ہیں کہ فتویٰ تکفیر کے لیے ضروری ہے کہ مفتی کو اس بات کے متعلق یقینی علم



حاصل ہو کہ جس شخص یا ادارہ پر وہ کفر کا فتویٰ دے رہا ہے اس کے دل میں قطعیات اور ضروریات دین سے قطعی طور پر انکار پایا جاتا ہے اور یہ علم ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور نہ حاصل ہو سکتا ہے، اس کے بغیر کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ لہذا ہم ان ممبران اسمبلی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے زنا بالا اختیار کو شرعی سزاؤں سے مستثنیٰ قرار دینے کا غلط اقدام کیا ہے، اور ان سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ خدا را اپنے اس فیصلہ پر جلد از جلد نظر ثانی فرما کہ خدا و رسولؐ کو ناراضگی اور دنیا و آخرت کی رسوائی کا خطرہ مول نہ لیں۔ امید ہے جملہ ممبران اسمبلی ہماری اس اپیل کو صدا بصر اثابت نہ ہونے دیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَكَالِ الضَّالِّينَ (آیت)

**قرآن اور شہرت کی وجہ سے عدالت کا کسی کو سزا دینا** | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک پندرہ سالہ لڑکے نے ایک شخص پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اسلحہ کی نوک پر زبردستی میرے ساتھ بد فعلی کی ہے، لڑکے نے اس واقعہ کی تھانہ میں رپورٹ بھی درج کرائی ہے اور معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے، ملزم اس فعل بد سے انکاری ہے جبکہ لڑکے کے پاس اس دعویٰ کے اثبات کے لیے کوئی گواہ بھی نہیں البتہ میڈیکل رپورٹ لڑکے کے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے اور مذکورہ شخص اس عمل بد کی وجہ سے مشہور و معروف اور کافی بدنام ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عدالت اس شخص کو اس فعل بد میں شہرت اور میڈیکل رپورٹ کی بناء پر سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** کسی جرم کے اثبات کے لیے محض دعویٰ کرنا کافی نہیں جب تک شریعت کے مطابق شہادت موجود نہ ہو، البتہ قرآن اور شہرت کی وجہ سے جب قاضی (جج) کو اس شخص کے متہم یا فعل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر محض سیاستاً سزا دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ کے مطابق اگر میڈیکل رپورٹ اور اس فعل بد میں مذکورہ شخص کی شہرت کے بارے میں عدالت کو اطمینان ہو جائے کہ اس نے مدعی کے ساتھ بد فعلی کی ہے تو عدالت اسے تعزیراً سزا دے سکتی ہے، اور اس قسم کے واقعات میں عدالت اطمینان کر لینے کے بعد مجرم کو سیاستاً

سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے۔

لما قال العلامة المحصن <sup>رحمہ اللہ</sup> ومن يتهم بالقتل والسرقة وضرب الناس ا جسدہ  
واخلدہ فی السجن حتی یتوب لأن شق هذا علی الناس وشر الا قول علی الناس۔  
الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۲۶ کتاب الحدود باب التعزیر، مطلب تعزیر التہم) لہ




---

لہ لاقال العلامة ظفر احمد الغنماقی <sup>رحمہ اللہ</sup>؛ (الجواب) محض عورت کے کہنے سے مرد پر سزا ستمہ تعزیر  
نہیں ہو سکتی بلکہ اگر قاضی کا رائے میں قرائن اخر سے وہ متہم کے درجہ میں ہو جائے تو تعزیر یا کچھ سزا دی جا سکتی  
ہے، مگر قاضی آجکل کہاں؟ البتہ بعض قوموں میں پتچایت کا زور ہوتا ہے، تو پتچایت اس بارہ میں بمنزلہ قاضی  
کے ہے اگر وہ مسائل شرعیہ سے باخبر ہوں یا کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرتے ہوں۔ واللہ اعلم  
(امداد الاحکام ج ۳ ص ۱۲۸ کتاب الحدود)





كل مسكر نمر  
وكل مسكر حرام

## کتاب الاشریۃ

### داشریہ نشہ اور اشیاء کے احکام و مسائل

نسوار کی شکل میں تمباکو کے استعمال کا حکم | سوال :- نسوار کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- نسوار چونکہ تمباکو سے ہی بنتی ہے لہذا اس کا استعمال تمباکو کی طرح فی نفسہ مباح اور جائز ہے کیونکہ اس میں نہ نشہ ہے اور نہ مستی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: فانه لم یثبت اسکارسہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت له منافع فہو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحۃ وان فرض اضرارہ للبعض لایلزم منه تحريم علی کل واحد۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۶ کتاب الاشریۃ)

البتہ نسوار کی بدبو کی وجہ سے مسجد میں نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے نیز اس میں اسراف اور تبذیر کے علاوہ طبی نقطہ نگاہ سے بھی مضر صحت ہے اس لیے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: اذا شرب الماء وغیرہ من المباحات یلہو وطرب علی ہیئۃ الفسقۃ حرام۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشریۃ)

گنے کے رس سے کشید کی گئی شراب حرام ہے | سوال :- جو شراب گنے کے رس سے بنائی گئی ہو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

لہ قال الشیخ محمد الکامل الطرابلسی: وقد حقق المتلخرون من اهل مذہبنا الحنفیۃ انه یس بحرام وانما فی تعاطیہ الکرہیۃ وقد قدمنا ان احسن ما قیل فیہ قول الامیر رحمہ اللہ فاختلف فیہ الدخان والورع ترکہ۔

{ الفتاویٰ الکاملیۃ ص ۲۸۶ کتاب الخطر والاباحۃ }  
{ مطلب فی حکم شرب الدخان فی مجلس قراءۃ القرآن }

**الجواب :-** انکور اور کھجور سے بنائی گئی شراب تو بالاتفاق حرام ہے ، ان دو چیزوں کے علاوہ جن اشیاء سے شراب بنائی جاتی ہے تو ایسی شراب امام محمد رحمہ اللہ کے مفتی بہ قول کے مطابق حرام ہے کیونکہ یہ نشہ آور شراب ہے ، ظاہر حدیث سے ہر مسکر شراب کی حرمت معلوم ہوتی ہے ۔

لما اخرجہ الامام مسلم : کل مسکر حرام - والصیغہ المسلم ج ۲۲ باب بیان کل مسکر حرام  
قال العلامة الحسینی : والکل حرام عند محمدؐ وبہ یفتی - (الدر المختار علی  
ہامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشریۃ) لہ

**اضطراری حالت میں افیون کا استعمال جائز ہے** | سوال :- ایک شخص افیون کھانے کا عادی ہے حتیٰ کہ زندگی افیون

کھانے میں گذر گئی ، اب بوڑھا ہو گیا ہے ، ایسے آدمی کا افیون کھانا اور اس کو کھلانا یا اس بارے میں اس سے تعاون کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** اگر یہ شخص افیون کھانے کا ایسا عادی ہے کہ افیون چھڑانے کی صورت میں اس کی موت واقع ہونے کا خدشہ ہو تو افیون کھانا اس کے لیے جائز ہے اور اس کی اعانت کرنا بھی جائز ہے ، اور اگر ایسی حالت نہیں تو کھانا اور کھلانا دونوں طرح ناجائز ہے بشرطیکہ ایسا شخص تدریجاً افیون چھوڑنے کی کوشش اپنے اوپر لازم کر لے ورنہ سخت گنہگار ہوگا ۔

قال العلامة ابن عابدین : سئل ابن حجر عن من ابتلی بأکل نحو الافیون وصار ان لم یأکل منه هلك اجاب ان علم ذلك قطعاً حل له بل وجب لاضطرارہ الی ابقاء روحہ کالمیتۃ للمضطر فیجب علیہ التدریج فی تنقیصہ شیئاً فشیئاً - (ردالمحتار ج ۵ ص ۴۰۸ کتاب الاشریۃ) لہ

لہ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ : کل شراب اسکر قہو حرام - رواہ البخاری  
(تبیین الحقائق ج ۶ ص ۴۰۸ کتاب الاشریۃ)

وَمِثْلُهُ فِي الْهَدَايَةِ ج ۲ ص ۴۹۸ - کتاب الاشریۃ -

قال العلامة الجصاص الرازی : فافتق ذلك وجود الاحیاء بوجود الضرورة فی کل حال وجدت الضرورة فیہا - (الاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۶ باب ذکر الضرورة المبیحة لاکل المیتة)



**الکحل ملی خوشبو کے استعمال کا حکم** | سوال :- یورپی ممالک سے درآمد شدہ خوشبویات (پرفیومز) میں الکحل شامل ہوتی

ہے، تو کیا بدن اور کپڑوں پر ان کی اسپرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسی حالت میں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جن خوشبویات (پرفیومز) میں الکحل ملی ہوتی ہے اگر یہ الکحل انگور یا کھجور کی ہو تو بالاتفاق ایسی خوشبو کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ خوشبو میں الکحل کا استعمال بلا ضرورت ہے اور بلا عذر شرعی شراب کا استعمال خواہ کم ہو یا زیادہ حرام ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وحرم الانتفاع بہا ولولستقی دواب او لطین او قطر للتلیمی اوفی دواء او دهن او طعام او غیر ذلک - رالدر المنعتار علی ہامتن رد المحتار

ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب الاشریۃ

اگر یہ الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے بنی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی حرام ہے، اگرچہ متقدمین علماء نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو منفتی بہ قرار دیا ہے لیکن متاخرین محققین نے عموم بلوی کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو توسع کی خاطر قابل عمل قرار دیا ہے کہ انگور اور کھجور کے علاوہ دوسرے الکحل ملے پرفیومز کا استعمال حرام نہیں۔

قال العلامة محمد تقی العثماني: ان معظم الکحول التي تستعمل اليوم فی الادویۃ والعطور وغیرها لاتتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البتدول وغیرہ كما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع و جینیذ هناك فسحة فی الاخذ بقول ابی حنیفہ عند عموم البلوی۔

{ تکملة فتح الملهم ج ۳ ص ۶۰۸ کتاب الاشریۃ  
حکم الکحول المسکرة }

تاہم اگر استعمال نہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

**منشیات بہرسم کی ممنوع ہیں** | سوال :- ایک شخص افیون، بھنگ، چرس کے استعمال کا عادی ہے اور ان اشیاء کے استعمال سے اس شخص پر

کوئی برا اثر مرتب نہیں ہوتا، اگر شخص ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ترک نہ کرے تو کیا شرعاً اس کے لیے گنجائش ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** ان اشیاء کی حرمت کے بارے میں فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ويحرم اكل البنج والحشيشة والافيون لانه مفسد

للعقل ويصد عن ذكر الله وعن الصلوة۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۴ کتاب الاشرية)

لہذا ان کا استعمال حرام ہے، ان مضر اشیاء کے استعمال کی اجازت نہ عادی کو ہے نہ غیر عادی کو بلکہ عادی پر واجب ہے کہ ان کے استعمال میں آہستہ آہستہ کمی کرتا جائے تاکہ ایک وقت آئے اور جان پھوٹ جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: ويجب عليه التدرج في تنقيصه شيئاً فشيئاً۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۸ کتاب الاشرية)

**نیگونہ پودے کی جڑوں کے شربت کی تحقیق | سوال :-** فیجی آئرلینڈ میں نیگونہ (NAGONA) نامی ایک پودا پایا جاتا

ہے جس کی جڑیں خشک کر کے اس میں پانی ملا کر لوگ پیتے ہیں جس سے مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں: ۱۔ پینے کے بعد آدمی خاموش رہتا ہے ۲۔ زیادہ استعمال کرنے سے جوان بوڑھا نظر آتا ہے ۳۔ زیادہ استعمال سے جسم پر سفید لکیریں نکل آتی ہیں۔ ۴۔ ہاتھ سخت اور بدن خشک ہو جاتا ہے ۵۔ بدن میں سستی اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے ۶۔ اکثر ممالک میں اس کو نشہ آور سمجھ کر اس کے استعمال پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس پودے کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟

**الجواب :-** سوال میں ذکر کردہ مضر اثرات کی وجہ سے نیگونہ (Nagone) پودے کی جڑوں کا شربت استعمال کرنا ناجائز ہے، اس لیے کہ بدن پر اس کے بُرے اثرات پڑتے ہیں جبکہ یہ نشہ آور بھی ہے، شریعت مقدسہ نے کسی بھی مضر صحت و بدن چیز کے استعمال سے

لہ قال العلامة ابو بکر بن الحداد الیمنی: ولا يجوز اكل البنج والحشيشة والافيون وذلك

كله حرام۔ (الجوهرۃ النيرة ج ۲ ص ۲۴ کتاب الاشرية)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوى الكاملية ص ۲ کتاب الاشرية۔

منع کیا ہے، جیسے زہر میں نشہ تو نہیں مگر پاک ہے لیکن اس کا استعمال حرام ہے۔  
 قال العلامة ابن عابدین: كالسّم القاتل فانه حرام مع انه طاهر۔  
 (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاشریة)

اور اس پودے (نیگونہ) میں تو نشہ بھی ہے لہذا اس کا استعمال حرام ہے، اگرچہ  
 اس پودے کا ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا لیکن اس کے نظائر موجود ہیں۔  
 قال العلامة ابن عابدین: وهكذا يقال في غيره من الاشياء الجامدة المضيق في  
 العقل او غيره يحرم تناول القدر المضردون القليل۔ اگر نشہ آور کم ہو یا زیادہ  
 حرام ہے۔ وقال محمد ما اسكر كثيره فقليله حرام۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاشریة)

**بطور دوائی شراب کے استعمال کا حکم** | سوال :- ایک قریب المرگ مریض جس پر

ہر قسم کا علاج آزما یا گیا لیکن کارگر نہ ہوا،  
 اس کے لیے ڈاکٹر نے آخری علاج کے طور پر شراب تجویز کی ہے، کیا ایسے مریض کے لیے  
 بقدر ضرورت شراب پینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر کسی مسلمان ڈاکٹر کو تجربات سے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ شراب سے  
 مریض کو شفا مل جائے گی تو ضرورتاً اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ شراب کے علاوہ دوسری  
 دوائے ہو اس لیے کہ حالت اضطرار میں حرام چیز کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے۔

لما في الهندية: ولوان مريضاً اشار اليه الطبيب بشرب الخمر روى عن جماعة ائمة بلغ انه يتظر ان  
 ان كان يعلم يقيناً انه يصح حل له التناول۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۵ الباب الثامن عشر في التداوي والعلاج)

له قال العلامة الزيلعي: وعن ابن عمر انه عليه الصلوة والسلام قال ما اسكر كثيره فقليله  
 حرام۔ (تبيين الحقائق ج ۶ ص ۲۷ کتاب الاشریة)

وَمَثَلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشریة

له قال العلامة الكاساني: انه يحرم شرب قليلها وكثيرها الا عند الضرورة۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۱ کتاب الاشریة)

وَمَثَلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۲ ص ۲۱۵ کتاب الاشریة۔



**بطورِ دوا شراب کے خارجی استعمال کا حکم** | سوال :- ایک شخص کی قوتِ سامعہ خراب ہے، ڈاکٹروں نے بطورِ علاج شراب کے

چند قطرے خارجی طور پر استعمال کرتے کی تجویز دی ہے، کیا یہ طریقہ علاج شرعاً جائز ہے؟  
الجواب :- متقدمین فقہاء کے نزدیک شراب کا داخلی و خارجی استعمال اور اس سے نفع لینا حرام ہے۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ويكره الاحتقان بالخمروا قطارها في الاحليل لانه الانتفاع بالمحرم. (الهداية ج ۴ ص ۲۵ كتاب الاشرية)  
لیکن متاخرین نے جب بطورِ تداوی کے شراب کے داخلی استعمال کی اجازت دی ہے تو خارجی استعمال کے مرخص ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

لما في الهندية: يجوز للعليل شرب الدم والبول واكل الميتة للتداوى اذا اخبره طبيب مسلم ان شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه۔

الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۵۵ باب الثامن عشر في التداوى والمعالجات له

**الكلل ملی ادویات کے استعمال کا حکم** | سوال :- جن دوائیوں میں الکل کے

کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- انگریزی ادویات کے استعمال کے بارے میں متاخرین فقہاء کرام کا قول یہ ہے کہ اگر ان ادویات میں شراب یا کسی اور حرام شے کا اختلاط یقینی یا ظن غالب کے طور پر معلوم ہو تو ان کا استعمال شرعاً جائز ہے جبکہ اس میں شفاء کا امکان ہو، اگر ان دوائیوں میں الکل کا صرف احتمال (شک) ہو تو پھر ایسی دوائیوں کے استعمال کرنے میں مزید گنجائش نکلتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ففي النهاية عن الذخيرة يجوز ان

له قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: اما اذا علم وليس له دواء غيره يجوزها

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۵ باب المتفرقات، مطلب في التداوى)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ كتاب الاشرية۔

علم فيه شفاء ولم يعلم دواء اخر - (رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۲ مطلب في التداوي في المحرم) له  
**افیون بطور دوائی استعمال کرنے کا حکم** | سوال :- بطور دوائی افیون کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جس طرح دیگر حرام اشیاء کا بوقت ضرورت بطور دوائی استعمال جائز ہے اسی طرح افیون کا استعمال بھی دوائی کے طور پر جائز ہے بشرطیکہ حدِ سکر کو نہ پہنچے۔  
 لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : من غاب عقله بالبنج والقیون يقع طلاقه اذا استعمله للهو و ادخال الافات قصداً لكونه معصية وان كان للتداوي فلا يعد مهاكذا في فتح القدير وهو صريح في حرمة البنج والقیون  
 لالدواء - (رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاشریة) له

**سیون آپ اور کوکا کولا پینے کا حکم** | سوال :- سیون آپ اور کوکا کولا مشروبات کے بارے میں سنا ہے کہ ان میں الکحل ملا ہوتا ہے اس

لحاظ سے ان مشروبات کا پینا جائز ہے یا نہیں

**الجواب :-** سیون آپ اور کوکا کولا کے بارے میں تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ان میں الکحل کی ملاوٹ نہیں ہوتی، صرف شک کی بناء پر یہ بات کی گئی ہے، ایسے شک سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، البتہ محض شک کی بناء پر اگر کوئی احتیاطاً مذکورہ مشروبات نہ پئے تو ٹھیک ہے لیکن ان کا پینا حرام نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم باذ : وهذا بناء على ان الشك يورث الاحتياط دون الامة لان اليقين لا يزول بالشك - (شرح المجلة الاحكام، المادة ۲ ص ۳)

له وله ما في الهندية يجوز للعليل شرب الدم والبو واكل الميتة للتداوي اذا اخبر طبيب مسلم ان شفاءه فيه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه - (الفتاوى الهندية ج ۵ باب الثامن عشر في التداوي والعلاجات) ۳۵۵  
 ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشریة -

۳ قال العلامة الشيخ الزرقاء : ومعناها ان ما كان ثابتاً متيقناً لا يرتفع بمجرد طر والشك عليه لان الامر اليقيني لا يعقل ان يزيله ما هو اخص منه بل ما كان مثله واقوى -  
 (شرح القواعد الفقهية ص ۳ القاعدة الثالثة البقين يزول بالشك)

فتاویٰ رشیدی کی ایک عبارت پر پیدا ہونے والے سوال کا جواب | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس

مسئلہ میں کہ فقیہ الزمان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فتاویٰ رشیدیہ میں صحت کشتی کو مباح قرار دیا ہے۔ تو کیا ان کے اس قول کا فقہ حنفی میں کچھ ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف کے ان الفاظ کل دخان حرام کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: ذوی العقول اہل اسلام پر مخفی نہ ہو کہ حقہ کشتی کا حدوث سن ایک ہزار ہجری (۱۱۸۸ھ) کے بعد ہوا ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک علماء مذاہب اربعہ کے اس کے بارے میں نظریات رہے ہیں، بعض نے حرمت کا حکم دیا ہے، بعض کراہت تحریمیہ کے طرف مائل ہیں اور بعض دوسرے کراہت تنزیہیہ کے قائل ہیں اور بعض نے اباحت مطلقہ کا حکم لگایا ہے۔

اس مسئلہ کی پوری وضاحت عبارات مع مالہا و ما علیہا کو حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے ایک رسالہ ”ترویج الحنان بتشریح حکم شرب الدخان“ میں کی ہے۔ مزید معلومات کے لیے اس کا مطالعہ کرنا ضروری اور انتہائی مفید ہے اور پوری تشریح کی امید اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ پھر بھی آپ کے سوال کے حوالے سے یہاں چند ضروری باتوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: اضطربت آراء العلماء فیہ فی بعضہم قال بکراہتہ و بعضہم قال بحرمتہ و بعضہم باباحتہ و افرودہ بالتالیف و فی شرح الوہبانیۃ الشرنبلالیؒ

و یمنع من بیع الدخان و شربہ

و شاربہ فی الصوم کاشک یفطر

واللعلامة الشيخ علی الاجهوری رسالة نقل فیہا انه افشى بحله من يعتمد علیہ من ائمة المذاهب الاربعة قلت ولف فی حله سیدنا العارف عبد الغنی النابلسی الحنفیؒ رسالة سمیها الصلح بین الاخوان فی اباحة شرب الدخان واقامة الطامة الكبرى علی القائل بالحرمۃ او بالکراہتۃ فانہما حکمان



شرعیان لا بد لهما للبعض لا يلزم منه تحريمه على كل احد انتهى۔ یہ تمام عبارات  
شامی ج ۵ کتاب الاشریۃ میں موجود ہیں۔

اور عبدالغنی نابلسی "حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ" میں لکھتے ہیں: من ابدع  
العادیۃ استعمال التتن والقهوة۔ انتهى

اور شیخ عبدالخالق زجاجی زبیدی حنفیؒ اپنے بعض فتاویٰ میں لکھتے ہیں: قد تکلم العلماء المتأخرون  
فی ذلك لانه لم یکن فی القرون السابقتہ فمن مفرط فی ذمہ حتی جزم بالحرمة  
ومن مفرط فی مدحہ ومنہم من توسط وقال انه مکروه تحریمًا وهدا عندی  
احسن الاقوال واعدلہا اذ لا قاطع بتحریمہ ولیس کل مؤید ومنتن حرامًا  
والارکان اکل الثوم والبصل والفعل والکرات حرامًا هذا کله فی شرب دخانہ  
واما کله وشمہ فهو مکروه تنزیہًا عندی لانہا دون شرب دخانہ۔ انتهى ملخصًا۔  
یہ عبارات مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۶ سے نقل کی گئی ہیں)

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ علماء کے اس اختلاف کا منشا کیا ہے؟ تو ہمارے نزدیک اس  
اختلاف کا منشا وہی ہے جس کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:-  
یہ حقہ قریب تین سو برس ہوئے کہ کفار نے نکالا ہے، پھر سب لوگوں میں شائع ہوا، اور اصل  
میں یہ ایک دوا ہے، بعض امراض کو نافع بھی ہے اور کثرت اس کی مضر ہے جیسا کہ کتب طب سے  
معلوم ہوتا ہے۔ اب پینے والوں کی مختلف غرضیں ہیں، مختلف مزاج ہیں، مختلف طور ہیں اور مختلف  
خیال اور مختلف عادتیں ہیں۔ کوئی مرض کے لیے پیتا ہے، کوئی شوقیہ پیتا ہے، کسی کو کچھ نافع ہے  
کسی کو مضر ہے، کوئی پی کر منہ صاف کرتا ہے، کوئی سڑا لیتا ہے، کوئی احتیاط سے پیتا ہے، کوئی احتیاطی  
سے، کوئی برا سمجھ کر پیتا ہے، کوئی اچھا جان کر پیتا ہے، یہاں تک کہ بعض روزہ میں پیتے ہیں اور  
کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، کوئی بہت کثرت سے پیتا ہے، کوئی کبھی کبھی پی لیتا ہے، بعض کو اگر  
ایک گھنٹہ نہ ملے بے چین ہو جاتے ہیں، بعض کو کئی کئی روز تک خیال نہیں ہوتا۔ پھر تمباکو میں بھی  
بعض اقسام بہت تیز اور مضر ہیں، بعض کم درجے میں ہیں، کسی میں بوزیادہ ہے کسی میں کم ہے، کسی  
میں نوبت نشہ یافتہ کی ہے کسی میں نہیں، کوئی ایسی چیز کے ساتھ مرکب ہے جس سے اس کی خباثت  
کم ہو جاتی ہے کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح تھوڑے اور نیچے میں بھی، بعض نیچے کے کپڑے پاک ہوتے ہیں کسی کے  
ناپاک، اور کسی کے مشتبہ، کوئی پہچان ہے اس میں اثر قلیل آتا ہے، کسی میں زیادہ آتا ہے۔ کوئی

جلد جلد تازہ کیا جاتا ہے، کوئی کئی کئی دن تک سڑتا رہتا ہے، کوئی عام ہے کہ سب کا منہ لگتا ہے جیسے ٹکیوں کے ٹھتے، کوئی خاص ہے۔ غرض نہ سب پینے والے برابر نہ سب تمباکو ایک طرح کے، نہ سب ٹھتے و نیچے ایک طرح کے، سب متفاوت اور مختلف، ہر ایک کا حکم الگ ہوا۔ پس اگر کسی نے ضرورت شدید میں کسی مرض و شواہد کے علاج کے لیے احتیاط سے بطور دوا کے کبھی کبھی ایک ادھ بار پی لیا تو چنداں جُرم نہیں ہے، اور جو بعد از ازالہ مرض بغیر ضرورت کے شوقیہ پیوے جیسا آچکل شائع ہے کہ یہی محفل کی زیب و زینت ہو گئی ہے اور اسی کی خاطر تو واضح رہ گئی اس کے نہ ملنے کی شکائتیں ہوتی ہیں کہ فلا نے نے ٹھتے تک بھی نہیں پلا یا اور زبان چک ہے برا کہتے، مومن اور شاید دل میں بھی برا جانتے ہوں مگر ظاہر میں بے باکانہ اس کو پیتے ہیں اور ذرا بھی مجب و منقبض نہیں ہوتے، اور آخر میں مُضر بھی ہوتا ہے اور منہ میں برابر بدبو آتی ہے، اور ہر دم منہ میں گھسا رہتا ہے اور خواہ میں بھی کہ ورت آجاتی ہے اور تشبہ اہل نار کے ساتھ ہے کہ منہ اور ناک میں سے دھواں نکلتا ہے، اور خود دھواں اور آگ بھی آگ عذاب کا ہے، اس کے ساتھ متلبس رہتے ہیں، اس طور اس کا عادی ہو جانا بسبب اجتماع ان امور کے بیشک برا اور سخت مکروہ ہے، پھر امور مذکورہ سابق کے تفاوت سے کراہت میں بھی تفاوت ہوگا۔ اور بعض پینے والے جو بد احتیاط ہیں اور سڑے ہوئے ٹھتے اور ناپاک نیچے، تیز تمباکو پیتے پیتے نشہ ہو جاتا ہے اور شراب کی سی مدہوشی ہوتی ہے، اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں۔ حاصل یہ کہ کوئی ٹھتہ زیادہ مکروہ کوئی کم مکروہ، کوئی حرام، کوئی ضرورت شدیدہ میں بطور دوا کے ایک ادھ بار مباح۔ اس تقریر پر درمیان اقوال علماء و فقہاء کے ہو اس کی اباحت، کراہت و حرمت میں مختلف ہیں، تطبیق بھی ممکن ہے، پس جیسا موقعہ کسی نے دیکھا ہوگا ویسا کہہ دیا ہوگا۔ بہر حال پینے والا اس کا اکثر حالتوں میں نہ کل حالتوں میں، گناہ سے خالی نہیں، انتہی حضرت تھانویؒ کی اس تقریر سے اختلاف علماء و فقہاء کا منشا اور ان کے اقوال کی تطبیق پر روشنی پڑ گئی۔ دلائل کے اعتبار سے جب علماء و فقہاء کے اختلاف پر نظر ڈالی جاتی ہے تو بعد یہ دلائل طرفین یہ واضح ہوتا ہے کہ حرمت کا قول تو لایعبار بہ ہے کیونکہ حرمت قطعی دلیل تحریم پر موقوف ہوتی ہے۔ جن علماء نے حرمت کا حکم دیا ہے انہوں نے کوئی قطعی دلیل اس پر قائم نہیں کی ہے بلکہ ان کے تمام ظنی دلائل بھی مخدوش ہیں، جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے ”ترویج الجنان“ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اور قول اباحت بلا کراہت بھی خدشات سے خالی نہیں ہے البتہ قول کراہت قابل اعتبار



ہو۔ اور بالفرض اگر اس کی حرمت ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کے مختلف فیہ ہونے میں شک نہیں ہے، جیسا کہ عبارات سابق سے معلوم ہوا کہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی حرمت سے انکار کیا ہے اور انہوں نے کراہت یا اباحت کا فتویٰ دیا ہے اور کراہت میں بھی بعض نے تحریمی کا قول کیا ہے اور بعض نے تنزیہی کا۔ علامہ ابو السعود کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور کراہت تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: قال ابو السعود فتكون الكراهية تنزيهية والمكروه تنزيهياً جامعاً لابلحة۔ اگر حضرت گنگوہی نے جن کو حضرت مولانا شاہ انور شاہ کشمیری نے فقیہ النفس کا موزوں خطاب عطا فرمایا تھا، اس کی اباحت کا قول کر کے فتویٰ دے دیا تو کون سے گناہ کا ارتکاب کیا۔ ہو سکتا ہے کہ فقیہ النفس حضرت گنگوہی نے ان علماء و فقہاء کے اقوال و آراء اور دلائل کو ترجیح دی ہو جو اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ اور خود حضرت گنگوہی بھی بہت بڑے درجے کے عالم ہیں اور تمام علوم اسلامیہ میں منصب امامت ان کو حاصل تھا مگر جو خصوصاً مناسبت آپ کو فقہ اور حدیث سے تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم آپ کی سرشت میں داخل ہو چکے تھے، وہ مشکل مسائل جن کے حل کرنے میں علماء عصر حیران و پریشان رہتے تھے حضرت گنگوہی ان کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اپنی تحقیق کی ہو اور ان کی تحقیق میں اس کی اباحت کسی درجہ میں ثابت ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ اگر انہوں نے اباحت کا قول کر کے فتویٰ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ فقہی وقت اور حالت اور موقع میں بھی یہ کراہت کے درجہ تک نہ پہنچے گی، نیز اگر کوئی اس کی اباحت کا قائل ہو جائے تو یہ کفر تو نہیں، کیونکہ اس کی اباحت، کراہت اور حرمت میں اختلاف تو ہے۔ اور شرح عقائد نسفی اور اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ حرام مختلف فیہ کے محل کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور کل دخان حرام یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ اصل حدیث اس طرح وارد ہے: كل مسكر خمر وكل مسكر حرام۔ رواہ مسلم، یا یہ حدیث ہے: نهي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتير۔ (رواہ احمد عن ام سلمة) جب یہ ”كل دخان حرام“ حدیث کے الفاظ ہی نہیں ہیں تو ان پر بحث کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مسئلہ فی نفسہ بقدر ضرورت واضح ہو گیا۔

فقط واللہ اعلم



۲۰۸







## کتاب القصاص والدية

(قصاص اور دیت کے احکام و مسائل)

قاتل کو معاف کر دینے کے بعد قصاص کا مطالبہ کرنا جائز نہیں | سوال :- ایک شخص نے دوسرے

آدمی پر قتل عمد کا دعویٰ دائر کیا، اب اگر مقتول کے ورثاء گواہوں کے سامنے قاتل کو معاف کر دیں تو بعد میں کسی وجہ سے دوبارہ قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** ورثاء کا قاتل کو باقاعدہ معاف کر دینے کے بعد حق قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور مقتول کے ورثاء کو دوبارہ مطالبہ قصاص کا حق باقی نہیں رہتا، بلکہ کسی ایک وارث کے معاف کر دینے سے بھی بقیہ ورثاء کو قصاص لینے کا حق نہیں رہتا۔

وفي الهندية : ومن عفا عن ورثة المقتول فلا سبيل الى القصاص -

(الفتاوى الهندية ج ۲۶ الباب السادس في الصلح والعفو) لہ

صلح ہو جانے کے بعد عدالت کا قاتل کو سزا دینا | سوال :- ایک آدمی مثلاً زید نے کسی کو عمداً قتل کیا جس کا مقدمہ

عدالت میں زیر سماعت تھا کہ مقتول کے ورثاء نے دیت لے کر مقدمہ کی پیروی چھوڑ دی جس کی وجہ سے زید پھانسی کی سزا سے بچ گیا لیکن عدالت نے اس کو عمر قید کی سزا سنائی ہے کیا یہ سزا شرعاً جائز ہے؟

**الجواب :-** قتل عمد میں قصاص لینا ورثاء کا شرعی حق ہے جبکہ ورثاء قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں اور دیت لے کر صلح بھی کر سکتے ہیں، صورتِ مسئلہ کے مطابق ورثاء

لہ قال العلامة الجصاص الرازي رحمه الله :- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم العمد قودا الا ان يعفو ولي المقتول - الاحكام القران ج ۱۵ بحث تنازع اهل العلم في معنى قوله تعالى: فمن عفى له من اخيه شيئا. الآية)

ومثله في بدائع الصنائع ج ۲۶ بيان ما يسقط القصاص بعد وجوبه، کتاب الجنایات

نے جب دیت لے کر قاتل کو معاف کر دیا تو حکومت کو مزید سزا دینے کا کوئی حق نہیں، اس لیے اب عدالت کا اسے عمر قید کی سزا سنانا مروجہ قانونی سزا تو ہو سکتی ہے شرعی نہیں۔

لما قال الله تعالى: فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ..... فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ قَلْبَهُ عَدَابُكَ أَلِيَّهُ (سورة البقرة آیت ۱۷۸)

قال العلامة المرعيتاني، انها نزلت في الصلح. (الهدية ج ۳ ص ۲۴۶ کتاب الصلح) لہ

**بدل صلح صرف قاتل پر ہے** | سوال :- ایک آدمی کے باپ کو کسی نے قتل کیا، بیٹا اب صلح کرنا چاہتا ہے تو کیا قاتل کے وراثہ دیت

ادا کرنے کے پابند ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** صلح کی صورت میں بدل صرف قاتل پر واجب ہے دیگر رشتہ دار صرف بطور احسان تعاون کر سکتے ہیں۔

کافی الہندیۃ، وکل آرش وجب بالصلح فهو فی مال القاتل -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۲۲ کتاب الصلح) لہ

**قتل یا سبب کی دیت کا حکم** | سوال :- ایک عورت نے اپنے خاوند کی روٹی میں

زہر ملا یا لیکن اتفاق سے وہ روٹی کسی دوسرے شخص نے کھالی جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی، جب عورت کو پتہ چلا تو وہ اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی، پکڑے جانے پر سسر نے اس عورت کو قتل کر دیا، زہریلی روٹی کھانے سے مرنے والے کے وراثہ اب اس عورت کے وراثہ سے دیت طلب کرتے ہیں، جب کہ اس واقعہ کو کافی عرصہ گزر چکا ہے، اس سئلہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

لہ قال العلامة الجصاص الرازی: من قتل بعد اخذ الدية فعليه لقتل لا يقبل منه الدية -

والاحكام القرآن ج ۱ ص ۱۵۱ بحث تنازع اهل العلم فی معنی قوله فمن عفی له من اخیه شیء

لہ قال العلامة ابوبکر الجصاص الرازی: دلالۃ الدیۃ ظاہرۃ علی ان الصلح دم العمد

وسقوط القود بعض الدلیل یوجب الدیۃ فی مال العجانی -

(الاحكام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۵۸ بحث تنازع اهل العلم الخ)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۵۵ بیان من تجب علیہ الدیۃ، کتاب الجنایات -

**الجواب :-** زہریلی روٹی کھانے سے موت کا واقع ہونا قتل بالسبب ہے، صورتِ مسئلہ میں جس عورت نے روٹی میں زہر ملا ہے اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے اور عورت پر کفارہ نہیں، اگرچہ عورت مر گئی ہے لیکن اس کے عاقلہ تو موجود ہیں اُن سے دیت وصول کر کے مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین: لوزلق بماء صبه رجل فوقه في البئر فاضمان على الصاب - (رہد المختار ج ۵ ص ۳۲۲ کتاب الجنایات) لہ

**مريض کو دوائی کھلانے سے موت واقع ہوتے پر دیت کا حکم** | سوال :- ایک آدمی نے کسی مریض

کو کوئی ایسی دوائی کھلا دی جس سے اس کی موت واقع ہو گئی، تو کیا دوائی کھلانے والے پر دیت یا ضمان ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر مریض کو دوائی کسی ماہر و تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق کھلانے سے اس کی موت واقع ہو جائے تو کوئی دیت و ضمان نہیں۔ اور اگر دوائی کھلانے والا نہ ڈاکٹر ہے اور نہ ڈاکٹر یا حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق دوائی یا تجویز کردہ نسخہ کو مقدار سے زیادہ کھلا دی جس سے مریض کی موت واقع ہو گئی تو اب کھلانے والا ضامن ہے اس پر دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما ورد في الحديث: قال النبي صلى الله عليه وسلم من تطيب ولا يعلم منه طب فهو ضامن - (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الديات) لہ

لہ قال العلامة الزبيعي: موجب القتل بسبب الدية على العاقلة الا الكفارة - (تبيين المعاني ج ۶ ص ۱۰۲ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فِي الْهُدَايَةِ ج ۴ ص ۵۶ کتاب الجنایات -

لہ قال العلامة خليل احمد السهارنفوسى: قال الخطابي لا اعلم خلافاً ان المعالج اذا تعدى فتلّف المريض ضمن اى الدية - وفيه ايضاً: لا ضمان على جّام ولا اختان ولا متطيب بشرطين احدهما ان يكون اذوى حذق وبصائر في ضاعتهم فان لم يكن كذلك لم يحل له مباشرة القطع - (حاشية بذل المجهود ج ۱ ص ۱۸ کتاب الديات)



**مقتول کی دیت کے مستحقین** | سوال :- ایک سیڈنٹ میں ہلاک ہونے والے کے لیے

گاڑی کے ڈرائیور کی طرف سے بطور تاوان ملنے والی رقم دیت کی بیوہ کو دی جائے گی یا اس کے بھائیوں کو؟ جبکہ بیوہ کسی دوسری جگہ نکاح کرتا چاہتی ہے۔  
الجواب :- ایک سیڈنٹ کی صورت میں ہلاک ہونے والے کی دیت ڈرائیور اور اس کے عاقلہ پر واجب ہے اور یہ دیت میت کے ورثاء میں شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم ہوگی۔ مذکورہ صورت میں میت کی بیوہ بھی اس کی وارث ہے اگرچہ وہ کسی اور سے نکاح کرے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ان القصاص حق لجميع الورثة وكذا الدية - (الهداية ج ۲ ص ۵۷۲ کتاب القصاص فی ما دون النفس) لے

**بیتہ کی حالت میں ماں کے نیچے دب کر بچہ مر جائے تو کفارہ اور دیت کا حکم** | سوال: بچہ

ماں کے پہلو میں سویا ہوا تھا کہ اچانک ماں کے نیچے دب کر مر گیا، اب والدہ کے لیے دیت اور کفارہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- ایسی حالت میں بچے کا مرجانا جاری مجزی خطا کی قسم میں آتا ہے جس میں عاقلہ پر دیت اور قاتل پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔ آجکل عاقلہ سے دیت کی وصولی اسلامی قانون کے اجراء نہ ہونے کی وجہ سے مشکل ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں ماں فراغت ذمہ کے لیے کفارہ ادا کرے گی، نیز بچہ مرتے وقت اگر کسی جائیداد کا مالک ہو تو ماں اس قتل کی وجہ سے بچے کی جائیداد سے محروم ہوگی۔

لما قال الله تبارك وتعالى: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ - (سورة النساء آیت ۹۲)

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: والرابع ما جرى مجراه مجزی الخطاء كنائم انقلب على رجل فقتله لانه معذور كالمخطئ وموجبه الكفارة

لے قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: والورثة في ذلك كلهم

سواء - (البحر الرائق ج ۸ ص ۳۱۰ فصل فی الصلح علی المال)

ومثله في التفسيرات احمدية ص ۱۹۶ -

الدیة علی العاقلة - (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب الجنایات) لہ

سوال: نیند کی حالت میں بچہ  
ماں کے پہلو میں دب کر مر جائے تو  
بچہ کے مرنے پر پیدائش کے وقت تک  
وجوب دیت اور کفارہ پر آپ یہ

دلیل دیتے ہیں کہ کناثر انقلب علی رجل فقتلہ، کیا یہ قتل خطا یا اس کا قائم مقام ہو  
سکتا ہے؟ کیا بیداری اور نیند میں فرق نہیں ہے؟ اگر فرق نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب  
ہے؟ رفع القلم عن ثلث النائح حتی استیقظ۔ آپ کی دلیل کناثر انقلب میں لفظ  
ام موجود نہیں، نیز آیت کریمہ وَلَا تَضَارُوا وَالِدَکُمْ بِوَلَدِہَا اگرچہ رضاعت کے بارے میں ہے  
لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہے، آپ نے استقظ حاصل کی دلیل بھی دی ہے لیکن اس میں  
عورت کا ارادہ ہوتا ہے جبکہ نیند میں ایسا نہیں ہوتا، روزہ کی حالت میں مرد کو احتلام  
ہو جائے تو روزے کا کفارہ یا قضا نہیں اس لیے کہ روزہ دار مجبور ہے۔ ازراہ کرم میے ان  
اشکالات کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: - (۱) رفع القلم عن ثلث کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں پکڑ نہ ہوگی،  
یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا ضمان نہ ہوگا اور نہ قتل خطا میں  
وجوب دیت پر، نماز میں ترک واجب پر سجدہ سہو، مجنون اور بچہ اگر کسی کا مال ضائع کر  
وے تو اس پر وجوب ضمان کا حکم کیونکر لگتا، بچہ اور مجنون اگر کسی کے ساتھ مل کر کسی کو  
قتل کریں تو ان کے عاقلہ پر دیت ہے۔

قال العلامة ابویکرالکاسانی: فتجب الدیة ثم ما یجب علی الصبی والمجنون  
والخاطی تتحملہ العاقلة - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۳۶ کتاب الجنایات)

لہ قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: النائم ینقلب علی انسان فیقتلہ فہذا القتل  
فی معنی القتل الخطاء من کل وجه لوجودہ لآ عن قصد لآ نہ ما ینقلہ فتوتب علیہ احکامہ  
من وجوب الکفارة والدیة وحرمان المیراث۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۴۱ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُہَا فی الہدایة ج ۴ ص ۵۶۱ کتاب الجنایات۔

(۲) فقہاء نے جو مثال دی ہے کنائم انقلاب علی رجل یہ عام قاعدہ ہے اس میں ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ سب داخل ہیں، اس سے مراد شخص کلی ہے ماں باپ وغیرہ اس کے افراد ہیں، اس سے ماں کو متثنیٰ کر کے اوروں کو داخل کرنا غلط ہے۔

(۳) ماں پر وجوب دیت اور کفارہ اس کو ضرر دینا نہیں جیسا کہ آپ سمجھے ہیں، اس طرح تو باپ کے باپ کے بارے میں بھی حکم ہے کہ بچے کی وجہ سے اس کو تکلیف نہ دو۔ وکاموودلہ بولدہ لیکن باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو اس پر دیت واجب ہے، نیز دیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت اگر بچے کو دودھ دینے سے بالکل معذور ہو تو خاوند اس کو ضرر نہ دے، یہاں عورت بالکل مجبور ہے لیکن نیند میں اگر ماں کے نیچے بچہ دب کر مر جائے تو اس میں اس کی بے احتیاطی کا دخل ضرور ہے، اس لیے علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فان النائم ليس من اهل القصد اصلاً وانما وجبت الكفارة لترك التحرز عن نومه موضع يتوهم تاتلاً والكفارة في قتل الخطاء انما يجب لترك التحرز۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۲ فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبہ)۔

(۴) چونکہ اسقاطِ حمل نہ قتلِ عمد ہے نہ شبہِ عمد اور نہ فعلِ سببی ہے لعدم التوریتِ اسقاطِ حمل کے لیے دوائی کھانا اور ماں کا بچے کے ساتھ سوتا اختیار ہی ہے لیکن قتل دونوں صورتوں میں غیر اختیاری ہے۔

روپے کی شکل میں دیت کی مقدار | سوال :- قتلِ خطا کی دیت آجکل رائج کرنسی کے حساب سے کتنے روپے بنتی ہے؟

الجواب :- قتلِ خطا کی دیت سواونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے۔  
کافی الہندیۃ : ومن العين الف دينار ومن الورق عشرة الاف درهم۔  
الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۵۸۵ کتاب الدیات)۔

ایک درہم تقریباً ساڑھے تین ماشے چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ (اوزان شرعیہ از مفتی محمد شفیع) <sup>۱۵</sup>

لے قال العلامة الزبلی: کنائم انقلاب علی رجل بیان لما جرى مجرى الخطاء لان هذا ليس بخطأ حقيقة لعدم قصد النائم الى شيء حتى يصير خطأ مقصود ولما وجد فعله حقيقة وجب عليه ما تلفه كفعل الطفل۔ (تبيين الحقائق ج ۵ ص ۱۱۱ کتاب الجنایات)



اس حساب سے چاندی کی مقدار ۳۶ سیرے چھٹانک ایک تولہ ۸ ماشے بنتی ہے اس مقدار چاندی کی مارکیٹ ریٹ میں جو قیمت بنتی ہے وہ قتلِ خطا کی دیت ہوگی۔ لے

**دوش (کاندھے) کی ہڈی توڑنے پر حکومت عدل کا حکم** | سوال: ایک شخص کو تین آدمیوں نے

خوب مارا جس کی وجہ سے اس کی دوش (کاندھے) کی ہڈی ٹوٹ گئی، مضروب نے ان آدمیوں پر دعویٰ کیا کہ مجھے ضمان دیا جائے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:**۔ صورتِ مسئلہ میں جس مضروب کے کاندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اس کے لیے تینوں ضاربین (مارنے والے) ضامن ہیں، مساوات کی رعایت ممکن نہ ہونے کی وجہ سے اس میں حکومتِ عدل ہے یعنی مضروب جب علاجِ معالجہ کرانے کے بعد اچھا ہو جائے تو اس کے علاجِ معالجہ (یعنی ڈاکٹر کی فیس، ادویات وغیرہ) کا جتنا خرچہ بنتا ہو وہ ان تینوں ضاربین سے مضروب کو دلایا جائے گا۔

قال العلامة ابو بکر البکاسانی: فنقول فی کسر العظام کلھا حکومت عدل الا للسن۔ (بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۸۸ فصل یجب فیہ اُدش غیر مقدس) ۲۷

**صلح کے بعد اگر زخمی مر جائے تو دیت کا حکم** | سوال:۔ دو فریقین میں لڑائی کے بعد صلح ہو گئی، مضروب دربار

کہا کہ چونکہ مضروب اس لڑائی میں زخمی ہوا تھا لہذا اس کی موت اسی زخم کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور واقعی وہ اسی زخم کی وجہ سے فوت ہوا ہے، اب سوال یہ ہے کہ زخمی کرنے والے

لصقال العلامة ابو بکر البکاسانی الرازی: فمن الدائم عشرة آلاف درهم ومن الذانی الف دینار۔ (الاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۳۷)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۷ ص ۲۵۴ فصل فی وجوب الدیة والکلام فیہا۔

۲۷ قال العلامة ابن نجیم: ولا قصاص فی عظم لقوله علیه الصلوة والسلام لا قصاص فی العظم قال عمرو بن مسعود لا قصاص فی عظم الا فی السن۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۳۶۸ باب القصاص فی ما دون النفس)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمُخْتَارِ ج ۵ ص ۳۵۴ باب القود فی ما دون النفس۔

شرعاً دیت ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر یہ صلح اور معافی صرف جنایت اور زخم کی ہے اور زخمی اسی جنایت سے پیدا ہونے والے اثرات سے خاموش رہے اور اس زخم کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے تو زخمی کرنے والے اور جانی پر دیت لازم ہے اور اگر صلح زخم اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات کے بارے میں ہو تو اس کے (صلح کے) بعد اگر زخمی مر جائے تو زخم لگانے والے پر کوئی دیت نہیں۔

لما قال الامام المرغینانی: ومن قطع يدا رجل فعفا المقطوعة يد عن القطع ثم مات من ذلك فعلى القاطع الدية في له وان عفا عن القطع وما يحدث منه ثم مات من ذلك فهو عفو عن النفس (الهداية ج ۲ ص ۵۴۶ کتاب الجنایات) لہ

**رشتہ ولادت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے** | **سوال :-** نیند کی حالت میں ماں سے اگر بچہ ہلاک ہو

جائے تو عند البعض ماں پر کفارہ نہیں اس لیے کہ الدر المختار میں ہے: واقتل الموجب للقتل او لكفارة وان سقطا بحدمة الابوة على مامر (ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب الفرائض) یعنی ایسا قتل جو موجب کفارہ یا قصاص ہو تو رشتہ ولادت سے دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔ بہرانی فرما کر الدر المختار کی اس عبارت کی وضاحت فرمائی جائے؟

**الجواب :-** ماں سے اگر نیند کی حالت میں بچہ ہلاک ہو جائے تو موجب کفارہ و دیت ہے کیونکہ یہ قتلِ خطا ہے۔

لما قال العلامة الحسکفی: والرابع ما جرى مجراه مجرى الخطاء كنائم القلب على رجل فقتله لانه معذور كما لم يخطئ وموجب اى موجب هذا النوع من الفعل وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۲ کتاب الجنایات)

لما قال العلامة التمرناشی: ومن قطع فعفا عن قطعه فمات منه ضمن قاطعه الدية ولو عفا عن الجنایة او عن القطع وما يحدث منه فهو عفو عن النفس (تنوير الا بصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۱ فصل في القاعلين)

ومثله في تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۱۸ فصل ومن قطع يدا رجل -



اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دیت اور کفارہ دونوں کا وجوب ہے۔

الدر المختار کی مذکورہ بالا جس عبارت سے عدم قصاص اور کفارہ معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ ولادت سے صرف قصاص ساقط ہوتا ہے کفارہ ساقط نہیں ہوتا، اس لیے کہ علی مامر سے مراد کتاب الجنایات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب الجنایات سے صرف سقوط قصاص معلوم ہوتا ہے اور دیت اور کفارہ کا وجوب، کتاب الفرائض کی عبارت سہو کاتب ہے، وجوب کفارہ کی تائید ”در مختار“ کی مندرجہ ذیل عبارت بھی ہوتی ہے۔

قال العلامة المحقق رحمه الله شربت دواء تسقط له عمداً فان كان الولد حياً فمات فعليه الدية والكفارة (رد المختار ج ۳ ص ۳۴۹ فصل في الجنين کتاب الجنایات) حالانکہ یہ نہ قتل عمد ہے اور نہ شبہ عمد۔

قتل خطا اور شبہ عمد کے حکم میں فرق نہیں ہے بلکہ

سوال :- ایک بچے کو ٹرک  
چشم کی کسی ہڈی کو توڑنے پر حکومت عدل ہوگی  
پر جیب نے کمر مار ہی جس سے

اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی اور بدن پر زخم بھی آئے، پچھ ہسپتال میں زیر علاج ہے، تو  
کیا ڈرائیور پر تاوان ہے یا نہیں؟

الجواب :- جس جنایت میں قصاص نہ ہو اور مقرر دیت بھی نہ ہو تو وہاں پر  
حکومت عدل ہوتی ہے یعنی حاکم، قاضی یا تجربہ کار ڈاکٹر متاثرہ حصہ کے ٹھیک ہونے کے  
بعد علاج معالجہ پر ہونے والے اخراجات کا حساب لگا کر زخمی کرنے والے سے وصول  
کر کے زخمی کو دلوائے جائیں گے۔ بدن کے کسی بھی حصے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی صورت  
میں حکومت عدل ہوتی ہے لہذا مذکورہ صورت میں بھی پاؤں کی ہڈی ٹوٹنے میں حکومت عدل  
ہوگی۔

لما قال العلامة ابوبکر الكاساني رحمه الله: فنقول في كسر العظام كلها

له لما قال العلامة الكاساني: النائم فيقلب على انسان فيقتله فهو القتل في معنى قتل الخطأ  
من كل وجه لوجوده لا من قصد لانه مات بشقله فترتب عليه احكامه من وجوب الكفارة  
والدية وحرمان الميراث والوصية - (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۱ مطلب في

معنى القتل الخطأ)

ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۶ کتاب الجنایات -



حکومتہ عدل اللسن - (بدائع الصنائع ج ۸ ص ۳۲۳ فصل یجب فیہ ارض غیر مقدسہ لہ

والدین کی عدم حفاظت کی وجہ سے بچہ مر جائے تو موجب ضمان نہیں

سوال :- ماں نے بچے کو چھو لہکے پاس بھٹا رکھا تھا کہ بچہ اچانک پوہے کی آگ کے ساتھ جل کر مر گیا، تو کیا بچے کی

والدہ پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب :- والدین اگر بچے کی حفاظت سے غافل ہو گئے ہوں یا سرے سے حفاظت ہی نہیں کی ہو جس کی وجہ سے بچہ آگ میں جل کر مر گیا یا کسی اور طریقے سے اس کی موت واقع ہو گئی تو والدین پر یا ان میں سے کسی ایک پر کوئی ضمان نہیں، ہاں ان دونوں کو اللہ سے توبہ استغفار کرنا چاہیے۔

کافی الہندیہ : وعن ابی القاسم فی الوالدین اذا المریتعاہد القصبی حتی سقط من سطح ومات او احترق بالنار لا شیء علیہما الا التوبۃ والاستغفار واختیار الفقیہ ابی اللیث علی انه لا کفارة علیہما ولا علی احدہما۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۳۳۶ باب الامر بالجنایۃ ومسائل الصبیان) ۲

سوال :- ایک بچہ چارپائی کسی کے ہاتھ سے اچانک کوئی چیز گرنے سے کوئی ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان ہے

اس کے قریب ہی دیوار کے طاق میں گرم دودھ یا پانی رکھا تھا، جب وہ اس کو اٹھانے لگی تو وہ گرم دودھ یا پانی

لہ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : ولا قصاص فی عظم لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لا قصاص فی عظم وقال عمرو بن مسعود لا قصاص فی عظم الا فی السن - (البحر الرائق ج ۸ ص ۳۰۶ باب القصاص فی ما دون النفس)

و مثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۵۲ باب القود فی ما دون النفس۔

لہ قال اکامام قاضی خان رحمہ اللہ : وقال بعضهم یس علی الوالدین شیء الا الاستغفار وهو الصحیح - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ

ج ۳ ص ۲۲۴ فصل فی اثلاث الجنین)

بچے کے اوپر گرا جس کی وجہ سے بچے کی موت واقع ہو گئی، تو کیا بچے کی ماں پر دیت اور ضمان ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** والدین سے اس طرح اگر کوئی بچہ ہلاک ہو جائے تو یہ قتل بالسبب کے حکم میں ہے، اس قتل سے قاتل کے عاقل پر دیت ہے اور خود اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ بچہ اس کی غلطی سے ہلاک ہوا سیلئے کہ قاتل کے ہاتھ سے گری ہوئی چیز بچے کی ہلاکت کا سبب ہے۔

قال العلامة البو بکر الكاساني رحمه الله: وكذا لك اذا كان يمشي في الطريق حاملاً سيفاً او حجراً او لبنة او خشبة فسقط من يده فقتله، لوجود معنى الخطاء فيه وحصوله على سبيل المباشرة لوصول الآلة بشرة المقتول۔

ردائع الصنائع ج ۷ ص ۲۷ مطلب قتل الذي في معنى القتل الخطاء (۱)

**سوال :-** ایک آدمی سرکاری ملازم تھا، کام کی زیادتی کی وجہ سے دماغ عارضہ میں مبتلا ہو گیا جبکہ ڈاکٹر نے بھی

**سرکاری ملازم کو دوران ڈیوٹی کوئی نقصان پہنچے تو حکومت پر کوئی ضمان نہیں**

اس کی تصدیق کر دی ہے جس پر اسے قبل از وقت نوکری سے نکال دیا گیا، کیا حکومت پر اس ملازم کی وجہ سے کوئی ضمان ہے یا نہیں ؟

**الجواب :-** اس آدمی نے بخوشی یہ ملازمت اختیار کی تھی، اسے معلوم تھا کہ کم از زیادہ ہے یا کم، اب اگر زیادہ کام کرنے کی وجہ سے اس کو کوئی دماغی نقصان پہنچا، تو یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے، اب اس آدمی کا دماغی عارضہ میں مبتلا ہوجانے سے حکومت نہ مباشر ہے نہ سبب ہے، اس لیے حکومت پر کسی قسم کا ضمان نہیں۔ حکومت کا

قال العلامة الزيلعي: ومن حمل شيئاً في الطريق فسقط على انسان ضمن سواد تلف بالوقوع بالعترة به بعد الوقوع لان حمل المتاع في الطريق على رأسه او على ظهره مباح له لكنه مقيد بشرط السلامة بمنزلة الرمي الى الهدف او الصيد۔

(تبيين الحقائق ج ۶ ص ۱۶۶ باب ما يحدث الرجل في الطريق)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۳۵۱ باب ما يحدث الرجل في الطريق۔

یہ قانون بھی ہے کہ وہ سرکاری ملازم جس کا ریٹائرمنٹ سے قبل میڈیکل بورڈ ہو جائے تو حکومت اس کو یکمشت کچھ رقم ادا کر دیتی ہے یہ حکومت کی اچھی پالیسی ہے۔

فقہاء نے یہاں ایک مثال دی ہے کہ دو آدمی رسہ کشی کر رہے ہوں اور رسی ٹوٹنے کی وجہ سے دونوں پیچھے کی جانب گر کر ہلاک ہو جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے ضامن نہیں کیونکہ دونوں کی ہلاکت ان کے اپنے فعل (رزور) سے واقع ہوئی ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر الكاساني: فلما سقط على قفاه علم انه سقط بفعل نفسه وهو مده فقدمت كل واحد منهما من فعل نفسه فلا ضمان على واحد۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۴۳ مطلب في المعنى القتل الخطأ لہ

**قتل کی نیت سے تلوار اٹھانے والے کے قتل کا حکم** | سوال: اگر ایک شخص اپنی جماعت میں سے کسی ایک

فرد یا تمام جماعت والوں کو قتل کرنے کے لیے تلوار سونت لے تو کیا اس تلوار سونتنے والے کو وہ شخص یا جماعت اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کر سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مشاہیر کا خون مباح ہے اس کو قتل کر دینے سے کوئی ضمان لازم نہیں آتا۔

وفي الھندیة: ومن شہر علی المسلمین سیفاً وجب قتله ولا شیء بقتله وكذلك اذا

شہر علی رجل سلاحاً فقتله أو قتل غیرہ دفعاً عنه فلا یجب بقتله شیء الخ

(الفتاویٰ الھندیة ج ۶ ص ۱۰۱ الباب الثانی فیمن یقتل قصاصاً ومن لا یقتل) لہ

لہ قال العلامة الزلیعی رحمہ اللہ: فان وقع علی القفلا لا تجب لھما دية

لان كل واحد منهما مات بقوة نفسه (بتبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۵۱) باب

جناية البھیمة)

وَمِثْلُهُ فِي الھندیة ج ۶ ص ۸۸ کتاب الجنایات

لہ قال العلامة الحصکفی: (ویجب قتل من شہر سیفاً علی المسلمین) یعنی

فی الحال مکاتب علیہ ابن الکمال الخ۔ (الدرا المختار علی ہامش رد المختار ج ۵ ص ۳۹)

فصل فیما یوجب القود وما لا یوجبہ)

وَمِثْلُهُ فِي الھدایة ج ۴ ص ۵۶۷ باب ما یوجب القصاص وما لا یوجب۔



**کسی کی ٹانگ کی دیت** | سوال :- سڑک پر ایک بچہ جا رہا تھا کہ اچانک زید نے گاڑی سے اُسے مکر مار دی جس کی وجہ سے بچے کی ٹانگ ٹوٹ گئی، تو کیا زید پر کچھ ضمان ہے یا نہیں؟

**الجواب:** گاڑی کے ایکسڈنٹ میں دیت واجب ہوتی ہے اور جب ایک ٹانگ ٹوٹ جائے تو ادھی دیت واجب ہوتی ہے تاہم یہ دیت حالاً نہیں دی جائے گی بلکہ ایک سال تک انتظار کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ دیت عاقلہ سے وصول کی جائے گی جو مسلمان حاکم اور قاضی کے بغیر کوئی اور ادا نہیں کر سکتا، موجودہ وقت میں عاقلہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے آپس میں صلح کر لینا بہتر ہے۔

وفي الهندية : وان كان صاحب الدابة من اكبأ على الدابة والدابة تسيران وطئت بيدها أو بوجلها يضمن وعلى عاقلته الدية وتلزمه الكفارة ويحرم عن الميراث۔  
وقال في الهندية (ج ۶ الباب السابع في اعتبار حاله القتل) وفي الرجلين كمال الدية في الخطاء وفي احدها نصف الدية كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۶ الباب الثاني عشر في جنایة البهائم والجنایة علیها) له

**دیت کی شرعی مقدار** | سوال :- جناب مفتی صاحب! شریعت مقدسہ میں قتل کی دیت کتنی مقرر فرمائی گئی ہے؟

**الجواب:** شریعت مقدسہ میں قتل کی دیت کی مقدار اونٹوں کے اعتبار سے سواونٹ ہے اور سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار ہے اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار درہم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: والدية في الخطاء مائة من الابل اخصاساً عشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون ابن مخاض

له قال الشيخ علاء الدين الحصكفي: (ضمن الراكب في طريق العامة) وطئت دابة وما اصابته بيدها أو بوجلها أو رأسها۔ والرجلان ففيهما الدية وفي أحدهما نصفها۔

(تنوير الألبصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۸۲ کتاب الجنایات)

ومثله في كتر الدقائق ص ۲۶۵۔ وفيها أيضاً ص ۴۵۹ کتاب الجنایات۔

وعشرون حقة وعشرون جذعة وقال ومن العين الف دينار ومن الورق عشرة الاف درهم۔ (الهداية ج ۲ ص ۵۸۲ کتاب الجنایات) لہ

**قتل موجب کفر نہیں** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی بے گناہ کو قتل کرنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر قتل کو حرام سمجھتے ہوئے کرے تو قاتل کافر نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمداً ہو اور ایسے قاتل کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، تاہم قتل کو حلال سمجھتے ہوئے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

قال العلامة بدرالدين العيني: وعندنا ان المؤمن اذا قتل مؤمناً ليكفر بفعله ولا يخرج به من الايمان الا ان يقتله استحللاً (عمدة القاري جلد ۱ ص ۱۸۳) ۲

لہ قال الامام علاؤالدين ابى بكر بن مسعود لکاسا فی رحمہ اللہ: فان کان (لمقتول) ذكراً خلاف في ان الواجب بقتله من الابل مائة۔ لقوله عليه الصلوة والسلام في النفس المؤمنة مائة من الابل ولا خلاف ايضاً في ان الواجب من الذهب الف دينار لما روى انه عليه الصلوة والسلام جعل دية كل ذى عهد في عهد الف دينار (وقال بعدة) واما الواجب من الفضة فقد اختلف فيه قال اصحابنا رحمهم الله تعالى عشرة الاف درهم ووزن سبعة۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۲ ص ۲۵۲) کتاب الجنایات

وَمِثْلُهُ فِي تَبْيِيحِ الْحَقَائِقِ ج ۲ ص ۱۲۶ کتاب الديات -

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: واعلم ان قتل النفس بغير حق من اكبر الكبائر بعد الكفر بالله تعالى وتقبل التوبة منه فان قتل مسلماً ثم مات قبل التوبة منه لا يتعم دخوله النار بل هو في مشيئة الله تعالى كسائر اصحاب الكبائر فان دخلها لم يخلد فيها الخ أما الآية فهوولة بقتله لايمانہ أو بالاستحلال أو بان يراد بالخلو الملك الطويل۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۲ کتاب الجنایات) وَمِثْلُهُ فِي التفسيرات الاحمدية ص ۵ سورة البقرة -

کسی کو زخمی کرنے پر قصاص کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر دے اور زخم سے خون نکل آئے تو

اس کے قصاص کی کیا صورت ہوگی ؟

الجواب :- اگر زخم ایسا ہو کہ جس میں مماثلت ہو سکے تو اس میں قصاص واجب ہے۔

قال العلامة المرغینانی: وفي كل شجة تتحقق فيها المماثلة القصاص انتهى  
وفي العناية لقوله تعالى وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ - الهداية ج ۲ ص ۲۶۹ باب القصاص  
فيما دون النفس ۱۰

دانت توڑنے کا قصاص | سوال :- اگر کوئی شخص ضرب لگا کر کسی کا دانت توڑ دے تو ضارب سے قصاص اور دیت کا معاملہ کیسے

طے کیا جائے گا؟

الجواب :- صورت مسئلہ میں اس ضارب پر قصاص واجب ہے البتہ مصالحت کے طور پر رقم کالین دین بھی جائز ہے خواہ ہر دانت کے بدلے میں پانچ سو درہم دیا جائے یا کم و بیش دیا جائے۔

لما في الهندية: وفي السن القصاص وان كان سن من يقتص منه اكبر من سن الاخر ولا قصاص في عظم الا السن كذا في الهداية - ايضاً: وان شأ ضمنه أورش ستة خمسمائة - (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۱۲۰) الباب الرابع في القصاص  
فيما دون النفس ۱۰

۱۰ قال ابو البركات عبد الله بن احمد النسفي: وريقتص كل شجة يتحقق فيها المماثلة -  
(كنز الدقائق ص ۳۹۳ باب القصاص)

وَمِثْلُهُ فِي مَخْتَصِرِ الْقَدَوْرِيِّ ص ۱۰۰ كِتَابُ الْجَنَائِبِ -

۱۰ قال العلامة ابن نجيم المصري: وقال عمر وابن مسعود لا قصاص في عظم الا في السن - البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۶ وفيه ايضاً ص ۳۰۵ - وفي السراجية في السن الرجل خمسمائة وفي السن المرأت نصف ذلك -

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ لِلْمَخْتَارِ عَلِيِّ هَامِشِ رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۵ ص ۳۵۴، ۳۵۳ باب القود فيما دون النفس -



**متسبب اور مباشر پر دیت** | سوال :- (۱) ایک شخص وینش کا ڈرائیور ہے اور وینش وہ مشین ہے جس کے ذریعے کنوئیں سے پتھر وغیرہ نکالے جاتے ہیں،

عام معمول کے مطابق جس کنوئیں میں کام شروع تھا اس پر تین آدمی کام کر رہے تھے کہ وینش کی رسی ٹوٹ گئی اور اس کا ڈول ان تینوں آدمیوں پر گر پڑا جس سے دو آدمی زخمی اور ایک ہلاک ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس ڈرائیور کے ذمہ شرعی حکم کیا ہے ؟

(۲) دوسرا مسئلہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس ہلاک ہونے والے شخص کا صرف ایک رشتہ دار موقع پر موجود تھا جبکہ اصل ورثاء پاکستان میں تھے اور یہ واقعہ سعودی عرب میں پیش آیا تھا اور ہلاک ہونے والے شخص کے اس دور کے رشتہ دار کے پاس اسناد موجود نہیں تھے اس لیے اس کو پاکستان میں تصور کر کے اسناد (کاغذات) پاکستان میں بنا کر بھیجے گئے۔ تو ہلاک ہونے والے شخص کے اس رشتہ دار اور ایک شریک شخص نے جس کے ساتھ سعودی عرب کے اسناد موجود تھے ان دونوں نے سعودی عدالت میں اس ڈرائیور کو معاف کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہلاک ہونے والے کے اس رشتہ دار اور شریک کا ڈرائیور کو معاف کر دینے کے بعد اس کے اصل ورثاء یعنی والد اور بھائیوں کو دعویٰ کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور ڈرائیور کو ان دونوں کی طرف سے معاف کر دینے سے اصل ورثاء کا شرعی دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہلاک ہونے والا شخص اس کام کا ٹھیکیدار اور وینش کا مالک بھی خود تھا اور یہ اندوہناک واقعہ وینش کی رسی کمزور ہونے کی وجہ سے پیش آیا جبکہ وینش کا مالک رسی کی اس کمزوری سے آگاہ بھی تھا اور اس نے اس کمزوری کو دور نہ کیا۔

**الجواب :-** (۱) صورتِ مسئلہ میں یہ قتل (ہلاکت) اقسامِ قتل میں سے ایک قسم جارحی خطا میں داخل ہے شرعاً اس قسم کے قتل میں دیت لازم ہوتی ہے جو قاتل ادا کرے گا۔ چونکہ بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول نے خود کمزور رسی ڈرائیور کو جہیا کی تھی اور بار بار اس کمزوری سے مطلع کرنے کے باوجود دیت و لعل سے کام لیتا رہا اور اس کمزور رسی کو تبدیل نہ کیا کہ اچانک یہ حادثہ پیش آگیا۔ تو گویا مقتول خود ہی ایک گونہ اس حادثے کا ذمہ دار ہے اس لیے دیت دونوں (قاتل و مقتول) کے مابین مشترک ہوگا اور مقتول چونکہ قوت ہو چکا ہے لہذا اس کا حصہ دیت ساقط ہوا، باقی قاتل (ڈرائیور) کے

کے ذمے مقتول کے ورثاء کو نصف دیت یعنی پانچ ہزار درہم چاندی کے یا پانچ سو دینار ہونے کے یا اس کی مروجہ قیمت ادا کرنا لازم ہے، مروجہ کرنسی کا حساب کسی ماہر شمار سے لگوایا جائے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: يضمن المتسبب مع المباشر اذا كان للسبب تاثير يعمل بالقرادة في الاطلاق متى انفرد عن المباشر اي اذا تعادلت قوة السبب والمباشر او اعتدل السبب والمباشر بان تساوى اثرهما في الفعل كان المتسبب والمباشر مسؤولين معاً عن القتل كان اجتمع على قيادة دابة سائق وراكب عليها فما احدثته من تلف كان الضمان عليهما لان سوق الدابة وحدة يؤدي الى التلف وان لم يكن هناك شخص راكب عليها وكذلك اذا نكس رجل الدابة بأمر راكبها يكون الضمان على الاثنين إلا ان الناحس بمنزلة السائق - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۲۸)

ثالثاً تضمين المتسبب والمباشر معاً -

(۲۲) کسی قاتل کو دیت وغیرہ معاف کرنا شرعاً مقتول کے ان ورثاء کا حق ہے جو اس کی میراث میں حصہ شرعی کے حقدار ہوں کوئی دوسرا شخص ان کے اس حق میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا۔ صورتِ مسؤلہ کے مطابق ڈرائیور کو معاف کرنے والے دونوں حضرات چونکہ مقتول کے حقیقی وارث نہیں تھے ایک تو مقتول کا دُور کا رشتہ دار تھا اور دوسرے کے ساتھ اس کا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا جبکہ مقتول کے اصل وارث یعنی اس کا باپ زندہ تھا ایسے ان ہر دو حضرات کی معافی بلا اذنِ باپ صحیح نہیں اور نہ اس سے ڈرائیور کے ذمے سے دیت ساقط ہوتی ہے لہذا قاتل اپنا حصہ دیت مقتول کے باپ یا اسکے دیگر شرعی ورثاء کو ادا کرے گا تاہم اگر وہ دیت معاف کریں تو پھر اس صورت میں ڈرائیور کے ذمے سے دیت ساقط ہوگی۔

لما قال العلامة المحقق: ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا اذنه ولا ولايته إلا في مسائل الخ - (الدرا المختار علی ہامش ردالمختار جلد ۵ ص ۱۲ کتاب الغصب)

وقال العلامة وهبة الزحيلي: ومن لا حق له في العفو هو الاجنبى غير الوارث عند الجمهور وغير صاب عند المالكية وكذا الاب والجد في قصاب للصغير عند المالكية والحنفية لان الصغير هو صاحب الحق ولا يبيح وحيده ولاية الاستيفاء فقط - (الفقه الاسلامي وادلته جلد ۶ ص ۲۸۸ شروط العفو)



**اُجرتی قاتل سے قصاص لینے کا حکم | سوال :-** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت پاکستان کے قانون

کے متعلق کہ جس شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی شخص کو پیسوں کے ذریعے یعنی اجرتی قاتل سے قتل کرایا ہے تو اس کی سزا بھی قاتل کے برابر ہے یعنی اس کو بھی قصاصاً قتل کیا جاوے گا۔ شریعت مقدسہ میں اجرت پر کسی کو قتل کروانے والے کیلئے کیا حکم ہے؟  
**الجواب :-** صورتِ مسئلہ میں ضابطہ کے مطابق قصاص اجیر پر آتا ہے مستاجر پر نہیں آتا، البتہ مستاجر کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولو قال اقتل ابی فقتلہ کان علی القاتل دية لا یتہ۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۲۱ کتاب الجنایات۔ فصل فیمن یقتل قصاصاً وفیمت لا یقتل) لہ

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! مقتول کے ورثاء کے ذریعے قصاص کے اجراء کی شرعی حیثیت

امارت اسلامی افغانستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے جب قصاص لیا جاتا ہے تو بعض اوقات قاضی مقتول کے وارث کو اسلحہ دے کر اپنی موجودگی میں قصاص کا اجراء کرتا ہے، کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** حدود و قصاص کا اجراء حاکم وقت کی ذمہ داری ہے، البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ حدود کا اجراء صرف حاکم وقت بلا واسطہ کرے گا۔ بخلاف قصاص کے کہ حاکم کی موجودگی میں اس کی اجازت پر مقتول کے وارث سے بھی اس کا اجراء کرایا

لہ وفي الہندیۃ: وفي جنایات المنتقی قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی رجل قتل رجلاً فطر حہ قدام سبع فقتلہ السبع لم یکن علی الذی فعل ذلک قوداً ولا دية لکنہ یعزیر و یضرب ویجس حتی یموت الخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۱۲۱ کتاب الجنایات۔ الفصل الثانی فیمن یقتل قصاصاً وفیمت لا یقتل)

وَمِثْلُهُ فِي دَرِّ الْحُكَّامِ شَرْحَ مَجْلَةِ الْاِحْكَامِ ج ۹ ص ۹۱ المادة ۹۰، ۸۹۔



جاسکتا ہے، اور اگر اس طرح قصاص کا اجراء کرنے سے بعد میں فریقین میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو اس کا اجراء بھی قاضی خود کرائے تاکہ کوئی فتنہ سر نہ اٹھاسکے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: استيفاء الحدود يكون بواسطة الامام الحاكم  
واما القصاص فيجوز لولي الدم استيفاؤه بشرط وجود الامام۔

والفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۳ الفرق بين القصاص والحدود الاخرى

قصاص کے اجراء سے گناہ کے ختم ہونے کا حکم | سوال :- اگر کسی قاتل سے شریعت کے مطابق قصاص لیا جائے تو کیا اس سے

قاتل کا یہ گناہ معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ یا توبہ و استغفار کرتا بھی لازمی ہے کہ بدون اس کے معاف نہ ہوگا؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب سے مستفید فرمائیں۔

الجواب :- کسی شخص کو قتل کرنے سے دو قسم کے حق قاتل کے ذمے ہوتے ہیں ایک

حق العبد یعنی مقتول کے ورثاء کا حق جو کہ قصاص لینے سے پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا حق۔ تو حقیقہ کثر اللہ سواد ہم کی اس بارے میں رائے یہ ہے کہ قصاص لینے یا مقتول کے ورثاء کے معاف کر دینے سے اگرچہ حق العبد ادا ہوا لیکن اللہ کے حق کی ادائیگی کا کفارہ نہ ہو سکا بلکہ اس کے لیے توبہ و استغفار ضروری ہے، اس لیے کہ حقیقہ کے نزدیک حدود زواجر ہیں جو ابر نہیں، البتہ جمہور علماء کے نزدیک حدود چونکہ جو ابر (کفارات) ہیں اسی لئے ان کے ہاں قصاص اور عفو سے بھی یہ گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: اختلف العلماء في امره كما اختلفوا في الحدود

هل هي زواجر ام جوارب؟ قال الجمهور القصاص من القاتل او العفو عنه يكفر

ثم القتل لان الحدود كفارات لاهلها وهذا عام لم يختص قتل من غيره۔

قال النووي: ظواهر الشرع تقتضي سقوط المطالبة بالعقوبة في الآخرة۔

قال المحنفيّة: القصاص او العفو لا يكفر اثم القتل لان المقتول المظلوم لا منفعة

له في القصاص وانما القصاص منفعة للاحياء ليتناهي الناس عن القتل

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ (الآية) (الفقه الاسلامي وادلته، ج ۶ ص ۲۶۳ هل القصاص يكفر اثم القتل؟)

قاضی کا اپنے علم پر قصاص کے اجراء کا حکم دینا | سوال :- ہمارے علاقے میں ایک شخص بڑا ظالم اور بد معاش ہے، لوگوں کے

عزت و آبرو اور جان و مال کو ہر وقت اس سے خطرہ رہتا ہے، اور اس نے علی الاعلان کئی قتل بھی کیے ہیں جس کا بیج (قاضی) صاحب کو بھی خوب علم ہے جبکہ لوگ اس کے ڈر اور خوف کے مارے اس کے خلاف عدالت میں گواہی دینے کو بھی تیار نہیں۔ تو کیا بیج اپنی معلومات کے حوالے سے اس کو قصاصاً قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** حنفیہ کے ہاں اس مسئلہ میں دو قسم کی آراء ہیں۔ (۱) متقدمین احناف کے نزدیک قاضی یا بیج اپنے علم کے مطابق قصاص لے سکتا ہے (۲) جبکہ متاخرین احناف عدم اجازت کے قائل ہیں کہ قاضی اپنی معلومات کے مطابق قصاص جاری نہیں کر سکتا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی: يجوز القضاء بعلمه في القصاص دون الحدود۔  
قال ابن عابدین، تحتہ مبنی علی ان القاضی یقضی بعلمه فی غیر الحدود والفتویٰ  
الیوم علی عدم جواز القضاء بعلمه مطلقاً۔ (رد المحتار والدر المختار ج ۶ کتاب الجنایات ص ۵۲۹)  
**حالت نشہ میں قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا حکم** | سوال :- اگر کوئی آدمی نشہ

فرق نہ کر سکتا ہو اور نہ ہی اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کی تمیز رہتی ہو، اب اگر وہ اسی حالت میں غیر اختیاری طور پر کسی کو قتل کر دیتا ہے تو کیا شرعاً اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

**الجواب:-** قاتل سے قصاص لینا مقتول کے ورثاء کا شرعی حق ہے اور وہ بالاتفاق مذاہب اربعہ سکران (نشہ والے) سے ساقط نہیں ہوتا، ایسے صورتِ مسئلہ کے مطابق قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ قرآن و سنت کے حکم کا مخاطب ہونے کیلئے نشہ مانع شرعی نہیں۔  
لما قال العلامة وهبة الزحیلی: القصاص من السکران ویقتص من السکران

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: يجوز للقاضي القضاء بعلمه الشخصي في القصاص دون الحدود وهذا عند متقدمي الحنفية وافتى المتأخرون بعدم القضاء بالعلم مطلقاً سد الذريعة اما قضاء السوء سواء في القصاص والحدود دام في الاموال وغيرها۔ (الفقه الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۲۶۴) الفرق بین القصاص والحدود الاخری

بشراب محرم باتفاق مذاہب الاربعة لان السكر لا ينافي الخطاب الشرعي  
اي التكليف فتلزمه كل احكام الشرع وتصح عبارته كلها في العقود كالبيع - الخ  
الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۵ شروط القاتل له

**مقدار دیت سے کم مال صلح کرنا** | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہم چند ساتھی مل کر

قتل کے سلسلے میں دو گروپوں کی آپس کی دشمنی کو ختم کرنے  
کی کوشش کر رہے ہیں اور فریقین بھی صلح پر آمادہ ہیں، اب اگر ہم مقدار دیت سے کم مال پر  
فیصلہ کریں اور مقتول کے ورثاء اس پر راضی ہو جائیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

**الجواب :-** قتل عمد سے صلح کرنے کی صورت میں دیت کی مقدار کی پابندی ضروری  
نہیں ہے بلکہ جتنی مقدار مال پر فریقین راضی ہو جائیں اور صلح کر لیں تو قاتل پر مقتول کے ورثاء  
کو اتنی مقدار میں مال ادا کرنا لازم ہو گا چاہے وہ مال مقدار دیت سے کم ہو یا زیادہ۔

قال العلامة الحصكفي: وصح في الجناية العمد مطلقاً ولو في نفس مع اقرارها اكثر  
من الدية والأرش أو باقل لعدم الرئوس - وقال العلامة ابن عابدین: تحت  
رقوله لعدم الرئوس لان الواجب فيه القصاص وهو ليس بهال -

(رد المحتار على الدر المختار ج ۴ ص ۲۳۵ کتاب الدیات) له



له لما قال العلامة علاؤالدين الحصكفي رحمه الله: يجب القود اى القصاص  
بقتل كُـلِّ محقون الدم بالنظر لقاتله درر..... بشرط كون  
القاتل مكلفاً لما تقرر أنه ليس لصبي ومجنون عمد -

{ الدر المختار على صدر المختار ج ۶ ص ۵۳۲ }  
{ کتاب الجنایا - فصل فيما يوجب القود الخ }

له لما قال العلامة وهبة الزحيلي: يجوز الاعتياض في القصاص بخلاف  
الحد ودونها حد القذف واجاز الشافعية المعاوضة فيه -

{ الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۶۴ }  
{ الفرق بين القصاص والحد والآخرى }



# مسودہ آرڈیننس نفاذ قصاص و دیت

مجربہ ۱۹۸۰ء

اور

دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و تراجم

حکومت پاکستان نے نمبر ۳۲۷ (۲۲) / ۸۰ آر.سی، آئی آئی مجربہ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۰ء کے تحت جرائم خلاف جسم انسانی (نفاذ قصاص و دیت آرڈیننس) ۱۹۸۰ء کا مسودہ قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا، اسلامی نظریاتی کونسل نے اس مسودہ کو دارالعلوم حقانیہ کے تجاویز اور اصلاحی ترمیمات کے لئے بھیجا، چنانچہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحب، نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمن صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے رائے نامے، مشورہ اور موجودگی میں اس مسودہ پر از روئے فقہ و شریعت نظر ثانی کی اور جہاں جہاں قابل اصلاح چیز نظر آئی اس کے اصلاح کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین کے خدمت میں ارسال کیا، اور قانونی قصاص و دیت میں کل ۹ سفارشات پیش کی گئیں۔ (مرتبہ)

بخدمت اقدس جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے مرسلہ مسودہ آرڈیننس جرائم خلاف جسم انسانی (نفاذ قصاص و دیت آرڈیننس ۱۹۸۰ء) پر تفصیلی غور کیا گیا، چونکہ بعض دفعات ایسی تھیں جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً تھا اور ان کا تفصیلی حوالہ تعزیرات پاکستان پر دیا گیا ہے، تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہے

اور ہم ان کے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے فی الوقت جواب دینے سے قاصر ہیں، جیسا کہ دفعہ ۲ (۱۰۵) الف (ب)، (ج) (۱۰۶) ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۱۱، (۱۲) ۱۲۱ (۱۲) ۲ تعزیرات پاکستان سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر دفعات کے متعلق تجاویز اور ترامیم پیش خدمت ہیں۔

(۱) اس مسودہ میں تقریباً ۳۰ مقامات ایسے ہیں جہاں قید محض یا قید با مشقت کو مختلف تون میں تقسیم کیا گیا ہے اور یا بعض مقامات پر مختلف تعزیرات میں کوڑوں کی سزا بیان کی گئی ہے، تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ تمام سزائیں جو بیان کی گئی ہیں ان کے ساتھ ساتھ یہ تصریح ضروری کرتی چاہیے کہ یہ سزائیں محض تعزیرات ہیں جو حکومت کی سیاسی مصلحتوں پر مبنی ہیں ورنہ یہ سزائیں شرعی نہیں ہیں جو کسی خاص نص کے تحت آتی ہوں، البتہ کوڑوں کی سزا کا جن مقامات پر ذکر ہے تو چونکہ یہ غیر منصوص سزائوں میں ایک شدید ترین سزا ہے لہذا اس کے نفاذ میں نہایت احتیاط چاہیے اور بصورت تعزیر دفعہ فساد کیلئے بعض مواقع پر اس کا اجرا کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کے لیے عبرت بنے لیکن اس کو کلیہ نہ بنایا جائے۔ مسودہ کے مندرجہ ذیل مقامات پر یہ سزائیں مذکور ہیں۔ دفعہ (۵) شق ب، ج۔ دفعہ ۱۶، دفعہ ۲۱ ب، دفعہ ۲۳ ب، دفعہ ۳۵ الف، ب، دفعہ ۳۷ الف، ب، دفعہ ۳۹، دفعہ ۴۳ ب، ج۔ دفعہ ۴۵ ب، دفعہ ۴۷ ب، دفعہ ۴۸، دفعہ ۴۹، دفعہ ۵۱ ب، دفعہ ۵۸، دفعہ ۶۰، دفعہ ۶۲ دفعہ ۶۳، ۶۴، ۶۸، ۷۰، دفعہ ۷۱ ب، ۸۱-۸۲ الف ۹۰-۹۱-۹۲ ج، دفعہ ۹۵، ۹۷ الف ب، دفعہ ۹۸-۱۰۹-۱۱۱۔

(۲) چونکہ یہ آرڈیننس نفاذ قصاص و دیت سے تعلق رکھتا ہے اور شریعت میں قصاص و دیت کے قانون کو حفاظت نفس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرمایا ہے، لہذا اس میں حفاظت نفس کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے تاکہ مبادا کسی طریقہ سے مظلوم و رشاہ کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ لہذا قاتلوں کا پورا پورا محاسبہ ہونا چاہیے، اور جو لوگ قاتلوں کی حمایت کرتے ہیں یا ان کو اپنے ہاں پناہ دیتے ہیں ان کے لیے بھی از روئے مصلحت کوئی تعزیری قانون مقرر کیا جائے، اگرچہ پناہ دینے والے ایک قوم، ایک قبیلہ یا ایک خاص علاقہ یا حکومت کے بعض افراد ہی کیوں نہ ہوں، اور نیز ان علاقوں میں بھی قاتلوں کو گرفتار کرنا چاہیے جو علاقے پولیسکل ایجنٹ کے زیر نگرانی ہوں جہاں قاتل مقرر ہو کر پناہ لے لیتا ہے۔

(۳) اس مسودہ کے صفحہ ۲ پر دفعہ ۲ کی شق (ج) میں جہاں بالغ کی تعریف کی گئی ہے اس میں کچھ اضافہ ضروری ہے اور یہ تعریف یوں ہونی چاہیے کہ:-  
 ”بالغ سے مراد ہر وہ مرد و زن ہے جس پر علامات بلوغ ظاہر ہوئی ہوں مثلاً اجبال، حمل یا موٹے زیر ناف کا ہونا۔ اور یا عورت سترہ سال اور مرد اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو۔“

مذکورہ دونوں صورتوں میں سے ہر اس صورت کو اعتبار دیا جائے گا جو صورت پہلے وقوع پذیر ہو۔

(۴) صفحہ ۲ دفعہ ۱ کی تشریح میں جہاں گلا گھونٹنے کی صورت کو قتل عمد کی صورتوں میں شمار کیا گیا ہے وہاں یہ تصریح کرنی ضروری ہے کہ اس گلا گھونٹنے کی صورت میں قاتل کو قتل کرنا حد نہیں ہوگا بلکہ سیاست ہوگا۔

ولو خنق رجلاً لا یقتل الا اذا كان الرجل خناقاً معروفاً خنق غیر واحد  
 فیقتل سیاستاً۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶ ص ۵۵ کتاب الجنایات، الباب الثالث گلا  
 (ترجمہ) ”اور اگر کسی کا گلا گھونٹا گیا تو اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر قاتل مشہور گلا گھونٹنے  
 والا ہو جس نے اس کے علاوہ اور لوگوں کے گلے بھی گھونٹے ہوں تو پھر اس کو از روئے  
 مصلحت سیاستاً قتل کیا جائے گا۔“

۱۔ سرکاری مسودہ میں بالغ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو شخص ۱۸ سال یا بلوغت کی عمر کو پہنچ چکا ہو الخ۔  
 ۲۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، صاحبین کے نزدیک ہر دونوں کے لیے پندرہ سال تک پہنچنا عمر بلوغت ہے۔

۳۔ یعنی گلا گھونٹنے اور مطلق زہر پلانے کو قتل عمد کہنا صحیح نہیں ہے، البتہ بعض صورتوں میں ایسے شخص کو تعزیراً قتل کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ شرعی اصلاحات حد اور تعزیر کو بدلنا اور مخلوط کرنا مستقبل میں بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

۴۔ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولو خنق رجلاً لا یقتل الا اذا كان الرجل  
 خناقاً معروفاً خنق غیر واحد فیقتل سیاستاً۔ (الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش  
 الہندیۃ ج ۳ ص ۲۴ کتاب الجنایات، باب القتل)



(۵) مذکورہ بالا صفحہ ۴ دفعہ ۴ کی مذکورہ شق میں زہر دلانے کی صورت میں جو قتلِ عمد میں شمار کیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ واضح کرنا چاہیے۔

”کہ اس سے زہر دلانا مراد ہے جسے پلانے والے نے زور اور جبر کے بالا کراہ پلایا ہونے پر اس میں قصاص اور دیت دونوں نہیں ہیں، البتہ حکومت اس صورت میں بھی دفعہ فساد کے لیے از روئے مصلحت سیاستاً تعزیر دے سکتی ہے۔“  
جیسا کہ عالمگیری میں اس کی تصریح موجود ہے۔

واذا ناوله فشرّب من غير ان اكرهه عليه لم يكن عليه قصاص ولا دية سواء علم الشارب بكونه سما او لم يعلم - (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات الباب الثانی)

(ترجمہ) اور جب کسی کو زہر دے کر بغیر کسی زور اور جبر کے پلایا ہو تو اس صورت میں اس پر قصاص اور دیت دونوں واجب نہیں ہیں اگرچہ پینے والے کو اس کے زہر ہونے کا علم ہو یا نہ ہو۔“  
صفحہ ۱۲ دفعہ ۱۲ میں قاتل کو بصورت عفو یا صلح کے بعد تعزیراً قتل کرنے میں تہایت ہی احتیاط کرنی چاہیے تاکہ غیر اسلامی قوانین بالخصوص یہودیت سے امتیاز ہو۔

(۶) صفحہ ۱ دفعہ ۲۸ میں قتل کی صورت میں قاتل کو وراثت سے محرومی کا جو حکم بیان کیا گیا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ یہ قتلِ عمد، شبہ عمد، خطا، جارحی خطا کی صورت میں ہے یعنی ان چار صورتوں کے قتل کی صورت میں قاتل مقتول کی وصیت یا حتی وراثت سے محروم رہے گا اور قتل بسبب کی صورت میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں رہے گا، جیسا کہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ کسی دوسرے کی جگہ میں کنواں کھودا اور کوئی شخص اس کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو گیا تو اس کو قتل بسبب کہا جائے گا جس میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ الہندیہ)

واما القتل بسبب فمثل حضرة البيرو ودفع الحجر في غير ملكه وموجه اذا تلف به ادمى الدية على العاقلة ولا يتعلق به الكفارة ولا حرمان الميراث عندنا -  
(الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۶ کتاب الجنایات - الباب الاقل)

(ترجمہ) اور قتل بسبب جیسا کہ کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ میں کنواں کھودا یا کسی نے اپنی ملکیت کے علاوہ دوسری جگہ کوئی پتھر رکھا اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک،

- ہو گیا تو اس میں بصورت ہلاکت انسان قاتل کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور ہمارے مذہب میں اس میں کفارہ اور وراثت سے محرومی نہیں ہے۔“
- (۷) صفحہ ۲۶ دفعہ ۱۱۳ میں سزائے موت کی توثیق کا اختیار جس عدالت مرافعہ کو دیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ضرور کرنی چاہیے کہ بشرطیکہ اس عدالت مرافعہ کا فیصلہ بھی شرعی ہو۔“
- (۸) صفحہ ۲۸ دفعہ ۱۲۳ کے آخر میں یہ اضافہ کرنا چاہیے: ”نیز خاص اور معتد علیہ اداروں اور اہل حل و عقد سے بھی رائے طلب کرنی چاہیے۔“
- (۹) مذکورہ دفعات میں جہاں جرمانہ کا ذکر آیا ہے وہاں جرمانے سے مراد تعزیر یا القرب یا بالحبس مراد ہونہ کہ تعزیر بالمال، یہ موجودہ مرقوبہ جرمانہ ایک غیر شرعی امر ہے۔
-

## مسودہ قانون دیت و قصاص کے بعض زیر بحث نکات

وہ لے تو ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں کہ جنہ کو دینے میں جتہ پندے کا بڑا شوق ہوتا ہے اور وہ ہر مسئلے میں چاہے وہ دینے ہو یا دنیاوی ایک جدت پیدا کرنے کے نام نہاد کوششے میں لگے رہتے ہیں۔ دنیاوی امور میں تو ایسا کرنا ممکن ہے مگر دینے امور اور ان کے مسائل میں اپنے ذہنی ساخت کو داخل کر کے اسلام کے مسلمہ اصولوں کو پامال کرنا کبھی بھی دور کے علماء حقے اور مفتیانے کرام نے گوارا نہیں کیا اور جب بھی کسی مغرب زدہ اور مفسد خیالی شخص نے اسلام کے قوانین پر تسلیم اٹھا کر بزعم خود ان میں جدت پیدا کرنے کے کوششے کیے تو انے محافظینے دینے نے ایسے لوگوں کا بھرپور تعاقب کیا اور انے کے ہر ایک نقطے کا دندانے شکنے جواب دیا۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جب دیت و قصاص آرڈیننس نافذ ہوا تو اسے ”روشنے خیالی“ طبقہ نے اسے آرڈیننس کے مسلمہ نکات کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے رسائل و جرائد اور اخبارات میں مشتے سخنے بتایا۔ روزنامہ ”مشرق“ میں نام نہاد ”محقق“ اور ”سکالر“ نے انے مسلمہ اور طر شدہ نکات پر سوالات اٹھائے۔ جامعہ حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی علامہ الرحمن صاحب نے اسے ”محقق“ کا بھرپور تعاقب کیا اور قرآن و سنت کے روشنے میں اسے کے ہر سوالے کا مدللے جواب دیا جو اسے وقت دارالعلوم کے ترجمانے ماہنامہ الحق میں شائع بھیجے ہوا ہے اب افادہ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شاملے کیا جاتے ہے۔ (از مرتب)۔



# مسودہ قانون دیت و قصاص کے بعض زیر بحث نکات

## عورت، غیر مسلم اور نابالغ کی شہادت

روزنامہ مشرق مؤرخہ میں کسی ایڈوکیٹ کا مضمون بعنوان ”دیت اور قصاص کے مسودہ قانون کا جائزہ، قصاص سے مستثنیٰ قاتل“ نظر سے گذرا، مضمون کے عنوان سے بظاہر مضمون نگار کا اخلاص مترشح ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک خالی اور بے معنی بلکہ مفسدِ اخلاص ہے، مضمون نگار کی اکثر باتیں قرآن و حدیث سے لاتعلقی پر مبنی ہیں کیونکہ صاحب مضمون ہر جگہ اپنی رائے سے قرآن و حدیث کو متصادم کر کے اپنی عقلی توجیہات کو ترجیح دیتے ہیں، مثلاً صاحب مضمون لکھتے ہیں: — ”اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنت ہے، تمام قوانین حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنت کی روشنی میں تشکیل دیئے جانے ضروری ہیں، اجتہاد ہی کے ذریعہ سابقہ فقہاء کی رائے سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ سابقہ فقہاء نے اپنے وقت اور حالات کے تحت قرآن و سنت کی روشنی میں کسی مسئلہ پر رائے دی تھی، چونکہ وہ حالات اب نہیں رہے اس لیے ان حالات کے تحت قائم شدہ رائے بھی بدلی جاسکتی ہے، موجودہ مجوزہ مسودہ قصاص و دیت میں سابقہ فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن حالات کے تقاضے پورے نہیں کیے گئے ہیں۔“

صاحب مضمون کے مذکورہ جملے اس بات پر دال ہیں کہ ائمہ کرام جو اپنے اپنے زمانوں میں محنت و مشقت کر کے لاکھوں مسائل مستنبط کر گئے ہیں، یہ مسائل موجودہ حالات کے تقاضوں کے موافق نہیں ہیں، چند امور چھوڑ کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو کر کوئی نئے طریقے اختیار کرنے چاہئیں معلوم نہیں کہ مضمون نگار کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، اگر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک مسلک سے وابستہ ہوں تو پھر ان کا یہ نظریہ اور رائے غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر اس نظریہ پر عمل کیا جائے تو پھر ائمہ مجتہدین کے ان تمام مسائل کو پس پشت ڈالنا ہوگا جن کے لیے ائمہ کرام نے سالہا سال تک رات دن ایک کر کے محنت کی ہے اور پھر بھی احادیث اور نصوص قرآنیہ سے مسائل کا استنباط کرنا بھی کارے دارد، جو عوام کو تو درکنار خواص کو بھی حاصل نہیں ہے، لہذا اس فساد و شر کے دور میں ائمہ کرام کی تقلید کے علاوہ کامیابی کا

اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے بلکہ ہم جیسے لاعلموں کے لیے تقلیدِ شخصی واجب ہے، چونکہ تقلید کا موضوع خود ایک مستقل موضوع ہے جس پر مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے صرف سید الطائفہ سیدالہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک دو ارشادِ تقلید سے متعلق نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون  
اعتمدوا في ذلك على الصحابة وتبع التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من  
قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالانقل والاستنباط  
والنقل لا يستقيم الا بان يأخذ كل طبقة عن من قبلها بالاتصال -

دعقد الجيد في الاجتهاد والتقليد ص ۳۶ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کا حکم  
(ترجمہ) ”بیشک تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے سمجھنے میں اسلاف ہی پر اعتماد  
کرنا ہوگا، تابعین نے صحابہ پر اعتماد کم کے دین کو لیا ہے اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے اور ایسا ہی  
ہر دور کے علماء نے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دین پر عمل کیا ہے، اور عقلاً بھی یہ ایک اچھی بات ہے کیونکہ  
شریعت کا دار و مدار نقل پر ہے اور نقل سوائے اس اتباعِ اسلاف (تقلید) کے اور کسی طریقہ پر ممکن نہیں“  
اور چند صفحات آگے چل کر حضرت شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں :-

وبما اندر است المذاهب الحقہ الاھذۃ الامریۃ کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم  
والخروج عنھا خروجاً عن السواد الاعظم۔ (دعقد الجيد في الاجتهاد والتقليد ص ۳۸) سوم ان چاروں مذہبوں کے ترئے کا حکم  
(ترجمہ) ”اور چوتھی صدی ہجری میں ماسوائے ان مذاہبِ اربعہ کے اور کوئی حق مذہب نہ رہا تو ان  
مذاہب کی تقلید اجماعِ امت اور تقلید نہ کرنا مخالف اجماعِ امت ہے“

لہذا اگر کرام نے جو مسائل مستنبط کئے ہیں وہ آج بھی حالات کے موافق اور مناسب ہیں، اگر  
کوئی حکم بظاہر نا موافق معلوم ہوتا ہو تو یہ ہمارے ہی فہم کا قصور ہوگا نفس الامر میں یوں نہیں ہوگا۔  
تاہم اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کا حکم فقہ کی کسی کتاب میں موجود نہ ہو تو پھر مستند علماء اور  
با اعتماد صاحب علم حضرات ایسے جزئیات کا حکم باہم مشورہ کر کے قرآن و حدیث اور فقہ کے ان  
اصولوں کے مطابق نکال سکتے ہیں جن اصولوں پر فقہ کا دار و مدار ہے، لیکن ان حضرات کے لیے بھی  
خاص شرطیں جو کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔ ”توں کا مسئلہ اور آنکھ کی تبدیلی“ پر ”مجلس تحقیق مسائلِ طہرہ“  
کا بحث و تحقیق کے بعد ”انسانی اعضاء کی بیوند کاری“ کے نام سے رسالہ جاری کرنا اس کا تین ثبوت ہے۔



لیکن قصاص و دیت یا اس کے علاوہ اور اس جیسے مسائل جن کا حکم صرف ایک کتاب میں نہیں بلکہ تمام کتب فقہ میں موجود ہیں تو پھر اس کے باوجود ان کو چھوڑ کر نئے راستے تلاش کرنا کہاں کا انصاف ہے بلکہ ماسوائے تفسیح اوقات اور باعث افسال و تضلیل کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔  
فاعتدوا یا اولی الابصار۔

مذکورہ نام نہاد دانشور صاحب اپنے خود ساختہ نظریہ اجتہاد کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ:۔  
”مثلاً مجوزہ آرڈیننس میں قتل عمد کے ثبوت کے لیے عورت کی گواہی اور معصوم بچے کی گواہی کو قابل قبول نہیں سمجھا گیا ہے، دفعہ ۱۱ میں قتل عمد کے ثبوت کے لیے دو بالغ مردوں کی گواہی کو ہی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اب فقہاء کے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا قرآن و سنت میں عورت اور نابالغ کی گواہی کی ممانعت کر دی گئی ہے، قرآن و حدیث میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔“  
صاحب مضمون کی یہ تجویز نفاذ شریعت کے لیے معاون نہیں بلکہ مبطل ضرور ہے کیونکہ یہ

سراسر اسلام کے خلاف ہے بلکہ حقیقت میں اسلام کی بیخ کنی ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ تالم کہ با من ہرچہ کرداں آشنا کرد

شاید صاحب مضمون کو اس حدیث اور آیت کریمہ کا علم نہیں جو حدود اور قصاص میں صرف بالغ مردوں کی گواہی کے متعلق وارد ہے، لیکن ان کے عدم علم کی وجہ سے آیت اور حدیث کا عدم وجود لازم نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں یہ پابندی ہے کہ قتل کے امور میں صرف اور صرف ۲ بالغ مردوں ہی کی گواہی قابل قبول ہے عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ چنانچہ علامہ زلیعی فرماتے ہیں:

لحدیث الزہری مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ ان لا شہادۃ للنساء فی الحدود والقصاص۔ وقال اللہ تعالیٰ واستشهدوا شہیدین

من رجالکم۔ (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب الشہادۃ)

(ترجمہ) ”حضرت زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر خلفائے راشدین میں سے شیخین کے دور تک کسی نے حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ تم دو مردوں کو گواہی کے لیے پیش کرو۔“  
اور آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

ولان شہادۃ النساء فیہا شہتۃ البدلیۃ لان کل اثین منہن قائمۃ مقام رجل

فلا یقبل فیما یندرأ بالشہتۃ۔ (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب الشہادۃ)



(ترجمہ) ”اور چونکہ دو عورتوں کا ایک مرد کے قائم مقام ہو کر گواہی دینے کی وجہ سے شبہ بدلیت ہے لہذا حد و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔“  
اب صاحب مضمون خود غور کریں کہ کیا عورت کی گواہی پر شریعت مقدسہ میں کوئی پابندی ہے یا نہیں؟ موصوف ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

— ”اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی قتل کو ایک بچہ نے جو کہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے، اپنی آنکھوں سے خود دیکھتا ہے وہی اکیلا اس قتل کا گواہ ہے باقی گواہ چشم دید نہیں ہیں بلکہ بچہ ہی واقعاتی گواہ ہے تو اس بچے کی گواہی کو نظر انداز نہیں کرتا چاہیے، جبکہ فطرتاً ایک بچہ جھوٹ بھی کم بولتا ہے، اسے جھوٹ پڑھایا بھی نہیں جاسکتا، وہ قاتل کو بھی پہچانتا ہے اور آلہ قتل کو بھی پہچانتا ہے، اپنی زبان سے پورا واقعہ قتل بتا سکتا ہے، تو پھر اس کی گواہی کو نظر انداز کر دینا انصاف کے تقاضوں کے متافی ہے۔“

واضح ہو کہ ایسے واقعات میں بچے کی گواہی کو اعتبار دینا عقلاً و نقلاً باطل ہے۔ نقلاً تو اس لیے کہ قرآن مجید نے گواہی دینے کے لیے رَجُلَيْنِ کا لفظ استعمال کیا ہے اور قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے بچے کی گواہی کا ناقابل قبول ہونا صریح ہے کیونکہ بچے کو سزا نہیں کہا جاسکتا اور نہ اُردو زبان میں بچے کو مرد کہا جاتا ہے، اور عقلاً بھی باطل ہے۔

(۱) فقہاء نے بالاتفاق گواہی کی ادائیگی کے وقت گواہ کا بالغ ہونا شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولا تقبل شهادة المملوك والصبی لانها من الولاية ولا ولاية لهما على انفسهما  
فالاولى ان لا يكون لهما على غيرها ولاية۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۴۷۰ کتاب الشهادة)

(ترجمہ) ”علام اور نابالغ کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ گواہی ایک طاقت کا استعمال ہے یہ دونوں عاجز ہو کر غیر پر کیا طاقت استعمال کریں گے۔“

(۲) یہ مسلمات میں سے ہے کہ گواہی کے لیے عقل کامل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاگل کی گواہی قابل قبول نہیں ہے، لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا نابالغ بچے کی گواہی درست ہے یا نہیں؟ تو یہ ظاہر ہے کہ بچہ کم عقل اور کم ہوشیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ نابالغی کی عمر میں اپنے مستقبل کی کامیابی کو نہیں سمجھتا، بلکہ ایسے بچے کو والدین یا کسی دوسرے سرپرست کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ایک بچہ اس حیثیت سے کسی ایسے واقعہ کو کہاں من وعن یاد رکھ سکتا ہے اور پھر

ان حالات میں گواہی کا مکمل اظہار بھی نہیں کر سکتا، اس لیے بچے کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔  
(۳) اور اگر بالفرض ایک نابالغ رط کا کسی گواہی کو زبانی یاد کر بھی لے تو عدالت یا کسی مجاز افسر کے سامنے اس کے رعب و جلال اور ہیبت کی وجہ سے مکمل گواہی نہیں سنا سکتا۔

(۴) نابالغ کی قوت ارادی مضبوط نہیں ہوتی اس لیے ڈرانے دھمکانے پر بچہ آسانی سے اپنی گواہی سے منحرف بھی ہو سکتا ہے، حقیقت کو غیر حقیقت اور غیر حقیقت کو حقیقت میں تبدیل کر سکتا ہے، بخلاف بالغ آدمی کے جو اپنی قوت ارادی پر مضبوطی سے ڈٹ سکتا ہے، گواہی درست اور صحیح نقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر ایک نابالغ کی گواہی پر عمل کیا جائے تو واللہ علم کتنے مفاسد کے لیے راہ ہموار ہو جائے گی۔

صاحب مضمون آگے چل کر لکھتے ہیں :-

— ”غیر مسلم کی گواہی کو نظر انداز کر دینا بھی اسلام کی روح کے خلاف ہے“

تو واضح ہو کہ غیر مسلم کی گواہی غیر مسلم پر درست ہے، جیسا کہ خود مذکورہ مسودہ آئین کی دفعہ ۱۱ کی شق (ب) میں کہا گیا ہے۔ اس لیے غیر مسلم کی گواہی مسلمان پر درست نہیں ہے اور یہ اسلام کی روح انصاف کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وقيد بقوله على مثله لانها لا تقبل على مسلم ولا ية ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (البحر الرائق ج ۶ ص ۹۲ کتاب الشهادة)  
(ترجمہ) ”یعنی غیر مسلم کی گواہی غیر مسلم پر درست ہے لیکن غیر مسلم کی مسلمان پر گواہی درست نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا“  
اور نیز کفار چونکہ فطرتاً اسلام سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور وہ اپنے اسی بغض و عناد کی وجہ سے اسلام کے ماننے والوں پر نہ جانے کیا کیا جھوٹی گواہی دیں گے جو حقیقت میں اصلاح معاشرہ کے لیے ایک تباہ کن چیز بن جائے گی۔

صاحب مضمون مزید لکھتے ہیں :-

— ”دس سال کی عمر سے اوپر کے قاتل قصاص سے مستثنیٰ نہ ہونے چاہئیں“

یہ تجویز بھی مذکورہ بالا تجاویز کی طرح ایک مضحکہ خیز تجویز ہے، کیونکہ شریعت میں مرد کے بلوغ کے لیے کم از کم دس سال کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے بلکہ کم از کم بارہ سال ہیں لہذا دس سال کے

قاتل کو قصاص سے مستثنیٰ نہ کرنا خلاف شریعت ہے، کیونکہ شریعت میں نابالغ کے فعل پر عدم عقل کی وجہ سے قصاص نہیں ہے، البتہ عاقلہ سے دیت لینا واجب ہے تاکہ ہر ایک اپنے اپنے نابالغ بچوں کا خیال رکھے۔

مضمون نگار کے چل کر لکھتے ہیں :-

— اولاد کے قاتل کا معاملہ بھی عجیب ہے۔۔۔۔۔ کوئی شخص کسی جنسی ترغیب پر اپنی اولاد کو قتل کر دے یا جب چلے دوسرے لڑکوں کی ترغیب پر وراثت سے محروم کرنے کے لیے اپنے لڑکے کو قتل کر دے، مستوجب قصاص نہیں، یہ استثنیٰ اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔

(۱) والد کو اولاد کے قتل پر قصاص میں قتل نہ کرنا اہل اسلام کا ایک اجماعی مسئلہ ہے، خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :-

لا یقتاد المولد بولدہ۔ (جامع الترمذی ج ۱ ابواب الديات) — (ترجمہ) ”باپ کو بیٹے کے قتل پر قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔“

(۲) والد کی ہمیشہ کے لیے اپنی اولاد سے نہایت ہی محبت اور شفقت ہوتی ہے اور بتقاضائے شفقتِ پدری کوئی سلیم العقل شخص اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرتا، لہذا اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں :-

ولان الوالد لا یقتل وولدہ غالباً لوفور شفقتہ فیکون ذلک شبہ فی سقوط القصاص۔ (البحر الرائق ج ۸ ط ۲۹۶ کتاب الجنایات)

(ترجمہ) ”باپ عموماً اپنے بیٹے سے شفقتِ پدری کی وجہ سے بیٹے کو قتل نہیں کرتا تو اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔“

(۳) باپ چونکہ بیٹے کے احیاء اور زندگی کے لیے بظاہر ایک سبب ہے لہذا بیٹے کو اب باپ کے خاتمہ کے لیے سبب نہیں بننا چاہیے۔

ولان الاب لا یتحقق العقوبة بولدہ لانه سبب لایحیائہ فمن المعال ان یکون الولد سبباً لفناء۔ (البحر الرائق ج ۸ ط ۲۹۶ کتاب الجنایات)

(ترجمہ) ”باپ بیٹے کے قتل پر مستحق قصاص نہیں ہے کیونکہ باپ بیٹے کی زندگی کے لیے ایک سبب تھا تو اب بیٹے کا باپ کے فناء کے لیے سبب نہیں ہونا چاہیے۔“

(۴) باپ اگر مشرک ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو باوجود مشرک ہونے کے بیٹا باپ کو قتل نہیں کر سکتا تو



قصاص میں کیسے قتل ہوگا۔

ولهذا لا يقتله اذا وجد في صف المشركين مقاتله۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۹۶ کتاب الجنایات (ترجمہ) ”اور بیٹا مشرک باپ کو جہاد کے دوران بھی قتل نہیں کر سکتا“  
علاوہ ازیں اگر ایک باپ باوجود اس قدر احترام کے اپنے کسی نختِ جگر کی زندگی کا پھراغ گل کر دے تو پھر اس پر دیت واجب ہوگی جو کہ خود اس کے اپنے مال سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی، اور بصورتِ مصلحت عدالت کی استصوابِ رائے سے تعزیر کا بھی مستحق ہے، لیکن از روئے شرع والد پر قصاص نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:-

وهذه الديات كلها على العاقلة الا في قتل الاب ابنه عمد فانها في ماله في ثلاث سنين ولا تجب على العاقلة۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۶ ص ۶ کتاب الديات)  
(ترجمہ) ”دیگر تمام دیات قاتل کے عاقلہ سے لیے جائیں گے البتہ اگر باپ بیٹے کو قتل کر دے تو اس کی دیت باپ کے مال سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی عاقلہ پر واجب نہیں ہے“  
میں آخر میں لاعلم مجبان دین سے عرض کروں گا کہ دین اسلام کا دار و مدار نقل پر ہے عقل پر نہیں لہذا خدا را اس میں ذاتی رائے نہ دیجئے، مستند علماء سے بات پوچھ کر سپردِ قرطاس کیا کریں تاکہ کسی کی گمراہی کا ذریعہ نہ بنے، اور اگر کوئی خواہ مخواہ بغض و عناد سے کام لے تو پھر اربابِ اقتدار پر لازم ہے کہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات پر اس کا مواخذہ کریں۔

# عورت کی دیت نصف ہونے کا مسئلہ

وفاق کونسل میں کی گئی تقریر

مسودہ تصاصع و دیت پر ۲۵ جولائی ۱۹۸۴ء کو وفاق کونسل میں مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے دس منٹ کے محدود وقت میں کہے گئے تقریر وفاق کونسل سیکریٹ کے ضبط شدہ ریکارڈ سے نقل کر کے ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا۔ قانون تصاصع و دیت کے ساتھ مناسبت کے وجہ سے افادہ عام کے لیے فتاویٰ حق میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

مولانا سمیع الحق: بحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط  
جناب چیئرمین! یہ موضوع مختلف پہلوؤں کو لیے ہوئے ہے اس لیے دس منٹ میں تو اس کو سمیٹنا بڑا مشکل ہے، میں صرف دو چار اصولی باتیں عرض کروں گا اس لیے کہ جو اختلافی نوٹ ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں زیادہ تر اہمی باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

سب سے پہلی چیز جو سارے نظریاتی انتشار کی اساس بن جاتی ہے  
**حدیث کا تشریحی مقام** اور جس کی طرف میرے ایک دوست نے بھی اشارہ فرمایا کہ حدیث

کی جو عظمت اور حیثیت ہے، اور جو تشریحی مقام ہے اسلا میں حدیث کا، اس پر ان دوستوں کی نظر نہیں پڑتی، قرآن کریم نے واضح طور پر بار بار حدیث کی تشریحی حیثیت کو اجاگر کیا ہے اور اس کو حجت تسلیم کرنا اسلام کی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تیرے رب کی قسم! حضور اکرم کو خطاب ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں بن سکتے جب تک تجھے مالت، فیصلہ کر سوا لا اور حکم تسلیم نہ کر لیں پھر ان کے دل میں بھی آپ کے فیصلوں پر کچھ بوجھ محسوس نہ ہو اور آپ کے فیصلوں پر تسلیم نہ کر لیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ  
يُحْكَمُوا بِكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا  
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ  
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(سورۃ النساء، ۶۵)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

کسی مومن اور مومنہ کو (خواہ وہ مرد ہو یا خاتون) کوئی سختی نہیں کہ جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ کیا تو ان کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہو۔ (بلکہ وہ لازماً تسلیم کرے گا)۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔

رسورۃ الاحزاب آیت ۳۳

ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک خاتون آئی اور جسم پر نقش و نگار بنانے (گوندھنے) کے مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جیسے آجکل بھی بعض لوگ جسم پر نقش و نگار گوندھتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس خاتون نے اس وقت یہی کہا کہ میں نے تو القرے والتاسس تک سارے قرآن کا مطالعہ کیا ہے لیکن اس مسئلے کا ذکر مجھے قرآن میں کہیں نہیں ملا۔ اس خاتون کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ قرآن کریم میں جو بات ہے صرف وہی مجتہدین تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن کریم کو غور سے پڑھا ہوتا تو ضرور اس کا حکم قرآن میں پالیتی، خاتون نے پھر کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا، حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا لو قرأتیہ لوجدتیہ یعنی یہ کہ اگر تو نے غور کیا ہوتا تو معلوم کر لیتی پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ قرآن مجید میں نہیں ہے: مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳) یعنی اللہ نے فرمایا جو حکم تمہیں رسول نے دیا اور جو کچھ دیا اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

جب قرآن نے یہ اصول بیان کیا ہے اور تمام وہ تفصیلات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں تو گویا وہ عین قرآن ہیں۔

تو ایک تو بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے دوستوں نے اس سارے مسئلہ میں حدیث کے ساتھ صحیح انصاف نہیں کیا۔ ہمارے فاضل دوست چودھری الطاف وغیرہ نے اپنے اختلافی نوٹ میں صفحہ ۱۳۲ میں یہاں تک لکھا ہے کہ احادیث جن کا زیادہ تر بلکہ ۹۹ فیصد حصہ اخبار احاد پر مشتمل ہے ان میں نہ تو حقانیت ہے اور نہ ہی پورا یقین شامل ہوتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سب سے جو روایت آنگ انگ یا ایک ایک راوی کے ذریعہ نقل ہوئیں اور جو اکیلے کسی صحابی نے سنی اور وہ اُمت کو بیان کی



ان سب کو اخبار احاد کہا جاتا ہے، اب اگر احادیث کے سارے ذخیرے کو یہ کہا جائے کہ ان میں حقانیت ہی نہیں رہے (بابت) تو پھر ہمارے پاس رہ ہی کیا جائے گا؟

**عورت کی دیت نصف ہونے کی روایات** | دوسری بنیادی بات جس پر سارا زور دیا جاتا ہے کہ نصف دیت کے بارے میں

جو روایت ہے وہ ضعیف ہے، تو اس کے بارے میں صرف اتنی گزارش ہے کہ حدیث کا ایک سلسلہ جو ہے اس مسئلے کا اسی کو انہوں نے نشانہ بنایا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ صرف ایک حدیث میں مذکور نہیں ہوا کہ عورت کی دیت نصف ہے بلکہ حدیث کی وہ مستند کتابیں جو صحاح ستہ میں شامل ہیں ان سب میں منقول ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو نقل کیا ہے، ان کی کتاب سنن النسائی صحیح ستہ میں شامل ہے، مؤطا امام مالک نے ان احادیث کو نقل کیا ہے جبکہ امت کا ایک بڑا طبقہ امام بخاریؒ کی صحیح پر بھی اس کو ترجیح دیتا ہے، گو عام رائے یہی ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاریؒ یعنی قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب بخاریؒ ہے۔ مگر امت کا ایک طبقہ خاص کہ مغربی ممالک، الجزائر، مراکش، تیونس اور افریقہ کے کئی علاقے وہ مؤطا امام مالکؒ کو بخاری شریف پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کنز العمال، نصب الرایہ اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ نے ان روایات کو نقل کیا ہے۔

روایت بھی ایک سے نہیں ہے بلکہ حضرت عمرؓ سے، حضرت عثمانؓ سے، حضرت علیؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ سے اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے کبار صحابہ کی یہی رائے (نصف دیت کی) تھی۔ اور علامہ کاسانیؒ نے عبدائع الصنائع میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورت کی نصف دیت کا جو فیصلہ دیا تھا صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ سب نے اس کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع قرار پایا۔ اس کے بعد یعنی خلفائے راشدین کے بعد ائمہ اربعہ کا جب زمانہ آتا ہے تو سارے کے سارے ائمہ کرامؒ اس مسئلے پر متفق نظر آتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قدیم و جدید کسی بھی عالم کا ایک قول اس کے خلاف نہیں سنا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے حامل ہیں، تو گویا ان سب کی اس کے بارے میں یہی رائے تھی۔

**فقہ جعفریہ بھی متفق ہے** | ہمارے دوست علامہ سید محمد رضی مجتہد بہاں تشریف رکھتے ہیں میں ان کی موجودگی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ فقہ جعفریہ، فقہ زیدیہ اور

شیعہ مکتب فکر کے جتنے بھی فقہاء و مجتہد ہیں سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کی دیت نصف دیت ہے۔ تو ہمارے ان دوستوں کو اس سارے ذریعے میں سے ایک دو قول ہی ملے ہیں۔

**جناب والا!** یہ ضروری مسئلہ ہے لہذا اس کی تشریح کرنے کے لیے آپ مجھے ایک دو منٹ اور دیں کیونکہ یہ مسئلہ اس سارے ہنگامے کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، تو نصف دیت کے بارے میں صرف ان دو حضرات کا قول پیش کیا گیا ہے، ایک ابو بکر اصم اور دوسرے ابن علیہ۔ جبکہ بد قسمتی سے ہمارے یہ دوست ان میں سے کسی بھی نام کا تلفظ صحیح ادا نہیں کر سکتے، کبھی اس کو ابن اولیاء لکھتے ہیں کبھی اس کو کیا کہتے ہیں۔

اب ابن علیہ اور ابو بکر اصم کے بارے میں ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ہیں کون لوگ؟ تو سب سے پہلے ان کا یہ رائے امام ابن قدامہ نے المعنیٰ میں نقل کی، ان دو حضرات کے رائے نقل کرتے وقت وہ یہ کہتے ہیں کہ ان راویوں کے علاوہ کسی اور سے یعنی نامعلوم راوی سے (مذکور ہے کہ ابن علیہ اور ابو بکر اصم یہ کہتے تھے کہ عورت کی دیت مرد کے مساوی ہے، ان راویوں کا نام تک نہیں لیا گیا۔ پھر ابن علیہ اور اصم) کا قول ذکر کرتے کے بعد ابن قدامہ نے صراحت کر دی ہے کہ یہ قول پوری امت کے ہاں متروک ہے کسی نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ اب ہم ان دونوں کو علم حدیث کے رجال اور اسماء الرجال کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں کہ یہ دونوں کون ہیں؟ اسماء الرجال کا علم اس امت کا عظیم اٹان قابل فخر کارنامہ ہے۔ ہر ہر راوی کو محدثین اور علماء جرح و تعدیل نے پرکھا ہے۔ تو اب سب سے پہلے ابو بکر اصم کو لیتے ہیں، جرح و تعدیل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ انہوں نے ایک کمزور راوی کا نام لے کر کہا کہ میں اس کو بھی ابن علیہ پر ترجیح دوں گا۔ امام نسائی نے کہا کہ یہ شخص متروک ہے اور محدثین کے ہاں بالکل مقبول نہیں ہے۔ ابن معین نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ اسماء الرجال کی ایک مستند کتاب "لسان المیزان" میں تو ان کی پوری قلعی کھول دی ہے۔

**جناب چیئر مین:** مولانا قبلہ کل بھی یہ بات ہوئی جو آپ بتا رہے ہیں اور آج صبح آپ سے پہلے بھی ایک صاحب نے انہی کتابوں کے حوالے سے یہ چیزیں بتائیں، بار بار کیوں وہی باتیں آپ دہرا رہے ہیں؟

**مولانا سمیع الحق:** میں نے اس مسئلہ پر یہ اختلافی نوٹ دیا تھا کہ دفعہ ۲۸ کے بارے میں جب قرآن کریم، احادیث اور فقہاء کی واضح ہدایات ہیں تو اسے.....

جناب چٹیرمین: اس طرح سے دوسروں کا حق مارا جائے گا اور کوئی بات نہیں۔  
 مولانا سمیع الحق: میں یہ عرض کروں گا کہ یہ نصف دیت کا مسئلہ اتنا واضح، قطعی اور مستحکم ہے  
 کہ اگر اس کو اسی ایوان میں طے شدہ قرار دیا جاتا اور اس بارے میں اللہ اور رسولؐ نے جو فیصلہ کیا  
 تھا اس پر ہم سب تسلیم کر لیتے اور اس کو سپریم کورٹ یا کسی اور ادارے کے پاس مزید تفصیل  
 کے لیے نہ بھیجتے تو اچھا ہوتا، کیونکہ اس وقت ہزاروں ایسے کیس ہیں جو اس آرڈیننس کے نفاذ  
 کے منتظر ہیں، سینکڑوں لوگ جو کال کوٹھڑیوں میں بند ایک ایک لمحہ اس انتظار میں گن رہے ہیں کہ  
 کب یہ نفاذ ہوگا اور کب مصلحت کی راہ کھلے گی اور ہمیں انصاف ملے گا۔ اگر اس کو ہم اسی طرح  
 ملتوی کرتے رہے تو اس کے نفاذ میں مزید تاخیر ہو جائے گی۔ پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کے  
 بیان کردہ مسائل و احکام میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں، اس میں نہ تو عورتوں سے زیادتی کی گئی ہے  
 نہ مردوں سے، اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور غیر مسلم سب کا خالق ہے اور آزاد اور غلام تک سب  
 کے قصاص میں مساوات رکھی گئی ہے اسلام میں۔

صرف دیت کے ایک مسئلہ میں جو صرف قتلِ خطا کی صورت سے تعلق رکھتا ہے یہ تفصیل  
 ہے، واضح حدود اور ہدایات ہمارے سامنے ہیں۔ تو میری رائے یہ ہے کہ ہمارے معزز ارکان  
 اس مسئلے کو بھی جس طرح اس کی تشریح قرآن میں ہے اس طرح رکھ دیں، اور اسلامی نظریاتی کونسل  
 کی رپورٹ میں بھی اس کی تفصیل تھی کہ مقدار نصف دیت ہوگی تو اسی کو رکھا جائے۔

جناب چٹیرمین: مولانا صاحب بہت بہت شکر یہ!



## الابتدائیہ



جب حکومتِ پاکستان نے قصاص و دیت آرڈیننس جاری کیا تو کچھ لوگوں نے ہڑتالوں اور جلاؤ گھیراؤ کے ذریعہ اسم آرڈیننس کو ختم کرنے کیلئے حکومت پر دباؤ ڈالنے کا کام کوشش کی۔ اسم سلسلہ میں علماء کرام، مفتیانِ عظام اور دوسرے اہل علم حضرات نے اسلام کے اسم عادلانہ قانون کے وضاحت اور لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے اسم کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی تاکہ عقلِ سلیم رکھنے والا انسان بغیر تسلیم و رضا کے رہ نہ جائے۔ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اور استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے بھی اسم آرڈیننس کا اجمالی جائزہ لیا اور اسم پر تبصرہ اور بعض شبہات کا ازالہ پیش کیا جو دارالعلوم کے ترجمان رسالہ ماہنامہ الحق میں شائع ہوا، بعد ازاں گوجرانوالہ کے ایک عالم دین مولانا سید تصدق بخاری صاحب نے اسم پر اپنا تنقیدی مکتبہ نظر پیش کیا وہ بھی نذر قارئین ہے، پھر اسم کے جواب الجواب میں حضرت مفتی صاحب نے اسم کا بھرپور تعاقب کیا جو کہ ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا۔ چونکہ ان مضامین کا تعلق بھی فقہ اسلامی کے ایک اہم مسئلہ سے ہے اسم لیے بطور افادہ عام دارالعلوم حقانیہ کے فتاویٰ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)۔

# اسلام کا نظام قصاص و دیت

اجمالی جائزہ و تبصرہ اور بعض شبہات کا ازالہ

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب

قصاص و دیت کے اعلان کے بعد جب ڈرامیٹور برادری کی طرف سے اس پر ملک گیر احتجاج ہوا تو ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے لیے یہ مسئلہ بڑی اہمیت سے موضوع بحث بنا رہا۔ موجودہ قصاص و دیت کے حکومتی اعلان میں اگر شرعی تقاضے پورے کئے گئے ہوتے تو اس کی تائید و تصویب اتنے زوردار لہجے میں ہوتی جتنے کہ اس کی مخالفت میں مقالے لکھے گئے۔ بعض اہم امور میں بے احتیاطی اور نکاسل کا یہ نتیجہ نکلا کہ پوری دنیا اسلام کے نظام قصاص و دیت سے مذاق کرنے پر اتر آئی۔ خدا نخواستہ اگر اسلام کی ان فوجداری دفعات میں شرعی تقاضے پورے نہ کیے گئے تو شاید آئندہ کے لیے کوئی بھی اس ملک خدا داد میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جرات نہ کر سکے۔

تادم تحریر اس مسئلہ پر جو مقالات سامنے آئے ہیں ان میں کوئی ایسا مقالہ نظر سے نہیں گذرا جس میں قصاص و دیت کے سرکاری شائع کردہ قانون میں سقم اور کمزوری کے ہوتے ہوئے شرعی لفظ نظر سے اس کے قابل عمل ہونے کو ثابت کیا گیا ہو، ارباب علم و دانش اور نفاذ اسلام کے مخلص اصحاب نے اصلاح کی کوشش کی، کمزوریوں اور اسقام کی نشاندہی کرنے کے بعد متبادل تجاویز پیش کیں۔

دوسری طرف بعض جدت پسندوں نے موجودہ مسودہ قانون قصاص و دیت میں سقم اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے نظام قصاص و دیت کو اپنا ہدف اور ذر فتنائی کا نشانہ بنایا، ایسے رکیک اور غیر معیاری اعتراضات اور شبہات کئے جو کسی مسلمان سے ناقابل توقع ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے اکثر اعتراضات کا منشاء مذہب اور عقیدہ سے ناواقفیت کے علاوہ مروجہ نام نہاد آزادی اور جدت پسندی کی مذموم خواہش رہی۔

**قصاص و دیت کے بارے میں اہم شبہ** | قصاص و دیت آرڈیننس کے بعد قصاص و دیت کے بارے میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی اس میں ڈرائیور کو

ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی ادائیگی کا ذمہ دار ٹھہرانے کے علاوہ خود اس کا فعل بھی موضوع بحث رہا، یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ ڈرائیور کے ہاتھوں کا قتل قابل مواخذہ جرم نہیں قرار دینا چاہیے، کسی بھی ڈرائیور کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ وہ کسی شخص کو شوقیہ قتل کرے، ڈرائیور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرتا ہے، موت کے منہ میں بیٹھ کر انسان کی خدمت کرنا ہے، آخر اس سے یہ توقع کیسے ممکن ہے کہ وہ جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے، جبکہ بسا اوقات ڈرائیور کو خود اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، ایسی صورت میں ایکسپٹ کی موت کو قابل مواخذہ جرم قرار دینا نا انصافی کے مترادف ہے۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایکسپٹ کا تصور زمانہ قدیم میں نہیں تھا کیونکہ اس وقت گاڑیاں نہیں تھیں اس لیے اس کو خواہ مخواہ قتل کی پرانی قسموں میں شمار کرنا لایعنی کوشش ہے۔  
**قصاص و دیت کے بارے میں قابل تشریح نکات** | ان شبہات کے ازالہ کے لیے اسلام کے نظام قصاص و دیت کے چند

پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ ایسے غیر معیاری شبہات کا موقع نہ رہے۔  
(۱) ایکسپٹ کی صورت میں قتل کی کیا حقیقت ہے اور یہ قتل النفس کی کون سی قسم میں آتا ہے۔

(۲) اسلامی نظام قصاص و دیت میں ایسی قسم کے لیے کون سی سزا مقرر ہے اور اس کے اثرات و منافع کیا ہیں؟

(۳) قصاص و دیت آرڈیننس کے مسودہ قانون میں اس اعتبار سے کونسی خامیاں پائی جاتی ہیں۔  
**تحفظ نفس کا مجرا العقول نظام** | ایکسپٹ کے قتل کی حقیقت بیان کرنے سے قبل یہ جاننا چاہیے کہ اسلام کی رو سے انسانی نفس کو جو عزت و عظمت

اور تقدس حاصل ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں پایا جاتا۔ ایک اسٹیٹ میں انسان کے خون کو بلا امتیاز مذہب و عقیدہ ہر لحاظ سے تحفظ حاصل ہے، یہ ممکن نہیں کہ نفس محترمہ کا خواصہ رائیگاں ہو جس صورت میں نفس محترمہ سے کسی غیر شرعی طریقہ سے کھیلا گیا تو اس کا حساب لیا جائے گا، اگر قصاص کی صورت میں ممکن ہو تو قصاص لیا جائے گا ورنہ دیت لازم ہوگی، اگر قاتل معلوم



نہ ہو تو قسمت کی رُو سے اہل محلہ سے دیت لی جائے گی ورنہ بصورت دیگر حکومت ذمہ دار ہوگی اس لیے فقہاء کرام نے نفسِ محترمہ کے ضیاع کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں، جن میں اہل قتلِ عمد میں قصاص اور قتلِ شبیبہ بالعمد، خطا و جوارحِ جنائی خطا اور قتلِ بسبب میں دیت لازمی قرار دی ہے۔ موجودہ زیر بحث مسئلہ کا تعلق ”قتلِ خطا“ سے ہے اس لیے دوسری قسموں کی حقیقت بیان کرنے سے قطع نظر ہم صرف قتلِ خطا کی حقیقت کا جائزہ لیں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایکسڈنٹ کا قتلِ خطا کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

**قتلِ خطا کی حقیقت** | ”خطا“ کے عنوان سے یہ واضح ہے کہ یہ ایسا قتل ہے جس میں قاتل کا ارادہ اور نیت شامل نہیں، گویا قتلِ خطا کی حقیقت یہ ہے کہ بغیر کسی نیت اور ارادہ کے کسی انسان کے ہاتھ سے دوسرے انسان کی جان ضائع ہو، عموماً اس کی دو صورتیں بتائی جاتی ہیں۔  
 ۱) خطا فی القصد ۲) خطا فی الفعل۔

اول الذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قاتل غلط فہمی کا شکار ہو یعنی کسی انسان کو حیوان سمجھ کر شکار کے نیت سے اسے مارے، اور مؤخر الذکر کا بیان یہ ہے کہ کسی بے احتیاطی یا فنی غلطی سے کسی انسان کی جان اس کے ہاتھ سے ضائع ہو، مثلاً شکار کو مارتے ہوئے اس کی گولی اچانک انسان کو لگے، یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن میں قاتل کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی کو قتل کرے بلکہ بغیر قصد و عمد سے انسان کی جان ضائع ہوئی۔

ایکسڈنٹ کی صورت بھی کچھ اسی طرح کی ہے کیونکہ اس میں ڈرائیور کا ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی انسان کو قتل کرے، ڈرائیور تو اپنے مقصد میں مصروف عمل ہوتا ہے، شاید کسی بے احتیاطی یا غفلت اور پروری سے کسی انسان کی زندگی اس کے ہاتھوں سے تمام ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات ڈرائیور کی غلطی نہ ہو بلکہ مقتول خود عمداً یا سہواً گاڑی کے آگے آئے، لیکن ایسی صورت میں بھی ڈرائیور کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قتل ہر صورت میں ڈرائیور کے ہاتھوں سے ہوا ہے۔ مثلاً شکار کو مارتے ہوئے کوئی شخص قصداً شکاری کی بندوق کے سامنے کھڑا ہو جائے تو فقہاء کی رائے میں شکاری کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا بہر حال ایکسڈنٹ کا قتل، قتلِ خطا سے کسی صورت میں زیادہ نہیں۔

**قتلِ خطا کی سزا** | دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں خطا قابلِ مواخذہ جرم نہ ہو، اگر کوئی شخص کسی کی کوئی قیمتی چیز غلطی سے توڑ دے تو کیا توڑنے والے کو معاف کر دیا جائے گا؟ کہ وہ محض یہ کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ شریعت مقدسہ میں خطا اور نسیان انخروی اعتبار

قابل مواخذہ جرم نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

”میری امت کا محاسبہ خطا اور بھول نہیں ہوگا۔“

لیکن دنیوی احکام کے اعتبار سے اس پر مواخذہ ہے، جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے اس میں عطاء اور نسیان کوئی عذر نہیں خاص کر جب کسی چیز کے ضائع ہونے پر ضمان اور تاوان کا مسئلہ ہو۔ قتلِ خطا بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل مواخذہ جرم ہے، اس پر جو سزا میں مقرر کی گئی ہے وہ تین ہیں:-

(۱) اگر مقتول قاتل کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی موت پر قاتل کو وراثت کا حق پہنچتا ہو تو قتل کرنے کی وجہ سے قاتل حق وراثت سے محروم رہے گا، کیونکہ اس میں اس کا بھی احتمال ہے کہ کہیں قاتل نے جائیداد ہتھیانے کے لیے قتل کا یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔

(۲) دوسری سزا یہ ہے کہ انسانی جان اللہ تعالیٰ کی عظیم مقدس امانت ہے اس میں خیانت کرنے پر قاتل دو چہینے متواتر روزے رکھے گا تاکہ قاتل کو اپنے کیے ہوئے جرم پر ندامت اور افسوس کا احساس ہو۔ اس کا تعلق چونکہ فیما بینہ و بین اللہ ہے اس لیے اس میں جبر اور طاقت کے استعمال کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری سزا خون بہا کی ادائیگی ہے تاکہ انسان کا خون ضائع نہ ہو، قتلِ خطا کی صورت میں خون بہا دس ہزار درہم ہیں جو دو ہزار نو سو سولہ تولہ آٹھ ماشہ (۲۹۱۶ تولہ، ۸ ماشہ) چاندی کے مساوی ہے لہذا اتنی مقدار میں چاندی کی مرقومہ قیمت دیتا شمار ہوگی۔ خون بہا کی اتنی خیر رقم کی تقرری میں بنیادی فلسفہ مقتول کے زخم خوردہ و زناہ کے لیے تسلی ہے، ممکن ہے کہ اس مالی تعاون سے ان کے جذبات ٹھنڈے ہوں اور انتقامی جذبہ کا جو لاوا اُن کے دلوں میں ابل رہا تھا شاید خوبیاں کی وصولی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

**دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار کون ہے؟** لیکن اتنی بڑی رقم کی ادائیگی شاید قاتل کے بس میں نہ ہو،

مکن ہے کہ تحمل کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر سکے جس سے دیت کی ادائیگی ناممکن ہو، اس لیے شریعت نے اس کو ممکن بنانے اور قاتل کو ہلاکت کے اس بھنور سے نکلانے کے لیے دیت کی ادائیگی کی ذمہ داری ”عاقلہ“ کے کندھوں پر ڈالی ہے۔ ”عاقلہ“ سے مراد اہل دیوان (دفتری ریکارڈ میں متعلقہ زمرہ) قوم، قبیلہ ہے۔ ”عاقلہ“ کے تعین میں بنیادی تصور یہ ہے کہ جن لوگوں سے تکلیف اور مصیبت کے وقت قاتل تعاون اور مدد کی امید رکھتا ہو وہی اس کا



عاقلہ متصور ہوگا، موجودہ وقت میں یونین، محکمہ اور کمپنی اس کے ضمن میں آسکتے ہیں۔ مثلاً سکول کا ایک استاد کہیں قتلِ خطا کا مرتکب ہو تو اس قتل کی دیت پورے صوبہ کے اساتذہ سے لی جائے گی۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک گنہگار شخص کے جرم کی سزا پورے محکمہ والوں کو دی جائے، لیکن اسلامی ذہن رکھنے والا شخص ایسے لایعنی شہادت کا کبھی تصور بھی نہیں کرتا، کیونکہ تمام مسلمان بمنزلہ جسد واحد ہیں، ایک عضو کی تکلیف پر پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے، مشرق میں رہنے والے کی خوشی اور غم کا احساس مغرب میں رہنے والے مسلمان کو بھی ہوگا۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مصیبت میں مبتلا ہونے سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اسلام میں قوی و صحت اور یگانگت بنیادی چیز ہے؛ لہذا ایسی مصیبت میں کم از کم اس کے عاقلہ کو تعاون کا ہاتھ یقیناً بڑھانا چاہیے۔

عاقلہ پر دیت کے تعین کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ اتنی بڑی قوم جب دیت ادا کرے گی تو لازماً قاتل کو ایسے اوصاف اور باتوں سے یاد کرے گی جن کا سنا قاتل کے لیے ناگوار ہوگا۔ ایسے قبیح حالات اور مناظر سے بچنے کے لیے آئندہ ہر ایک شخص نہایت احتیاط سے کام لے گا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ بھی مہذب طریقہ سے قاتل کو سزا دینے کی ایک صورت ہے، ورنہ ایک معزز شخص لاکھوں روپے قربان کر کے اپنے بارے میں ایسی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا۔

**دیت کی وصولی کا طریقہ کار** | عاقلہ پر دیت کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے یہ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو اس کی قوت برداشت سے زیادہ ہو، عاقلہ سے دیت مجموعی طور پر تین سالوں میں وصول کی جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی روشنی میں ایک شخص پر تین سالوں میں چار درہم یعنی چودہ ماشہ چاندی کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ لہذا اگر چاندی کی قیمت ۶۰ روپے فی تولہ ہو تو ایک شخص سے تین سالوں میں صرف مقررہ ۷۰ روپے وصول ہوں گے جو ماہانہ طور پر دو روپے سے بھی کم بنتے ہیں، پھر اگر قریبی علاقہ میں اتنی گنجائش نہ ہو تو عاقلہ کا دائرہ وسیع کیا جائے گا تاکہ ایک شخص پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جاسکے۔

پھر دیت کی وصولی کے لیے آسان طریقہ متعین کیا گیا ہے کہ دیت لوگوں کے ماہانہ، ششماہی اور سالانہ وظائف سے منہا کی جائے گی۔ موجودہ دور میں اگر ہر ملازم کی تنخواہ سے ماہانہ دیت کی رقم کاٹی جائے تو شاید ہی دو روپے سے متجاوز ہو جو کہ تنخواہ دار طبقہ پر کوئی خاص بوجھ نہیں۔

اس مجیر العقول نظام تحفظ جان سے کسی کو ڈرنا نہیں چاہیے، اسلام دینِ فطرت ہے اس میں نہ ظلم کی حوصلہ افزائی ہے اور نہ ظالم کا استیصال مقصود ہے۔ اسلام میں ظالم اور مظلوم دونوں سے تعاون



کیا جاتا ہے۔ ظالم سے تعاون کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے باز رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مظلوم کی طرف ہمدردی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا جاتا ہے۔ اسلام کے نظامِ دیت میں اگر ایک طرف قائل کو جھنجھوڑا جاتا ہے تو دوسری طرف عاقلہ پر یہ ذمہ داری ڈال کر اس کے ساتھ سہولت اور آسانی کا رویہ رکھتا ہے، پھر دیت کی وصولی سے مقتول کے غمزہ و رشاہ کے لیے اطمینان دلانے کا ہمدردانہ رویہ اسلام کا انفرادی مقام ہے۔

**موجودہ نظامِ قصاص و دیت کی خامیاں** | نظامِ قصاص و دیت کا آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کردہ مسودہ کوئی نیا نہیں، اس پر جنرل ضیاء الحق مرحوم

کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بہترین کام کیا ہے، اس وقت قصاص و دیت کا سرکاری مسودہ علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم دارالعلوم حقانیہ کے خدام نے اپنی طرف سے کچھ تجاویز حکومت کو بھیجی تھیں جو ماہنامہ الحق جلد ۱۶ شمارہ ۱۷۱ میں شائع ہوئی تھیں۔ حالیہ آرڈیننس میں اسلامی عدوئانہ کی رعایت نہیں رکھی گئی، قتلِ خطا کی صورت میں صرف ڈرائیور کو دیت کا ذمہ دار ٹھہرانا اسلام کے عادلانہ نظام کی روح کے منافی ہے، ڈرائیور سے صرف اتنی رقم لی جائے گی جو اس کی برادری کے عام ممبر سے لی جاتی ہے اس میں عاقلہ کو بری الذمہ قرار دینا اسلامی نظامِ عدل کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

ایسا ہی ایک لاکھ تتر ہزار روپے کا قطعی تعین بھی شرعاً درست نہیں اس لیے کہ چاندی کے اعتبار سے شرعی مبیار کا اظہار ضروری ہے، یہ قیمت تو وقت کے ساتھ ساتھ گیم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے، پھر حکومت کا یہ فیصلہ بھی غیر دانشمندانہ ہے جس میں دیت کی ذمہ داری انشورنس کمپنی کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے کیونکہ انشورنس کمپنی ہر ایک کی عاقلہ نہیں اور بغیر عاقلہ ہونے کے دیت کی ادائیگی اس کی ذمہ داری نہیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ محکمہ، یونین اور قوم قبیلہ عاقلہ قرار دے کر ان کو دیت کی ادائیگی کا پابند قرار دیا جائے۔

علاوہ ازیں شرعی نظامِ شہادت کے فقہان کی وجہ سے قصاص و دیت آرڈیننس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع بے سود ہے، موجودہ نظامِ شہادت کے ہوتے ہوئے اس نظام کا کامیابی سے ہمکنار ہونا مشکل نظر آتا ہے، اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نظامِ قصاص و دیت کے ساتھ ساتھ نظامِ شہادت کا بھی شریعت کے مطابق اعلان ہو۔

## ایک غلط تاثر کا دفاع

مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہ

حمد و صلوة کے بعد عرض ہے کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ کے مبارک دن ملک میں قصاص و دیت کا قانون نافذ کیا گیا تو دیندار مسلمانوں نے اسے صدر مملکت کا بہترین کارنامہ قرار دیا جو کہ حقیقت کے عین مطابق تھا۔ نئی حکومت قائم ہوئی اور معائبس ڈرائیوڈوں کی عام ہڑتال کا سانحہ پیش آیا تو افواہ اڑادی گئی کہ اسلامی قوانین کا برداشت کرنا آسان کام نہیں ہے یہ تو ایک قانون نافذ کر دینے کا رد عمل ہے اور اگر شریعت اسلامیہ کو مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

اس شرارت کے بین السطور دراصل موجودہ حکومت کو خوفزدہ کرنا ہے کہ وہ سینٹ اور قومی اسمبلی سے شریعت کو منظور کرانے کے وعدوں سے پھر جائے اور جس طرح وہ سابقہ حکومت خود اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے کر غرق ہوئی ہے اسی طرح یہ بھی طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے غرق ہو جائے۔

ہڑتالیوں سے بات چیت کے بعد اخبارات میں یہ اعلان چھپا کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قصاص و دیت کے قانون میں ترمیم کرے اور یہ بتایا جائے کہ ڈرائیوڈوں پر جو دیت عائد ہوگی وہ اس کا عاقل یعنی یونین وغیرہ برداشت کرے گی نہ کہ وہ ذاتی طور پر۔ اب شریعت اسلامیہ کے نفاذ سے خوف زدہ لوگوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ۔

”دیکھا! اسلامی قوانین جنہیں ابدی کہا جاتا ہے اس میں طاقت کے بل بوتے پر

ترمیم کی جاسکتی ہے اور یہ کہ نفاذ شریعت کا نعرہ لگانے والے ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں“

دراصل نفاذ شریعت کے مخالفین کو موجودہ انتخابات سے جو دھچکا لگا ہے وہ اپنی نفرت کو مٹانے کے لیے اس قسم کے حربے استعمال کرنے لگے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہڑتالیوں کو جو پریشانی لاحق ہوئی ہے وہ اسلام کے **اظہار حقیقت** قانون دیت سے نہیں بلکہ اسلام کے قانون دیت میں ترمیم کرنے سے پیش

آئی۔ باوثوق ذرائع کے مطابق سینٹ میں موجود علماء کرام نے قصاص و دیت سے متعلق جو مسودہ پیش کیا تھا اور اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل نے اس کے متعلق جو سفارشات پیش کی تھیں اس میں پہلے ہی سے یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ اسلامی شریعت کی رو سے قتلِ خطا کی دیت مجرم پر نہیں بلکہ عاقلہ یونین پر عائد ہوتی ہے اور یہ کہ وہ تین سال تک اس کو ادا کرنے کے پابند ہیں لیکن سابق حکومت کے کارندوں نے دانستہ یا نادانستہ، اسلام سے ناواقفیت کی بنا پر اسلام کو بزدان کرنے کے لیے ”عاقلہ“ کا لفظ اڑا دیا جس سے متاثرین کو پریشانی لاحق ہوئی۔ یعنی اسلامی قانون دیت سے تم نے ایک لفظ (عاقلہ) اڑا دیا تو پریشانی لاحق ہو گئی، تم نے توبہ کی اور حذف شدہ لفظ کو کو واپس لا کر اس قانون کو اسلام کے مطابق کر دیا تو اطمینان ہوا۔ اس لیے ملک کے عوام کو غموں اور حکمرانوں کو خصوصاً یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شر اور فساد کا منبع اسلامی قوانین میں رد و بدل اور ان سے لاپرواہی ہے نہ کہ اسلامی قوانین کا صحیح نفاذ۔

شاعر مشرق کا یہ پیغام ایک لمحہ بھی نہیں بھولنا چاہیے وہ فرماتے ہیں

وہ معزز تھے زلزلے میں مسلمان، ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ





# اصل دیت کیا ہے

سواونٹ یا دس ہزار دراهم؟

جواب مضمون مفتی غلام الرحمن صاحب از مولانا سید تصدق بخاری

مؤقر جریڈہ الملتی دسمبر ۱۹۹۰ء موافق جمادی الاول ۱۴۱۱ھ میں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ العالی کا مقالہ ”اسلام کا نظام قصاص و دیت“ نظر سے گذرا تو بڑا قلق ہوا کہ حضرت موصوف کو بھی دیت کی مقدار کے تعین میں سخت ذہول ہوا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ”قبل غلطی کے صورت میں یہ خون بہا دس ہزار دراهم ہیں جو دو ہزار نو سو سولہ تولہ آٹھ ماشہ چاندی کے مساوی ہے لہذا اتنی مقدار میں چاندی کی مروجہ قیمت دیت شمار ہوگی“ (الحق ص ۳۶)۔ (ہرگز نہیں) پھر لگے جا کر یوں خامہ فرسایں کہ:

”چاندی کے اعتبار سے شرعی معیار کا اظہار ضروری ہے“ (الحق ص ۳۸)

حضرت مولانا صاحب موصوف سے اس فی مول کا ارتکاب اس لیے ہوا ہے کہ وہ اصل دیت کی احادیث مبارکہ پڑھنے کے باوجود بھول گئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سونا، چاندی، گائے اور بکریوں وغیرہا کی تعداد کے تعین میں خیر القرون میں کمی بیشی اسی لیے ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی قیامت تک بوقت ضرورت ہوتی ہی رہے گی کیونکہ یہ چیزیں اصل دیت نہیں ہیں، اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اسی لیے ان کی تعداد میں کبھی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، مولانا موصوف خود لکھتے ہیں کہ:

”یہ قیمت تو اس وقت کے ساتھ ساتھ کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے“۔ (الحق ص ۳۸)

موصوف نے جب حکومت کی مقرر کردہ دیت کو غیر شرعی دیت تسلیم کیا ہے تو پھر مقرر موصوف کی تولوں اور ماشوں والی پیش کردہ دیت بدرجہ اولیٰ و اتم غیر شرعی ہے کیونکہ جس طرح حکومت نے سونے یا چاندی کو اصل دیت تصور کر کے مزلت پذیر غلطی کا ارتکاب کیا ہے اسی طرح حضرت صاحب نے دس ہزار دراهم کو اصل دیت تسلیم کر کے بہت ہی بڑی غلطی کا اظہار کیا ہے، آپ خود لکھتے ہیں:-

”ایسا ہی ایک لاکھ مٹر ہزار (چھ سو دس) روپے کا قطعی تعین بھی شرعاً درست نہیں لے لیا“

چاندی کے اعتبار سے شرعی معیار کا اظہار لازمی ہے۔ (الحق ص ۳۸)  
درحقیقت اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اس لیے دیت کے فیصلہ کے وقت سواونٹوں کی جو قیمت ہو وہی اصل دیت ہے دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ سواونٹوں کی مراد جو قیمت کے مساوی دی جائیں گی، مقررہ چیزوں کی صورت میں اس سے کم یا زیادہ دینے سے شرعی دیت ادا نہ ہوگی جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

۲۹۱۶ ٹولے ۸ ماشے چاندی کی موجودہ قیمت بحساب ۵۵ روپے فی تولہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار چار سو ستتر روپے بنتی ہے جو کہ شرعی دیت نہیں ہے۔

نور فرمائیے موصوف کی مقرر کردہ دیت نفس حکومت کی مقرر کردہ دیت نفس دس ہزار روپے سے بھی زیادہ کم ہے جو ناقص ہی نہیں بلکہ ناقص ہے۔

حکومت نے قصاص و دیت کا جو آرڈیننس ۱۴ اگست ۱۹۹۰ء کو جاری کیا وہ ۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء موافق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو نافذ العمل قرار دیا گیا جس کی دفعہ ۳۳ غیر محتاط ڈرائیونگ کے متعلق ناقص ہی نہیں بلکہ ناقص تھی اس لیے اس کے خلاف ملک بھر میں زرینی ذرائع آمدورفت کو معطل کرنے والی ہڑتال ہوئی۔ مذکورہ آرڈیننس میں یہ مرقوم ہے کہ غیر محتاط ڈرائیونگ کرتا ہوا جو ڈرائیور حادثہ کر کے کسی آدمی کو مار دے گا وہ مرنے والے کے ورثاء کو ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے بطور دیت دے گا۔ اس کے خلاف مظاہرے اور ہڑتال اس لیے ہوئے تھے کہ اس میں بھی دو نقص تھے۔ ایک تو اس میں اصل دیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، دوسرا عاقلہ کا تعارف نہیں کرایا گیا اور نہ ہی ان کو دیت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

اس ہڑتال کا مطلب یہ لینا کہ لوگ اسلحہ قوا میں کو برداشت نہیں کرتے، اس سے غلطی اور بے اصل ہے۔ درحقیقت یہ ہڑتال اس لیے ہوئی تھی کہ قصاص و دیت کے آرڈیننس میں ناقابل برداشت نقائص تھے جن کی تیقح لازمی ہے۔ پھر انشورنس کمپنی کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا ہر طرح سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

قانون دیت۔ اصل دیت سواونٹ ہی ہیں | ابو محمد عبد الممالک بن ہشام بن ایوب الحمیری  
المعافری المصری المتوفی بہا سنتہ ثمان

وعشرة ومائتين (۲۱۸) ھ مطابق ۸۳۳ء "الرسالة المستطرفة" میں رقمطراز ہیں۔  
"پہلا مقتول جس کا خون بہا دیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ

میں ادا فرمایا وہ جنید بن اکوع کا ہے، اسے بنو کعب نے قتل کیا تھا، نبی علیہ السلام نے اس کے خون بہا رویت میں سواونٹیاں دی تھیں، رسیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۸۳ باب فتح مکہ)

عن ابی عمر قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی درجۃ الکعبۃ یوم الفتح فقال الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ ونصر عبدہ وحزم الاحزاب وحدہ الا ان قتیل العمد الخطاء بالسوط والعصا مائتہ من الابل مغلطۃ متھا اربعون خلفتہ فی بطونہا اولادہا۔ (دارقطنی ج ۲ ص ۱۰۵ - البناۃ فی شرح الہدایۃ ج ۲ ص ۳۸۲ ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۷۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی، پھر فرمایا شکر ہے اللہ کا جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو مدد دی اور اس نے تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی، آگاہ ہو جاؤ خطا کا مقتول (قتل خطا) وہ ہے جو کوڑے اور چھڑی سے مارا جائے، اس میں دیت کے سواونٹ ہیں، ان میں سے چالیس اونٹیاں حاملہ رکھنی ہیں۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال کانت قیمۃ الدیۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار وثمانیۃ الف درہم دیتۃ اہل الکتاب یومئذ النصف من دیتۃ المسلمین قال فکان ذلک کذلک حتی استخلف عمرؓ فقا خطیباً فقال ان الابل قد غلت قال ففرضھا عمرؓ علی اہل الذہب الف دینار وعلی اہل البقرۃ مائتۃ بقرۃ وعلی اہل الشاة الفی شاة وعلی اہل الحلی مائتۃ حلیۃ۔ قال وترک دیتۃ اہل الذمۃ لم یرفعھا فیما رفع من الدیتۃ۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۷ کتاب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون بہا کے اونٹوں کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کا خون بہا اس زمانہ میں مسلمانوں کے خون بہا سے نصف تھا، جب حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا تو انہوں نے فرمایا چونکہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے اسلئے سونا رکھنے والوں کیلئے ایک ہزار دینار خون بہا مقرر کیلئے اور چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم اور گائیں رکھنے والوں پر دو سو گائیں اور بکریاں



رکھنے والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے رکھنے والوں پر کپڑوں کے دو سو جوڑے مقرر کئے ہیں اور ذی  
لوگوں کی دیت وہی رکھی ہے جو پہلے تھی۔“

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیة اثنی عشر الف  
درہم۔ جامع الترمذی ج ۳ ص ۲۲۲

ترجمہ ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار  
درہم خون بہا دیت مقرر کیا تھا۔“

علامة ابوالفضل جمال الدین عبداللہ بن محمد بن ابی الحسن مکرم بن احمد ابی  
منظور الانصاری الحزرجی الافریقی المصری ولد ۶۳۰ ہجرات فی شعبان ۱۱ ھ  
قال وكان اهل الدیة الابل ثم قومت بعد ذلك بالذهب والفضة والبقرة  
والغنم وغيرها۔ لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۶۱

ترجمہ ”صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ اصل دیت تتواونٹ ہی ہیں صرف لوگوں کی سہولت  
کے لیے ان اونٹوں کی قیمت کے برابر، بعد میں سونا و چاندی، گائیں اور بکریاں وغیرہ دیت مقرر کی گئی۔“  
۴۵ سے ثابت ہوا کہ دیت میں سونے چاندی کا اعتبار نہیں، اصل دیت بجا اونٹ ہی ہیں تو  
دیت میں تتواونٹ ہی دینے ہوں گے یا پھر ان کی قیمت کے برابر دوسری مقرر کردہ اشیاء۔ دو سو  
گائیوں اور دو ہزار بکریوں کی قیمت بھی ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے سے کہیں زیادہ بنتی ہے  
لہذا ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے کی دیت درست نہیں۔

فقال الشافعی واحمد فی روایة محمد بن المنذر الابل فقط فتجب قيمة الابل  
بالغة ما بلغت۔ رالبنایة ج ۲ ص ۲۵۸

ترجمہ ”امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ بھی جوہر کے توں فرماتے ہیں کہ اصل دیت  
تتواونٹ ہی ہیں جو ان کی قیمت سے کسی قیمت کی دوسری مقرر کردہ اشیاء دیت میں دینا ہوں گی۔“

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان فی  
قتل العمد الخطاء بالسوط والعصا مائة من الابل مغلظة منها ربعون فی بطونہا اولادہا۔  
وذهب قوم الی ان الدیة المغلظة اربع خمسون وعشرون بنت مخاض وخمس و  
عشرون بنت لبون وخمس وعشرون خقة وخمس وعشرون جذعة۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خبردارں سو بیشک قتل عمد خطا کوڑے (تازیانے) اور لاٹھی مارنے سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت سوا اونٹ ہیں ان میں چالیس حاملہ (گاہن) اونٹنیاں ہیں جن کے بطنوں میں ان کے اولاد ہو۔ اور ایک گروہ کا میلان اس طرف ہے کہ بلاشبہ دیت مغلفہ چار قسم کے اونٹوں پر مشتمل ہے۔ اولاً: ۲۵ ایسی اونٹنیاں جو ایک برس پورا کر کے دوسرے برس میں داخل ہو گئی ہوں۔ ثانیاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو دو برس پورے کر کے تیسرے میں داخل ہو گئی ہوں۔ ثالثاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو تین برس کی ہو کر چوتھے برس میں داخل ہو گئی ہوں اور چھٹی کے قابل ہوں۔ رابعاً: ۲۵ وہ اونٹنیاں جو چار برس پورے کر کے پانچویں برس میں داخل ہو گئی ہوں۔ (امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک) دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:-

..... وَاَنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَّةِ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ - (ابوداؤد، نسائی، ابن خزيمة، ابن جارد، ابن حبان، مسند احمد، بلوغ المرام، کتاب الجنایات)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن حزم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ قتل نفس کی اصل دیت سوا اونٹ ہی ہیں۔

عن جابر بن عبد الله قال فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم في الدية على اهل الابل مائة من الابل وعلى اهل البقرة مائة بقرة وعلى اهل الشاة الفى مائة وعلى اهل الحبل مائة حلة - (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۸۹، ابوداؤد عن عطارد بن رباح)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ والوں پر سوا اونٹ اور گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑوں والوں پر دو سو جوڑے کپڑے دیت مقرر فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھتے چلیے کہ اصل دیت سوا اونٹ ہیں اس لیے آج کل کپڑوں کے دو سو جوڑوں کی دیت ادا نہ ہوگی، بلکہ اگر کپڑے ہی دینے ہوں تو پھر سوا اونٹوں کی قیمت کے برابر کپڑا دینا ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال من قتل خطأً فديته من الابل ثلاثون بنت مخاض وثلاثون استة لبون وثلاثون حقة وعشر بنى لبون — وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقولها على القرى اربع مائة دينار او عدلها من الورق ويقومها على ازمان الابل اذا غلت رفع في ثمنها واذا اهانت نقص من ثمنها على نحو الزمان ما كان فيبلغ قيمتها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين اربع مائة دينار الى ثمان مائة دينار او عدلها من الورق ثمانية الاف وقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كان عقله في البقرة من اهل البقرة مائتي بقرة ومن كان عقله في الشاة على اهل الشاة الفى شاة. (ابن ماجه ج ۳ ص ۸۷)

ترجمہ ” حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خطا سے مارا جائے اس کی دیت رتواونٹ ہیں (تین ایسی اونٹنیاں ہیں جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہوں اور تین ایسی اونٹنیاں جو دوسال پورے کر کے تیسرے سال میں لگی ہوں اور تین ایسی اونٹنیاں جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہوں اور دس ایسے اونٹ جو دو برس کے ہو کر تیسرے برس میں لگے ہوں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاٹوں والوں پر دیت کی قیمت چار سو دینار لگاتے یا اتنی ہی قیمت کی چاندی، اور دیت کی قیمت اونٹوں کے حساب سے لگاتے، جب اونٹ گراں ہوتے تو دیت بھی گراں (زیادہ) ہوتی اور جب اونٹ ارزان ہوتے تو دیت بھی ارزاں (کم) ہو جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اونٹ کی قیمت چار سو دینار سے لیکر آٹھ سو دینار تک جا پہنچی تھی!“

آج کل اونٹوں کی جگہ اگر گائے بکری دیت میں دی جائے تو ان کی قیمتیں سب سے زیادہ ہیں، بتیل بکری لی جائے تو دو ہزار بکریوں کی قیمت تقریباً چالیس لاکھ روپے بنتی ہے، دو دھیل بتیل بکری دو ہزار روپے کی کم از کم ۴,۰۰,۰۰۰ = ۲۰۰۰ × ۲۰۰۰ — چالیس لاکھ روپے۔

میں بازار سے عام بکری کی قیمت معلوم کی تو دو ہزار بکریاں دس لاکھ روپے کی بنتی ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اگر ایک بکری کی قیمت پانچ سو روپے ہو تو دو ہزار بکریوں کی قیمت کیا ہوگی؟

$$۱۰,۰۰,۰۰۰ = ۲۰۰۰ \times ۵۰۰ — دس لاکھ روپے۔$$



تو فرمائیے! سواونٹوں کے بدلے دیت میں اگر دو ہزار بکریاں دی جائیں تو کم از کم دیت دس لاکھ روپے بنتی ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ بھی ہے کہ سواونٹوں کی جگہ گائیں رکھنے والوں سے دو سو گائیں دیت میں دلائی جائیں۔

میں نے مویشی منڈی سے قیمت معلوم کی تو پتہ چلا کہ ایک عام گائے کم از کم بتیس سو روپے کی ملتی ہے۔

$$۶۴۰۰۰۰ = ۲۰۰ \times ۳۲۰۰ - \text{چھ لاکھ چالیس ہزار۔}$$

علامہ بدالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولد ۶۲۲) ص ۸۵۵ توفی ۸۵۵ھ م رقمطراز ہیں کہ:-

قال الامام الاستیجابی قيمة كل حلة خمسون درهما وقيمة كل بقرة خمسون درهما وقيمة كل شاة خمسة دراهم۔

البنایة فی شرح الہدایة ج ۴ ص ۲۸۵  
(ترجمہ) علامہ استیجابی فرماتے ہیں کہ ایک بوڑا کپڑے کی قیمت پچاس درہم اور ایک گائے کی قیمت پچاس درہم اور ایک بکری کی قیمت پانچ درہم تھی۔  
آٹھ سو دینار، دس ہزار درہم، ستو گائیں، ہزار بکریاں، دو سو بوڑے کپڑوں کی قیمتیں ستو اونٹوں کی قیمت کے برابر نہ تھیں۔ اس لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اب اونٹوں کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں لہذا سواونٹوں کے بدلے ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم یا دو سو گائیں یا دو ہزار بکریاں دیت میں دلائی جائیں گی۔

یاد رہے کہ درہم و دنیایر اور گائیں اور بکریوں وغیرہ کی تعداد اس لیے بڑھتی گھٹتی رہی ہے کہ وہ اصل دیت نہیں، اصل دیت چونکہ ستو اونٹ ہی ہیں اس لیے ہر زمانہ میں اونٹوں کی اصل قیمت کے برابر دوسری مقرر کردہ اشیاء کی تعداد بھی بڑھتی گھٹتی رہی ہے اور رہے گی۔  
غیر القرون میں جب اونٹ ارزاں ہوتے تو دیت بھی کم ہو جاتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصل دیت کی قیمت چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک جا پہنچی تھی، چاندی کے آٹھ ہزار درہم اس کے مساوی ہوتے تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی

ارشاد فرمایا کہ گائے والوں اور بیل والوں سے دیت میں ڈوسو گائیں اور بکریوں والوں سے دو ہزار بکریاں لی جائیں۔

ملحوظہ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ قتلِ نفس کی اصل دیت چونکہ سوا اونٹ ہی ہیں اس لیے سنتِ قائمہ کے مطابق ہر زمانہ میں اونٹوں کی قیمت کے نرخ کے حساب سے ہی دیت ادا کی جائے گی خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

کما مر۔ ویفتق مہا علی اثمان الابل فاذا غلت رفع قیمتہا واذا حاجت رخص نقص من قیمتہا۔ الخ (ابوداؤد، نسائی، مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶، مشکوٰۃ ص ۳۰۲)

(ترجمہ) اور قیمت ٹھہراتے (نبی کریم) دیت خطا کی اوپر مول اونٹوں کے پھر جس وقت ہمنگے ہوتے اونٹ تو زیادہ کرتے قیمت دیت کی اور جب ظاہر ہوتی ارزانی اونٹوں کی تو قیمت کم کرتے دیت سے (مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶)

اس حدیث کے تحت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور نواسہ مولانا مخدومنا و مکرنا حاجی محمد اسحاق روح اللہ رحمہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین ابن محمد محی الدین احراری دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ۔

”کہا طیبی نے یہ دلالت کرتی ہے کہ اصل دیت میں اونٹ ہیں پس اگر نہ ملیں (اونٹ) تو واجب ہوتی ہے قیمت ان کی جس قدر کہ ہو۔“

(ملاحظہ ہو مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۶۶ طبع اول شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

ایک اور جگہ قتلِ عمد کی دیت کی بابت ارشاد ہو رہا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل دیت میں سوا اونٹ ہی ہیں۔

عن عمرو بن شعیب عن ابيہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قتل متعمداً دفع الی اولیاء المقتول فان

۱۔ ولادت: ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۹۷ء۔ وفات: ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء

۲۔ ولادت: ۱۱۹۷ھ ذی الحجہ۔ وفات: ۲۵ رجب ۱۲۶۲ھ۔ محدث لاہوری ثم دہلوی۔

۳۔ ولادت: ۱۲۱۹ھ وفات: ۱۲۷۹ھ

شأوا قتلوا، وان شاءوا اخذوا الدية وهي ثلاثون حقة  
وثلاثون جذعة واربعون خلفة وما صالحوا عليه فهو  
لهم۔ (جامع الترمذی جلد ۱ ص ۲۲۱)

(لسان العرب جلد ۱۵ ص ۳۱۳)

(ترجمہ) ”حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی جان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا، وہ اگر چاہیں تو قاتل کو اپنے مقتول کے بدلے قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں اور وہ دیت سو اونٹنیاں ہیں، ان میں سے بیس ایسی اونٹنیاں ہیں جو کہ تین برس پورے کر کے چوتھے برس میں داخل ہو گئی ہوں اور تیس وہ جو چار برس پورے کر کے پانچویں برس میں داخل ہو گئی، اور چالیس اونٹنیاں گاجھن (حاملہ) ہوں گی اور مقتول کے وارث جس بات پر صلح کر کے فیصلہ کر لیں وہی قاتل پر واجب ہوگی“

ایک اور جگہ قتلِ خطاء کی اصل دیت بھی تلو اونٹ ہی مقرر فرمائے گئے ہیں، ارشادِ نبویؐ ہے :-

عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قال قال رسول الله  
صلى الله عليه وسلم في دية الخطاء عشرون حقة وعشرون  
جذعة وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون  
بني مخاض۔ (ابن ماجہ ج ۳ ص ۸۷۹)

(ترجمہ) ”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲/۳۳ ہجری) سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتلِ خطاء کی اصل دیت میں بیس اونٹنیاں وہ ہیں جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں داخل ہو گئی ہوں اور بیس اونٹنیاں ایسی ہوں جو چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں لگی ہوئی ہوں اور بیس اونٹنیاں وہ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہوئی ہوں اور بیس اونٹنیاں وہ جو دو برس کی ہو کر تیسرے برس میں داخل ہو چکی ہوں اور بیس اونٹ وہ جو ایک ایک سال کے ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوئے ہوں“



عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
في دية الخطاء عشرون حقة وعشرون جذعة وعشرون بنت  
مغاض وعشرون بنت لبون وعشرون بنتي مخاض -

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۴، ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ مطبع مجتہبائی دہلی۔ ابن کثیر ج ۱،

نسائی، ترمذی، مظہری ج ۲ ص ۱۸۴، موطا امام مالک ص ۲۹۳ باب الدیۃ، کتاب العقول)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خطا کی  
اصل دیت رتواونٹ ہیں (بیس اونٹنیاں وہ جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں  
وہ ہیں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں وہ ہیں جو دوسرے برس میں لگی ہوں۔  
ہذا عند امام احمد وامام اعظم رحمہما اللہ

وان قتل الخطاء شبه العمد قتل السوط والعصاء دية مغلظة منها  
اربعون في بطونها اولادها يعني مائة مت الابل - (دارقطنی ج ۳ ص ۱۰۵،  
سنت ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۴۴)

(ترجمہ) اور قتل خطا عمدہ ہے جو کوڑے اور لاٹھی سے مار دیا جائے اس کی اصل  
دیت مغلظہ رتواونٹ ہیں بن میں چالیس گابھن (حاملہ) اونٹنیاں ہیں۔

اجمعت الصحابة على المائة لكنهم اختلفوا في سننها -

(البنایۃ فی شرح الہدایۃ ج ۱ ص ۲۸۴)

(ترجمہ) تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے کہ اصل دیت  
میں سواونٹ ہی ہیں لیکن ان کی عمروں میں ان کا اختلاف ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الاديۃ  
الخطاء شبه العمد ما كان بالسوط والعصاء مائة مت الابل منها  
اربعون في بطونها اولادها - (نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد،  
مشکوٰۃ باب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو  
کوڑوں اور لاٹھیوں سے مارا جائے وہ خطا شبه عمد ہے، اس کی دیت سواونٹ ہیں جن میں  
چالیس گابھن (حاملہ) اونٹنیاں ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمقدار الدیۃ وانہا مائۃ من الابل  
ضممتہا حدیث سهل بن ابی حثمۃ فی القتل الموجد بخیر وان النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم وداه بمائۃ من الابل۔ وروی سفیان بن عیینۃ عن علی بن  
زید بن جدعان عن القاسم بن ربیعۃ عن ابن عمر قال خطبنا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ فقال الا ان قتل خطاء العمد بالسوط والعصا  
فیہ الدیۃ مغلطۃ مائۃ من الابل اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا۔  
وفی کتاب عمرو بن حزم الذی کتبہ لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی  
النفس مائۃ من الابل۔ وروی عمرو بن دینار عن طاؤس قال فرض  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتہ الخطاء مائۃ من الابل۔

{ احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۲ باب مبلغ الدیۃ من الابل }  
{ و باب شبه العمد ج ۲ ص ۲۲۹ }

(ترجمہ) ”ارشاد نبوی“ ہے کہ دیت کی مقدار تنواونٹ ہیں حضرت سہلؓ کی حدیث اس پر  
گواہ ہے کہ خیر میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنواونٹ دیت میں دیئے تھے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے  
ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل خطاء العمد وہ ہے جو کوڑوں اور  
لاٹھیوں سے مار دیا جائے اس کی دیت مغلط تنواونٹ ہیں جن میں چالیس گاہن اونٹیاں ہوں گی۔  
اور عمرو بن حزم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خط لکھا تھا اس میں بھی یہی تحریر فرمایا تھا کہ  
قتل خطاء کی دیت تنواونٹ ہے۔ حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے قتل کی دیت تنواونٹ ہی مقرر فرمائی ہے۔“

پھر یہ بات قابل غور ہے کہ امام جصاصؒ فرماتے ہیں یہ کہیں تہیں فرمایا گیا کہ دیت بارہ ہزار  
بادس ہزار درہم ہے اور نہ یہ فرمایا گیا کہ دیت ایک ہزار دینار ہے بلکہ ہزار مانہ میں تنواونٹوں کی  
قیمت کو دیکھا گیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۲۳۵)

بلاشبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اصل دیت تنواونٹ  
ہی بتائی ہے، پھر کسی صحابی نے اس سے انکار نہیں کیا اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

(البنایۃ ج ۲ ص ۲۸۴)

اور دیت آزاد مسلم کی تنواونٹ ہے جب اونٹ نہ مل سکیں تو ان کی قیمت واجب ہے جیسا کہ

حضرت عمرؓ نے سواونٹوں کی قیمت کے برابر سونے والوں پر ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم دیت کے مقرر کئے تھے۔ اور ایک گرومنے یہ کہا ہے کہ ذمی اور معاہدہ کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۲۵)

صاحب البنا یہ لکھتے ہیں:-

”یعنی دیت سوائے اونٹوں کے اور کسی چیز کی ثابت نہیں“

حضرت ثوری اور حضرت حسن بن صالح رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دیت میں درہم و دنانیر دیتے وقت اونٹوں کی قیمتوں کو مد نظر رکھا گیا ہے، درہم و دنانیر کی قیمتیں بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں اور ہم نے کتاب میں اسی کو بیان کیا ہے، اور وہ یہ کہ دیت اونٹوں ہی میں موقوف رہی ہے وہ کسی اور چیز سے ثابت نہیں، کیونکہ توقع اسی میں ہے کہ دیت سواونٹوں ہی کی (شرع شریف میں وارد ہے اور اسی پر اجماع ہے، اصل دیت کی اونٹوں کے سوا کوئی اور مقدار ہمارے علم میں نہیں، اگر کوئی قاضی اس کا حکم دے تو اس کے اس حکم کا نفاذ ہی نہ ہوگا کیونکہ دیت میں سواونٹوں کے سوا کسی اور چیز کا حکم نافذ ہی نہیں ہو سکتا، اصل دیت میں سواونٹوں کی مقدار پر صحابہ کرام کا اجماع ہے ان کا اختلاف صرف ان کی عمروں کے بارے میں ہے۔ (البنا یہ ج ۱ ص ۲۸۳)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہ جعل الدیۃ من المورق قیمۃ الابل لانہ اصل

فی الدیۃ۔ (احکام القرآن للبخاری ج ۲ ص ۲۳۷)

چاندی سے دیت اونٹوں کی قیمت کے حساب سے دی گئی ہے کیونکہ چاندی اصل دیت

نہیں ہے۔





# اُونٹ کی طرح سونا چاندی بھی

## اصل دیت ہے

جواب الجواب از مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب

ماہنامہ الحق "مارچ ۱۹۹۱ء" موافق شعبان ۱۴۱۱ھ کے حوالہ سے حضرت مولانا سید تصدق بخاری صاحب زید مجدہم نے "اصل دیت کیلئے، سواونٹ یا ہزار درہم" کے عنوان سے دیت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے، یہ احقر کے اُس مقالہ کا مواخذہ تھا جو دسمبر ۱۹۹۰ء کے "الحق" میں "اسلام کا نظام قصاص و دیت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

**اختلافی نقطہ نظر** | موصوف کو احقر کے مقالہ میں جس بات سے تعلق ہوا ہے وہ دیت کی تقرری میں دس ہزار درہم کے تعین کا مسئلہ ہے۔ آپ کی تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ دیت کے تعین کا دار و مدار اونٹوں پر ہے یعنی اصل دیت سواونٹ ہیں اور اہم و دنیا نیر یا دوسری چیزوں کا ذاتی طور پر کوئی اعتبار نہیں، جہاں کہیں دیت کے فیصلے ہوئے ہیں اُن میں اونٹ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے (حالانکہ ایسا نہیں) موصوف فرماتے ہیں:-

"احادیث کے تتبع سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سونا چاندی، گلے و کبریاں وغیرہ کی تعداد کے تعین میں خیر القرون میں کمی بیشی اس لیے ہوتی رہی اور آئندہ بھی قیامت تک بوقت ضرورت ہوتی رہے گی کیونکہ یہ چیزیں اصل دیت نہیں ہیں اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اس لیے ان کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی!" (الحق ص ۱۲)

**موصوف کے دلائل کا تجزیہ** | موصوف نے گیارہ صفحات پر مشتمل مضمون میں جن روایات کا سہارا لیا ہے وہ کل پانچ ہیں:-

(۱) پہلی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے، موصوف نے یہ روایت تین دفعہ ذکر کی ہے، پہلی دفعہ سیرت ابن ہشام کے حوالہ سے الحق ص ۱۳ پر، دوسری دفعہ معالم التنزیل کے حوالہ سے الحق ص ۱۵ پر اور تیسری دفعہ احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص ۲۱ پر ہے۔ اس روایت میں کسی درہم و

دنایہ سے انکار نہیں، صرف یہ آیا ہے کہ قتلِ خطا کا خون بہا سواونٹ ہے جن میں سے چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں گی۔

(۲) دوسری اہم روایت جس کے بارے میں موصوف اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس سے اُن کا مؤقف صراحتاً ثابت ہے، یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کی روایت ہے۔ موصوف نے یہ روایت پہلی دفعہ بحوالہ ابو داؤد (الحق ص ۱۳ پر) دوسری بار بحوالہ ابن ماجہ (الحق ص ۱۶ پر) تیسری بار بحوالہ ترمذی (الحق ص ۱۸ پر) ذکر کی ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ قتلِ خطا کی دیت سو اونٹنیاں ہیں جن میں تیس دوسرے سال والی، تیس تیسرے سال والی، تیس چوتھے سال والی اور دس اونٹ دوسرے سال والے ہیں۔ البتہ مؤخر الذکر روایت میں تیس اونٹنیاں چوتھے سال والی، تیس اونٹنیاں پانچویں سال والی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ (گائیں) کی ادائیگی وارد ہے، مزید برآں در اہم و دنایہ اور دوسری چیزوں کا اندازے سے ادائیگی کا حکم بھی وارد ہے۔ ایسا ہی موصوف نے یہ روایت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی دوسری سند سے مشکوٰۃ کے حوالے سے الحق ص ۱۷ پر نقل کی ہے جس سے سواونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۳) تیسری روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے جو موصوف نے ترمذی کے حوالے سے الحق ص ۱۷ پر نقل کی ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیۃ اثنتی عشر الف دراهم۔

(الجامع الترمذی ج ۱ ص ۲۵۸ باب ما جاء فی الدیۃ کم ہی من الدرہم)

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے۔

اس روایت کی رو سے دیت میں اونٹ کی تقرری کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ اس سے موصوف کے عندیہ کی

تردید ہو رہی ہے کیونکہ موصوف کے نزدیک اصل دیت سواونٹ ہیں جبکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے اعتبار سے قطع نظر بارہ ہزار درہم مقرر فرمائے۔

یہ الگ بات ہے کہ احناف نے بارہ ہزار کی جگہ دس ہزار درہم کو اعتبار کیوں دیا؟ اس کی

تحقیق کے لیے احناف کے فقہی ذخائر کی طرف مراجع کرنا ہو گا تاہم درہم کی قیمت میں تفاوت

کی وجہ سے بعض روایات سے دس ہزار اور بعض سے باو ہزار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کہنا روایات سے

ناواقفیت کی دلیل ہے کہ یہ تفاوت اونٹ کی قیمت کے اعتبار پر مبنی ہے۔ درہم کا اعتبار صرف اس

روایت سے نہیں بلکہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ (کما سیأتی انشاء اللہ) لیکن موصوف کے مؤقف

کی تردید کے لیے یہ ایک روایت ہی کافی ہے، معلوم نہیں کہ آپ کو یہ روایت نقل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

(۴) پوتھی روایت حضرت جابر بن عبد اللہ کی ہے جو موصوف نے تفسیر منظرہ ہی کے حوالہ سے الحق ص ۱۶ پر نقل کی ہے۔ اس روایت کی رو سے دیت میں اونٹ کے علاوہ گائیں والوں پر دو سو گائیں بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں پر دو سو جوڑے کپڑوں کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵) پانچویں روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود کی ہے جو موصوف نے ابن ماجہ کے حوالہ سے الحق ص ۱۹ پر اور ابوداؤد کے حوالہ سے الحق ص ۲ پر نقل کی ہے، اس روایت سے بھی اونٹ کی ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے۔

ان روایات کے علاوہ حضرت طاؤس کی مرسل روایت احکام القرآن کے حوالہ سے الحق ص ۲ پر ہے جس سے اونٹ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

امام شافعی، امام احمد، طیبی، امام اعظم، ثوری اور حسن بن صالح کی طرف آپ نے منسوب اقوال پیش کیے ہیں۔

اونٹ کی اصالت کے باوجود تمام روایات پر عمل ممکن نہیں | مولانا موصوف کا عندیہ درج ذیل ہے۔

”درحقیقت اصل دیت سواونٹ ہی ہیں اس لیے دیت کے فیصلہ کے وقت سواونٹ کی جو قیمت ہو وہی اصل دیت ہے، دوسری جو چیزیں بھی سہولتاً دیت میں دی جائیں گی وہ بحساب سواونٹوں کی مروجہ قیمت کے مساوی دی جائیں گی؛ (الحق ص ۱۶)

موصوف کے ارشاد کے مطابق اگر ہم سواونٹ دیت کے لیے اصل مان لیں تو پھر بھی تمام روایات پر عمل ممکن نہیں کیونکہ اونٹ کے بارے میں بھی حدیث کے دیگر ذخائر کی طرف مراجع سے قطع نظر صرف موصوف نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک نوع کے اختیار کرنے سے دوسری روایات چھوٹ جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابن عمر کی روایت کی رو سے جب سواونٹ دیئے جائیں گے تو ان میں چالیس اونٹنیاں حاملہ (گابھن) ہوں گی، لیکن اس کے مقابلہ میں عمر بن شعیب بن ابیہ عن جدہ کی سند سے جو روایت موصوف نے نقل کی ہے اس میں ابوداؤد کی روایت میں سواونٹ کی جگہ قیمت کی ادائیگی وارد ہے، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں سواونٹ کی ادائیگی میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ ان میں تیس ایسی اونٹنیاں ہوں جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہوں،



تیس ایسی اونٹنیاں جو تیسرے سال میں جا رہی ہوں اور تیس ایسی اونٹنیاں جو چوتھے سال میں لگی ہوں اور دس ایسے اونٹ جو تیسرے برس میں داخل ہو چکے ہوں۔ گویا اس روایت میں سوا اونٹ میں چار قسم کا اعتبار ہے، لیکن تربندی کی روایت میں سوا اونٹ میں تثلیث کا اعتبار ہے کہ تیس اونٹنیاں چار سال والی، تیس اونٹنیاں پانچ سال والی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ (گابھن) ہوں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بحوالہ ابو داؤد سوا اونٹ کی تقسیم میں تھیس کا اعتبار دیا گیا ہے۔ بیس اونٹنیاں چوتھے سال والی، بیس اونٹنیاں پانچویں سال والی، بیس اونٹنیاں دو سال والی، بیس اونٹنیاں تین سال والی اور بیس اونٹ تین سال والے ہوں۔

صرف ان الفاظ کو دیکھ کر کسی ایک نوع کے تعین سے دوسری روایات پر عمل ممکن نہیں، لہذا محض اونٹ کی اصالت پر قول کر کے روایات کو قابل عمل بنانے کی راہ کامیاب نظر نہیں آتی، ایسی صورت میں قتل کی قسموں کا اعتبار کر کے دیت مغلظہ اور دیت محففہ کی صورت نکالنی ہوگی۔

دراہم و دنانیر کو دیت کی قیمت کہنا درست نہیں | اس کے معنی میں معاوضہ کی ماہیت چھپی ہوئی ہے

کیونکہ لغوی اعتبار سے دیت مالی معاوضہ کو کہا جاتا ہے۔ اور از روئے شرع دیت اُس مال کو کہتے ہیں جو کسی کی جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص کرنے کے بدلے میں دیا جاتا ہے۔ (مظاہر الحق جدید از علامہ قطب الدین، جلد ۳ ص ۵۳ کتاب الدیات)

گویا دیت حقیقت میں انسان کی قیمت ہے، کیونکہ انسان کی حقیقت میں حیوانیت میں بھی ایک جُز ہے اور حیوان جب ہلاک ہو جائے تو یہ مضمون بالقیمت ہوتا ہے اور قیمت کے تعین کے لیے ایسی چیز کی تقرری ضروری ہوتی ہے جس میں خود تعین ہو تفاوت نہ ہو، مزید برآں ممکن اُصول ہو۔ کسی حیوان کے عوض میں ایسی چیز کو واجب قرار دینا جو متفاوت ہو باہمی نزاع اور فتنہ و فساد کے لیے مواقع فراہم کرنے کے مترادف ہے جبکہ ممکن اُصول نہ ہونے کی صورت میں تعین کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہیں۔ اس وجہ سے عقلاً تو اونٹ کا اعتبار ذاتی طور پر دیت میں بالکل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے باطنی معانی کی وجہ سے ان میں یکسانیت ممکن نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونٹ مل سکیں، مثلاً ہمارے ملک میں اگر موصوف کے مشورے سے اونٹ کو ہی اعتبار دیا جائے تو یہ اسلامی نظام کے نفاذ کو مشکل میں لے کر بناتا ہے کیونکہ ملک میں ہر جگہ اونٹوں کا ملنا مشکل ہے اور اگر مقتول کے ورثاء کو سوا اونٹ ہی دیئے جائیں تو یہ ان کو اٹا مشقت میں ڈالتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ مقتول کے ورثاء

اونٹ اپنے پاس رکھ سکیں اور اگر فروخت کریں تو ملکی رواج نہ ہونے کی وجہ سے ایسی حالت میں اس کو کم سے کم قیمت دی جائے گی۔ لیکن چونکہ حدیث میں سوا اونٹ کا حکم دیا گیا ہے لہذا عقلی وجوہات سے قطع نظر تشکیث، تزییع یا تخمیس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کا دینا جائز ہے، پھر بھی اونٹوں کی ادائیگی ایسے ملک میں ہونی چاہیے جہاں ان کا رواج ہو تاکہ ان کو یعنی ورثاء کو آسانی رہے۔ اس کے علاوہ دراہم و دنانیر اپنی جگہ بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت کے دیت کی صلاحیت رکھتے ہیں، کیونکہ دراہم و دنانیر خلقی طور پر ثمنیت سے متصف ہیں، اس کی مقدار معلوم ہے اور ہر جگہ آسانی سے میسر ہیں بلکہ دنیا کے ہر کونے میں ان کا اعتبار پایا جاتا ہے کیونکہ دنانیر سونے اور دراہم چاندی کے ہوتے ہیں اور سونا چاندی بین الاقوامی لین دین کا ذریعہ ہے اس لیے دیت میں اس کی تقرری سے کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔

دراہم و دنانیر کو دیت کی قیمت کہنے میں ایک دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ اگر ہم اصل دیت اونٹ کو مان کر دراہم و دنانیر اس کا بدل تسلیم کر لیں تو ایسی حالت میں اونٹ ہمیشہ نہیں لیتے بلکہ یہ قاتل کے ذمے محض واجب الادا ہوتے ہیں، اگر دراہم و دنانیر اس کا بدل ہو اور اس کے عوض میں دیئے جائیں تو دراہم و دنانیر کے بارے میں قاضی تین سال کی مدت ادائیگی کے لیے مقرر کر سکتا، لہذا پھر ایسی حالت میں بھی یہ قاتل کے ذمہ محض واجب الادا رہیں گے تو یہ ”دینا بدین“ نسبتہ بنیستہ کی صورت لازم آئے گی جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۲۶ کتاب الدیات) دیت کے تعین میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

یہاں تک تو موصوف کے مضمون کا اجمالی جائزہ تھا اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ دراہم و دنانیر کا تعین راقم الحروف کی کوئی خود ساختہ رائے نہیں بلکہ یہ محققین و مجتہدین کی تحقیقات کی روشنی میں مستقل مکاتب فکر کی مستند رائے ہے، بد قسمتی سے مولانا صاحب نے اپنے مقالہ میں سوا اونٹ کی اصالت ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کی طرف منسوب کرنے کی رحمت نہیں کی، موصوف نے انداز بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ شاید اپنی صوابدید پر وہ احادیث سے بالذات مسائل مستنبط کر رہے ہیں، آپ نے ”الحق ص ۱۵“ پر ”الغایہ“ کے حوالے سے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا قول ایسے پیرایہ میں نقل کیا ہے جیسا کہ ان حضرات کے اقوال آپ کی رائے کے لیے محض تاثیری حیثیت رکھتے ہوں، جبکہ بعض جگہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے غلط فائدہ لیا ہے اور ایسی تو بھیہ کی ہے جو مالا یرضیٰ یہ قائلہ کے مترادف ہے۔



کاش اگر موصوف ابتداء ہی سے اپنا مذہبی رشتہ ظاہر کر دیتے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی لکڑپ کس کی ترجمانی کا حق ادا کر رہے ہیں، اس لیے دیت کے بارے میں جملہ مذاہب نقل کرنے کے بعد شاید موصوف کے بارے میں یہ واضح ہو سکے کہ وہ کس مسلک سے وابستہ ہیں تاہم طوالت سے بچنے کی خاطر عربی عبارات کے بجائے باحوالہ اردو تراجم پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

**امام شافعیؒ کی رائے** | امام شافعیؒ سے دیت کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں، پہلے قول جس کی نسبت آپؒ کی طرف عراق کے حوالہ سے کی جاتی ہے، کی رو سے چاندی والوں سے بارہ ہزار درہم اور سونے والوں سے ایک ہزار دینار لیے جائیں گے جیسا کہ اونٹ والوں سے سواونٹ لیے جاتے ہیں البتہ مصر میں آپؒ کا قول جدید یہ ہے کہ درہم و دنانیر کے تعین کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اصل دیت سواونٹ ہے، جہاں کہیں دوسری چیزیں مثلاً سونا چاندی لیے جائیں گے تو اس میں اونٹوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

قال الشافعی بمصر لا یؤخذ من اهل الذہب ولا من اهل الورق الا قیمتة الابل بالغة ما بلغت۔ (بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۰۷ کتاب الديات في النفوس اختلفوا في الدرهم و الدنانير) (ترجمہ) ”امام شافعیؒ کا قول مصر میں یہ ہے کہ سونا اور چاندی والوں سے سواونٹ کی قیمت کے علاوہ کوئی چیز نہیں لی جائے گی خواہ قیمت کتنی ہی کیوں نہ ہو،“

لیکن شوافع کے ہاں مفتی بہ قول مصر کا ہے، گویا ابھی شوافع کے ہاں دیت کی اصل سواونٹ ہے، سونا اور چاندی یعنی درہم و دنانیر اگر دیئے جائیں تو اس میں سواونٹ کی قیمت کا اعتبار ہوگا بذات ان کا دیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ”آزاد مسلمان کی دیت سواونٹ ہے اس کے سوا دوسری چیزیں دیت نہیں،“

(الام۔ دارالمعرفة بیروت ج ۲ ص ۱۰۵)

**امام مالکؒ کی رائے** | امام مالکؒ کے نزدیک سواونٹ کے علاوہ درہم و دنانیر کا بھی دیت میں بطور اصالت اعتبار ہے۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں :-

وعمدة مالك تقويم عمر بن الخطاب المائة من الابل على اهل الذہب بالف دينار وعلى اهل الورق اثني عشر الف درهم۔ (بداية المجتهد ج ۲ ص ۲۰۷ کتاب الديات في النفوس) (ترجمہ) ”امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سونے والوں پر (دیت) ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم ہیں،“



امام احمد بن حنبل کی رائے | امام احمد بن حنبلؒ نے بھی دو روایات مروی ہیں، ایک روایت میں آپ بھی امام شافعیؒ کی طرح صرف اونٹ کی اصالت کے قائل ہیں اور دوسرے قول میں اونٹ کے علاوہ سونے اور چاندی کے بھی قائل ہیں۔ محدثِ اعظم ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) جان لیں کہ دیت کی اصالت میں علماء کا اختلاف ہے، پس امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت کی رو سے اور ابن المنذرؒ کے نزدیک صرف (سوا) اونٹ ہیں لہذا ان کی قیمت واجب ہوگی جتنی بھی ہو، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اونٹ کے علاوہ سونا اور چاندی بھی ہے، یہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول اور امام شافعیؒ کی قدیم رائے ہے، (مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱ ص ۱۳ ابواب الدیات)

ابن حزم ظاہری کی رائے | دیت کے بارے میں سب سے سخت ترین لہجہ ابو محمد علی بن حزم ظاہریؒ کا ہے، جن سے درہم و دنانیر کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں جبکہ دوسرے کسی نہ کسی درجہ میں درہم اور دنانیر کے بارے میں کچھ نہ کچھ مروی ہے لیکن آپؒ دو ٹوک فیصلہ کر کے فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) "قتل (قتل) عمدا اور خطا کی دیت سوا اونٹ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر ان کی قیمت واجب ہو گی" (ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، ج ۱ ص ۱۷۷ مزید لکھتے ہیں :-

ترجمہ "ہماری طرح جن سے اونٹ کے علاوہ دوسرا کوئی قول نقل نہیں یہ ایک عظیم جماعت ہے جن میں زید بن ثابتؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، ان تمام کی رائے یہ ہے کہ دیت میں سوا اونٹ ہیں" (ابو محمد علی بن الحزم، المحلی، ج ۱ ص ۱۷۷)

ان متعدد اقوال پر نظر ڈالنے سے قارئین آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ موصوف مسلک کے اعتبار سے کن کے قریب ہیں اگرچہ آپ نے کسی جگہ اپنے مذہبی رشتہ کے اظہار کی جرأت نہیں کی بلکہ مجتہدانہ انداز بیان اختیار کر کے احادیث سے بالذات احکام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دیت کے بارے میں احناف کثرہم اللہ کا موقف | احناف بھی دیگر فقہی مکاتب فکر کی طرح دیت میں احناف کی

اصالت کے قائل ہیں لیکن احناف نے اپنا زاویہ فکر صرف چند روایات تک محدود نہیں رکھا بلکہ

پوری روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اونٹ کے علاوہ سونے (دینار) اور چاندی (دراہم) کے تعین پر بھی قول کیا۔ گویا احناف کے نزدیک سوا اونٹ کی طرح ایک ہزار دینار یا دس ہزار دراہم بھی دیت کے لیے اصل ہیں۔ اگر کسی علاقہ میں اونٹ ہوں تو وہاں پر دیت میں اونٹ وصول کیے جائیں گے اور اگر کہیں اونٹ نہ ہوں تو پھر علاقہ کی حالت اور عرف کو دیکھ کر سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے اعتبار سے دس ہزار دراہم وصول کئے جائیں گے۔

پاکستان میں اونٹوں کا رواج بعض خاص علاقوں تک محدود ہے اس لیے میں نے اپنے مقالہ میں اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کا حساب لگایا تھا، زکوٰۃ اور دوسرے نصابوں میں چاندی کا اعتبار زیادہ کرتے ہیں اور عام عرف میں بھی دراہم کا حساب آسان تھا اس لیے احقر نے دس ہزار دراہم کا حساب تولہ اور ماشہ میں بحساب ۳۲ ماشہ چاندی فی دراہم کے حساب سے دو ہزار نو سو تولہ آٹھ ماشہ چاندی کی قیمت کا مشورہ کیا کیونکہ اس کی قیمت کے تعین میں کوئی اشتباہ نہیں رہتا، لیکن میں نے اس سے انکار کیا ہے کہ دیت میں اونٹ نہ دیئے جائیں؟ اور نہ اہقر اس کی برأت کر سکتا ہے، ہماری کتابوں میں ان تینوں چیزوں کے بارے میں صراحت لکھا ہے، چنانچہ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) ”قتل خطا میں دیت سوا اونٹ ہے۔۔۔۔۔ سونے کے اعتبار سے ایک ہزار دینار اور چاندی کے حساب سے دس ہزار دراہم ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تین چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے دیت ثابت نہیں۔“ (مدنی جلد ۳ ص ۹۹ کتاب الدیات)

ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہم سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مقلد ہونے کی حیثیت سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے مقتدا اور پیشولہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ نے جو فرمایا ہے وہ کسی نہ کسی حدیث سے لازماً ثابت ہے۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آپ نے کوئی بات اپنی طرف سے کہہ کر کسی حدیث کی مخالفت کی ہوگی اور نہ ہم بالذات کسی حدیث یا آیت سے مسائل کے استنباط کی قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مفتیان کرام فتویٰ دیتے وقت کسی حدیث یا آیت کے حوالہ کی جگہ کسی مستند فقہی کتاب کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں، ہمارے فقہاء کرام نے دراہم و دنانیر کی اصالت کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کر کے فرمایا ہے :-

قال العلامة السرخسی : واختلفوا فی ان الدرہم والدنانیر فی الدیۃ اصل ام باعتبار  
قیمۃ الابل فالمدہب عندنا انہما اصل۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ کتاب الدیۃ، اختلفوا فی الدرہم والدنانیر  
ترجمہ) ”علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ دراہم و دنانیر دیت میں بطور اصالت معتبر ہیں یا قیمت



کے اعتبار سے، تو ہمارے نزدیک (اونٹ کی طرح) یہ دونوں درہم و دنانیر بھی، دیت میں اصل ہیں۔“

بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے اجل تلامذہ سیدنا امام ابو یوسفؒ اور سیدنا امام محمدؒ کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی رو سے گائے، بکری اور کپڑوں سے بھی ثابت ہے، گویا صاحبینؒ کے نزدیک دیت کے چھ اصول ہیں، یعنی جس علاقہ میں لوگوں کو اس میں سہولت ہو ان سے وہی وصول کیا جائے، چنانچہ بعض علماء کے نزدیک صاحبینؒ کی یہ رائے امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت ہے، علامہ مظہر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ ”میرے نزدیک سنی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول صاحبینؒ کا مذہب ہے،“ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۲ کتاب الدیات) جبکہ عام کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف اول الذکر تین انواع کی نسبت ہوتی ہے اور مؤخر الذکر تنہا کاتبوت صرف صاحبینؒ کی رائے تک محدود ہے، پھر اونٹ کی دیت میں بسا اوقات سختی اور شدت بھی پائی جاتی ہے جبکہ درہم اور دنانیر میں خاص مقدار مقرر ہونے کی وجہ سے سختی کا امکان نہیں، اس لیے جہاں کہیں قتل کی نوعیت سخت ہو تو دیت مغلظہ ادا کی جائے گی، پھر یہ شدت درہم اور دنانیر میں نہیں پائی جاتی ہے اس لیے اونٹ ہی سے ادا کی جائے گی۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :-

ترجمہ ”اونٹ کے علاوہ کسی دوسری نوع میں تغلیظ ثابت نہیں کیونکہ شرع صرف اس میں وارد ہے“ (الہدایہ جلد ۲ ص ۲۹۹ کتاب الدیات)

لہذا امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب دیت مغلظہ کی ادائیگی کی ضرورت پڑے تو اونٹ سے چار قسم ادا کیے جائیں گے جن میں پچیس بنت محاض دو دوسرے سال والے، پچیس بنت لبون دوسرے سال والے، پچیس حقہ (پچھتے سال والے) اور پچیس جدمہ (پانچویں سال والے) شامل ہیں، جبکہ دیت مخففہ دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہے، اور اگر اونٹوں سے ادا کرنا پڑے تو پھر پانچ قسموں سے ادا کی جائے گی جس میں قیمت کے اعتبار سے یقیناً آسانی رہے گی۔

درہم اور دنانیر کی اصالت احادیث کی رو سے | مقالہ نگار کا یہ تجزیہ بالکل غلط ہے کہ اونٹ کے علاوہ درہم اور دنانیر کا اعتبار



بطور اصالت دیت میں ثابت نہیں، یہ روایات کے ذخیرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہر وہ روایت جس سے بارہ ہزار یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار کا ثبوت ملتا ہو تو وہ آپ کی رائے کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ درہم میں بارہ ہزار یا دس ہزار کا تفاوت مروجہ سکہ کی قیمت میں کمی و بیشی پر مبنی ہے۔ ذیل میں چند روایات اس کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں:-

(۱) امام ترمذی نے "جمع بین البابین" کی عادت اپناتے ہوئے پہلے جب "باب ماجاء فی الدیۃ کرمھی من الابل" کا تذکرہ کیا تو اس سے فارغ ہو کر دوسرا باب "ما جاء فی الدیۃ کرمھی من الدراہم" لایا، آپ نے اس میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت دو سندوں سے لائی ہے کہ:-

(۱) عن ابن عباسٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل الدیۃ اثنی عشر

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۵۸ باب ماجاء فی الدیۃ کرمھی من الدراہم)

(ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے دیت بارہ ہزار درہم مقرر کی۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام ترمذی کے علاوہ امام ابو داؤد، سنن النسائی، اور دارمی نے بھی نقل کی ہے، یہی وہ روایت ہے جو حضرت مولانا نے المحتسب ص ۱۴ پر نقل کی۔ بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:-

(۲) ان رجل من بنی عدی قتل فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ اثنی عشر

الفا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۸۳ باب الدیات)

(ترجمہ) "بنی عدی کا ایک آدمی قتل ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر کی۔"

(۲) حضرت عمر بن خطابؓ سے امام ابو حنیفہؒ کی سند سے روایت نقل کرتے ہوئے امام محمدؒ فرماتے ہیں:-

اخبرنا ابو حنیفہ عن الہیثم عن عامر الشعبي عن عبیدۃ السلمانی عن عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ قال اهل الورق من الدیۃ عشرة الاف درهم وعلی اهل

الذهب الف دینار۔ (کتاب الآثار ص ۹۶ کتاب الدیات)

یہ روایت عبیدہ السلمانی سے اس طریقہ پر بھی مروی ہے کہ:-

بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انه جعل الدیۃ علی اهل الابل مائة

ابل وعلی اهل الورق عشرة الاف درهم۔ (المبسوط ج ۲ ص ۲ کتاب الدیات)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب نظام زندگی کے لیے خبر تیار ہو تو آپ نے اونٹ والوں پر سواونٹ سونے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر دس ہزار درہم مقرر کئے؛ ظاہر بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نظام زندگی کا دستور مرتب فرما رہے تھے تو اس میں بڑے بڑے صحابہؓ بھی شریک تھے اور آپ کے اس اقدام پر کسی صحابی کا اعتراض منقول نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ نے آپ کی اس رائے کی تصویب کی، گویا اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا کہ سواونٹ کی طرح ہزار دینار اور دس ہزار درہم بھی دیت میں دیتے جاسکتے ہیں، ہمارے لیے یہی اجماع صحابہؓ بڑی سند ہے۔

(۳) حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع الدیۃ علی الناس فی اموالہم علی اہل الابل مائۃ بعبیر و اہل الشاة الفی شاة و علی اہل البقر مائتی بقرة و علی اہل البروہ مائتی حلة۔ (کتاب الخراج ص ۱۵۵ الحدود علی اہل الجنایات)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر ان کے اموال میں دیت مقرر فرمائی، پس اونٹ والوں پر سواونٹ، بکری والوں پر دو ہزار بکریاں، گائے والوں پر دو سو گائیں اور کپڑے والوں پر دو سو جوڑے؛

اس روایت میں اگرچہ درہم و دنانیر کا تذکرہ نہیں ہے لیکن یہ ضرور ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے علاوہ دوسری چیزوں کو بغیر کسی اونٹ کی قیمت کی نسبت سے اعتبار دیا جبکہ ہمارے بعض ائمہ سے یہ دوسری چیزیں بھی مروی ہیں، اور بقول بعض امام ابوحنیفہؒ سے بھی درہم و دنانیر کے علاوہ دوسری چیزوں کے بارے میں روایت آئی ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقولہ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کے علاوہ درہم و دنانیر کا بھی اعتبار ہے، آپ فرماتے ہیں :-

ان النبی علیہ السلام قال من سبغ فی کل یوم و لیلۃ مثل دیتۃ اشئ عشر الف تسبیحۃ فکاتما حدر رقبۃ من ولد اسمعیل۔ (المبسوط للخرسی ج ۲ ص ۲۶ کتاب الديات)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہر دن رات میں اپنی دیت کی طرح بارہ ہزار دفعہ تسبیحات پڑھیں گویا اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک غلام آزاد کیا؛

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

”حضرت ابوہریرہؓ رات و دن میں بارہ ہزار تسبیح پڑھتے اور فرماتے کہ میں اپنی دیت کے

اندازہ سے تہنات پڑھنا ہوں“ (دفاع ابوہریرہ ص ۳۸)  
 جبکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے دس ہزار درہم کے بارے میں بھی حضرت ابوہریرہ  
 رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۸۔ باب تقدیم الدیامن غیر الابل)  
 (۵) عمرو بن حزم سے بھی ایک روایت ہے کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الدیۃ من الدراہم اثنی عشر الفاً۔

(المبسوط للسرخی ج ۲۶ ص ۷۷ کتاب الدیات)

(۶) حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دیۃ کل ذی عمد فی عمدہ الف دینار۔

(المبسوط للسرخی ج ۲۶ ص ۷۸ کتاب الدیات)

(۷) حضرت عثمان کے دور میں بھی ایک واقعہ پیش آیا تو آپ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر

فرمائی۔ (اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۵۔ باب تقدیم الدیات من غیر الابل)

(۸) ایسے ہی حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی دس ہزار درہم دیت کی روایت منقول ہے۔

(اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۵۵۔ باب تقدیم الدیات من غیر الابل)

ان تمام روایات کو مد نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اونٹ کی طرح درہم اور دنانیر بھی دیت  
 میں بطور اصالت ثابت ہیں لہذا دس ہزار درہم کے حساب سے چاندی کی مروجہ قیمت بطور دیت  
 ادا کرنا روایات سے ذمہ نہیں بلکہ روایات کے مطابق عمل کرنے کا ایک آسان صورت ہے۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

[التوبة: ۴۱]

اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو

## باب شرائط الجهاد و آدابہ (جہاد کے شرائط و آداب کا بیان)

**جہاد کے شرائط** | سوال :- بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ وقت میں تبلیغی جماعت والے حد سے بڑھ گئے ہیں لہذا ان پر بجائے تبلیغ کے جہاد فرض ہوتا ہے تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا درست ہے؟

**الجواب** :- فقہاء کرام نے جہاد کی فرضیت کے لیے جن شرائط کا لحاظ کیا ہے وہ اہل اقتدار کے علاوہ عوام الناس میں نہیں پائے جاتے ہیں اس لیے تبلیغی حضرات پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا ہے، اور وہ شرائط یہ ہیں :-

لما فی الہندیۃ : واما شرائطہ فشیطان احدہما امتناع العدو عن قبول ما دعی الیہ من الدین الحق وعدم الامان والعهد بیننا وبنہم والثانی ان یرجوا لشوکتہ و اہل المسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسه فی التہلکۃ -

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر - البنا الاول فی تفسیرہ شرعاً و شرطہ و حکمہ) لہ

**جہاد کی قسمیں** | سوال :- کیا جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

**الجواب** :- جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔ اگر نفع عام کی صورت میں پیش آئے یعنی دشمن اتنا زیادہ طاقتور ہو کہ قریب والے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہے، اور اگر بعض لوگ دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہوں تو دوسروں پر جہاد فرض کفایہ ہے یعنی بعض افراد کا جہاد کرنا دوسروں کے اس

لہ وقال العلامة التمریاشی : ولا بد لفرضیتہ من قید اخر وهو الاستطاعۃ - وقال لعلاء الحسکفی : تحتہ وفي السراج و شرط لوجوبہ القدرۃ علی السلاح لا امن الطريق فان علم انه اذا حارب قتل وان لم یحارب اسر لہ یلزمہ القتال -

(الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الجہاد، مطلب طاعۃ الولیین)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۰ کتاب السیر -



ذمہ داری ساقط کر دیتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: كل فرض لغیره فهو فرض كفاية اذا حصل المقصود  
بالبعض والا ففرض عين۔ (الذم المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۱۸ کتاب الجهاد) لہ  
سوال :- جہاد کے دوران مجاہدین کی  
ترتیب و نظم و نسق برابر کرنے کے لیے امیر بنانا

ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- جہاد کے دوران مجاہدین کی ترتیب اور نظم و نسق درست کرنے کیلئے ایک  
ماہر جنگ کے اصول اور طریقہ کار سے باخبر، نیک اور تتبع سنت امیر کی تقرری سنت نبوی  
ہے، اس لیے جنگ سے پہلے امیر مقرر کرنا اچھا اقدام ہے تاکہ مجاہدین کے نظم و نسق کو برقرار  
رکھا جاسکے۔

لما قال لعلاء الكاساني: ومنها ان يؤمر عليهم اميراً لان النبي صلى الله عليه وسلم ما بعث جيشاً  
الا وأمر عليهم اميراً ولان الخاتمة الامير ما سته لانه لا بد من تنفيذ الاحكام وسياسة الرعية ولا يقو ذلك  
الا بالامير ليتعذر الرجوع في كل حادثه الى الامام۔ (ردائع الصنائع ج ۷، فصل في بيان ما يندب اليه الامام... ص ۹۹)

لما قال العلامة الكاساني: وأمّا بيان كيفية فرضية الجهاد فالامر فيه لا يدخلوا من احد  
وجبهين اما ان كان النفي عاماً. وأمّا ان لم يكن النفي عاماً فهو فرض  
كفاية ومعناه ان يفترض على جميع من هو اهل الجهاد لكن اذا قام به البعض  
سقط عن الباقيين فاما اذا عم النفي بان هجم العدو على بلد فهو فرض  
عين ليفترض على كل واحد من آحاد المسلمين ممن هو قادر عليه۔

(ردائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ كتاب السير)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۸۹ كتاب السير۔

لہ وقال العلامة ابن عابدین: قال في الملتقى وينبغي الامام ان يعرض الجيش عند دخول  
دار الحرب ليعلم الفارس من الزاحل قال في شرحه وان يكتب اسماءهم وان يؤمر عليهم  
من كان بصيراً يا موراً للحرب وتدبيرها ولو من الموالى وعليهم طاعته لان مخالفة الامير  
حرام الا اذا اتفق الاكثر انه ضرر فيتبع۔ (رد المختار ج ۳ ص ۲۳۲ کتاب الجهاد۔ فصل في كيفية القسمة)  
وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۹۲ كتاب السير۔ الباب الاول في تفسيره

**جہاد کی ذمہ داری کا حکم** | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص کی منگنی ہو چکی ہے لیکن تا حال شادی نہیں ہوئی

جبکہ اسے جہاد پر جانے کا شوق ہے اور والدین کی طرف سے اجازت بھی مل چکی ہے۔ تو کیا اس شخص کا جہاد کے لیے جانا موجب مواخذہ ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ جہاد کی فرضیت کے لیے استطاعت یعنی آلات حرب اور قدرت علی الجہاد شرط ہے اس لیے یہ جہاد عوام پر فرض عین نہیں ہے بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لہذا مذکورہ شخص کا جہاد کے لیے جانا یا نہ جانا موجب مواخذہ نہیں ہے البتہ جانے سے اجتناب ضرور ملتا ہے جبکہ نیت صحیح ہو۔

لما قال الشيخ التمر تاشي رحمه الله: ولا بد لفرضيته من قيد آخر هو الاستطاعة قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تحته وفي السراج وشرط لوجوبه القدرة على السلاح كما من الطريق فان علم انه اذا حارب قتل وان لم يحارب أسلم يلزمه القتال - رالدر المختار على هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الجہاد

**نفیر عام کی تعریف** | سوال :- نفیر عام کا معنی اور تعریف کیا ہے؟ اور کون سی حالت میں نفیر عام کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

**الجواب :-** فقہاء کرام نے نفیر عام کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ جب کفار بلاد اسلام میں داخل ہو جائیں تو اس وقت ہر ذی قدرت جو ان بلاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: (تحت قوله وان هجم العدو) أي دخل بلدة بغتة وهذه الحالة تسمى النفير العام قال في الاختيار والنفير العام

له وفي الهندية: واما شرائطه فثيئان احدهما امتناع العدو عن قبول ما دعى اليه من الدين الحق وعدم الامان والعهد بيننا وبينهم والثاني ان يرجوا الشوكة للمسلمين في القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السير - الباب الاول في تفسيرة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۷۷ کتاب السير -

ان يحتاج الى جميع المسلمين - (رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ - كتاب الجهاد - مطبعة الولاية في كفاية)

**افغانستان کا جہاد کن لوگوں پر فرض ہے** | سوال :- کیا افغانستان کا جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اگر فرض عین ہے تو

کن لوگوں پر فرض ہوتا ہے؟ اور کیا پاکستان کے لوگوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** افغانستان کا جہاد نفع عام ہونے کی وجہ سے فرض عین ہے تاہم کمزور

اور قدرت نہ رکھنے والے افراد پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ یہ ذمہ داری اہل اقتدار

اور سربراہوں کی ہے، اس لیے اگرچہ عوام الناس اور رعیت پر یہ جہاد فرض نہیں ہوتا لیکن ان

کے لیے مجاہدین کی اعانت اور ہمدردی کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله : واما بيان من يفترض عليه فنقول انه لا

يفترض الاعلى القادر عليه فمن لا قدرة له لاجهاد عليه لان الجهاد بذل الجهد

وهو الوسع والطاقة بالقتال او المبالاة في عمل القتال ومن لا وسع له كيف يبذل

الوسع - ر بدائع الصنائع ج ۱ ص ۹۱ کتاب السیر

**جہاد کشمیر کی فرضیت کا حکم** | سوال :- مسلمانان مقبوضہ کشمیر جو کہ عرصہ دراز سے

ایک جابر اور ظالم حکومت کے زیر تسلط ہیں وہاں ان

لہ وفي الهندية : ومعنى التغير العام ان يخبر اهل مدينة ان العدو قد جاويز

انفسكم وذراريكم واموالكم فاذا اخبروا على هذا الوجه افترض على كل

من قدر على الجهاد من اهل تلك البلدة ان يخرج للجهاد -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر - الباب الاول في تفسيره)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۱ ص ۹۱ - کتاب السیر

لہ وفي الهندية : واما شرائط اباحتها فثيان احدهما امتناع العدو عن قبول ما

دعى اليه من الدين الحق وعدم الامان والعهد بيننا وبينهم والثاني ان يرجوا الشوكة

والقوة لاهل الاسلام باجتهاده لما فيه من القاء نفسه في التهلكة -

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر - الباب الاول في تفسيره)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۳ ص ۲۲۱ - کتاب الجهاد، مطلب طاعة الوالدين -



ظالموں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے، ان کے گھر اور جائیداد وغیرہ کو تباہ کیا جا رہا ہے، پردہ نشین مسلم عورتوں کی آبروریزی ہو رہی ہے، تو کیا ایسی حالت میں اس ظالم اور جابر حکومت کے خلاف جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟ اور ان مظلوم مسلمانوں کی اعانت ضروری ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسئلہ حالات کے پیش نظر اس جابر اور ظالم حکومت کے خلاف جہاد فرض عین ہے کیونکہ مسلمانان کشمیر پر بھارتی حکومت نے جبر و ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور ان کی عزت و عصمت کو پاؤں مال کیا جا رہا ہے لیکن عوام اور رعیت کا ان کافروں سے مقابلہ دشوار ہے اس لیے تمام تر ذمہ داری اہل اقتدار پر عائد ہوتی ہے، اگر ان کے قریب کی مملکت اسلامیہ کفار کا مقابلہ نہ کر سکے تو الاقرب فالاقرب پر حتیٰ کہ شرقاً و غرباً تمام ممالک اسلامیہ پر جہاد فرض ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء النفي انما يبيح فرض عين علي من يقرب من العدو فاما من ورائهم فيبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او لم يجزوا عنها لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض علي من يليهم فرض عين كالتسوية والتسوية لا يسعهم تركه ثم وهم الا ان يفترض علي جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً علي هذا لتدريج. (رد المحتار ج ۳ کتاب الجہاد مطلب الفرق فرض عين وفرض الكفاية)

۱۔ وفي الهندية: وانما يفرض فرض عين علي من كان يقرب من العدو وهم يقدرون علي الجهاد واما علي من ورائهم ممن يبعد من العدو فانه يفترض فرض كفاية لا فرض عين حتى يسعهم تركه فاذا احتج بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض علي من يليهم فرض عين ثم والى ان يفرض علي جميع اهل الارض شرقاً وغرباً علي هذا الترتيب۔

والفتاوى الهندية ج ۲ ص ۸۸ کتاب السير۔ الباب الاول في تفسيره

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السير۔

برما کے مظلوم مسلمانوں پر جہاد کا حکم | سوال :- سرزمین برما میں مسلمان بہت عرصہ سے آباد ہیں جبکہ وہاں پر تاحال غیر مسلموں کی حکومت ہے اور گزشتہ کئی سالوں سے حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کا سلسلہ جاری ہے تو کیا مسلمانان برما پر جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟ اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب :- جب مسلمانوں پر ظلم و تشدد میں اضافہ ہو جائے تو ان پر وہاں کے کافروں اور ظالموں کے خلاف جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، صورت مسئولہ میں برما کے مسلمانوں کی کمزوری اور جہاد پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے پڑوسی اسلامی ممالک پر ان کی امداد کے لیے جہاد باقاعدہ فرض ہے، لہذا الاقرب فالاقرب شرقاً وغرباً تمام اسلامی چکوتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔

ما قال العلامة ابن عابدین: ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا اجاب النفي انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو قائما من ورائهم يبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو اولو يعجز عنها لكتهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ثم انما يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً على هذا الترتيب - (رد المحتار ج ۳ کتاب الجہاد مطلب الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية) ۱۸۸

۱۸۸ وفي الهندية: ثم بعد مجئ النفي لعام لا يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً فرض عين وان بلغهم النفي وانما يفترض فرض عين على من كان يقرب من العدو ويقدر على الجهاد..... الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الارض شرقاً وغرباً على هذا الترتيب - (الفتاوى الهندية ج ۲ کتاب السير الباب الاول في تفسيره -

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السير -

**بوسنیا میں جہاد کا شرعی حکم** | سوال :- بوسنیا ہرزگووینا میں جو جنگ مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے اور ان کا قتل عام ہو رہا ہے، ان

کی عورتوں کی اجتماعی آبروریزی ہو رہی ہے، مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو پائمال کی جا رہی ہے، لیکن وہاں کے مسلمان کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے کفار کے مقابلہ سے قاصر ہیں، تو کیا ان کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان کے فساد کو دفع کرنا اور مظلوم مسلمانوں کی اعانت کرنا تمام ممالک اسلامیہ پر فرض ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کفار جب مسلمانوں کے کسی ملک میں داخل ہو جائیں اور وہاں کے مسلمان کفار کا مقابلہ نہ کر سکیں تو ایسی صورت میں جہاد الاقرب فالاقرب پر باقاعدہ فرض ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شرقاً و غرباً تمام ممالک اسلامیہ پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے، لہذا بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کی ہر ممکن طریقہ سے اعانت کرنا اور ان کفار کے فساد کو دفع کرنا تمام اسلامی ممالک کی ذمہ داری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء النفي انما يسير فرض عين على من يقرب من العدو فاما من ورائهم يبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعم تركه اذا لم يحتج عليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او لم يعجزوا لكنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعم تركه ثم وثق الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً على هذا الترتيب - (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۰ کتاب الجہاد۔ مطلب الفرقين فرض العين وفرض الكفاية له

لہ وفق الہندیۃ: ثم بعد مجئ النفي لا يفترض الجهاد على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً فرض عين وان بلغهم النفي وانما يفرض فرض عين على من كان يقرب من العدو ويقتدرون على الجهاد..... الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثق الى ان يفرض على جميع اهل الارض شرقاً وغرباً على هذا الترتيب -

(الفتاوى الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاول فی تفسیرہ)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر۔



**مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد کا حکم** | سوال :- پاکستان جو کہ ایک اسلامی

ملکت ہے اور اس کے بیشتر قوانین غیر شرعی ہیں تو اس کے حکمرانوں کے ساتھ مسلح جہاد کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمان فاسق حکمران کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتل و قتل جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** احادیث نبویہ اور فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان فاسق حکمران سے مسلح جہاد اور قتل و مقاتلہ بالاجماع جائز نہیں، البتہ بغیر قتل کے اس کے خلاف آواز اٹھانا اور منکرات سے روکنا خواہ جلسے جلوس سے ہو یا ہڑتال وغیرہ سے ہو ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث : عن ام سلمة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال  
ستكون امة تعرفون وتنكرون فمن عرف برثي ومن انكر سلم ومن رضى وتابع  
قالوا اقلنا نقاتلهم قال لا ما صلوا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب الامارۃ۔ باب وجوب النکار الخ)

**جہاد افغانستان کی شرعی حیثیت** | سوال :- افغانستان کی موجودہ جنگ جو کمیونسٹوں

کے خلاف ہو رہی ہے کیا یہ شرعی جہاد ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** افغانستان کی موجودہ جنگ جو کہ کمیونسٹوں اور روسیوں کے خلاف جاری ہے بلا شک و شبہ شرعی جہاد ہے کیونکہ کمیونسٹوں اور روسیوں نے افغانستان پر جبراً قبضہ کر کے وہاں ظلم و زیادتی اور بربریت و درندگی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مسلمانوں کی جان و مال

له وقال العلامة ملاء علی القاری : والمراد بالكفر هنا المعاصی والمعنى لا تنازعوا وكلاء  
الامو فی ولايتهم ولا تعترضوا عليهم الا ان تروا منهم منكراً محققاً تعلمونه من قواعد  
الاسلام فاذا رأيتم ذلك فانكروه عليهم وقوموا بالحق حيثما كنتم واما الخروج  
عليهم وقتالهم فمحرم باجماع المسلمين وان كانوا فسقة ظالمين واجمع اهل السنة  
على ان المظلم لا يعزل بالفسق لتتبع الفتن في عزله وارقة الدماء وتفریق  
ذات اليمين فتكون المفسدة في عزله اكثر منها في بقاءه۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الامارۃ والقضاء۔ الفصل الاول)

ومثله في شرح المسلم للنووي ج ۲ ص ۱۲۸ کتاب الامارۃ۔ باب وجوب النکار الخ لا سرا۔

اور عزت و آبرو کو پامال کیا ہوا ہے اور دین اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں اس لیے ان غاصبین کے خلاف جنگ کرنا اور ان کے فساد کو رفع کرنا عین جہاد ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمام: <sup>۲</sup> اور دال جہاد عقیب الحدود لانه بعد ان ناسبها بوجهین باتحاد المقصود من کل منهما ومن مضمون هذا الکتاب وهو اخلاء العالم من الفساد ویكون کل منهما حسناً لحسن لغيره وذلك الغیر هو اعلان کلمة الله تعالى یتأری بفعل نفس المأمور به فهو القتال۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۱۸۷ کتاب السیر الی لڑائی شروع ہونے سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم | سوال: کفار کے ساتھ لڑائی

شروع ہونے سے پہلے کیا ان کو اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں؟  
الجواب:۔ اگر کسی علاقہ کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہو تو ان کے ساتھ اعلان جہاد سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے ہاں اگر انہیں پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچی ہو تو پھر ان کو دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے ضروری نہیں، لیکن دعوت نہ دینے کی صورت میں جہاد کرنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: <sup>۳</sup> فان كان الدعوة لم تبلغهم فعليهم الافتتاح بالدعوة الى الاسلام باللسان لقوله تعالى: اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ (الآیۃ) ولا يجوز لهم القتال قبل الدعوة۔۔۔۔۔۔ الی ان قال فان كانت قد بلغتهم جاز لهم ان یفتتحوالقتال من غیر تجدید الدعوة لما بیتان الحجۃ لازمة والعذر فی الحقیقۃ منقطع وشبهۃ العذر انقطعت بالتبلیغ مرةً لکن مع هذا الافضل ان لا یفتتحوالقتال الا بعد

لہ وقال العلامة ابن نجیم: <sup>۴</sup> مناسبتہ الحدود من حیث ان المقصود منہما اخلاء العالم عن الفساد فكان کل منهما حسناً المعنی فی غیرہ وقال لانه ما فرض لعینہ اذ هو افساد فی نفسہ وانما فرض لاعزاز دین اللہ ودفع الشر عن العباد۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۵ کتاب السیر)

ومثله فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاول فی تفسیرہ۔

تجدید الدعوة لرجاء الاجابة في الجملة - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۷ کتاب السیر لہ

کفار کے خلاف مدافعت اور اقدامی دونوں قسم کے جہاد مشروع ہیں | سوال: بعض لوگوں کا خیال

ہے کہ اسلام میں صرف مدافعت جہاد مشروع ہے اور اقدامی جہاد مشروع نہیں ہے کیونکہ اقدامی جہاد اگر کفار کے خلاف شروع ہو جائے تو اسلام ایک خونخوار مذہب شمار ہوگا اور اس سے اسلام کی بدنامی ہوگی، کیا واقعی اسلام میں اقدامی جہاد مشروع نہیں ہے؟

الجواب :- اسلام درحقیقت ایک امن پسند دین ہے وہ خونریزی نہیں چاہتا تاہم بوقت ضرورت جب دین کو غیر مسلموں سے خطرہ ہو یا اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو تو اسلام اقدامی اور دفاعی دونوں قسم کے جہاد کی اجازت دیتا ہے لیکن کسی صورت میں بھی ظلم و جبر کا قائل نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : مناسبتہ للمحدود من حيث ان المقصود منهما اخلاء العالم عن الفساد فكان كل منهما حسن لمعنى في غيره وقال لانه ما فرض لعينه اذ هو فساد في نفسه وانما فرض لاعتزاز دين الله تعالى ودفع الشر عن العباد - (البحر الرائق ج ۵ ص ۵ کتاب السیر) ۲

لہ وقال العلامة التمر تاشي رحمه الله : ولا نقاتل من لا تبلغهم الدعوة الى الاسلام - وقال الحصكفي رحمه الله : وهو وان استشهد في زماننا شرقاً وغرباً لكن لا شك ان في بلاد الله تعالى من لا شعور له بذلك وتدع ندباً من بلغتهم الا اذا تضمن ذلك ضرراً - (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۳)

کتاب الجہاد - مطلب اذا علم انه يقتل يجوز له الخ  
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۷ کتاب السیر -

لہ وقال العلامة ابن عابدین: (قوله لا اتحاد المقصود) وهو اخلاء الارض عن الفساد (وقوله غير حفي) كان الحدود اخلاء عن الفسق و الجهاد اخلاء عن الكفر -

رد المحتار ج ۳ ص ۲۱۴ کتاب الجہاد)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۱۸ کتاب السیر -



مغلوب ہونے کا یقین ہو تو کمانڈر کا حکم ماننا مناسب نہیں | سوال :- مجاہدین کو لڑائی کے دوران

اگر مغلوب ہونے کا یقین ہو اور کمانڈر (امیر) مجاہدین کو حملہ کرنے پر مجبور کرے تو کیا اس صورت میں کمانڈر کا حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر مجاہدین کا اس بات پر یقین ہو کہ کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرنے میں مجاہدین کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ضرر اور نقصان کا اندیشہ ہے اور ان کے حملے سے کفار کو نقصان اور ضرر کا احتمال بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں کمانڈر (امیر) کے حکم کی تعمیل کرنا مناسب نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : فاما اذا علم ان لا يتكى فيهم فانه لا يحل له ان يحمل عليهم لانه لا يحصل بحملته شيء من اعزاز الدين - (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۴ کتاب الجہاد - مطلب اذا علم انه يقتل يجوز له ان يقاتل) له

والدہ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جانا | سوال :- ایک شخص جہاد میں شرکت کی خواہش رکھتا ہے لیکن

اس کی والدہ اس کو اجازت نہیں دیتی، تو کیا یہ شخص والدہ کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں مذکورہ شخص والدہ کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتا کیونکہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے اور فرض عین کا مرتبہ فرض کفایہ پر مقدم ہے ہاں اجازت کی صورت میں جاسکتا ہے، تاہم اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو اس وقت والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله : وكذا الولد لا يخرج الا باذن والديه او احدهما اذا كان الاخر ميتاً لان بر الوالدين فرض عين فكان مقدماً على

له وفي الهندیة : وان علموا انهم لا ينتفعون به بيقين بل يتفرسون لا يطيعونه في ذلك - (الفتاوى الهندیة ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب السیر - الباب الاقل في تفسیره) ومثله في التاتارخانية ج ۵ ص ۲۵۶ کتاب السیر - الفصل العاشر -

فرض الكفا والاداء ان كل سفر لا يومن فيه السهلاك ويشتد فيه الخطر لا يحل للولد ان يخرج اليه بغير اذن والديه لانهما يشفقان على ولد هما فيتضرر ان بذلك وكل سفر لا يشتد فيه الخطر يحل له ان يخرج اليه بغير اذنهما۔

ردائع الصنائع ج ۱ ص ۹۸ كتاب السير له

والدين کے علاوہ دوسرے محارم کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے جانا | سوال: اگر

اس کے والدین جہاد پر جانے کی اجازت دے دیں اور دوسرے محارم مثلاً بھائی وغیرہ اجازت نہیں دیتے ہوں تو کیا ایسی صورت میں یہ شخص ان محارم کی اجازت کے بغیر جہاد کیلئے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر والدین کے علاوہ دوسرے محارم کسی کو جہاد کیلئے جانے کی اجازت نہیں دیتے ہوں اور جہاد فرض عین نہ ہو اور ان محارم کے ضیاع کا خطرہ بھی نہ ہو تو بغیر ان کی اجازت کے بھی جانا مباح ہے، البتہ اگر ان کا نفقہ اس پر واجب ہو اور جہاد کے لیے جانے میں ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ان کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: واما غیرہو لاد کالزوجۃ والاولاد والاخوات والاعمام فانه يخرج بلا اذنتهم الا اذا كانت نفقتهم واجبة عليه وخاف عليهم الضیعة او ملخصاً من شرح السیر الکبیر۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ کتاب الجہاد۔ مطلب طاعة الوالدین فرض عین) ۲

۱۔ وقال العلامة الحسینی: لا يفرض على صبي وبالغ له ابوان واحد هما لان طاعتهما فرض عین۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالدین فرض عین) وَمِثْلُهُ فِي السُّنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب السير، الباب الاول في تفسيره۔

۲۔ وقال العلامة ابن نجيم: وفي الذخيرة ان من سوى الاصول اذا ذكر هو اخرج وجه للجهد فان كان يخاف عليهم الضياع فانه لا يخرج بغير اذنه والايخرج وكذا امرأته۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۵۲ کتاب السير)

وَمِثْلُهُ فِي السُّنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب السير، الباب الاول في تفسيره۔

اہل و عیال کیلئے نان و نفقہ کا تبادلہ انتظام نہ ہونے کی صورت میں جہاد کے لیے جانا

سوال :- ایک آدمی کا جہاد میں جانے کا ارادہ ہے لیکن اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیویاں ہیں اور ان کے لیے

اس شخص کے علاوہ اور کوئی کمانے والا رکھتا ہے یا نہیں، تو کیا ایسی صورت میں یہ شخص جہاد کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ یہ شخص اپنے اہل و عیال کا اکیلا ضامن ہے اور ان کا نان و نفقہ اس پر واجب ہے اس لیے اگر ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر یہ شخص جہاد کے لیے نہیں جاسکتا، تاہم اگر ان کے ضائع ہونے یا انہیں ضرر پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے جہاد پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ، واما غیرہو کلاء کل زوجة والاولاد والاعوان والاعمام فانہ یخرج بلا اذنہم الا اذا كانت نفقتہم واجبة علیہ وخاف علیہم الضیعة ! ثم ملخصاً من شرح السیر الکبیر۔ رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطب طاعة الوالدین فرض کفایتہ ۱۔

جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں بھائیوں سے مشورہ کرنا

سوال :- ایک کاشوق ہے، والدین بھی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ بھائیوں سے بھی مشورہ کر لو، تو کیا اس صورت میں اس شخص کے لیے بھائیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور بغیر بھائیوں کے مشورہ کے جہاد کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جہاد کے لیے جانے میں والدین کے علاوہ کسی دوسرے محارم سے اجازت لینا ضروری نہیں، البتہ اگر ان دو دیگر رشتہ داروں کا نان و نفقہ جہاد میں جانے والے پر ہو اور اس کا تبادلہ انتظام نہ ہو اور ان کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہو تو پھر بغیر ان کی

۱۔ وقال العلامة ابن نجیمؒ، وفي الذخيرة ان من سوى الاصول اذا كرهوا خروجه للجهاد فان كان يخاف عليهم الضياع فانه لا يخرج بغير اذنهم والا يخرج وكذا امراته۔

البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر

و مثله في الهمدية ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب السیر، الباب الاول في تفسیره۔



اجازت کے جہاد میں جانا مخص نہیں تاہم اجازت کی صورت میں کوئی حرج نہیں۔  
 لما قال العلامة ابن عابدین: واما غیرہو لا ذکر وجہ والاوکاد والاحوات  
 والاعمام فانه يخرج بلا اذنهم الا اذا كانت نفقتهم واجبة عليه وخالع عليهم الضیعة  
 ملخصاً من شرح السیر الکبیر۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالین فرض عین) ۱۷

**عالم دین کے لیے جہاد میں جانے کا حکم** | سوال :- علماء کرام اور مدرسین حضرات جہاد  
 کے دوران بھی اپنے مخصوص مشاغل میں مصروف

رہتے ہیں، کیا ان پر جہاد فرض نہیں ہوتا؟

الجواب :- چونکہ جہاد سے مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور درس و تدریس سے بھی ثبات  
 دین اور قیام دین مقصود ہے اس لیے فقیہ و عالم کے لیے فرض عین نہ ہونے کی صورت میں  
 جہاد کو جانا ضیاع دین کا خطرہ ہے لہذا علماء کے لیے جہاد میں جانا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة المصنف: وعالم لیس فی البلدة أفقه منه فلیس له الغزو وخوف  
 ضیاعہم سراجیة۔ وعمہم فی البزازیة السفر ولا یخفی ان المقید یقید غیرہ۔  
 بالاولی وفرض عین ان هجر العدو فیخرج الكل ولو بلا اذن۔ (رد المحتار علی ہامش  
 رد المحتار ج ۳ ص ۲۲ کتاب الجہاد، مطلب طاعة الوالین فرض عین) ۱۷

۱۷ وفي الهندية: واما من سواهم من ذوى الرحم المحر كبنائ وبنیه و اخواته و عماته و احواله و خالاته  
 و كل ذى رحم محرم منهم اذا كرهوا خروج للجهاد و كان يشق ذلك عليهم فان كان يخاف  
 عليهم الضیعة بان كانت نفقتهم عليه بان لم يكن له مال و كانوا صغاراً او صغار  
 وكن كباراً لانه لا ازواج لهن او كانوا كباراً ذمى لا حرفة لهم فانه لا يخرج بغير اذنتهم  
 وان كان لا يخاف عليهم الضیعة..... الى ان قال كان له ان يخرج بلا اذنتهم۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۸۹ کتاب السیر۔ الباب الاول فی تفسیرہم)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۷۲ کتاب السیر۔

۱۸ وفي الهندية: عالم لیس فی البلدة أحد أفقه منه لیس له ان یغزو وولما یدخل عليهم  
 من الضیاعة کذا فی السراجیة۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۹ کتاب السیر، باب الاول فی تفسیرہم)

وَمِثْلُهُ فِي السَّرَاجِيَةِ ص ۲۲ کتاب السیر۔ باب الجہاد فرض کفایة۔

جہاد پر قدرت نہ رکھنے کی صورت میں عالم اسلام کی ذمہ داریاں اسوال :- اگر کفار مسلمانوں

کے ملک پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں جیسا کہ روس نے جارحیت کرتے ہوئے افغانستان پر قبضہ کر لیا اور وہاں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے، تو کیا افغانستان کی عوام کے علاوہ ہمسایہ اسلامی ممالک پاکستان وغیرہ کی عوام پر روس کے خلاف جہاد فرض عین ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** افغانستان پر روسی جارحیت سے جہاد کا حکم نفیر عام ہے لیکن جہاد کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ قدرت علی الجہاد ہو لہذا افغانستان کی عوام اور پاکستان کی عوام کی عدم قدرت کی وجہ سے روسی فوجوں سے مقابلہ دشوار معلوم ہوتا ہے اس لیے یہ فرضیت اہل اقتدار اور دونوں ممالک کے سربراہان حکومت پر عائد ہوتی ہے اور علی الترتیب الاقرب فالاقرب کی بناء پر حتیٰ کہ شرقاً و غرباً تمام اسلامی حکومتوں پر روسی جارحیت کے خلاف جہاد فرض ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ونقل صاحب النهاية عن الذخيرة ان الجهاد اذا جاء النفير انما يصير فرض عين على من يقرب من العدو فاما من وراءهم فيبعد من العدو فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه اذا لم يحتج اليهم فان احتج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او لم يعجزوا منها لكانت عليهم تكاسلوا ولو مجاهدوا فانه يفترض على من يليهم فرض عين كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً على هذا الترتيب۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۳ کتاب الجہاد، مطلب في الفرق بين فرض عين وفرض كفاية) لہ

لہ وفي الہندیة: ثم بعد مجئ النفير لا يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً و غرباً فرض عين وان بلغهم النفير وانما يفترض فرض عين على من كان يقرب من العدو وهم ويقدر على الجهاد الى ان قال فانه يفترض على من يليهم فرض عين ثم وثم الى ان يفترض على جميع اهل الارض شرقاً و غرباً على هذا الترتيب۔

(الفتاوى الہندیة ج ۳ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاول في تفسیرہ)

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر۔

مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت مسلم ارباب اقتدار کی ذمہ داری، سوال ۱۔

میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے کافروں نے بزعم خود منسوب بنا رکھے ہیں جن کے تحت ہر جگہ کافروں کی طرف سے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، تو کیا ایسی حالت میں عالم اسلام کے اہل اقتدار پر مظلوم مسلمانوں کی امداد و نصرت لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تمام ممالک اسلامیہ اور اہل اقتدار پر مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور اعانت ضروری ہے اور جہاں کہیں بھی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کے ساتھ قریب کی اسلامی حکومت پر ان کی اعانت اور یہود و بنود کے ساتھ جہاد فرض ہو جاتا ہے، اور قدرت نہ رکھنے کی صورت میں شرقاً و غرباً تمام اہل اسلام اور اہل اقتدار پر جہاد کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وتقل صاحب التہایة عن الذخیرة ان الجهاد اذا جاء النقییر انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو فاما من ورائہم یبعد من العدو فهو فرض کفایة علیہم حتی یسعہم ترکة اذا لم یحتج علیہم فان احتیج الیہم بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومة مع العدو ولم یعجزوا لکنہم تکاسلوا ولم یجاہدوا فانه یفترض علی من یلیہ فرض عین کا لصلوة والصوم لا یسعہم ترکة ثم وثم الی ان یفترض علی جمیع اهل الاسلام شرقاً وغرباً علی ہذا التدریج۔

رد المحتار ج ۳ ص ۳۳ کتاب الجہاد، مطلب فی الفرق بین فرض عین وفرض کفایة،

۱۔ فی الہندیة: وانما یفرض فرض عین علی من کان یقرب من العدو وہم یقدرون علی الجہاد واما علی من ورائہم ممن یبعد من العدو فانه یفترض فرض کفایة لا فرض عین حتی یسعہم ترکة فاذا احتیج بان عجز من کان یقرب من العدو عن المقاومة مع العدو او تکاسلوا ولم یجاہدوا فانه یفترض علی من یلیہم فرض عین ثم وثم الی ان یفرض علی جمیع اهل الارض شرقاً وغرباً علی ہذا الترتیب۔ (الفتاویٰ الہندیة ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب السیر۔ الباب الاوّل فی تفسیرہ)

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۱ کتاب السیر



**لفظ فی سبیل اللہ کی تحقیق** | سوال: تبلیغی حضرات لفظ فی سبیل اللہ کو صرف تبلیغ ہی میں منحصر کرتے ہیں اور جہاد کو

کو اس میں شامل نہیں کرتے، کیا ان حضرات کا یہ انحصار درست ہے یا نہیں؟  
**الجواب:**۔ لفظ فی سبیل اللہ ایک وسیع المعنی لفظ ہے، دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو محنت و مشقت کی جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے لہذا دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد اس کا مصداق ہیں، دین کے کسی خاص شعبہ کو متعین طور پر اس کا مصداق ٹھہرا کر دوسرے شعبوں کو اس سے خارج کر دینا غلط فہمی پر مبنی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القرب  
 فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات اذا كان محتاجاً۔

(مراد المحتار ج ۳ ص ۶۷) لہ

**دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم** | سوال: جو شخص کافر حکومت کا جاسوس بن کر مسلمانوں کے خفیہ حالات اس تک پہنچائے

یا کافر حکومت کے تعاون سے وہاں کے مسلمانوں کو ستائے تو یہ شخص اگر پکڑا جائے تو اسے قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ اگر بدون قتل کے کوئی تدبیر اس کی فہمائش کے لیے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ پکڑا جانے والا جاسوس مسلمان ہو اور اگر حربی ہو تو اس کو قتل کرنے میں کوئی کلام نہیں، اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ سے مسلمان جاسوس کو قتل نہ کرنے کے اقوال مروی ہیں۔

لما قال العلامة الامام القرطبي: فان كان الجاسوس كافراً فقال الاوزاعي يكون  
 نقضاً لعهدہ وقال اصبيح: الجاسوس الحربی يقتل والجاسوس المسلمم والذقی  
 يعاقبان الا ان تظاهرا على الاسلام فيقتلان۔ الجامع احكام القرآن ج ۸ ص ۵۳ سبورة المتحنة ۲

لہ لما فی الحدیث: وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خرج في طلب العلم فهو  
 في سبيل الله حتى يرجع۔ رواه الترمذی والدانجی۔ مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۲ کتاب العلم  
 ومثله في البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲ کتاب السیر۔

وقال الحافظ العيني وقال القدوري: الجاسوس يقتل وإنما نفى القتل عن حاطب لما علم النبي صلى الله عليه وسلم منه ولكن مذهب الشافعي وطائفة ان الجاسوس المسلم يعزما ولا يجوز قتله وان كان زاهية عفى عنه بهذا الحديث<sup>ث</sup> وعن ابي حنيفة والاوزاعي يوجب عقوبة ويطال جسده وقال ابن وهب من الماكية يقتل الا ان يتوب وعن بعضهم انه يقتل اذا كانت عادته ذلك وبه قال ابن الماجشون وقال ابن القاسم يضر عنقه لانه لا تعرف توبته وبه قال سحنون ومن قال يقتله فقد خالف الحديث واقول المتقدمين وقال الاوزاعي فان كان كافرا يكون ناقضا للعهد وقال اصبيغ: الجاسوس الحر يقتل والمسلم والذقي يعاقبان الا ان يظهرا على الاسلام فيقتلان -  
 (عمدة القاري ج ١٢ ص ٢٥٦ باب الجاسوس كتاب الجهاد) له

له وقال العلامة الحسكي: وفي المجتبى: الاصل ان كل شخص رأى مسلما يزني ان يحل له قتله وانما يمتنع خوفا من ان لا يصدق انه زنى وعلى هذا القياس المكابر بالنظم وقطاع الطريق وصنا المكس وجميع أنظمة بادنى شيء له قيمة وجميع الكبار والاعونة والسعاة يباح قتل الكل وثياب قاتلهم انتهى وافق الناصحي بوجوب قتل كل مؤذٍ - وقال لعلاء ابن بدين: (بعد قوله وجميع الكبار) اي اهلها وانظروا المراد بها المتعدى ضررها الى الغير فيكون قوله والاعوانة والسعاة عطف تفسير او عطف خاص على عام فيشمل كل من كان من اهل الفساد كما لساحر وقاطع لطريق واللحن والوطى والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ينزجر لغير القتل قولا والاعوانة جمع معين او عون بمعنى اعداء والمراد به الساعي الى الحرام بالافساد فعطف السعاة عليه عطف تفسيره وفي رسالة احكام السياسة عن جمع النسفي سئل شيخ الاسلام عن قتل الاعوانة والظلمة والسعاة في ايام الفترة قال يباح قتلهم لانهم ساعدوا في الارض بالفساد فقليل انهم يتمنعون ذلك في ايام الفترة ويختنون قال ذلك امتناع ضرورة ولوردوا لعدوانهم وعنه: كما نشاهد وسئلنا الشيخ ابا شجاع عنه فقال بياح قتله وثياب قاتله قوله وافق الناصحي لعل الوجوب ينظر للامام وتوايه والا باحة ينظر لغيرهم -

(رد المحتار ج ٣ ص ١٩٤، ١٩٨ باب التعزير، مطلب يكون التعزير بالقتل)

ومثله في البحر الرائق ج ٥ ص ٢٢ فصل في التعزير -





جمعہم فیکون مشروعاً۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب السیر۔ باب کیفیۃ القتال) لہ  
جنگ کے دوران کافر اگر کلمہ پڑھے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں | سوال: ایک  
 کافر اور شکر خدا

اگر دوران جنگ مجاہدین کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور کلمہ توحید  
 پڑھے تو کیا اسلام لانے کے بعد اس کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حالت جنگ میں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمانوں کے سامنے اپنے ایمان  
 کا اظہار کیا اور کلمہ توحید پڑھ کر وحدانیت باری تعالیٰ کا اقرار کر لیا تو شریعت مطہرہ  
 میں ایسے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں صرف اس کے اقرار ایمان  
 پر ہی اکتفا کر لینا کافی ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم: والکفار اقسام قسم یجحدون الباری جیل و علا  
 واسلامہم اقرارہم بوجودہ وقسم یقرون بہ ولكن یتکرون وحدانیتہ واسلامہم  
 اقرارہم بوحدانیتہ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷ کتاب السیر) لہ

جنگ کے دوران کافر باپ کے قتل کا حکم | سوال: اگر کسی کا باپ کیوٹسٹوں  
 کی طرف سے مجاہدین اسلام کے

خلاف لڑ رہا ہو تو اس کو قتل کرنا بیٹے کے لیے جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب:- چونکہ اسلام میں والدین کے اپنی اولاد پر بہت زیادہ حقوق ہیں

لہ وفي الہندیۃ: ونصبوا علیہم المجاتیق و حرقوہم وارسلوا علیہم  
 الماء قطعوا شجرہم و افسدوا زمر و عہم۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۳)

کتاب السیر، الباب الثانی فی کیفیۃ القتال،  
 ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۶ کتاب السیر۔

لہ وفي الہندیۃ: قال القدوری فی کتابہ الکفار علی نوعین فہم من یجد الباری عزوجل  
 ومنہم من یقر بہ الا انہ یتکرون وحدانیتہ کعبداۃ الاوثان فمن انکرہ اذا اقر بہ بحکم باسلامہ  
 ومن اقر ومجد وحدانیتہ اذا اقر بوحدانیتہ بان قال لا الہ الا اللہ یحکم بالاسلام۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۵ کتاب السیر۔ الباب الثانی فی کیفیۃ القتال)  
 ومثله فی التا تاریخانیۃ ج ۵ ص ۲۳ کتاب السیر۔ الفصل الرابع فی بیامینتہی بہ الامر  
 بالقتال۔

اس لیے کسی گمے والدین اگرچہ کافر ہی ہوں پھر بھی اسلام دنیاوی امور میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کا احترام کرنے کا حکم دیتا ہے، اس بنا پر باپ جب کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف نظر رہا ہو تو بیٹے کے لیے باپ پر اقدام علی القتل مخصص نہیں البتہ اگر اسے قتل کیے بغیر کوئی اور تدبیر مناسب ممکن نہ ہو یا باپ سے قتل ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کے پیش نظر باپ کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: ويكره ان يبتدء الرجل اباة من المشركين فيقتله لقوله تعالى: وَصَلِحْهُمْ مَآ فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا رَآيَةً وَلَا نَهْ يَجِبُ اِحْيَاؤُهُ بِالْاِتِّفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْاِطْلَاقُ فِي اِفْنَائِهِ فَاِنْ اِدْرَاكُهُ اِمْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ لِانَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اِقْتِمَامِهِ الْمَأْتَمُ وَاِنْ قَصِدَ اَكَا بَ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ الْاِبْتِغَالَهُ لَا يَأْسُ بِهِ لِانَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ الْاِتْرَى اِنَّهُ لَوْ شَهَرَ الْاَبَ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ اَكَا يَقْتُلَهُ يَقْتُلَهُ لِمَا بَيَّنَّا فِي هَذَا الْوَجْهِ -

الهداية ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب السیر، باب کیفیة القتال لہ

**کیونستوں کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں کے احکام** | سوال :- افغانستان پر لوگوں نے ہجرت کر لی لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی اور کیونستوں کے قرب و جوار میں رہ رہے ہیں، تو کیا ایسے لوگوں کا قتل کرنا اور انہیں نقصان پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** صورت مذکورہ میں جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی ہے اور وہاں کیونستوں کے قرب و جوار میں زندگی بسر کر رہے ہوں اور مجاہدین کے خلاف کیونستوں کی اعانت نہیں کرتے ہوں تو اگرچہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں

لہ وفي الہندیۃ: ولا یأس بان یقتل الرجل من المسلمین کل ذی رحم محرم من المشرکین یبتدأ بہ الا الوالد والوالدۃ والاجداد من قبل الرجال والنساء والجدات -

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب السیر، الباب الثانی فی کیفیة القتال

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۷ ص ۱۵ کتاب السیر

لیکن شریعت مقدسہ ان کو قصداً و ارادہً قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، البتہ ان کے اموال کو ضبط کرنا جبکہ اس سے کفار کو فائدہ ہو رہا ہو درست ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: ومنه تعلم من یدخل تحت جوارهم واما نهم من غیرا عانة لهم بنفسه و بماله ولا یكون عینا لهم علینا ولا مرداً و دونهم لا یباح قتله و انما هو عاص معصیة لا یتیح ما عصمه الاسلام من دمه و ماله و انما یتیح اخذ اموالهم ایضاً لكونهم یعینون به العدو علی مقاتل الاسلام و مقاومته و مناواته و مناهفته فایصح اخذها لذلك۔

(الفتاویٰ الکاملیة ص ۲۵۱ کتاب الجنایات) لہ

**کیونستوں کے معاونین کا حکم** | سوال:۔ کیونستوں کے معاونین اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

کیا ان کا قتل جائز ہے؟

الجواب:۔ کیونست چونکہ اپنے عقائد اور نظریات کی بناء پر اہل حرب قرار دیئے گئے ہیں لہذا واقعی طور پر جو لوگ کیونستوں کے حامی ہوں اور ان کے ساتھ امداد و تعاون کرتے ہوں تو یہ بھی انہی لوگوں کے حکم میں ہیں، لہذا ان کو بھی قتل کرنا مخص ہے۔

لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئلت عن بلدة استول علیها الکفار وتمکنوا منها فانضم اليهم بعض القبائل والعشائر وصاروا یقاتلون معهم المسلمین ویتهبون مالهم وینصمون الکفار و یعینونهم علی اذی المسلمین فكانوا أشد ضرراً علی المسلمین من الکفار فما حکم فیهم و هذا حالهم۔ فالجواب انی لم اقف علی حکم هؤلاء فی کتب مذہبنا معاشر الحنفیة ولكن وقفت عن حکمهم

لہ قال العلامة ابن عابدین: قوله بالجائز ای یرمی النار بہا علیہم لکن جواز التحریق والتغریق مقید کما فی شرح السیر بما اذا لم یتمکنوا من الظفر بہم بدون ذلك بلا مشقة عظيمة فان تمکنوا بدوتها فلا یجوز لان فیہ اهلاك اطفالهم ونسائهم ومن عندہم من المسلمین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الجہاد۔ مطلب ان الکفار مخاطبون بدبا) ومثله فی الہدایة ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب السیر۔



فی کتب بعض السادة المالکية الى ان قال والظاهر ان حکم هؤلاء حکم اهل الحرب  
فی قتلهم واخذ اموالهم واما اولادهم فلا يقتلون ولا يكون فياً واما ابيح  
قتل البالغين منهم لكونهم رداً للعدو والحرب ومعينون له بانفسهم و  
حکم الرداء اذا لم يقاتل مع العدو وحکم المقاتل فاحرى اذا قاتل۔

والفتاوى الكاملة ۲۵ کتاب الجنایات له

**کمیونسٹوں کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا** | سوال: کمیونسٹوں کے بچوں اور  
ان کی عورتوں کو قتل کرنا جائز ہے

یا نہیں؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟  
الجواب: کمیونسٹوں کے بچوں اور عورتوں کو قصداً و ارادۃً قتل کرنا جائز نہیں  
البتہ اگر کمیونسٹوں کو اور ان کے گھروں کو تباہ کرنا مقصود ہو تو ان میں جو بچے اور عورتیں  
غیر ارادی طور پر قتل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز اگر ان میں سے کوئی ذی رائے ہو  
یا جنگ کرنے والا ہو یا ان کی سربراہ عورت ہو تو قصداً و ارادۃً بھی قتل کئے جاسکتے ہیں تاکہ  
شر و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔

لما قال العلامة المرغینانی: ولا يقتلوا امرأة ولا صبياً ولا شيخاً فانياً ومقعداً ولا اعمى  
لان المبيع للقتل عندنا هو الحرب ولا يحق منهم..... الا ان يكون احد هؤلاء ممن رأى في الحرب  
او يكون المرأة ملكة لتعدى ضررها الى العباد وكن يقتل من قاتل هؤلاء دفعاً للشره ولا ان  
القتال مبيع حقيقته۔ (الهداية ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب السير باب كيفية القتال) ۷

له وقال العلامة الحصكفي: وجميع الكبار والاعوانة والسعيا باح قتل الكل ويشاب قتلهم انتهى وفتى صهي  
بوجوب قتل كل مؤذ۔ وقال ابن عابدین، بعد قوله وجميع الكبار اى اهلها والظاهر ان المراد بها  
المتعدى ضررها اى الغير الى ان قال فيشمل كل من كان من اهل الفساد۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ باب التعزير، مطلب يكون التعزير بالقتل)

له وقال العلامة الكاساني: اما حال القتال فلا يحل فيها قتل امرأة ولا صبى  
ولا شيخ فاني۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۷۱ کتاب السير)

بثلة في البحر الرائق ج ۵ ص ۷۷ کتاب السير۔

دشمن سے اسلحہ لیکر اسے مجاہدین کے خفیہ راز تباہیوں کے قتل کرنے کا حکم | سوال پاکستان  
یا افغانستان کے

بعض قبائلی علاقوں میں کچھ لوگ مجاہدین کو نقصان پہنچانے اور ان کے عسکری راستوں کو قطع کرنے کے لیے روسی کمیونسٹ حکومت سے اسلحہ لیتے ہیں اور مجاہدین کے خفیہ حالات اور مراکز کی اطلاع بھی دشمن کو کرتے ہیں، تو کیا ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** جو لوگ مجاہدین اسلام کے خلاف کمیونسٹوں یا دیگر مخالفین اسلام کے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت کرتے ہوں اور مجاہدین اسلام کے خفیہ راز اور عسکری مراکز کی نشاندہی دشمنوں کو کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے، ان کا حکم زنادقہ کا حکم ہے۔  
لما قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: ومنهم من لجأ للمسلمین وصار یقاتل

العدو معهم وهو مع ذلك یعین العدو وخفیة ویعلمه باحوال عساكر المسلمین ویطلعہ علی عوراتهم ویترص بهم الدوائر وقد اطلع لهم علی كتب کتبها فی ذلك الوقت کثیر من مشائخهم المعروفین بالاجواد:۔۔۔۔۔ الی ان قال وحکم اولیک حکم الزنادقة ان اطلع علیهم قتلوا وان لاقا مرهم الی الله۔ (الفتاویٰ الکاملیة ص ۲۵۱ کتاب الجنایات)

**سوال:-** کیا مجاہدین کے لیے جہاد کے دوران مونچھیں بڑھانا

**الجواب:-** جہاد کے دوران ہر مناسب طریقے سے دشمن پر رعب اور دباؤ ڈالنا

لہ قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ: وجميع الکبائر والاعونة والسعاة یباح قتل کل ویتاب قاتلهم انتہی وافق الناصبی بوجوب قتل کل مؤید۔ وقال ابن عابدین: رتحت قوله و یجمع الکبائر ای اهلها والظاهر ان المراد یبھا المتعدی ضررها الی الغیر فیکون قوله والاعونة والسعاة عطفت تفر او عطفت خاص الی عام فی شمل کل من کان من اهل النساءک لساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق ونحوهم من عرضة ولا ینزجر بغير لقتل قوله والاعونة کانه جمع معین او عون بمعناه والمراد به الساعی الی الحکام بالافساد فعطفت السعاة عطفت تفر۔

رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۸ باب التعزیر



اور اس کی شان و شوکت کو بھیس پہنچانا مشروع ہی نہیں بلکہ مستحسن بھی ہے، مگر انہیں بڑھانے کی صورت میں چونکہ دشمن پر رعب پڑنے کا امکان ہوتا ہے اس لیے جہاد کے دوران مگر انہیں بڑھانا ایک اچھا قدم ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: ويتدب للمجاهد في دار الحرب توقيرا كالتفاريق وان كان قصها من القطرة لانه اذا سقط السلاح من يده ودنا منه العدو ربما يتمكن من دفعه باظفارهم وهو نظير قصر الشوارب فانه سنة ثم الغازي في دار الحرب مندوب الى توقيرها وتطويلها ليكون اهيب في عين من يبارزه والحاصل ان ما يعين المرء على الجهاد فهو مندوب الى اكتسابه لما فيه من اعزاز المسلمين وقهر المشركين۔  
 (البحر الرائق ج ۵ ص ۵۷ كتاب السير) لہ

**دشمن سے تحفظ دین کی خاطر تورٹیہ کا بروئے کار لانا** | سوال: جہاد میں کفار کو ہلاک کرنے اور ان کو شکست دینے

کے لیے جھوٹ بولنا اور انہیں دھوکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب:۔ دھوکہ دہی اور جھوٹ بولنا کسی بھی آسمانی مذہب میں جائز نہیں اس لیے اس کا کسی بھی وقت جائز اور حلال متصور نہیں تاہم بعض مواضع ایسے ہیں جن میں اگر دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اس سے بچنے کے لیے ظاہری دھوکہ اور جھوٹ کے علاوہ کوئی تلافی ممکن نہ ہو تو ایسے مواضع پر جھوٹ کا سہارا لیا جاسکتا ہے، تو چونکہ درحقیقت یہ جھوٹ نہیں اس لیے دشمن سے حفاظت دین کی خاطر ظاہری دھوکہ اور جھوٹ میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: روى عن علي انه قال قال رسول الله عليه وسلم الحرب خدعة فيه دليل على انه لا بأس بالخداع في الحرب وليس المراد الكذب المحض وانما المراد استعمال المعاريض۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۲۵ كتاب السير، الفصل التاسع في الخدعة في الحرب) لہ  
 لہ وفي المهندية: قالوا لا بد عن طول الشارب للغزاة ليكون اهيب في عين العدو كذا في الغياشية۔  
 (الفتاوى المهندية ج ۵ ص ۳۵۶ كتاب الكراهية)

لہ قال العلامة العثماني: بعد ذكر الحديث ما نصه وفيه على انه لا بأس للمجاهد ان يخادع قرنه في حال القتال۔ (اعلام السنن ج ۱۲ ص ۲۵ كتاب السير)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۳۲۶ كتاب الكراهية۔ الفصل الثالث فيما يتعلق بالمعاصي۔



## جنگ کے دوران مسلمان افواج کا پیچھے ہٹ جانے کا حکم | سوال: کفار کے

مسلمانوں کی فوج اپنے مورچوں پر آخری دم تک ثابت قدم رہے گی یا کسی موقع پر پیچھے ہٹ جانے کی بھی اجازت موجود ہے ؟

**الجواب:** کفار کے مقابلہ میں مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت قدمی پر مامور ہیں اور ان کا میدان چھوڑنا جرم ہے، لیکن کفار کی تعداد اگر اتنی زیادہ ہو کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہو یا تعداد کے لحاظ سے اگرچہ کم ہوں لیکن مسلمان فوج کا غالب خیال یہ ہو کہ کفار کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ایسی حالت میں دوبارہ تیاری کے لیے پیچھے ہٹ جانا شرعاً جرم نہیں۔

كما قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَاوَهُمُ  
الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُوَاوِهِمْ يَوْمَئِذٍ مُّبْرَأٌ إِلَّا مَتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مَتَحَرِّزًا إِلَىٰ قِتَّةٍ فَقَدْبَاءٌ  
يَغْضِبُ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (سورة الانفال آیت ۱۵) لہ



لہ وقال العلامة الكاساني: وَعَلَىٰ هَذِهِ الْغزوات إِذَا جَاءَهُمْ جَمْعٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِمِلا طاقَة لِم  
بِهِ وَخافوهم ان يقتلوهم فلا يأس لهم ان يتحازروا إلى بعض امصادر المسلمين اوالى بعض  
جيوشهم والحكم في هذا الباب لغالب الراى واكبر النطن دون العدد فان غلب  
على ظن الغزاة انهم يقاومونهم يلزمهم الثبات وان كانوا اقل عدداً منهم وان  
كان غالب طتهم انهم يغلبون فلا يأس ان يتحازروا الى المسلمين  
ليستعينوا بهم وان كانوا اكثر عدداً من الكفرة -

(ردائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸ کتاب السير فصل بيان يفترض)

## باب الغنائم وقسمتها

مال غنیمت کے احکام و مسائل

مال غنیمت غانمین کا حق ہے نہ کہ حکومت کا | سوال :- کفار کے ساتھ جنگ کے دوران جب اسلامی فوج کافروں کی افواج کو مغلوب کر کے مال غنیمت پر قبضہ کرے تو کیا یہ مال غنیمت فوج کا حق ہے یا حکومت کا حق ہے ؟

الجواب :- شرعی اعتبار سے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے ان میں سے ۵/۱ حصہ بیت المال میں داخل کر کے باقی ۴/۵ حصہ خاص اس فوج پر تقسیم کیا جائے گا جس نے دوران جنگ اس مال غنیمت پر قبضہ کیا ہو اور اس کے برعکس حکومت کا یہ قانون کہ سارا مال غنیمت حکومت کا ہوگا دیگر قوانین کی طرح ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی قانون ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بھی خلاف ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: ويقسم الامام الغنيمة فيخرج خمسهما لقول الله تعالى: **فَانِ لِلّٰهِ خُمُسُهُۥٓ وَ لِرَسُوْلِهِۦٓ - اسثنى الخمس و يقسم اربعة اجناس بين الغانمين لان النبى عليه السلام قسمها بين الغانمين - (الهداية ج ۲ باب الغنائم وقسمتها) ۲۶۷**

سوال :- جب امیر لشکر مال غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ سرمایہ ہے | میدان جنگ میں دشمن کے کسی علاقہ پر قبضہ کرنے کے لیے مجاہدین کو چار جماعتوں پر تقسیم کر کے بھیج دے اور ان چار جماعتوں میں سے ایک جماعت اس علاقہ پر قبضہ کر کے مال غنیمت پر قبضہ کر لے تو کیا اس مال غنیمت میں تمام جماعتیں شریک ہوں گی یا صرف قابض جماعت کا حق ہوگا۔

لہ وقال العلامة الحصكفي: في المغرب الغنيمة مانيل من الكفار عنوة والحريبة فتحبس وباقيها للغانمين - (الذم المختار على صدمار المختار ج ۳ کتاب الجملہ باب المغنم وقسمتها) وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۳۲ کتاب الغنائم وقسمتها، فصل في كيفية القسمة

**الجواب :-** مذکورہ صورت میں یہ مالِ غنیمت مجاہدین کی تمام جماعتوں کا مشترکہ حق ہے خواہ کسی ایک جماعت نے ہی اس مال پر قبضہ کیا ہو، البتہ اگر امیر لشکر کسی خاص مصلحت کی بنا پر یہ مالِ غنیمت کسی خاص جماعت پر تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی: قال الردء والمقاتل فی العسکر سوا دلاستوائتھم فی السبب وهو المجاوزة او شهود الواقعة علی ما عرف وكذلك اذ الحریقاتل لمرض اولغیرہ ما ذکرنا۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها) لہ

**تفصیل (انعام) نہ ہونے کی صورت میں مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ ہوگا** | **سوال: جہاد**  
افغانستان

میں ایک مجاہد نے ایک روسی کافر کو ہلاک کر کے اس کی کلاشنکوف پر قبضہ کر لیا، اب دیگر مجاہدین اس کو یہ کہتے ہیں کہ یہ کلاشنکوف آپ اکیلے کا حق نہیں بلکہ تمام مجاہدین کا اس میں حق ہے اور یہ مالِ غنیمت ہے جبکہ وہ مجاہد یہ کہتا کہ اس کلاشنکوف پر صرف میرا حق ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے، تو اس مسئلہ کا شرعی حل کیا ہوگا؟

**الجواب :-** مالِ غنیمت تمام مجاہدین کے درمیان مشترکہ ہوتا ہے کسی ایک مجاہد کا بغیر تقسیم کے مالِ غنیمت میں سے کچھ لینا جائز نہیں، تاہم اگر امیر جہاد نے تفصیل (انعام) کا اعلان کیا ہو یعنی جو مجاہد جس حربی کو قتل کرے گا تو مقتول سے جو اسلحہ اُسے حاصل ہوگا وہ اسی کا ہوگا۔ تو ایسی صورت میں اگر کسی مجاہد نے کسی حربی کو قتل کر کے اس کے اسلحہ پر قبضہ کر لیا تو وہ اسلحہ اسی مجاہد کا حق ہوگا کوئی اور اس کے ساتھ اس اسلحہ میں شریک نہیں ہوگا، اس کے علاوہ جملہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مشترکہ مال ہے۔

لما فی الہندیۃ: قال محمدٌ ولا یتحققاتل سلب المقتول بنفس القتل مالہ

لہ وقال العلامة ابن عابدین: وتنبیہ قال فی البحر وفاد المصنف ان المقاتل وغیرہ سوا حتی یتحققاتل الجندی الذی لم یقاتل لمرض وغیرہ وانہ لا یتمیز واحد علی الخریشی حتی امیر العسکر وھذا بلا خلاف کذا فی الفتح و فی المحیط والمتطوع فی الغزو وصاحب الدیوان سواء۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۲ کتاب الجہاد، باب المغنم وقسمتها)

وَمِثْلُهُ فی البحر ج ۵ ص ۱۵ کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها۔



ينقل الامام قبل القتل فيقول من قتل قتيلاً فله سلبه وهذا مذهب علماءنا -  
 الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۲۱۷ كتاب السير الباب الرابع - الفصل الثاني في القتل

دار الحرب سے مال غنیمت لانے کی قدرت نہ ہو تو اس کا حکم | سوال :- جہاد کے  
دوران اگر مسلمان کفار

کے بہت سارے مال و اسباب پر قبضہ کر لیں اور اس میں بعض ایسی اشیاء بھی شامل ہوں کہ ان کو دارالاسلام میں منتقل کرنا مشکل ہو مثلاً حیوانات اور دوسری بھاری اشیاء، تو ایسی اشیاء کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** اگر مقبوضہ اشیاء ایسی ہوں کہ ان کو دارالاسلام میں منتقل کرنا مشکل ہو جیسا کہ حیوانات اور بھاری اسلحہ وغیرہ، تو شریعت کی رو سے حیوانات کو پہلے ذبح کر کے بعد میں دارالحرب میں چھوڑا جائے تاکہ کفار ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اسلحہ وغیرہ کو کسی ایسی خفیہ جگہ دفن کیا جائے کہ کفار کو اس کا پتہ نہ چل سکے، بچوں اور عورتوں کو ایسی جگہ چھوڑ دیا جائے کہ وہاں بھوک اور پیاس سے دم توڑ جائیں تاکہ کفار کو ان سے تقویت نہ پہنچے اور برتن وغیرہ توڑ دیئے جائیں۔

كما قال العلامة التمر تاشي: وحرّم عقرباً شقّ نقلها فتذبح وتحرق كما تحرق اسلحة وامتعة تعذر نقلها ومالا يحرق منها يدفن بموضع خفي وتكسر اوانيهم وتراق ادهانهم مفايضة لهم ويترك صبيانهم ونساءهم شقّ اخراجها بارض خربة حتى يموتوا جوعاً - رتوير البصار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۲ كتاب الجهاد بالفتح وقسمته

له وقال العلامة الكاساني: هذا اذا نقل الامام فان لم يتقل شيئاً وقتل رجل من الغزاة قتيلاً لم يختص بسلبه عندنا - ريدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۶۳ كتاب السير - ومثله في الهداية ج ۲ ص ۲۶۳ كتاب السير - <sup>باب الغنائم وقسمتها</sup>  
 له قال العلامة الكاساني: وان لم يقدر المسلمون على حمل هؤلاء ونقلهم الى دارالاسلام ليحل قتلهم ويتركوا في دار الحرب لان الشرع نهى عن قتلهم ولا قدرته على قتلهم فيتركون ضرورة واما الحيوان والسلاح اذا لم يقدر على الاخراج الى دارالاسلام اما الحيوان فيذبح ثم يحرق بالنار لئلا يمكن الانتفاع به اما السلاح فما يمكن احرقه بالنار يحرق وما لا يحتمل الاحراق كالحديد ونحوه فيدفن بالتراثا لئلا يجدوه - ريدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۶۱ كتاب السير

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۰۸ كِتَابِ السَّيْرِ - الْبَابُ الرَّابِعُ فِي الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا - الْفَصْلُ الْأَوَّلُ فِي الْغَنَائِمِ -

**دارالحرب میں مسلمان تاجر کے مال کا حکم** | سوال :- بعض مسلمان تاجر دارالحرب میں

سامان تجارت وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، اگر مجاہدین ان کے سامان اور مال پر قبضہ کر لیں تو کیا یہ مال وغیرہ مالِ غنیمت شمار ہوگا یا نہیں؟

**الجواب :-** دارالحرب کو مالِ تجارت جہا کرنا مسلمانوں کے لیے زیبا نہیں کیونکہ اس سے کفار کو تقویت ملتی ہے جو کہ اعانت علی المعصیت کے مترادف ہے، اور مجاہدین کا مسلمانوں کے مالِ تجارت پر قبضہ کرنے سے وہ مالِ غنیمت شمار نہیں ہوتا بلکہ مالِ غنیمت وہ ہے جو کفار سے بزورِ شمشیر حاصل کیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: الغنیمۃ اسم لما یؤخذ من اموال الکفرة بقوة الغزاة وقهر الکفرة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۷ کتاب الجهاد والمغرم) لہ

**مالِ غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے** | سوال :- مالِ غنیمت میں خیانت کرنا شرعاً اور کیا حکم رکھتا ہے؟ آیات قرآنیہ اور

احادیثِ نبویہ میں اس کا کوئی ذکر ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** مالِ غنیمت میں خیانت کرنا شرعاً حرام ہے، یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اس میں خیانت کرے کیونکہ اس کی حرمت پر قرآنی نصوص اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، دال ہیں۔

بقولہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلُ وَيَغْلُ وَمَنْ يُغْلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (سورة آل عمران آیت ۷۵) لہ

لہ وقال العلامة الكاسانی: فالغنیمۃ عندنا اسم للماخوذ من اهل الحرب علی سبیل القهر والغلبة۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱ کتاب السیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْمُهَنْدِيَةِ ج ۲ ص ۲۰۲ کتاب السیر، الباب الرابع فی الغنائم <sup>اللؤلؤ</sup> الفعول فی الغنائم۔ لہ وفي الحديث: عن ابن عباس يقول حدثني عمرو بن الخطاب قال قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان فلاناً قد استشهد قال كلاً قد رأيت في النار بعبادة قد غلها قال ثم يا عمرو فتادانه لا يدخل الجنة الا المؤمنون ثلاثاً۔ هذ الحديث حسن صحيح غريب۔ (ترمذی ج ۱ باب ما جاء فی الغلول)

وَمِثْلُهُ فِي ابْنِ دَاوُدَ ج ۲ ص ۱۲۰ باب فی تعظیم الغلول۔ کتاب الجهاد۔



**مالِ غنیمت کی نیت سے جہاد کرنے کا حکم | سوال :- مالِ غنیمت کے حصول کی نیت سے جہاد میں حصہ لینے سے**

ثواب کی امید کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کسی آدمی کا جہاد کو جانے سے اگر مقصود اصلی مالِ غنیمت ہو تو اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا، ہاں اگر مقصود اصلی جہاد اور رضائے الہی کا حصول ہو لیکن اس کے ساتھ مالِ غنیمت کا بھی ارادہ ہو تو ثواب ملنے کی امید ہے۔

لما فی الحدیث، عن ابی ہریرۃؓ ان رجلاً قال یا رسول اللہ رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یتبعی غرضاً من غرض الدنیا فقال علیہ السلام لا اجر لہ فاعظم ذلك علی الناس وقال للرجل عد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلعنک تم تفہمہ فقال یا رسول اللہ رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ وھو یتبعی غرضاً من غرض الدنیا قال لا اجر لہ فقالوا للرجل عد لرسول اللہ فقال لہ الثالثة فقال لا اجر لہ۔

(سنن ابی داؤد ج ۱ کتاب الجہاد باب من یغزو یتمس الدنیا)

**شہید کے ورثاء کو مالِ غنیمت میں حصہ دینے کا حکم | سوال :-** اگر کوئی مجاہد کفار کے ساتھ جنگ کے

دوران شہید ہو جائے تو کیا اس کے ورثاء کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟  
**الجواب :-** مجاہدین جو مالِ غنیمت پر قبضہ کر کے دارالاسلام میں لے آئیں یا تقسیم کر لیں اور اس کے بعد کوئی شہید ہو جائے تو ایسی حالت میں اس کا حصہ اس کے

لہ وقال العلامة ابن عابدین: ثم تأویلہ من وجہین احدهما ان یری انه یرید الجہاد و موادہ فی الحقیقۃ المال فہذا کان حال المنافقین ولا اجر لہ او یکون معظم مقصودہ المال و فی مثلہ قال علیہ السلام للذی استوجر علی الجہاد بدینارین ان مالک دینارک فی الدنیا والاخرۃ واما اذا کان معظم مقصودہ الجہاد یرغب معہ الغنیمۃ فہو داخل فی قولہ تعالیٰ: لیسَ علیکم جناحٌ ان تبغوا فضلاً من ربکم۔ یعنی التجارۃ فی الحج فکما انه لا یحرم ثواب الحج فکذا الجہاد۔ رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ کتاب الجہاد مطلب فیمن یرید الجہاد مع الغنیمۃ)



ورثاء کو دیا جائے گا، اور اگر کوئی دارالحرب میں شہید ہو گیا یا تقسیم غنیمت سے پہلے شہید ہو گیا تو ایسی صورت میں اس کے ورثاء کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ومن مات من الغانمین فی دار الحرب فلا حق له فی الغنیمۃ ومن مات منهم بعد ان حاربها الی دار الاسلام فنصبہ لورثته لان الارث یجری فی الملک ولا ملک قبل الاحراز وانما الملک بعدہ۔

والہدایۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب السیر۔ باب الغنائم وقسمتها)۔

**مال غنیمت میں عورتوں کے حصہ کا حکم** | سوال :- اگر جہاد میں عورتیں بھی شریک ہوں یعنی وہ زخمیوں کو پانی وغیرہ پلاتی ہوں یا ان کی مرہم پٹی کرتی ہوں تو مال غنیمت میں ان کو حصہ ملے گا یا نہیں جبکہ وہ مردوں کے ساتھ اس جہاد میں شریک ہیں ؟

الجواب :- یہ مسئلہ علماء امت کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض حضرات عورتوں کو بھی مردوں کے برابر مال غنیمت میں حصہ دینے کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اور دوسرے علماء ان کیلئے مردوں کے برابر حصہ کے قائل نہیں، تاہم یہ عالم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ (سہم) مردوں کے حصے سے کم جتنا مناسب سمجھے عورتوں کو مال غنیمت سے کچھ مال دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد عثمانی: قال فی الہدایۃ والکفایۃ ولا یسہم لمملوک ولا امرأۃ ولا صبوی ولا ذمی ولكن یرضخ لهم ای یعطون قلیلاً من کثیر فان الرضخۃ ہی الاعطاء کذلک فالرضخ لا یبلغ السہم ولكن دونہ علی حسب ما یراہ الامام - (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۱۹۱ باب لا یسہم لمملوک ولا امرأۃ الخ)

لہ وقال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: وکامن مات ثمة قبل قسمة او بیع ولومات بعد احد ہما ثمة او بعد الاحراز بدارتنا یورث نصیبہ لتاكد ملکہ۔

تنبیہ الابصار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۲ کتاب الجہاد باب المغنم)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۰۸ کتاب السیر، الباب الرابع فی الغنائم، الفصل الاول فی الغنائم۔

## باب المستامن

(دارالاسلام میں رہتے والے کفار کے احکام و مسائل)

دارالاسلام بننے کے لیے شرائط | سوال :- دارالحرب سے دارالاسلام بننے کے لیے کون سی شرائط ہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دارالحرب سے دارالاسلام بننے کے لیے صرف ایک شرط ہے کہ احکام میں اسلام کا ظہور ہو جائے تو وہ دارالاسلام شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحسکفی: ودارالحرب تصیر دارالاسلام باجرام احکام اهل الاسلام فیہا کجمعة وعید۔ رالہدی المختار علی هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۷۷ کتاب الجہاد۔ قبل باب العشر والخارج والجزیة)۔

دارالحرب بننے کے لیے شرائط | سوال :- دارالاسلام سے دارالحرب بننے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

الجواب :- دارالاسلام سے دارالحرب بننے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین شرائط کا ہونا ضروری ہے (۱) احکام کفر اس میں ظاہر ہو جائیں (۲) دارالکفر کے ساتھ متصل ہو جائے (۳) مسلمان اور ذمی اپنے امن میں نہ رہ جائے بلکہ کفار کے امن میں داخل ہو جائیں، اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک دارالحرب بننے کے لیے صرف ایک شرط ہے کہ کفر کے احکام کا ظہور ہو جائے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ :- قال ابوحنیفہؒ انہا لا تصیر دارالکفر الا بثلت شرائط احدھا ظہور احکام الکفر فیہا والثانی ان تكون متاخمة دارالکفر

لہ وقال العلامة الکاسانی: لاخلاف بین اصحابنا فی ان دارالکفر تصیر دارالاسلام

بظہور احکام الاسلام فیہا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳ کتاب السیر)

ومثله فی الہندیة ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب السیر، ایا ب الخامس فی استیلاء الکفار۔

والتالث ان لا يبقى فيها مسلم ولا ذمی امناً بالامن الاول وهو امن المسلمين قال ابو یوسف  
و محمد انها تصیر دار الكفر یظهور احكام الكفر فيها -

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳ فصل الاحكام تختلف باختلاف الدارين) لہ

سمندر کا دار الحرب میں داخل ہونا | سوال :- آج کل جغرافیائی تقسیم میں سمندر کا کچھ کچھ

حصہ قریبی ممالک کے قبضے میں ہوتا ہے جس میں کسی دوسرے ملک کا بغیر اجازت کے داخل ہوتا سمندری حدود کی خلاف ورزی سمجھی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا کافر ممالک کے ساتھ سمندر بھی دار الحرب کے حکم میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقہ پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کی سمندری حدود پر بھی قبضہ کر لیں اور بلاد اسلام سے اس علاقہ کا تعلق ختم ہو جائے تو اس کی سمندری حدود بھی حکماً دار الحرب میں شامل ہو جاتی ہیں -

لما قال العلامة ابن عابدین: قوله؛ واحرزوها داراً لهم ویلحق بها البحر الملح ونحوه؛ كمفازة ليس ورائها بلاد الاسلام نقله بعضهم عن الحموي في حاشية ابى السعود عن شرح النظم الهاملي سطح البحرة؛ حكم دار الحرب -

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۶۶ کتاب الجهاد باب استيلاء الكفار)

سوال :- ایک غیر مسلم شخص کسی کسی ترقی کی دار الاسلام میں قیام امن کی مدت اسلامی حکومت میں کتنی مدت تک

لہ وفق الہندیة: قال محمد في الزيارات انما تصير دار الاسلام دار الحرب عند ابى حنيفة بشرط ثلثة احدها اجراء احكام الكفار على سبيل الاشتهار وان لا يحكم فيها بحكم الاسلام والثاني ان تكون متصلة بدار الحرب لا يتخلل بينهما بلد من بلاد الاسلام والثالث ان لا يبقى فيها مومن ولا ذمی امناً یا مآنه الاول الذي كان ثابتاً قبل استيلاء الكفار للمسلم باستلامه ولذمی بعقد الذمة وقال ابو يوسف وعهد بشرط واحد لا غير وهو اظهار احكام الكفر وهو القياس - الفتاوى الہندیة ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب السیر باب الخامس في استيلاء الكفار ومثله في تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الجهاد، قبل باب العشر والخارج لجزء



اجازت حاصل کر کے قیام کر سکتا ہے؟

**الجواب :-** غیر مسلموں کی عادات و اخلاق کو دیکھتے ہوئے ہر وقت ان سے اسلامی معاشرہ کو خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ان کو ایک سال سے زیادہ عرصہ تک دارالاسلام میں قیام کی اجازت دینا جائز نہیں تاہم اگر حاکم وقت بہتر سمجھے تو زیادہ عرصہ کے لیے قیام کی اجازت دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: لا يمكن حربى مستأمن فى سنة لئلا يصير عيناً لهم و هو نا ملنا وقيل له ان اقامت سنة و وضعنا عليك الجزية فان مكث سنة فهو ذمى۔

رد المحتار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۲ کتاب الجهاد - فصل فى استئمان الكافر له

**غیر مسلم قیدیوں کے معاملہ کا حکم** | سوال :- جہاد کے دوران اگر مجاہدین کچھ کافروں کو قیدی بنالیں اور اسی طرح کافروں نے بھی کچھ

مسلمانوں کو قیدی بنا لیا ہو تو ان غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ شرعاً کیا معاملہ کرنا چاہیے؟ کیا انہیں قتل کیا جائے یا ان کے بدلے میں مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا جائے گا یا فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے؟

**الجواب :-** جہاد کے دوران جب کفار قیدی بنائے جائیں تو حاکم وقت کی مرضی ہے کہ چاہے تو ان کو قتل کر دے یا ان کو غلام بنالے یا ان پر ذمہ کے الحکام لگا کر چھوڑ دے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دشمن کی قید میں مسلمان قیدیوں کے بدلے میں غیر مسلم قیدیوں کو آزاد نہیں کیا جائے گا جبکہ صاحبین کے نزدیک ان سے فدیہ لینے کے بجائے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا جائے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وهو فى الاسارى بالختيار ان شاء قتلهم..... وان شاء استرقهم وان شاء تركهم احراراً ذمّة

له وقال العلامة المرغيناني رحمه الله: واذا دخل الحربى الينا مستأمناً لم يمكن ان يقيم فى دارنا سنة ويقول له الامام ان اقامت تمام السنة وضعت عليك الجزية - (الهداية ج ۲ ص ۲۴۸ کتاب السير، باب المستامن)

قَوْلُهُ فى بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۱۱ فصل من يسع تركه فى دار الحرب -

للمسلمین۔۔۔۔۔ الخ ان قال ولا یفادی بالاساری عند ابن حنیفة وقال یفادی بهم  
اساری المسلمین۔ (الهدایة ج ۲ ص ۲۶ کتاب السیر۔ باب القنائم) لے

**حربی کا بغیر اجازت کے دارالاسلام میں داخل ہونے کا حکم** | سوال :- کیا  
اجازت نامہ

(قانونی دستاویزات) کے بغیر اگر کوئی حربی دارالاسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو  
کوئی سزا دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جب کسی ملک میں دارالاسلام کی ٹرائٹ پوری ہوں اور وہاں اسلامی  
حکومت ہو تو کسی حربی کا اس ملک میں حکام کی اجازت کے بغیر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ  
کفار کا جاسوس بن کر آیا ہے، ایسی حالت میں اس کو بطور سزا کے غلام بنا لیا جائے، اس لیے  
کسی حربی کا بغیر حاکم وقت کی اجازت کے دارالاسلام میں داخل ہونا صحیح نہیں۔

ما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : قید بالمتأمن لانه لو دخل دارنا  
بلا امان كان ومعه قياً ولو قال دخلت بامان الا ان يثبت۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۲،  
کتاب الجهاد، فصل فی استئمان الکافر) لے

لے قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : وقتل الاساری ان شاء ان لم یسلموا واسترقم  
او ترکھم احراً ذمة لنا الا مشرکی العرب والمرتدین کما سیجئی وحریم منہم  
ای اطلاقہم مجاناً ولو بعد اسلامہم ابن کمال لتعلق حق الغائبین وجوزرة  
الشافعی لقوله تعالى : فَاَمَّا مَنَّا بَعْدَ وَاَمَّا فِدَاءٌ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْ زَارَهَا قَلْنَا  
نَسَخَ بِقَوْلِهِ : فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ۔ شرح مجمع وحریم  
فداءہم بعد تمام الحرب واما قبلة فيجوز بالمال لا بالاسیر المسلم ذرر وصدور  
الشریعة وقال يجوز وهو اظهر الروایتین عن الامام ثمنی۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۱ کتاب الجهاد، باب المغنم وقسمته)

لے وقال العلامة ابن تجیم، لانه لو دخل دارنا بلا امان فهو وما معه فٹی فان قال

دخلت بامان لم یصدق واخذ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۱ باب المستأمن)

وَمِثْلُهُ فِي قِتْحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۲۴۱ کتاب السیر، باب المستأمن۔

افغانستان کے دارالحرب ہونے یا نہ ہونے کا حکم | سوال :- جناب مفتی صاحب! جہاد افغانستان

کے وقت افغانستان دارالحرب تھا یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے کسی ملک کے دارالحرب بننے کے لیے جن شرائط کا لحاظ کیا ہے وہ جہاد کے وقت افغانستان میں مکمل طور پر نہیں پائی جاتی تھیں اس لیے افغانستان کا دارالحرب ہونا فقہی نقطہ نظر سے درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔

لما قال العلامة بدرالدين محمود بن اسمعيل رحمه الله: لا تصير دار حرب الا باجراء احكام الشرك واتصالها بدار الحرب بان لا يكون بينها وبين دار الحرب مصر للمسلمين وان لا يبقى فيها مسلم او ذمى امنًا على نفسه بالامان الاول لا يبقى امنًا الا بالامان الثاني وعندهما باجراء احكام الشرك تصير دار حرب اتصلا ولا يبقى احد بالامان الاول او (جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب السیر) ۲

سوال :- ایک اسلامی مملکت میں جب غیر مسلم رہائش پذیر ہوں تو کیا ان کو اپنے لیے نئی عبادت گاہیں بنانے کا حکم

بنانے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی بھی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلموں کو اپنے لیے نئی عبادت گاہیں بنانے کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ ان کی سابقہ عبادت گاہوں کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

لہ وقال العلامة التمرتاشي: لا تصير دار الاسلام دار حرب الا باثلاثه باجراء الاحكام اهل الشرك وباتصالها بدار الحرب وبان لا يبقى فيها مسلم او ذمى امنًا بالامان الاول۔ رتوير الا بصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الجهاد، فصل استئمان الكافر ومثله في الهنديه على هامش الهنديه ج ۶ ص ۳۱۲ كتاب السير باب الرابع في المرتد وما يصير الكافر به مسلمًا۔



لما قال العلامة القمري تاشي رحمه الله: ولا يحدث بيعة ولا كنيسة ولا صومعة ولا بيت نامر ولا مقبرة في دار الاسلام ولو قرية في المختار۔  
 (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۹۶ کتاب الجهاد، فصل في الجزية) لہ  
 دار الاسلام میں عیسائیت کی تبلیغ کا حکم | سوال:۔ آج کل منگلت خدا واد پاکستان میں  
 عیسائی کھلے عام بازاروں میں عیسائیت کی  
 تبلیغ کرتے ہیں، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ غیر مسلم دارالاسلام میں اپنے  
 مذہب کی آزادی سے تبلیغ کرتے پھریں؟

الجواب:۔ اسلام اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ کوئی غیر مسلم آزادی سے  
 مسلمانوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرے بلکہ مسلمان حاکم وقت پر یہ لازم ہے کہ وہ  
 انہیں اس عمل سے باز رکھے، جہاں تک دارالاسلام میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا  
 تعلق ہے تو وہ صرف ان کے ہم مذہبوں تک محدود ہے یہاں تک کہ وہ بلند آواز سے  
 اپنی مذہبی کتاب کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے۔

لما قال العلامة ظفر أحمد العثماني: وقد حكى ابن تيمية اجماع الفقهاء وسائر  
 الائمة رحمهم الله على مراعاة تلك الشروط قال ولولا شهرتها عند الفقهاء لذكرنا  
 الفاظ كل طائفة فيها:.... ومن جملة الشروط ما يعود باخفاء منكرات دينهم وترك  
 اظهارها كمنعهم من اظهارها الخمر والتاقوس والتيوان والاعباد ونحو  
 ذلك ومنها ما يعود باخفاء شعائر دينهم كاصواتهم بكتابهم۔

{ اعلان السنن ج ۱۲ ص ۲۸۸ باب شروط اهل الذمة }  
 { وما يجوز لهم في دارنا وما لا يجوز لهم }

لہ وقال العلامة الكاساني رحمه الله: واما الكنائس والبيع القديمة فلا يتعرض لها ولا  
 ينهدم شيء منها واما احداث كنسية اخرى يمنعون عنه فيما صار مصرًا من  
 امصار المسلمين لقوله عليه السلام لا كنسية في الاسلام الا في دار الاسلام۔

(ردائع الصنائع ج ۱ ص ۱۱۲ کتاب السير)

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۴۰ کتاب السير، الباب الثامن في الجزية۔

## باب معاملات مع الکفار (غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے احکام و مسائل)

**غیر مسلم کو سلام کرنا** | سوال :- میں ایک غیر مسلم کمپنی میں ملازم ہوں وہاں میرے کچھ عیسائی اور ہندو دوست ہیں، کیا میں ان کو سلام کر سکتا ہوں یا نہیں؟

**الجواب** :- کسی بھی غیر مسلم پر سلام کی ابتداء ممنوع ہے کیونکہ کسی کو سلام میں پہل کرنے سے درحقیقت اس شخص کی عظمت پیش نظر ہوتی ہے جبکہ مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ کسی غیر مسلم کی عزت و عظمت اس پر غالب رہے، تاہم بوقت ضرورت اسے مناسب الفاظ سے سلام کرنا مخص ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی: ویحرم تعظیمہ وتکوہ مصافحة ولا یداء بالسلام الا الحاجة۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجہاد) لہ

**غیر مسلم کے سلام کا جواب دینا** | سوال :- غیر مسلم کے سلام کا جواب دینے کا شرعی حکم طریقہ کیا ہے؟ کیا اس کو سلام کا جواب دیا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب** :- غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف وعلیک کہنا کافی ہے، تاہم اگر کسی غیر مسلم کے سلام کے جواب میں اللہ سے اس کی ہدایت کا طالب ہو کر یوں جواب دیا جائے السلام علی من اتبع الهدی تو بہتر ہے۔

لما فی الہندیۃ: واذا کان لہ حاجۃ فلا بأس برّد سلام علی اهل الذمّة

لہ قال العلامة ابن البزاز اکرودی رحمہ اللہ: وفي السير لا بأس برّد سلام اهل الذمّة والنهي عن البدأة الا اذا كان محتاجاً اليه فلا بأس بها ايضاً ولكن يكره مصافحهم۔ (الفتاوى البزازية على هامش الہندیۃ ج ۴ ص ۳۵۵)

کتاب الکراہیۃ۔ فصل نوع فی السلام)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۳ کتاب الجہاد۔ فصل فی الجزیۃ۔ فروع فی الجزیۃ۔

وَلَنْ لَا يَزَادَ عَلَيَّ قَوْلُهُ وَعَلَيْكُمْ. قَالَ الْفَقِيه أَبُو الْوَالِيثِ أَنْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ وَفِيهِمْ كُفَّارَةٌ بِالْحَنَبَالِيَّةِ  
 أَنَّهُ شَتَّتْ قَلْتُ السَّلَامَ عَلَيْكُمْ وَتَرِيدُ بِهِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ شَتَّتْ قَلْتُ السَّلَامَ عَلَيَّ مِنْ اتَّبَعَ  
 الْهَدْيَ كَذَا فِي الذَّخِيرَةِ. (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵ کتاب الکرہیۃ۔ الباب السابع فی السلام الخ) لہ  
**غیر مسلموں کو عبادت خانے کی طرف راہبری کرنا** | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان  
 سے اپنی عبادت کی جگہ کے بارے  
 میں معلومات حاصل کرنا چاہے تو کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ اس بارے میں غیر مسلم  
 کی راہبری کرے؟

**الجواب :-** چونکہ ایسے امور میں کسی غیر مسلم کی راہبری کرنے سے اس کی اصلاح کبھی  
 جگہ بے دینی اور کفر کو تقویت ملنے کا امکان ہے، اس لیے کسی غیر مسلم کے ساتھ ایسے  
 معاملات میں تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورة المائدة آیت ۲)  
 وَقَالَ الْعَلَامَةُ قَاضِي خَانٌ: ذَمِّي سَأَلَ مُسْلِمًا عَنْ طَرِيقِ الْبَيْعَةِ لَا يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ  
 أَنْ يَدُلَّهُ عَلَى ذَلِكَ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ. (فتاوی قاضی خان علی ہامش  
 الہندیۃ ج ۳ ص ۵۹۱ الباب الثالث فی الوکالۃ بالبیع۔ کتاب الوکالۃ) لہ

**غیر مسلم کی عزت و توقیر کرنا** | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے پاس مہمان  
 بن کر آئے تو مسلمان کا اس کی عزت و احترام کے لیے

لہ قَالَ الْعَلَامَةُ قَاضِي خَانٍ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِذَا سَلَّمَ الْيَهُودِيَّ أَوْ النَّصْرَانِيَّ أَوْ  
 الْمَجُوسِيَّ عَلَى مُسْلِمٍ. قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَقُولُ الْمُسْلِمُ وَعَلَيْكَ يَنْوِي بِذَلِكَ  
 السَّلَامَ لِحَدِيثِ مَرْفُوعٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا سَلَّمُوا  
 عَلَيْكُمْ فَرُدُّوا عَلَيْهِمْ. (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الکرہیۃ)  
 وَمِثْلُهُ فِي الدَّرَالِ الْخِتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَحْتَارِ ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجہاد۔

لہ ذَمِّي الْهِنْدِيَّةِ: ذَمِّي سَأَلَ مُسْلِمًا عَنْ طَرِيقِ الْبَيْعَةِ لَا يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدُلَّهُ عَلَى  
 ذَلِكَ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ. (الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب السیر الباب الثامن فی الجزیرۃ)  
 وَمِثْلُهُ فِي الْبِرَازِيَّةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَّةِ ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکرہیۃ الثالث فیما يتعلق بالناسی۔



محفل میں کھڑے ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب:** غیر مسلموں سے مدارات یعنی معاشرتی تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں،  
 اگر یہ اٹھنا بیٹھنا معاشرہ میں بلا امتیاز مذہب و عقیدہ کسی مہمان کا حق سمجھا جاتا ہو تو ایسی حالت  
 میں یہ تعلقات قائم کرنا جائز ہے، نیز کسی غیر مسلم کے شر و فساد سے بچنے کے لیے بھی  
 اس سے معاشرتی تعلقات قائم کرنا جائز ہے بلکہ ایسے تعلقات ہے اگر یہ توقع ہو کہ وہ  
 غیر مسلم (اسلام قبول کر لے گا تو پھر اسے فرائض منصبی کا تقاضا سمجھے، تاہم اگر اس سے غیر مسلم  
 کے مذہب و عقیدہ یا اس کے کسی غیر اسلامی شعار کی عزت و توقیر مقصود ہو تو پھر ایک  
 مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین، وجب علی المسلم عدم تعظیم الکن قال فی الذخیرة اذا دخل  
 یهودی الحمام ان خدمه المسلم طعمًا فی فلو سه فلا بأس به وان تعظیمًا له فان  
 کان یمیل الی الاسلام فکذلک وان لم یتوی شیئًا کوه وان قام تعظیمًا لذاته  
 وما هو علیہ کفر لان مرضا بالکفر کفر فکیف بتعظیم الکفر قلت وبه علم انه  
 لو قام له خوفًا من شره فلا بأس بل اذا تحقق الضرورة فقد یجب وقد  
 یتحب علی حسب حال ما یتوقعه۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الجہاد)۔

**غیر مسلموں کے برتنوں میں کھانا پینا** | سوال:۔ ایک مسلمان کے لیے کفار اور مشرکین  
 کے برتنوں میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ کفار کے برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح دھویا جائے  
 دھونے سے پہلے ایسے برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے تاہم اگر دھوئے بغیر ان میں کھاپنی  
 لیا جائے تو جائز مع الکرہتہ ہے اور ایسا کرنے والا حرام کھانے پینے والوں میں شمار نہ ہوگا  
 بشرطیکہ ان برتنوں کی ناپاکی کا علم نہ ہو، اور اگر علم ہو تو دھونے سے پہلے ان برتنوں میں

وفی الہندیۃ: اذا دخل ذمی علی مسلم فقام له ان قام طعمًا فی میلہ سلام فلا  
 بأس به وان فعل ذلك تعظیمًا من غیر ان ینوی شیئًا ما ذکرنا او قام طعمًا لغناہ  
 کرلہ ذلک۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۸ کتاب الکرہتہ۔ البنا الرابع عشر فی اهل الذمۃ والاحکام۔ الخ  
 ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۲ کتاب الجہاد۔

کھانا پینا جائز نہیں۔

لقوله عليه الصلوة والسلام: تأكل في ايتهم فان وجدتم غير ايتهم فلا تأكلوا فيها فان لم تجدوا فاعسلوها ثم كلوا فيها۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۵ کتاب الذبائح۔ باب ما جاز في الصيد) لہ

**غیر مسلموں کے ساتھ کھانا پینا** | سوال :- غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلموں میں جب تک کوئی ظاہری نجاست نہ ہو تو ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اعتقادی اختلاف باعث کراہت ہے۔ وفي الهندية: ولم يذكر محذوا الاكل مع المجوس ومع غيره من اهل الشرك انه هل يحل ام لا وحكى عن الحاكم الامام عبد الرحمن الكاتب انه ان ابتلى به مسلم مرة او مرتين لا بأس به واما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۴ کتاب الکراہیۃ۔ ابنا الرابع عشر في اهل الذمة والاحكام التي تعود اليهم) لہ

**غیر مسلم کی ملازمت کرنا** | سوال :- پاکستان سے کئی لوگ امریکہ اور دوسرے غیر اسلامی ممالک میں روزگار کے سلسلہ میں جاتے ہیں اور وہاں غیر مسلموں کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں، تو کیا غیر مسلموں کے ہاں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- غیر مسلم کی ملازمت کرنا اس طور پر کرنا کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں

لہ قال شيخ الاسلام حافظ الدين ابن البرازي: والاكل والشرب في اواني المشركين يكره والاكل مع الكفار لو ابتلى به المسلم لا بأس لومرة او مرتين اما الدوام عليه يكره۔ (الفتاوى البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراہیۃ۔ الثالث فيما يتعلق بالمنافع) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۳۴۴ کتاب الکراہیۃ۔ ابنا الرابع عشر في اهل الذمة۔ لہ قال شيخ الاسلام حافظ الدين ابن البرازي: والاكل مع الكفار لو ابتلى به المسلم لا بأس لومرة او مرتين اما الدوام عليه يكره۔ (الفتاوى البرازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراہیۃ۔ الثالث فيما يتعلق بالمنافع)

کی توہین نہ ہوتی ہو جائز ہے اور اگر اس میں اسلام یا مسلمانوں کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو تو پھر ایسی ملازمت کرنا جائز نہیں۔

لمافی الحدیث: لان خباب بن الارت عمل لعاص بن وائل باجدة ولعینکر علیہ  
النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۴ باب الاجارة) لہ

**ہندوؤں کی متروکہ جائیداد کا حکم** | سوال: غیر مسلموں مثلاً ہندوؤں وغیرہ کے متروکہ مال کا صحیح مصرف کیا ہے؟ علاوہ ازیں جو غیر مسلم ایک جگہ سے چلے جائیں اور ان کے املاک وہاں رہ جائیں تو از روئے شریعت اس کا صحیح مصرف کیا ہے؟

الجواب: غیر مسلموں کا متروکہ مال بیت المال میں جمع کرنا چاہیے، اسی طرح جو مال بلا جنگ کے کفار سے حاصل ہو یا جو مال مسلم عاشر لیتا ہے اس کا صحیح مصرف مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا ہے، مثلاً سرحدوں کی حفاظت پر خرچ کرنا، دریاؤں اور نہروں پر پل بنانا، علماء، طلباء اور قاضیوں کے وظائف، اسلامی فوج کی تنخواہیں اور ان کے اہل و عیال کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا وغیرہ۔

قال العلامة محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ومصرف الجزية والخراج ومال التغلی وهدیتهم للامام واما یقلها اذا وقع عند هم ان قتالتا للدين لا الدنيا جوہرۃ وما أخذ منهم بلا حرب ومنه ترکتہ ذمی وما أخذہ عاشر متهم ظہیریۃ مصالحنا۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۶ باب العشر والخراج والجزیۃ) لہ

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: المسلم اذا اجر نفسه من الكافر لیتجد جاز ویكره قال الفضل لا یجوز فی خدمۃ وما فیہ اضلال بخلاف الزمارة والسقی۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۹ کتاب الاجارة)۔ ومثله فی البزانیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۵ کتاب الاجارة۔

لہ وقال الامام عبد اللہ بن احمد محافظ الدین التسیفی: وما أخذ متهم بلا قتال یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبتاء القناطیر والجسور۔

رکنزالدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱ کتاب الجہاد

ومثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۵۹۹ کتاب الجہاد۔



اہل کتاب کے سوا دوسرے غیر مسلموں کے ذبیحہ کا حکم | سوال :- کسی ایسے ملک میں جہاں شرعی طریقہ سے جانور

ذبح نہ ہوتے ہوں مسلمانوں کے لیے وہاں کے غیر مسلموں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا کیسا ہے؟  
الجواب: اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار کا ذبیحہ مطلقاً حرام ہے چاہے  
ذبح کرنے والا ہندو ہو یا سکھ، مجوسی ہو یا پارسی، کسی حال میں بھی ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔

قال العلامة ابو بکر الحداد الیمنی، ولا توکل ذبیحة المجوسی والمرتد والوثنی  
لان المرتد لاملته له والوثنی مثله واما المجوس فلقوله عليه السلام سنوا بهم  
سنة اهل الكتاب غیر تاکی نساء ہم ولا اکل ذبائحهم الحدیث۔

الجمهورية النيرة ج ۲ ص ۲۶ کتاب الذبائح

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے مذہبی حقوق کا حکم | سوال :- ایک اسلامی حکومت

مذہبی حقوق حاصل ہیں؟ کیا وہ دارالاسلام اپنی مذہبی عبادت و رسومات ادا کر سکتے  
ہیں یا نہیں؟

الجواب: کسی بھی اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو جان و مال اور مذہبی آزادی کا  
تحفظ حاصل ہے لیکن اگر وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے تقریر و تحریر کا طریقہ اختیار  
کریں تو انہیں اس سے منع کیا جائے گا۔

لما فی الہندیۃ: ولیس للنصرانی ان یضرب فی منزله بالنا قوس فی  
مصر المسلمین ولان یتجمع فیہ بہم انمالہ ان یتصلی فیہ ولا ان  
یخرجوا الصلیب او غیر ذلک من کنا سہم ولورفعوا اصواتہم بقراءة  
الزیور والانتجیل ان مکان فیہ اظہار الشریک منعوا عن ذلک وان لم  
یقع بذلک اظہار الشریک لا یمنعون ویمنعون عن قراءة ذلک

لہ قال العلامة ابن نجیم: لا مجوسی ووثنی ومرتد وحرک و تارک التسمیۃ عبد یعنی  
لا تحل ذبیحة هؤلاء۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۸ کتاب الذبائح)  
و مثله فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۳ کتاب الذبائح۔

فی اسواق المسلمین - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب لیبین الباب الثامن فی الجزیۃ)  
**غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال کا حکم** | **سوال:** غیر مسلم ممالک سے گوشت،  
 ذبح شدہ مرغی، گھی اور دودھ وغیرہ سے بنی ہوئی کھانے پینے کی اشیاء پاکستان اور  
 دوسرے اسلامی ممالک میں درآمد کی جاتی ہیں جبکہ گوشت کے ڈبے پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ  
 "اس کو اسلامی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہے" کیا ایک مسلمان کے لیے ان چیزوں کا استعمال  
 جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** گوشت کے علاوہ جو حلال چیزیں غیر مسلم ممالک سے آتی ہوں اور ان  
 میں حرام چیزیں مثلاً شراب یا سور و خنزیر کے اجزاء شامل نہ ہوں تو ان چیزوں کا کھانا پینا  
 جائز ہے، البتہ اگر گوشت کے ڈبے پر اسلامی طریقہ سے ذبح ہونے کے لکھے ہوئے  
 الفاظ صحیح ہوں تو پھر اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر دوسرے قرائن اور ذرائع  
 سے ان الفاظ کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ایسے گوشت کا کھانا جائز نہیں۔

وفی الہندیۃ: من ارسل ابیرالہ مجوسیا او خادما فاشتری لحمًا فقال اشتريتہ  
 من یہودی او نصرانی او مسلم وسعہ اکلہ..... رجل اشتری لحمًا قلیما قبضہ  
 فاخبرہ مسلم ثقة انه قد خالطہ لحم الخنزیر لم یسعہ ان یاکلہ - ۲  
 (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۰۸، ۳۰۹ کتاب الکراہیۃ - الباب الاول)

۱۔ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: ویس للنصرانی انہ یضرب  
 فی منزله بالناقوس فی مصر من امصار المسلمین -

(الفتاویٰ التاتاریخانیۃ ج ۵ ص ۲۵۱ کتاب الخراج)

ومثلہ فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۵۸۹ کتاب لیبین فصل فی اهل الذمۃ -  
 ۲۔ وقال العلامة فخرالدین حسن بن منصور: مسلم اشتری لحمًا قبضہ فاخبرہ مسلم  
 ثقة انه ذبیحۃ المجوس فانه لا ینبغی للمشتری ان یأکل ولا یطعم غیرہ لان المخبر اخبرہ  
 بحرمۃ العین وبطلان المملک - (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب لیبین فصل فی اهل الذمۃ)  
 ومثلہ فی رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۳ کتاب الخبز والاباحۃ، باب الاستبراء -



اسلامی ملک میں غیر مسلموں کا نئی عبادت گاہ بنانا | سوال :- دارالاسلام میں غیر مسلم اپنے لیے نئی عبادت گاہ تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- دارالاسلام میں غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تاہم پرانی عبادت گاہیں باقی رکھ سکتے ہیں اور ان کی مرمت وغیرہ بھی کر سکتے ہیں لیکن کسی بھی قدیم عبادت گاہ میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کسی شہر میں غیر مسلموں کی کوئی عبادت گاہ ویران ہو جائے تو اسے از سر نو آباد کرنے کی بھی اجازت نہیں۔

کافی الہندیۃ : ان اراد اهل الذمة احدثات البیوع والکنائس والمجوس احدثات بیت النار ان اولاد وذلک فی امصار المسلمین وفيما کان من فناء المصر منعوا عن ذلک عند الكل۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب السیر، ابنا الثامن فی الجزیۃ ص ۱۰۰)

غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا | سوال :- چند دن قبل برطانیہ کی شہزادی پاکستان آئی تو اس کو حکومت کی سرپرستی میں لاہور کی بادشاہی مسجد میں لایا گیا، تو کیا کوئی غیر مسلم مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جب کافر حالت جنابت میں نہ ہو اور اس کے بدن پر کوئی ایسی ظاہری نجاست بھی نہ ہو جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو تو پھر اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

کافی الہندیۃ : لا بأس بدخول اهل الذمة المسجد الحرام وسائر المساجد وهو الصیغ کذا فی المحيط السرخسی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۶ کتاب الکراہیۃ ابنا الرابع عشر ص ۲۰)

لہ قال العلامة التمر تاشی : ولا يجوز ان يحدث بيعة ولا كنيسة ولا صومعة ولا بيت نار ولا مقبرة۔ (تنوير الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۰ کتاب السیر)

ومثله فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۰۹ کتاب السیر فصل فی اهل الذمة ما یؤخذ لعل لعلا ابن عابدین : ان الامام سرخسی ذکر فی شرح السیوا لکبیر ان باسفیان جاء الى المدينة ودخل المسجد ولذلك قصته قال فهدا دليل لنا على مالک بمنعه المشرك من ان يدخل من المساجد قال ان الشافعی : قال يمنعونه من دخول المسجد الحرام خاللاية انما المشركون نجس فاما عندنا لا يمنعون كما لا يمنعون عن دخول سائر المساجد ويستحق ذلك الحرفي والذقي۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۱ کتاب الجهاد باب العشر والخروج طبریتیم)۔ ومثله فی البزازیۃ علی هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۴۱ کتاب الکراہیۃ۔



مساجد میں غیر مسلم کا چندہ استعمال کرنا | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر اور  
مرمت کے لیے چندہ دے تو کیا وہ چندہ  
مسجد میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر کافروں کا چندہ دینے میں اسلام اور مسلمانوں کی توہین کا احتمال نہ ہو  
اور ان کے مذہب میں اس کی حیثیت قربت اور ثواب کی ہو اور وہ بھی ثواب کی تبت سے  
دیں تو پھر قبول کرنا اور مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے مذہب  
میں کافر کے وقف کی صحت میں یہ شرط ہے کہ وہ ہمارے اور ان کے نزدیک قربت کا ذریعہ ہو  
پس ظاہر ہے کہ کفار کا چندہ مسجد میں صرف کرنا اہل اسلام کے نزدیک تو قربت ہے،  
کفار و ہنود مساجد میں جو کچھ دیتے ہیں وہ اعتقاداً اس کو قربت سمجھتے ہیں، لیکن صحابہ  
میں غیر مسلموں کی امداد برائے مساجد عموماً مسلمانوں کو کسی نہ کسی منحصہ سے دوچار کرنے کے  
لیے ہوتی ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: ان شرط وقف الذمی ان یکون قریبہ عندنا و  
عندہم كالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس بخلاف الوقف علی بیعة فانه  
قریبہ عندہم فقط او علی حج او عمرہ فانه قریبہ عندنا فقط فاذا ان هذا  
شرط لوقف الذمی فقط لان وقف المسلم لا یشرط کونه قریبہ عندہم بل عندنا  
کو قفنا علی حج و عمرہ بخلافہ علی بیعة فانه غیر قریبہ عندنا بل عندہم۔  
رماد المختار ج ۳ ص ۳۹۴ کتاب الوقف لے

ہندوؤں کی عبادت گاہ کی جگہ مسجد بنانا | سوال :- ہمارے علاقے میں ہندوؤں  
کی متروکہ جائیداد میں ایک مندر بھی ہے  
بعض مسلمانوں کا ارادہ ہے کہ اس کی جگہ مسجد بنا دی جائے، تو کیا ہندوؤں کی متروکہ عبادت گاہ

لے قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: واما الاسلام فلیس من شرطہ  
قصع وقف الذمی بشرط کونه قریبہ عندنا و عندہم کما وقف علی او کادہ او علی  
الفقراء۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۸۹ کتاب الوقف)  
و مثله فی الہندیة ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الوقف۔

کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب :- اگرچہ مسلمانوں کی عبادت کے لیے کوئی جگہ خاص نہیں، کرۂ ارض پر کسی جگہ بھی نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن ہندوؤں کے عبادت خانے کو جوں کا توں رکھ کر اس کو بطور مسجد کے استعمال کرنے سے چُونکہ ان کے عبادت خانے کی عظمت و برتری قائم رہنے کا شبہ ہے لہذا اسے بطور مسجد استعمال کرنا جائز نہیں تاہم اگر اس کو گرا کر اس کی جگہ مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث میں ہے : عن طلق بن علی قال خرجنا وقد الى رسول الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه واخبرناه ان يارضنا ببيعة لنا فاستوهينا من فضل طهورة فدعاهم فتوضاء وتمضمض ثم صبته لنا في ادواة وامرنا فقال اخرجوا فاذا اتيتم ارضكم فاكسرو بيعتكم وانضحوا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا قلنا ان البلد بعيد والحرس شديد والماء ينثفت فقال مَدُّوهُ مِنَ الْمَاءِ فَالَا يَزِيدُهُ اِلَّا طَيْبًا، رواه النسائي - (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۶۹ باب المساجد) لے

**غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا** | سوال :- اگر کوئی غیر مسلم کسی خوشی وغیرہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو دعوت دے اور اس کے ساتھ خوراک کے حلال ہونے کی یقین دہانی بھی کر دے تو کیا مسلمانوں کے لیے اس دعوت کو قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس دعوت کی وجہ سے اسلام متاثر نہ ہوتا ہو تو اس دعوت کو قبول کرنے اور اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں خاص کر اس دعوت میں جہاں پر خوراک کی حلت کی یقین دہانی بھی ہو۔

لما فی الہندیۃ : ولا بأس بالذہاب الی ضیافة اهل الذمۃ ہکذا ذکر محمد

اصلا ورد فی الحدیث : عن طلق بن علی فانخرجنا وقد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه واخبرناه ان يارضنا ببيعة لنا فاستوهنا من فضل طهورة الحدیث۔

(سنن النسائی ج ۱ ص ۶۹ کتاب المساجد)

وَمِثْلُهُ فِي مَشْكُوٰةِ الْمَصَابِيحِ (حاشیہ) ج ۱ ص ۶۹ کتاب الصلوٰۃ۔ ابواب المساجد۔

وفي أضعية التوازل الجوس والنصراني اذا دعا رجل الى طعامه تکره الاجابة وان قال اشتریت اللحم من السوق فان كان الداعي نصرانياً فلا بأس به -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۳۴ کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر، ص ۱۷)

**مسلمانوں کا غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا** | سوال: کیا مسلمان کے لیے غیر مسلموں کے

عبادت گاہوں میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسلمان کے لیے غیر مسلموں کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا مکروہ ہے لیکن یہ مکروہ اس لیے نہیں کہ مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں بلکہ اسلئے نہیں کہ یہ عبادت گاہیں شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہوتی ہیں۔

کما في الهندية: يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة وانما يكره من حيث انه مجمع الشياطين لا من حيث انه ليس له حق الدخول -

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۶ کتاب الکراهية، الباب الرابع عشر، ص ۱۷)

**قادیانیوں سے لین دین کرنے کا حکم** | سوال: مسلمانوں کے لیے قادیانیوں کے ساتھ لین دین یعنی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگرچہ غیر مسلموں سے دنیاوی معاملات کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں جس بسا اوقات ان کے کفریہ عقائد مخفی رہ جاتے ہیں، اس لیے یہ مرتدین کے حکم میں ہو کر ان سے کسی قسم کی تجارت کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ويذيل ملك المرتد عن امواله يرتده

لہ قال الامام ابن البراز الکردري: وان اجابة الدعوة ولو لاهل الذمة سنة -

(البنانية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۳۳ السادس في التشبيه)

لہ قال العلامة ابن عابدین: ويكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة -

(مراد المختار ج ۶ ص ۳۸۴ کتاب الخطر والباحة - فصل في البيع)



ذوالاموعی فان اسلم عادت الی حالہا۔ (الہدایۃ ج ۲ کتاب السیر) لے  
**مرتد کے ساتھ تعلقات قائم کرنا** | سوال :- جو شخص اسلام چھوڑ کر ہندو مذہب

اختیار کرے تو اس سے دوستی اور محبت رکھنا اور  
 خندہ پیشانی سے ملنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب :- وہ شخص جو دین اسلام چھوڑ کر ہندو مذہب اختیار کرے مرتد ہے،  
 اس سے تعلقات اور میل جول رکھنا صحیح نہیں، اسی طرح اس سے خندہ پیشانی سے پیش آنا  
 مصافحہ کرنا، ملنا جلنا اور اس کے ساتھ کھانا پینا، رشتہ عقد و مناکحت قائم کرنا ناجائز  
 اور ممنوع ہے۔

کما قال العلامة محمد بن عبد اللہ التمر تاشی: ومن ارتد عرض الحاكم علیہ السلام  
 استجابا..... وتكشف شبهة ويجلس وجوبا ثلاثة ايام فان اسلم فيها والاقئل  
 لحدیث من بدل دینہ فاقتلوه۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج ۳ باب العشر والخارج والمجزیۃ) ۲  
**قادیانی کا چندہ مسجد میں لگانا** | سوال :- اگر کوئی قادیانی مسجد کی تعمیر کے لیے  
 اینٹیں وغیرہ دے تو کیا ان اینٹوں کو مسجد میں  
 لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور مرتد کے حالت  
 ارتداد میں کئے ہوئے تصرفات موقوف ہوتے ہیں، اگر وہ دوبارہ مسلمان ہو جائے تو  
 حالت ارتداد میں کئے ہوئے اس کے تصرفات صحیح ہو جائیں گے اور اگر وہ حالت ارتداد

لے قال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: ویوزیل ملک المرتد عن مالہ زوالا موقوفاً فان  
 اسلم عاد ملکہ۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۱ باب احکام المرتدین)  
 وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيدِ ج ۵ ص ۳۱۲ کتاب الجہاد۔ احکام المرتدین۔  
 ۲ وقال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: يعرض الاسلام على المرتد وتكشف  
 شبهة ويجلس ثلاثة ايام فان اسلم والاقئل۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق  
 ج ۵ ص ۱۲۵ باب احکام المرتدین)  
 وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۳ کتاب السیر الباب الثامن فی الجزية۔

میں ہی مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دارالحرب چلا جائے تو حالت ارتداد کے تصرفات باطل ہو جائیں گے۔ لہذا کسی بھی قادیانی مرتد کی طرف سے دی ہوئی ایٹھیں اور دوسرا تعمیراتی سامان مسجد میں لگانا جائز نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی: وما باعہ او اشتواہ او اعتقہ او وہبہ او رهنہ او تصرف فیہ من اموالہ فی حال ردتہ فهو موقوف فان اسلم صحت عقودہ وان مات او قتل او لحق بدار الحرب بطلت۔

الهدایة ج ۲ ص ۶۰۳ کتاب الجہاد ، باب المرتد ص ۱۰

**قادیانی کی نماز جنازہ کا حکم** | سوال: میرے رشتہ داروں میں ایک شخص قادیانی ہے، اس کے مرنے کے بعد میرے لیے اس کے جنازہ

میں شرکت کرنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس بنا پر ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور نہ ہی قادیانیوں کے مذہب کے مطابق موت کی رسومات میں ان کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے، اور اگر ایسے رشتہ دار کی تدفین کے لیے اس کا ہم مذہب کوئی آدمی نہ ہو تو تدفین کے شرعی طریقے سے ہٹ کر صرف زمین میں گڑھا کھود کر اسے دفن کیا جائے گا۔

كما قال العلامة علاء الدین الحسینی: اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب۔

الدس المختار علی هامش رد المختار ج ۱ ص ۶۵۷ باب صلوة الجنائزہ

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وتوقف مبايعته وعقده وهيبته فان آمن نفذ وان هلك بطل بيان لتصرف حال ردته بعد بيان حکم املاکہ قبل ردته (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۳۳ باب احکام المرتدين)

وَمِثْلُهُ فِي قِيحِ الْقَدِيرِ ج ۵ ص ۳۲ باب احکام المرتدين۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: اما المرتد فلا يقبل ولا يقن وانما يلقى في حفرة کالکلب ولا يدفع الی من انتقل الی دینهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۱ کتاب الجنائز۔ فصل السلطان الحق بصلواتہ)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَي هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۱ ص ۱۹۵ کتاب الجنائز۔

قادیانیوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا حکم | سوال :- قادیانیوں کو

دفن کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی ضروریات دین سے انکار کی بنا پر کافر اور مرتد ہیں اُن کو اہل اسلام کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔

كما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : اما المرتد فلا يغسل ولا يكفن وانما يلقى في حفيرة كالكلب ولا يدفع الى من انتقل الى دينهم۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۱ کتاب الجنائز۔ فصل في السلطان الحق بصلواته عليه)

قادیانی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا | سوال :- اگر کوئی شخص قادیانی ہو اور اس کا بیٹا مسلمان ہو تو بیٹے کے فوت ہو جانے

کے بعد باپ اس کے مال میں میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی اور مسلمان ایک دوسرے کی میراث کے حقدار نہیں بن سکتے مذکورہ بالا صورت میں قادیانی مرتد کی میراث بیت المال میں داخل کی جائے گی، اسی طرح کوئی قادیانی کسی مسلمان کی میراث میں حقدار نہیں بن سکتا بلکہ مسلمان کی میراث اس کے مسلمان ورثاء میں قائدہ شرعی کے مطابق تقسیم ہوگی۔

لما قال الشيخ سراج الدين السجاوندی : واما المرتد فلا يرث من احدٍ من مسلم ولا من مرتد مثله۔ (السراجی ص ۵۷ فصل في المرتد ص ۲)

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص ۶۵ باب صلوة الجنائز)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۲ ص ۹۲ کتاب الجنائز۔

لما قال في الهنديّة : المرتد لا يرث من مسلم ولا من مرتد مثله كذا في

المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۴۵۵ الباب السادس في ميراث اهل الكفر)

وَمِثْلُهُ فِي الْخَانِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْهِنْدِيَةِ ج ۳ ص ۵۸ کتاب الفرائض۔



**مرتد کی میراث کا حکم** | سوال :- اگر مرتد دارالاسلام میں مرجائے تو اس کا ترکہ مسلمان وراثاً کو ملے گا یا مرتد وراثاً کو اور اگر دارالحرب میں مرجائے تو پھر ترکہ کس کو ملے گا؟

**الجواب :-** اگر مرتد دارالاسلام میں مرجائے یا قتل ہو جائے تو حالت اسلام کا کیا ہوا مال اس کے مسلم وراثاً کو ملے گا اور حالت ارتداد میں کیا یا ہوا مال مالِ فتنے میں شمار ہو کر بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور اگر دارالحرب میں مرجائے تو حالت اسلام میں کیا ہوا مال اس کے مسلم وراثاً کو ملے گا اور حالت ارتداد کا کیا ہوا مال مرتد وراثاً کے مابین تقسیم ہوگا۔

قال العلامة المرغینانی: وان مات او قتل علی ردتہ انتقل ما اكتسبه فی اسلامہ الی وراثۃ المسلمین وكان ما اكتسبه فی حال ردتہ فیئنا۔ (المہدیۃ ج ۲ باب احکام المرتد) <sup>۱۶</sup>

**مرزائی کی دعوتِ طعام قبول کرنا** | سوال :- ہمارے محلے میں چند مرزائی رہتے ہیں، وہ کبھی کبھی کسی خوشی کے موقع پر دعوت کرتے ہیں اور اس میں

ہم مسلمانوں کو بھی بلاتے ہیں، کیا مرزائیوں کی دعوت کو قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** مرزائی مرتد ہو کر واجب القتل ہیں، اس لیے مرتد سے کسی قسم کے تعلقات رکھنا یا اس کے ہاں دعوت کھانا جائز نہیں۔

لما قال شیخ الاسلام محافظ الدین النسفی: یعرض الاسلام علی المرتد وتكشف شبہة ویجس ثلاثة ايام فان اسلم والاقتل۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۵) <sup>۱۲۵</sup> باب احکام المرتدین <sup>۱۷</sup>  
قال العلامة الحسینی وابن عابدین، وان مات او قتل علی ردتہ او حکم بلحاظہ وراثۃ کسب اسلامہ وراثۃ المسلم ولو زوجته بشرط العدة (زیلعی) بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فی بعد قضاء دین ردتہ <sup>۱۸</sup> ما ما اكتسبه فی دار الحرب فهو لہ الذی ارتد ولحق معہ اذا ما مرتد الا انه اكتسبه وهو من اهل الحرب وهم يتوارثون فيما بينهم۔ (الدر المختار وروا المختار ج ۳) <sup>۳۲۸</sup> <sup>۳۲۹</sup> باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ق ۱۳۱۱۳ باب احکام المرتدین۔

قال العلامة محمد بن عبد الله التمر تاشی: ومن ارتد عرض الحاكم عليه الاسلام استجابا..... وتكشف شبہة..... ویجس وجوبا ثلاثة ايام فان اسلم فيها والاقتل لحدیث من بدل ینہ

فاقتلوه۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المختار ج ۳) <sup>۳۱۲</sup> باب المرتد

وَمِثْلُهُ فِي الْهِنْدِيَّةِ ج ۲ ص ۲۵۳ الباب الثامن فی الجزية۔

**شیعہ کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا حکم** | سوال :- جو شخص حضرت علیؑ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا ہو، حضرت جبرئیلؑ کی غلطی کی طرف نسبت کرتا

ہو اور الوہیت میں تناسخ کا قائل ہونے کے علاوہ امام مہدی کے خروج تک تمام اسلامی احکام کو معطل سمجھتا ہو ایسے شخص کا حکم کیا ہے، کیا ایسے شخص کو سلام کرنا اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جو شخص الوہیت علیؑ کا عقیدہ رکھتا ہو اور حضرت جبرئیلؑ کو غلطی کی طرف نسبت کرتا ہو اور الوہیت میں تناسخ کا معتقد ہو اور تمام اسلامی احکام کو خروج امام تک معطل سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر ہے اور ایسے شخص کا حکم مرتد کی طرح ہے۔

کافی الہندیۃ: ويجب الكفار الروافض في قولهم برجة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح وياتنقال روح الاله الى الائمة وبقولهم في خروج امام باطن وبتعطيلهم الامر والنهي الى ان يخرج الامام الباطن وبقولهم ان جبرائيل غلط في الوحي الى محمد صلى الله عليه وسلم دون علي بن ابي طالب وهو لاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ کتاب السیر ابواب التاسع) اور مرتد کو سلام کرنا اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور اس کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا ہرگز جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی: ويزيل ملك المرتد عن امواله يردته زوالا مواعى فان اسلم عادت الى حالها۔۔۔۔۔ وياطل بالاتفاق كالنكاح والذبيحة لانه يعتمد الملة ولا ملة له۔ (الهداية ج ۲ ص ۶۰۱ تا ۶۰۳ باب احكام المرتد، كتاب الجهاد) لہ

لہ وقال العلامة عالم بن العلامة الانصاری: ويجب الكفار الروافض في قولهم يرجع الاموات الى الدنيا وياتنقال الاموات وبتناسخ الارواح وياتنقال روح الاله الى الائمة وان الائمة الهة وقولهم في خروج امام باطن وبتعطيلهم الامر والنهي الى ان يخرج الامام الباطن۔۔۔۔۔ وهو لاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۵ ص ۵۳۸ کتاب احكام المرتدين)

وَمِثْلُهُ فِي فتاوى قاضي خان علي هامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۱۸ کتاب الفاظ تکلوا سلا ما او كفرة الخ



شیعہ کا مال جبراً لینے کا حکم | سوال :- شیعوں کے اموال جبراً یا چوری کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ شیعہ کے بعض فرقے غیر مسلموں کے حکم میں ہیں لیکن حربی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اموال محفوظ رہیں گے، ان کے اموال کی چوری کرنا یا جبراً لینا جائز ہے یا نہیں؟

قال العلامة الحسینی: اذا صادف میا یجری القصاص بینہ و بین المسلم ویضم المسلم قیمة خمرة و خنزیرة اذا تلفه و تجب الدیة علیہ اذا قتله خطأ و یجب کف الاذی عنہ۔ وقال ابن عابدین: قید بالمستأن لانہ لو دخل دارنا بلا امان کانتہ و مامعہ فیاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المختار ج ۳ ص ۲۴۲ باب المتأمن من کتاب الجهاد) ملہ

شیعہ پر نماز جنازہ پڑھنا | سوال :- جو شیعہ ضروریات دین کا منکر ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا اہل سنت و الجماعت کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شیعوں میں سے جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں البتہ جس کے عقائد کفریہ نہ ہوں اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الہندیۃ: ولو قد ف عا لثتہ رضی اللہ عنہا بالزنی کفر باللہ..... من انکر امامتہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ فهو کافر۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب السیر البائتات التاسع فی احکام المرتدین) ۲

لہ و فی الہندیۃ: و تثبت احکام الذمی فی حقہ من متع الخروج الی دار الحرب و جریات القصاص بینہ و بین المسلم و ضمان المسلم قیمة خمرة و خنزیرة اذا تلفه و وجوب الدیة اذا قتل خطأ و وجوب کف الاذی عنہ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۳۵ کتاب السیر البائتات الثامن فی المتأمن)

و مثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۲۴۱ کتاب السیر۔ باب احکام المرتد۔

قال العلامة ابن تجیم المصری رحمہ اللہ: و یقتد عا لثتہ رضی اللہ عنہا من تسائتہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط و بانکارہ صحبۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ الخ

(البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۱ باب احکام المرتدین)

و مثله فی رد المختار ج ۳ ص ۳۲۱ کتاب الجهاد، باب احکام المرتد۔



مسلمان کو کافر کی میراث نہیں مل سکتی | سوال - مسلمان کافر سے اور کافر مسلمان سے میراث لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ اختلاف دین و عقیدہ مانع ارث ہے، اس لیے کافر مسلمان کی میراث نہیں لے سکتا اور نہ ہی مسلمان کو کافر کی میراث دی جاسکتی ہے۔

لما قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ القمراشی: وموانعه الرق والقنصل واختلاف الدین - تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۵ کتاب الفرائض

کفار کے لیے دعائیں کرنا | سوال :- اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دعاؤں کو کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اے اللہ مسلمانوں پر رحم فرما اور کفار کو نیست و نابود فرما۔ تو کیا اس قسم کی دعائیں کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس قسم کی دعاؤں کی صحت میں تو کوئی اشکال نہیں، البتہ مسلمانوں کی طرح کفار بھی رحم کے مستحق ہیں ان کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرنی چاہیے۔ ہمارے اکابرین کا یہی طریقہ چلا آ رہا ہے وہ اپنی دعاؤں میں کفار کے لیے بھی رحم کی دعا کیا کرتے تھے۔

وذكر العلامة مسلم بن الحجاج القشيري: عن ابن كثير قال حدثني ابو هريرة قال كنت ادعوا اُمِّي الى الاسلام وهي مشركة فدعوتها يَوْمَ مَا فَاسَمَعْتَنِي فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَرِهَ فَاتَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي كُنْتُ ادعوا اُمِّي الى الاسلام فتأبى عليّ فدعوتها اليوم فاسمعتني فيك ما كره فادع الله ان يهدي أُمَّ ابْنِ هُرَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ ابْنِ هُرَيْرَةَ الخ (الجامع الصحيح للمسلم ج ۲ ص ۲۱۱ كتاب الفضائل باب فضائل ابْنِ هُرَيْرَةَ ۲۱۲)

۱۔ قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: المانع من الارث امر بعة الرق وافر..... واختلاف الدین - (السراجی ص ۵۰ فصل فی موانع الارث) ۱  
وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۲۱۱ کتاب الفرائض۔

۲۔ وذكر العلامة ابو عيسى الترمذی: عن جابر قالوا يا رسول الله احرقتنا نبال ثقيف فادع الله عليهم فقال اللهم اهد ثقيفا۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۲۳۱ ابواب المناقب۔ باب فی ثقیف و جنیفة)

غیر مسلموں سے امداد لینے کا حکم | سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل ڈاکٹر کیر کرچین

ہسپتال ٹیکسلا نے اس بات کے پیش نظر کہ دیر کے غریب عوام علاج معالجہ کے لیے ان کے قائم کردہ کرچین ہسپتال ٹیکسلا میں آرہے ہیں، دیر ہی کے ایک گاؤں انگرام میں ایک ہسپتال بنانے کی منظوری دی ہے اور وہاں پر پائندہ خیل قبیلے کے ایک جرگے نے ۲۲ ایکڑ مشترکہ زمین اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے دی ہے۔ جبکہ مقامی طور پر کچھ لوگوں نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ یہ لوگ ہسپتال کی آڑ میں عیسائیت پھیلانے کے لیے تبلیغ کریں گے، پمفلٹ تقسیم کریں گے، مریضوں اور ان کے تیمارداروں کو عیسائیت کی دعوت دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یہ خدشات جب مجوزہ ہسپتال کی انتظامیہ کے سربراہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے کہا کہ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی، آپ لوگ جو شرط لگانا چاہتے ہیں لگا لیں، ہم ان کی پابندی کریں گے۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکورہ کے سامنے چند شرائط پیش کی گئیں جو کہ اس نے تسلیم کر لیں اور سرکاری سٹامپ پیپر پر بیان حلفی کی صورت میں لکھ کر سٹیپ (مہر) لگا کر دستخط کر دیئے ہیں، یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں :-

- ۱- انگرام ہسپتال میں کوئی مسیحی تبلیغ نہ ہوگی۔
- ۲- مذکورہ ہسپتال میں کوئی مسیحی لٹریچر تقسیم نہ ہوگا۔
- ۳- انگرام ہسپتال میں کوئی گرجا گھر تعمیر نہ ہوگا۔
- ۴- انگرام ہسپتال میں کوئی صلیب کا نشان نہیں لگایا جائے گا۔
- ۵- ہسپتال کے بیت الخلاء اسلامی اقدار کے مطابق شمالاً جنوباً بنائے جائیں گے۔
- ۶- انگرام ہسپتال کا نام مسیحی نام سے ممبرا ہوگا۔
- ۷- سٹیشنری پر کسی قسم کی بائبل مقدس کی آیات طبع نہ ہوں گی۔
- ۸- انگرام ہسپتال کی بلڈنگ سادہ اور مضبوط بناٹی جائے گی جو کسی بھی سرکاری ہسپتال کی بلڈنگ سے اچھی ہوگی۔
- ۹- یہ ہسپتال خالص انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کام کرے گا، نیز ہسپتال میں جو کوئی مریض آئے گا اس کا علاج کم خرچ اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر کیا جائے گا۔
- ۱۰- ہسپتال کے احاطہ کے اندر ایک طرف مسجد کے لیے جگہ مخصوص کی جائے گی لیکن



مریضوں کی تکلیف کے پیش نظر لاؤڈ سپیکر لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔  
 اس تمام صورت حال کے پیش نظر اب سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر آرنسٹ لعل جو کہ عیسائی ہے  
 ہے، کے تعاون سے اس ہسپتال کی تعمیر شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟  
 الجواب: صورت مسئلہ کے مطابق کرسچین ہسپتال بنانے والوں نے جرگے کھے  
 طرف سے مقرر کردہ جن شرائط کی ہر لحاظ سے پابندی کرنے کا معاہدہ کیا ہے ان تمام شرائط کا  
 لحاظ اور پابندی کرنے کی صورت میں اس ادارہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ہسپتال بنانا  
 جائز ہے، اگر ہسپتال بنانے والوں کی طرف سے کسی بھی مرحلہ پر ان شرائط کی خلاف ورزی کی  
 گئی تو مسلمانوں کو اس کے بند کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اصولاً تعلیم، صحت، سائنس و ٹیکنالوجی  
 اور دیگر دنیاوی امور و معاملات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک دوسرے سے افادہ اور  
 استفادہ کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ اسلام اور اسلامی اقدار اس سے متاثر نہ ہوتے ہوں۔

واللہ اعلم وعلیہ اتم

**مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرنا** | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام کہ  
 ایک اسلامی ملک کسی دوسرے اسلامی ملک کے خلاف  
 کسی کافر ملک کی امداد و تعاون کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ ملک خالص اسلامی ہے، اس میں کلی طور پر  
 اسلامی قوانین رائج ہیں اور کافر ملک صرف اسلامی قوانین جاری کرنے کی وجہ سے اس کا مخالف بن  
 گیا ہے اور اس پر ظلم و زیادتی کرنے کے لیے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات لگا رہے ہیں جس کا  
 اس کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر اس بارے میں شرعی نقطہ نظر  
 سے مطلع فرمائیں؟

**الجواب:** کسی مسلمان ملک کے خلاف کسی بھی کافر ملک سے محض دنیاوی مفادات کی خاطر  
 تعاون کرنا یا اس کا آلہ کار بننا شرعی نقطہ نظر سے حرام و ناجائز ہے۔ کسی بھی مسلمان ملک کا سربراہ  
 اگر ایسا کرتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا اور ایسی لادین قیادت کو ختم کر کے صالح اور دیندار  
 شخص کو حاکم مقرر کرنا مسلمان رعایا پر لازم اور ضروری ہے، ایسے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ  
 نہ تو خود اس پر ظلم کرے گا اور نہ بے بنیاد الزامات کی بنا پر اسے کسی کافر کے حوالے کرنے کا شرعاً مجاز ہے۔  
 لقولہ علیہ السلام: المؤمن اخ المؤمن ولا یظلمہ ویسلمہ۔ (الحديث)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ابتدائیہ

امریکی سی ٹی بی ٹی (CTBT) یعنی ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے جامع معاہدہ کے نام سے پاکستان کو اس معاہدہ پر دستخط کر کے پابند بنانا چاہتا ہے جس سے بظاہر پاکستان کو پھسل ایٹمی توانائی کے استعمال یا اس کی مزید ترقی کو روکنا مقصود ہے۔ کیا شرعاً کسی مسلمان ملک کے حکمرانوں کو اپنی جہادی قوت، آلات و وسائل اور حربی تکنیک کو کفار کے دباؤ یا کسی لالچ کے نتیجے میں اسے محدود اور معطل یا منجمد و مفلوج کرنے کی اجازت ہے؟ اس مسئلہ کی از روئے قرآن و سنت شرعی حیثیت واضح کرنے کے لیے ملک اور عالم اسلام کے معروف، معتبر اور ممتاز دینی ادارہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء نے مدلل روشنی ڈالی ہے جو اعیان حکومت، ممبران پارلیمنٹ، سیاستدانوں، سائنسدانوں، فوجی اداروں، علماء، دانشوروں، صحافیوں اور عام مسلمانوں کے غور و فکر کے لیے پیش خدمت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سی خدمت کو ملک و ملت کے بہتر مستقبل اور فلاح و بہبود کا ذریعہ

بنادے۔ (آمین)

مولانا سمیع الحق  
مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹنک (شہرہ)  
۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء



## استفتاء

### سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی یعنی ایٹمی پروگرام، اس کی توسیع اور ٹیسٹ پر پابندی کا جامع معاہدہ

مملکت اسلامیہ پاکستان جو کہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمرہ ہے، اس کی تقسیم کا مقصد ہی یہاں پر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت کا قیام تھا، الحمد للہ پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی قربانیوں کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور اس نے عالم اسلام کے لیے ہر دور میں ہر اول دستے کا کردار ادا کیا۔ یہود و ہنود اور مغربی ممالک پاکستان کے قیام کے روزاقل ہی سے اس کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں اور مختلف سازشوں سے اس کو آٹے دن کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف ہیں، اس کا سب سے بڑا ثبوت ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنا ہے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں جبکہ پاکستان کے قیام کا ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ اس پر جنگ مسلط کر دی گئی، اس کے بعد ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جنگیں ہوئیں اور ہمارے خلاف بدترین جارحیت کی گئی۔ اب جبکہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے مجاہدین ہندوؤں کے خلاف جہاد میں سرگرم عمل ہیں اور پاکستان نے بھی ہر سطح پر خصوصاً بین الاقوامی فورم میں مسئلہ کشمیر اجاگر کیا ہے۔ تو ہندوستان نے تحریک آزادی کشمیر کو ختم کرنے اور پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۶۵ء کو ایٹمی دھماکے کئے، یہ دھماکے ہندوستان میں واجپائی حکومت نے کئے جس کا بنیادی منشور ہی اسلام اور پاکستان دشمنی پر مبنی ہے، یاد رہے کہ ہندوستان ۱۹۷۱ء میں ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کو یہ حق مکمل طور پر حاصل تھا کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لئے قرآنی نص کے مطابق ہر ممکن صلاحیت خواہ وہ عسکری ہو یا حرینی، حاصل کرے اور ہر لحاظ سے خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْحَبْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ** - (سورۃ الانفال آیت ۷)

اس وقت حکومتِ پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام یہود و ہنود کے مکروہ عزائم کو بھانپتے ہوئے شروع کیا تھا اور اس عظیم مقصد کے لیے اپنے ذرائع و وسائل اور حیثیت سے بڑھ کر ملک و ملت اور قابلِ فخر سائنسدانوں نے طویل اور صبر آزماتا ایثار کا مظاہرہ کیا اور اس پرارہوں روپے خرچ ہوئے اور مشکل تمام اس کو عالمِ کفر کی خونخوار نظروں سے بچائے رکھا، گویا پوری قوم نے خونِ جگر سے اس پروگرام کی آبیاری کی اور اپنے ملک و ملت و عالمِ اسلام کو ایک ناقابلِ تسخیر ایٹمی قوت بنا کر عالمِ کفر اور بھارت کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملادیا جس سے تمام پاکستانی قوم اور پوسے عالمِ اسلام کا سر فخر سے بلند ہوا، قوم کو نئی راہ اور نئی سمت ملی گئی اور ہم جو اکیسویں صدی میں عالمِ اسلام اور پاکستان کو ایٹمی قوت کی حیثیت سے دیکھ سائنس، ٹیکنالوجی اور عسکری طاقت کی معراج سمجھی جاتی ہے) داخل ہو رہے ہیں تو موجودہ حکومت جس نے سی ٹی بی ٹی کے معاہدے پر دستخطوں کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے جو ہمارے قومی و فوجی دفاع کی شہرگ کھٹنے کے مترادف ہے حکومت اس معاہدہ (CTBT) پر دستخط کر کے ہمیں ایک بے غیرت، بے حیثیت، بزدل اور سوداگر قوم بنانا چاہتی ہے اور معاہدے کے بعد ہمیں ہندوستان و اسرائیل کے خونخوار بھیڑیوں کے سامنے بے دست و پا پھینکنے کی کوشش کر رہی ہے خاص کر ایسے حالات میں کہ جب ہندوستان جس کو ایٹمی پروگرام کو منجمد کرنے کے جامع معاہدے پر دستخط کرنے میں اب تک انکار و تردید ہے اور اگر اس نے دستخط کر بھی دیئے تو اس کی فوجی اور دفاعی ساز و سامان کی صلاحیت، جنگی ٹیکنالوجی اور افرادی قوت ہم سے کئی گنا زیادہ ہے جس کا مقابلہ ہماری ایٹمی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا، حالانکہ خود یہود و نصاریٰ اور عالمی کفر و استعمار کے پانچ بد معاشوں اور دہشت گردوں نے بھی ابھی تک اس معاہدے کی توثیق نہیں کی ہے اور نہ ان کا کوئی ارادہ ہے۔ اس معاہدے پر دستخط کر دینے کے بعد پاکستان اور عالمِ اسلام کا ناقابلِ تصور نقصان ہوگا، چند نقصانات درج ذیل ہیں۔

(۱) کشمیر کی تحریکِ آزادی پر ہر لحاظ سے براہِ راست برا اثر پڑے گا۔

(۲) ہندوستان اور عالمِ کفر کے ایٹمی پروگرامز روز بروز جاری و ساری اور ترقی کی منازل طے کرتے رہیں گے اور اس کے برعکس ہمارا ایٹمی پروگرام اس معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ جائے گا۔

(۳) بھارت کے مقابلے میں ہماری پوزیشن عسکری، حربی اور سیاسی لحاظ سے کمزور تر ہو جائے گی۔



(۴) معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد عالم کفر کی طرف سے ہم سے نئے مطالبات کا ایک تناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کا مشاہدہ ہم عراق، لیبیا وغیرہ ملکوں میں کر رہے ہیں۔

(۵) ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد عالم اسلام خصوصاً عالم عرب کو ایک ولولہ تازہ عطا ہوا تھا اور اسرائیل اور دوسری استعماری کفری طاقتیں مرعوب ہو گئی تھیں، معاہدے کے بعد ہماری حیثیت محض ایک سوداگر قوم کی سی ہو جائے گی۔

(۶) اگر مستقبل میں عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان کوئی بڑی جنگ شروع ہوئی جس کی ابتداء امریکہ عراق، لیبیا، سوڈان اور افغانستان سے کر چکا ہے، تو اس میں پاکستان اس معاہدے کے بعد کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکے گا بلکہ پاکستان امریکہ کی ایک کالونی کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

(۷) اس کے نتیجے میں عالم اسلام اور دوسرے مقامات میں بھاری فوجوں کو شدید دھچکا لگے گا اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

(۸) پاکستان عالم اسلام کو کبھی بھی ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل نہیں کر سکے گا۔ اس خطرناک صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء کرام و مفتیان دین متین کیا فرماتے ہیں کہ۔

(ا) ملک و ملت کے ان عظیم نقصانات جو کہ معاہدے پر دستخط ہوتے کے بعد یقینی اور حتمی ہیں کیا موجودہ حکومت کو اس بات کا حق اور اختیار پہنچتا ہے کہ وہ ایک ارب مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے برعکس ذلت و رسوائی کے اس محض نامے اور اپنی موت و قتل کے پرولنے پر دستخط کر دے؟ اور اس کے صلے میں ہمیں جو موہوم امداد بلکہ خیرات اور بھیک ملے گی کیا وہ ماضی کی طرح حکمرانوں کی جیبوں میں نہیں جائے گی؟ ان نقصانات اور خطرناک خناتوں کی موجودگی میں اس معاہدے پر دستخط کرنے کیلئے ہم چلانا یا اس کی حمایت کرنا اور اس پر دستخط کرنا دین و شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ معاہدہ شرعی اعتبار سے جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) اور وہ لوگ جو اس پر دستخط کرتے ہیں یا اس کی حمایت کرتے ہیں یا اس پر دستخط کے لیے ہم چلانے میں خواہ وہ حزب اقتدار سے ہوں یا حزب اختلاف سے، سیاستدان ہوں یا بیوروکریٹس اور حکومتی مشنری، ان کا شرعاً کیا حکم ہے؟

رج) اور آیا یہ لوگ ملک و ملت اور اپنے حلف سے انحراف کا ارتکاب کرنے والوں کے گمراہی میں آتے ہیں یا نہیں؟

## الجواب

اعداد آلات حرب قرآن کریم کی روشنی میں | اعداد رتیری (آلات جہاد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَلَا تَنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (سورة الانفال آیت ۷۱) اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا، جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کے راستے میں وہ پورا ملے گا اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔ (ترجمہ از معارف القرآن) اس کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وہذہ الایۃ تدل علی ان الاستعداد للجهاد بالنبل والسلاح وتعلیم الفروسیۃ فریضۃ“ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۸۵ سورة الانفال) یہ آیت کریمہ جہاد کے لیے تیاری اسلحہ، تیراندازی اور شہسواری کی تعلیم کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اسی آیت کے ضمن میں فوائد عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں: — ”مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی اکرمؐ کے عہد مبارکہ میں گھوڑوں کی سواری، شمشیر زنی اور تیراندازی کی مشق کرنا سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروڑوں وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔“ (تفسیر عثمانی ص ۲۴۲ سورة الانفال)

لہذا اس آیت کے عموم میں موجودہ وقت میں جو آلات حرب و ضرب اور سائنس و ٹیکنالوجی کی بدولت جو بم اور میزائل وغیرہ تیار کئے گئے ہیں مثلاً کروڑوں میزائل، سکڈ میزائل، نیپام بم، ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم جیسے مہلک ہتھیار یہ تمام ما استطعتم کے عموم میں آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ۳ ص ۲۵۵ سورة الانفال پر لکھتے ہیں: لہذا اس آیت کی رو سے



مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور اس کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہرزمان و مکان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں ہم مسلمانوں پر بھی اسی قسم کے بلکہ ان سے بھی زیادہ تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کر سکیں۔

اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فقہاء کے اقوال اسی طرح احادیث کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی اعداد آلات حرب کی تاکید اور ترغیب فرمائی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر يقول واعدوا لهم ما استطعتم من قوّة الا ان القوّة الرمي الا ان القوّة الرمي الا ان القوّة الرمي" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۱) باب فصل الرمي والحث عليه۔ کتاب الجهاد (ترجمہ حدیث) "عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس حال میں کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: اور تیار کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے وہ چیزیں جو تم قوت سے کر سکو، خبردار! بیشک قوت تیر اندازی ہے، خبردار! بیشک قوت تیر اندازی ہے، خبردار! بیشک قوت تیر اندازی ہے۔"

اس حدیث کی تفسیر میں علامہ ابو بکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

ومعنى قوله الا ان القوّة الرمي انه من معظم ما يجب اعادته للقوّة على قتال العدو ولم ينف به ان يكون غيره من القوّة بل عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب۔ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۱۱ سورة الانفال) دوسری روایت ہے: عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول الله يقول ان الله يدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر الجنة صانعه يحتسب فاصنعت الخيرو والرمي به ومعنیه۔

رمواہ ابوداؤد بذال المجہود ج ۱ ص ۲۲۸ کتاب الجہاد۔ باب الرمی

(ترجمہ حدیث) "عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر پر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے، اس کا بنانے والا جس کے بنانے سے اس کی نیت خیر کی ہو، اور اس کا پھینکنے والا، تیسرا تیر دینے والا تیر انداز کے ہاتھ میں۔" اس حدیث کے متعلق شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں :-



ولم یكون فی زمن رسول الله الا رمی السهام فیدخل بل یعوض عنه فیہ ما یرمی به من الرصاص بالیند وقیہ والمدافع وغیر ذلك من آلات الحرب الجدیة فی هذا الزمان فانها اغنت عن رمی السهام بالقوس وعطلته۔ (نبیل المجهود جلد ۱۱ باب فی الرمی۔ کتاب الجہاد)

فہم کرام میں فقہ حنفی کی مشہور و معروف شخصیت علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں۔

یندب للجهاد فی دار الحرب توقیر الاظفار وان كان قصها من الفطرة لانه اذا سقط السلاح من یدہ ودتا منه العدو ربما یتمکن من دفعه بالانظار فیروہ ونظیر قص الشوارب فانه سنة ثم الغازی فی دار الحرب مندوب الی توقیرها وتطویلها لیکون اھیب فی عین من ینارہ۔ فالحاصل ان ما یعیین المرء علی الجہاد فهو مندوب الی اکتسابہ لما فیہ من أعزاز المسلمین وقہر المشرکین۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۷۶ کتاب الجہاد)

(ترجمہ) یعنی دار الحرب میں مجاہد کے لیے ناخن بڑھانا باوجودیکہ ناخنوں کا کٹوانا ایک فطری امر ہے، مندوب اور مستحب ہے کیونکہ دوران جنگ و جہاد اگر اس کے پاس اسلحہ نہ ہو اور دشمن اس کے بالکل قریب ہو تو ناخنوں کے ذریعہ بھی وہ اپنے دشمن کو دفع کر سکتا ہے، اور اس کی نظیر مونچھوں کو ترشوانا ہے کیونکہ یہ سنت ہے، پھر غازی کے لیے دار الحرب میں مونچھوں کا بڑھانا مستحب ہے تاکہ اس سے اس کے مقابل دشمن پر رعب اور دھاک بیٹھ جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر چیز جو کہ مجاہد و غازی کے لیے جہاد میں مدد و معاون ثابت ہو تو وہ مندوب اور مستحب ہے اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کا وقار اور مشرکین کی تذلیل و توہین ہے۔

ان تصریحات کی موجودگی میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رکھنا فرض اور ضروری ہے تاکہ جہاد کے وقت ان کی توجہ اسلحہ کی تیاری پر نہ ہو۔

آلات حرب یا عسکری قوت کو ضائع کرنے یا ان کو منہدم کرنے پر وعیدیں | جس مسلمان ملک کے پاس یہ آلات حرب

راور وہ بھی جدید ترین شکل میں ہوں، ان آلات کو ضائع کرنے یا استعمال میں نہ لانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عن عقبہ بن عامر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یقول من علم الرمی ثم ندرکہ فلیس منالوقد عسی۔ (صحیح مسلم ج ۲۱ باب فصل الرمی والحث۔ کتاب الجہاد)

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے

آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں یا وہ گنہگار ہوا،

مندرجہ بالا حدیث کے ذیل میں شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-  
 "هذا تشديد عظيم في نسيان الرمي" بعد علمه ومكروهه كراهة شديدة من تركه بلا عذر۔ (صحيح مسلم ج ۲ ص ۱۳۳ باب فصل الرمي والحث۔ كتاب الجهاد)

اور اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، گویا اس نے اس میں کوئی نقص دیکھا اور اس کے ساتھ استہزاء کیا اور یہ صورتیں کفرانِ نعمت کے زمرے میں آتی ہیں، شارح حدیث نے اس نعمت کو نعمتِ خطیرہ سے تعبیر کیا ہے" (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۲ باب اعداد آلة الجهاد)

اور یہی حدیث ایک اور روایت میں یوں بیان کی گئی ہے: "من تعلم الرمي ثم نسيه ففي نعمة جدها" (مجموعۃ الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۹ الجهاد)

مختصراً ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جس طرح اعداد آلاتِ حرب مسلمانوں کے لیے ضروری اور لازمی ہے اسی طرح فنِ عسکری کو سیکھ کر اس کو ترک کرنا ایسے بھول جانا انتہائی لائقِ ملامت امر ہے جس کی طرف امام نووی اور ملا علی قاری نے بصراحتِ تنبیہ کی ہے۔ موجودہ حالات اور زمانے کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایک مسلمان ملک کے پاس جو قوت اور طاقت ہو جس سے دشمنانِ اسلام مرعوب ہوتے ہوں اس طاقت اور قوت کو مختم کرنا یا اس کو استعمال میں نہ لانا یا اس کو منجمد کرنا اسی وجہ کے ضمن میں آتے ہیں۔

علامہ برہان الدین مرغینانی نے حرمتِ اکل لحم فرس (یعنی گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ: ويكره لحم الفرس عند ابى حنيفة... ولانه آلة ارباب العدو ويكره اكله احتراماً له ولهدا يضر به له بسهم في الغنيمه ولانه

في اباحته تقليل آلة الجهاد" (الهداية على صدر فتح القدير ج ۸ ص ۲۱، ۲۲ کتاب الجہاد) یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے (اس کی ایک علت یہ ہے کہ دشمن کے ڈرانے دھمکانے اور مرعوب کرنے کا آلہ ہے اس لیے اس کے احترام کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے اور اسی احترام و عظمت کی بنا پر مالِ غنیمت میں گھوڑے کا مستقل حصہ ہے۔ راوردوسری علت یہ ہے کہ اس کی اباحت کی صورت میں آلہ جہاد کی



تقلیل ہو قیاس ہے؛

کفار اور غیر مسلموں کے دباؤ میں آکر ایسی صلاحیت اور عسکری قوت کو منجمد یا اس میں تخفیف کرنے کے متعلق کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے کے بارے میں ان نصوص قطعہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:-

فَلَا تُطِيعُ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهًا دَاكِبِيًّا . (سورة الفرقان آیت ۵۲)

ترجمہ ”سو تو کفار کی نافرمانی نہ کر اور ان کے ساتھ بڑے زور کا“

دوسری جگہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (سورة ہود) ۱۱۳

ترجمہ ”اور مت جھکوان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا پھر تم کو لگے گی آگ“

ایک اور فرمانِ ربانی ہے کہ: وَدَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفَلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ

اُمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّ اِحْدَاةً . (سورة النساء آیت ۷۲)

ترجمہ ”کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے

تاکہ تم پر حملہ کریں یکبارگی“

ان نصوص میں تدبر کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری شد و مد

کے ساتھ مسلمانوں کو ہر وقت کفار کے مقابلے میں تیار رہنے کا حکم دیا ہے اور کفار کی

طرف معمولی میلان کو بھی موجب دخولِ نار ٹھہرایا ہے۔ اب اگر ہمارے مسلم حکمران یہود و ہنود

اور نصاریٰ کے دباؤ میں آکر اس رسواٹے زمانہ معاہدہ (سی ٹی بی ٹی) پر دستخط کرتے ہیں تو

لازمی طور پر ان نصوصِ قطعہ اور ارشاداتِ ربانیہ کی خلاف ورزی ہوگی۔

وہ معاہدہ جو مسلمانوں کے مفادات کے منافی ہو اس کی پابندی ضروری نہیں | اگر تخفیف

متعلق کوئی بین الاقوامی معاہدہ موجود ہو اور اس کا کنٹرول بھی کفار کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس

صورت میں مسلمان اس معاہدہ کے پابند ہیں؟ سوائس بارے میں سب سے پہلے جب ہم قرآنِ کریم

کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل آیات سامنے آتی ہیں: (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ . (سورة النساء آیت ۱۳۱)

ترجمہ ”اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا لیا چاہتے ہو

اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام“ (۲) وَاَمَّا تَعٰفٰنٌ مِنْ قَوْمِ خِيَانَةٍ فَاَنْذِرْهُمُ عَلٰی سِنُوٰءِ



إِنَّ اللَّهَ لَيُحِبُّ الْغَائِبِينَ ۝ (سورة الانفال آیت ۵۸)۔ (ترجمہ) ”اور اگر تم کو ڈر ہو کسی قوم سے دعا کا تو پھینک دو ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر، بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دعا باز۔“ یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہدے سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف اسی صورت میں واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں کیونکہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (معارف القرآن ج ۱۱ سورۃ الانفال)

یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت | اللہ شاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ (سورة المائدہ آیت ۵۱، ۵۲)۔ (ترجمہ) ”اے ایمان والو! امت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست اور آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے، اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہیں میں ہے، اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دل میں بیماری ہے ڈر کر ملتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ نہ آجائے ہم پر گردش زمانہ کی، سو قریب ہے کہ اللہ جلد ظاہر فرما دے فتح یا کوئی امر اپنے پاس سے تو لگیں اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے“

علامہ ابو بکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ: ”ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اذلال سے منع فرمایا اور ان کی اہانت اور اذلال کا حکم فرمایا اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں ان کی عزت اور برتری ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۲۳)

ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی پر دستخط کرنے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے اور اس سلسلے میں تعاون کرنے کی صورت میں جو لوگ کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کا جو مظاہرہ کرتے ہیں ان کا حشر کفار اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہی ہوگا، لہذا حکومت کو چاہیے کہ اس معاہدہ پر دستخط کی صورت میں عقل و ہوش سے کام لے اور اس انجام بد سے اپنے آپ کو بچائے۔ نیز سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حامیوں کا یہ کہنا کہ دستخط نہ کرنے کی صورت میں یہ

یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا، اس کو ان آیات میں عذرِ تنگ قرار دیا گیا ہے۔

دستخط کرنے کی صورت میں کفار کی طرف سے امداد کے وعدے تخفیفِ اسلحہ کے اس معاہدے (سی ٹی ٹی) پر دستخط کرنے

کی صورت میں کفار کی طرف سے مالی امداد و تحفظات کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے برعکس اعدادِ آلاتِ حرب کے متعلق جو آیت کریمہ ہم نے ذکر کی ہے کہ ”وَاعِدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ تو اس آیت کے آخر میں فرمانِ ربانی ہے: ”وَمَا تَنْقُضُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَوْمَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ“ اس میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جہادی سامان پر جتنا بھی خرچ کریں گے اس کے متعلق خدائی وعدہ ہے کہ ”یوف ایکم“ یعنی وہ خرچ تم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا پورا دیا جائے گا بغیر کسی کمی کے۔ گویا یہ آیت کریمہ تصریح ہے اس بات پر کہ اگر اعدادِ آلاتِ حرب پر آپ کا کچھ خرچ ہوا ہو اور ضرور ہوتا ہے تو اس کا انتظام اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

اب اقتصادی پابندیوں کے خوف سے سی ٹی ٹی یا این پی ٹی پر دستخط کرنا گویا اللہ کے وعدے سے انحراف ہے۔ اسی طرح دیگر بھی کئی آیتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اپنی عزت و وقار کو محروح کر کے کفار سے استعانت لینا صحیح نہیں جیسا کہ فرمانِ الہی ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمْ خِيَالًا“ (آل عمران ۱۱۸) ترجمہ ”اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں“

علامہ ابو بکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”وفي هذه الآية دلالة على انه لا يجوز الاستعانة باهل الذمّة في امور المسلمين من العمالات والكتبة“ (احکام القرآن جلد ۲ ص ۴۴۲ سورۃ آل عمران)

اسی آیت یعنی لا تتخذوا بطنانہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا مولا اور ملازمتوں میں کفار اہل ذمہ سے امداد لینا جائز نہیں ہے۔

۱۲ اسی طرح دوسری آیت کریمہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ“ (سورۃ النساء آیت ۱۳۶) میں بھی اس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ ابو بکر الجصاص الرازی فرماتے ہیں کہ ”ان آیات میں حق تعالیٰ نے کفار کی دوستی اور ان کے اعزاز سے منع فرمایا ہے اور ان کی اہانت وازلال کا حکم دیا ہے



اور ان سے مسلمانوں کے (اجتماعی) کاموں میں امداد لینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اسی میں ان کی عزت اور برتری ہے۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۲۳ سورۃ النساء)

ارشادِ ربّانی ہے: الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلِيَّتُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۳۹)۔ (ترجمہ) ”جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے ذریعے قوت و عزت چاہتے ہیں (وہ یاد رکھیں کہ) قوت و عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے، یعنی قوت و عزت اللہ تعالیٰ کے قوانین میں عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔“

مندرجہ بالا تصریحات اور نصوص کی رو سے کفار سے امداد طلب کرنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اس خاطر سے کہ اس میں ہماری عزت ہے بالکل صحیح نہیں، اور یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مسلمان ممالک نے جن کافر ملکوں کے ساتھ جتنے بھی معاہدے کئے ہیں انہوں نے ایفائے عہد کا خیال نہیں رکھا، پاکستان اور عربوں کے کافروں کے ساتھ ہونے والے معاہدے ہمارے سامنے ہیں جن سواٹے خسارے کے اور کچھ ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔

علامہ ابو بکر الجصاص رازیؒ مذکورہ بالا آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”وہذا يدل على انه غير جائز للمؤمنين الاستنصار بالكفار على غيرهم من الكفار اذا كان متي غلبوا كان حكم الكفر هو الغالب وبذلك قال اصحابنا“ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۵۲ سورۃ النساء)

**فتویٰ کا خلاصہ اور حاصل** | مذکورہ بالا دلائل جو قرآن کریم کی صریح آیات، سنت نبویؐ کی واضح ہدایات، مفسرین، محدثین اور

فقہاء امت کی تشریحات پر مشتمل ہیں اور جن پر تمام فقہی مکاتب کا اجماع ہے، سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:-

(۱) اعداء اسلام کی جارحیت اور اسلامی ممالک کی حفاظت اور دفاع کیلئے ہر قسم کا فوجی ساز و سامان، آلاتِ حرب کی تیاری اور اس میں شب و روز ترقی اور دشمن کے ارہاب کے لیے اعدادِ آلاتِ بہادری فرض عین ہے، یہاں تک کہ اسلام کے اساسی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت محدود اوقات اور مقدار سے وابستہ ہیں، مگر دشمن کے مقابلہ کی تیاری غیر محدود، غیر مقید، غیر موقت اور تمام ممکنہ استطاعتوں سے وابستہ ہے جسے اللہ نے وَعَدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاللَّيْمِ میں بیان فرمایا ہے۔



دب، دشمنانِ اسلام کے کسی دباؤ اور ترغیب و ترہیب میں آکر ایسا کوئی اقدام یا معاہدہ ہرگز جائز نہیں جس سے فوجی اور حربی تیاریوں میں تعطل پیدا ہو یا اس میں کمی آسکتی ہو یا تیار شدہ حربی ساز و سامان کے استعمال کو منجمد کیا جاسکتا ہو یا حربی ٹریننگ، مشق اور تربیت کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا اس میں کمی آسکتی ہو یا ان سارے امور پر کسی قسم کی قدغن لگ سکتی ہو۔

دج، سی ٹی جی ٹی اور این پی ٹی کی شکل میں زیرِ بحث معاہدہ میں یہ سارے خطرات، خدشات اور گونا گوں پابندیاں موجود ہیں اس لحاظ سے اس پر کسی بھی مسلمان ملک کیلئے بشمول پاکستان کے دستخط کرنا یا اس کی تحریر ہی اور زبانی کسی قسم کی تائید اور اتفاق کی از روئے قرآن و سنت و اجماع اُمت ہرگز اجازت نہیں، اگر کسی بھی مسلم حکومت کا سربراہ، وزیر اعظم یا ممبر پارلیمنٹ یا کوئی عام شہری اس کی موافقت اور تائید کرتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور اللہ و رسول کے واضح احکام کی صریح مخالفت اور ان احکام سے کھلی بغاوت کا مرتکب ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے دین، عقیدہ اور ایمان کی تیرستانی چاہیے، جان بوجھ کر ایسا کرنے والے ملک و ملت کے خداریں کہ اس طرح وہ ملک کی آزادی، سالمیت اور خود مختاری سلب کرانے جیسے قبیح جرم کے مرتکب ہوں گے۔ از روئے شرع ایسی صورت میں پوری قوم کو دینی، ملی اور قومی جرم کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف ہر قسم کی جدوجہد نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوگی۔

۳۵۶





البينة على المصعد  
واليمين على من انكر

# کتاب الدعوی والقضاء

## (دعوی اور قضاء کے احکام و مسائل)

**قاضی کے علم پر فیصلے کا حکم** | سوال :- کیا قاضی اپنے علم پر کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے؟

**الجواب :-** شریعت مطہرہ نے فیصلے کا جو طریقہ کار وضع کیا ہے اور جو قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں قاضی فیصلے کرنے میں ان کا پابند ہے، لہذا قاضی یا تو مدعی کے گواہوں پر فیصلہ کرے گا اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ کرے گا، اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرنے میں قاضی پر کوئی تہمت وغیرہ لازم نہیں آتی اور فریقین بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اگر قاضی کو یقینی طور پر کسی فریق کے متعلق معلومات حاصل ہوں کہ یہ سچی ہے تو اگرچہ متقدمین علماء نے ان یقینی معلومات کے حصول پر قاضی کو فیصلے کا اختیار دیا ہے لیکن معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہونے کے سبب چونکہ دورِ حاضر میں قاضیوں پر وہ اعتماد باقی نہیں رہا جو متقدمین کے دور میں تھا، اس لیے متاخرین علماء کرام نے قاضی کو تہمت کے اندیشہ سے محفوظ رہنے اور مقضی علیہ کو اطمینان دلانے کی خاطر قاضی کے اپنے علم پر فیصلہ کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

قال العلامة ابن عابدین: والفتویٰ علی عدمہ فی زماننا کما نقلہ فی الاشباہ عن جامع الفصولین وقید بزماننا لفساد القضاء فیہ واصل المذہب الجواز۔

رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۳ کتاب القضاء، مطلب فی حکم القاضی بعلمہ ۱ لہ

**قاضی کا مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کرنے کا حکم** | سوال :- کیا قاضی مدعی یا مدعی علیہ کے ہاں قیام کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قضاء کا منصب چونکہ بڑا نازک اہمیت کا حامل ہے اس لیے شریعت نے

لہ قال العلامة ابن نجیم: وراجع فی جامع الفصولین قول محمد قال وینبغی ان یفتی بہ لما علم من احوال قضاة زماننا ثم نقل ان محمد قال لا یقضی القاضی بعلمہ ثم نقل عن عیون المذہب ان بقوله یفتی۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۸ کتاب القضاء)

ومثله فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۳۳۶۔ کتاب القضاء والشہادة والدعاوی۔

تفصیل کے ساتھ اس کے آداب بیان کیے ہیں، دراصل ان تمام آداب کا مقصد یہ ہے کہ قاضی تہمت سے محفوظ رہے تاکہ اس کا وقار معاشرہ میں قائم رہے، اس لیے شریعت نے قاضی کیلئے ہر اس فعل سے اجتناب کرنا لازمی قرار دیا ہے جس کے صدور سے قاضی کے وقار پر حرف آتا ہے اور فریقین کے اعتماد کے اٹھنے کا ذریعہ بنتا ہو، چونکہ مدعی یا مدعى علیہ کے ہاں قیام کرنے سے قاضی پر تہمت لازم آنے کا اندیشہ ہے جس کی وجہ سے اس پر اعتماد باقی نہیں رہے گا جو کہ قضا کے باب میں مطلوب ہے اس لیے قاضی کے لیے کسی ایک فریق کے ہاں قیام کرنا جائز نہیں۔

کما فی الہندیۃ: فاما اذا كانت لصاحب الدعوة خصومة لا یجیب دعوتہ وان کانت بینہما قرابة او مباسطة قبل القضاء۔ رانفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۱ الباب التاسع فی رذق القاضی (۱)

**سوال :- مدعی اور مدعی علیہ**  
**مدعی اور مدعی علیہ کا قاضی کے تعین میں اختلاف کا حکم**  
 دونوں مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ایک متنازعہ مسئلہ میں مدعی اپنے علاقے کے قاضی سے فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور مدعی علیہ اپنے علاقہ کے قاضی سے، تو اس صورت میں کون سے علاقے کے قاضی کو ترجیح دی جائے گی؟

**الجواب :-** جب مدعی اپنے حق کے حصول کے لیے کسی پر دعویٰ کرتا ہے تو مدعی کو حق دینے وقت بظاہر مدعا علیہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اس لیے اس کو اطمینان دلانا بھی ضروری ہے تو شرعی دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اس کو جس قاضی کے پاس جانے سے اطمینان حاصل ہوتا ہے تو اس کو وہاں مقدمہ چلانے کا اختیار حاصل ہے لہذا اگر مدعی اور مدعا علیہ میں قاضی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو مفتی بہ قول کے مطابق مدعا علیہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوگی۔  
 لما قال العلامة بدر الدین محمد بن اسماعیل الشہید باین قاضی سعادۃ: وان کان منہ المحلتین فاراد المدعی ان یخاصمہ الی قاضی محلته و اباہ الآخر قال ابو یوسف

لہ قال العلامة الحسینی رحمہ اللہ: ولا یجیب دعوة خصم وغیر معتاد ولو عامۃ للثبوت۔ (در المختار ج ۲ ص ۳۲۴ کتاب القضاء، مطلب فی حکم الہدیۃ للمفتی) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۸۱ کتاب العاریۃ۔



العبرة للمدعی قال محمد لابل للمدعی علیہ وبل یفتی - (جامع الفصولین ج ۱ ص ۲۱ الفصل التاسع والثلاثون فی المتفرقات) لے

فیصلے کو ماننے سے انکار کرنے پر جرمانہ وصول کرنے کا حکم | سوال :- فریقین کے مابین

دونوں فریقوں سے پانچ پانچ کلاشکوف اپنے پاس رکھیں اور شرط یہ لگائی کہ فیصلہ کا اختیار دینے کے بعد جو کوئی بھی فریق فیصلہ ماننے سے انکار کرے تو اس کی کلاشکوف بطور جرمانہ ضبط کر لی جائیں گی، دونوں فریقوں نے اس وقت یہ شرط قبول کر لی، چنانچہ فیصلے کے بعد ایک فریق نے فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اس کی پانچ کلاشکوف ضبط کر لی گئیں، تو کیا اس طرح فیصلے سے انکار کرنے پر جرمانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جب فریقین نے خوشی سے ثالث کو فیصلے کا اختیار دیا تو ثالث کا فیصلہ اگر شرعی اصول کے منافی نہ ہو تو اس سے انکار کرنا جائز نہیں بلکہ اس فیصلے کا ماننا فریقین پر لازم ہے اس لیے کہ ایسے فیصلے سے انکار ایک غیر شرعی امر ہے اور کسی غیر شرعی امر کے ارتکاب پر جرمانہ وصول کرنا جائز ہے اگرچہ اصل مذہب عدم جواز کہے لیکن معاشرہ میں برائیوں کے انسداد کے لیے چونکہ شرعی طریقے سے تعزیرات کا نظام مفقود ہے اور برائیوں کا انسداد ضروری ہے اس لیے اگر کوئی ایسی طاقت اور قوت موجود نہ ہو جس سے جرائم کا انسداد ہو سکے اور تعزیرات بالمال سے اس کا انسداد ہو سکتا ہو تو ایسی صورت میں معاشرہ کی اصلاح کی خاطر امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دینا زیادہ مناسب ہے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغاری رحمہ اللہ :- قال المصنف سمعت من ثقة ان التعزیر باخذ المال ان رأى القاضی والولی جازوا من جملة ذلك ما جل

لہ قال العلامة سلیم رستم بن باز البناق: اذا طلب احد الخصمین فی البلدة التي تعدد حکامها المرافعة فی حضور حاکم وطلب الآخر المرافعة فی حضور حاکم آخر ووقع الاختلاف بينهما علی هذا الوجه یرجع الحاکم الذي اختاره المدعی علیہ - (شرح مجلة الاحکام المادة ۱۸۰۳ ص ۱۱ کتاب السادس عشر فی القضاء - الفصل الثالث وظالم الحاکم) ومثله فی تنقیح الحامدية ج ۱ ص ۳ کتاب القضاء - باب هل العبرة بقاضی المدعی الخ

لا يعضرا الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال - (غلامة الفتاوى ج ۳ کتاب الحدود، الفصل الاول) ل  
حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نج کی شرعی حیثیت | سوال :- کیا دور حاضر میں حکومت

کے مقرر کردہ نج یا مجسٹریٹ شرعی قاضی کا قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- قاضی کا تقرر دراصل لوگوں کے تنازعات حل کرنے کے لیے ہوتا ہے ان تنازعات کو حل کرنے کے لیے شریعت نے باقاعدہ حدود بیان کی ہیں، اسی طرح منصب قضاء پر فائز ہونے کے لیے بھی کچھ شرائط عائد کی ہیں اس لیے اگر ان شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے حکومت وقت جس کو بھی مسلمانوں کے تنازعات ختم کرانے کے لیے نج یا مجسٹریٹ مقرر کرے تو وہ شرعی قاضی کے قائم مقام ہوگا۔ چونکہ قاضی لوگوں کے تنازعات حل کرنے کے بارے میں وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور حکومت کو اس بارے میں اختیار حاصل ہے کہ اس کام کے لیے جس کو بھی چاہے مقرر کر سکتی ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ نج شرعی اصول کے موافق ہو اور اس کے فیصلے شرعی قواعد کے خلاف نہ ہوں۔

قال العلامة سليم رستم باز: الحاكم وكيل من قبل السلطان في اجراء المحاکمة والحکم۔ (شرح مجلة الاحکام - المادة ۱۸۰۰ ص ۱۱۶ کتاب السادس عشر - الفصل الثالث)

اہل بدعت کا اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا حکم | سوال :- کیا اہل بدعت جو کہ اعتقادی قاضی ہیں، میں سے کسی کو

رؤیت ہلال کیٹی کا چیئرمین بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اعلیٰ منصب رکھیدی اسامی پر کسی عادل اور پابند شریعت شخص کو مقرر کرنا

لہ قال العلامة الزیلعی رحمہ اللہ، عن ابی یوسف ان تعزیر باخذ الاموال جائز للامام۔ (تبيين الحقائق ج ۳ باب حد القذف، فصل في التعزیر)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۵ ص ۱۱۰ باب حد القذف، فصل في التعزیر۔

لہ قال العلامة الكاسانی: كل ما يخرج به الوكيل عن الوكالة يخرج به القاضي عن القضاء۔

ردائع الصنائع ج ۱ ص ۱۶ کتاب آداب القاضی فصل في بيان ما يخرج به الوكيل (

وَمِثْلُهُ فِي الْاِحْكَامِ السُّلْطَانِيَّةِ ص ۶۵ فِي وَايَةِ الْقَضَاءِ۔



حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کیونکہ عادل اور نیک آدمی کے تقرر کے بغیر لوگوں کو ان کے حقوق کا تحفظ فراہم کرنا دشوار ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کے ساتھ تو دینی امور کا خاص تعلق ہے، تو جو شخص خود بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے فسق و فجور میں مبتلا ہو وہ دوسرے مسلمانوں کی عبادات کے تحفظ کا کیا لحاظ رکھے گا، اس لیے حکومت کے لیے مناسب نہیں کہ عادل اور پابند شریعت لوگوں کے ہوتے ہوئے اہل بدعت میں سے کسی کو اس منصب پر فائز کرے، تاہم جب حکومت نے اس کو مقرر کیا ہو تو دینی امور میں اس کا حکم شرعی قواعد کے تحت نافذ العمل ہوگا جیسا کہ فاسق کا حکم نافذ العمل ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: والفاسق اهل للقضاء حتى لو قلد يصح الا انه لا ينبغي ان يقلد كما في حكم الشهادة۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۳ کتاب ادب القاضي م ۱)

مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا | سوال: جب مدعی اپنے

مدعی علیہ پر قسم لازم آتی ہے لیکن اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟  
الجواب: جب شرائط شرعی کے تحت مدعی کا دعویٰ قاضی کے ہاں سماعت کیلئے منظور ہو جائے تو مدعی علیہ پر مدعی کا جواب دینا واجب ہے کہ یا تو مدعی کے حق کا اقرار کرے یا انکار، اگر مدعی علیہ مدعی کے حق سے انکار کرے تو مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر مدعی علیہ پر قسم لازم آئے گی اور اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس پر مدعی کا حق لازم ہو جائے گا اور فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا نكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۲ باب اليمين، کتاب القضاة م ۱)

لما قال العلامة ابن مابدين، والوجه تنفيذ قضاء كل من وكاه سلطان ذوشوكة وان كان جاهلاً فاسقاً وهو ظاهر المذهب عندنا وحينئذ فيحكم بفتوى غيره۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۳ کتاب القضاء)

ومثله في جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۶۱ الفصل التاسع والثلاثون في المتصرقات۔  
لما قال العلامة الحصكفي، وقضى القاضي عليه بنكوله مرة لنكوله في مجلس القاضي حقيقة۔

(الدم المحتار على صمد المختار ج ۲ ص ۲۴ کتاب الدعوى)

ومثله في مجلة الاحكام. المادة ۱۵۱ ص ۱۱۱ کتاب الدعوى، الباب الثاني۔



زوج کا ثالث کے فیصلے پر فیصلہ سنانے کا حکم | سوال :- فریقین نے کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے ثالث مقرر کیا، ثالث کے فیصلے کے مطابق

بعد وہ مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا زوج نے چھان بین کے بعد بعینہ ثالث کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنایا، تو کیا زوج کے لیے ثالث کے فیصلے پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جب فریقین تنازعہ کے تصفیہ کے لیے باہمی رضامندی سے کسی کو ثالث مقرر کرتے ہیں تو وہ جو بھی فیصلہ کرے فریقین پر نافذ ہوتا ہے، جب اس کا فیصلہ عدالت میں پیش کیا جائے تو ثالث کا فیصلہ اگر شرعی قواعد و ضوابط کے عین مطابق ہو تو زوج کے لیے یہ فیصلہ توڑنا جائز نہیں کیونکہ اس کے توڑنے میں فریقین کا فائدہ نہیں بلکہ انتشار کا سبب بن سکتا ہے البتہ اگر اس کا فیصلہ کسی مختلف فیہ امر میں ہو اور وہ صحیح کی رائے کے موافق ہو تو پھر زوج کے لیے اس کا توڑنا مناسب نہیں اور اگر زوج کی رائے کے خلاف ہو تو زوج اپنی رائے کے مطابق اس میں تغیر و تبدل کا اختیار رکھتا ہے اس لیے مذکورہ صورت میں اگر ثالث کا فیصلہ زوج کی رائے کے موافق ہو تو زوج اس فیصلے کو مبرا بنا کر اس پر اپنا فیصلہ سنا سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابویکر بن مسعود الکاسانی: ومنها انه اذا حکم فی فصل مجتهد فیہ ثم رفع حکمہ الی القاضی ورأیہ یخالف رأی الحاكم المحکم له ان یفسخ حکمہ۔ (ردائع الصنائع ج ۳ ص ۳۰۰)

کتاب القضاء فصل فی بیان من یصلح للقضاء (۱) لہ

دعوی کے اثبات کے لیے تحریری ثبوت پیش کرنے کا حکم | سوال :- ایک شخص نے

اپنی زندگی میں اپنی جائیداد سے ایک مکان اپنے بیٹے پر فروخت کیا اور مکان کا اسے قبضہ بھی دے دیا، اس کے مرنے کے بعد دوسرے ورثہ نے اس مکان میں شرکت کا دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے میت کی طرف سے باقاعدہ وصیت نامہ پیش کیا جس میں مکان وراثت میں تقسیم کیا گیا ہے، تو کیا

لہ قال للعلامة سلیم رستم باز اللبثانی: ان قضی المحکم فی فصل مجتهد فیہ ثم رفع حکمہ الی قاض مولی من السلطان امضاء ان وافق مذہبہ لانه لا فائدة فی نقضہ۔

(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۸۴۹ ص ۱۱۹۹ الباب الرابع)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۲۹ کتاب القضاء۔ الفصل الرابع۔

اس تحریری وصیت نامہ کے تحت دوسرے ورثاء کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟  
**الجواب :-** از روئے شریعت جو دستاویزات تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں ان کو اعتبار دے کر اس پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے لیکن موجودہ حالات میں چونکہ مکرو فریب نے معاشرہ میں کٹر لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کی وجہ سے سچے اور جھوٹے کاغذات میں تمیز مشکل ہو گئی ہے اس لیے اگر تحریری معاہدہ پر باقاعدہ گواہ موجود ہوں تو اس کو اعتبار دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ صورت مرقومہ میں جو لوگ مکان میں شرکت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے تحریری وصیت نامہ پیش کرتے ہیں اگر وہ اس پر گواہ پیش کرتے ہیں تو پھر اس وصیت نامہ کی شرعی حیثیت ہو سکتی ہے اور فریقین کے دعویٰ کی چھان بین کے بعد فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باذ<sup>۲</sup> - ولا يعمل بالخط ولتختم وحدهما الا اذا كان  
 سالماً من شبهة التزويد والتضييع فيعمل به يعني انه يكون مداراً للحكم ولا يحتاج  
 الى الثبوت بوجه آخر - (شرح مجلة الاحكام، المادة ۳۶، ص ۱۰۹ الباب الثاني) لے  
**مدعی کا مدعی علیہ سے مقدمہ کا خرچہ لینے کا حکم** | سوال :- مقدمہ جیتنے کی صورت میں  
 مدعی عدالت کا خرچہ مدعی علیہ سے لے

سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جب مدعی اپنے حق کے حصول کے لیے عدالت میں دعویٰ دائر کرتا ہے تو عدالت کا عمل اس کے حق کے احیاء کیلئے مصروف عمل ہوتا ہے تو اس کا تمام تر فائدہ مدعی کو ہی پہنچتا ہے اور عدالت کی اشیاء کا استعمال اس کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے اس لیے ان اشیاء کا خرچہ مدعی پر عائد ہوتا ہے، کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو اختیار ہے اگر وہ مقدمہ کے رجسٹرڈ وغیرہ کا خرچہ مدعی سے وصول کرنا چاہے تو وصول کر سکتا ہے، جب عدالت کا خرچہ مدعی پر آتا ہے تو مدعی علیہ کو اس کا ضامن بٹھانا اور اس سے خرچہ وصول کرنا

قال العلامة ابن عابد<sup>۲</sup> :- فالحاصل ان المدار على انتفاء الشبهة ظاهراً وعليه فما يوجد ذوات التجار في زماننا اذ مات احدهم وقد حرس بخطه ما عليه في دفتره الذي يقرب من اليقين انه لا يكتب فيه على سبيل التجربة والهزل يعمل به - (تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲ ص ۲۱ کتاب الدعوى) ومثله في تقريرات الراقعي ج ۲ ص ۹۲ کتاب الدعوى -



شرعاً جائز نہیں ہے۔

کافی الہندیۃ: وعلى هذا الصحيفة التي يكتب وفيها دعوى المدعين وشهادتهم ان رأى القاضى ان يطلب ذلك من المدعى فله ذلك - (الفتاوى الہندیۃ ج ۳ ص ۳۳۱ الباب التاسع فى رزق القاضى) لہ

**حاکم وقت کا مملوکہ زمین قاضی کو بطور عطیہ دینے کا حکم | سوال :- چار بھائیوں کی مشترکہ جائیداد ایک نواب نے**

کسی قاضی کو بطور عطیہ دے دی، قاضی نے اس جائیداد پر باضابطہ قبضہ کیا اور باقاعدہ نفع حاصل کرنا رہا، مذکورہ نواب کا اقتدار ختم ہوتے ہی ان بھائیوں نے حکومت سے اپنی جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کیا عدالت میں تقریباً سترہ (۱۷) سال مقدمہ جاری رہنے کے بعد فیصلہ دو بھائیوں کے حق میں ہوا اور باقی دو بھائیوں کو محض اس وجہ سے اپنے حق سے محروم رکھا کہ انہوں نے نواب کو دستخط کر دیئے تھے۔ اب یہ مشترکہ اور غیر منقسم جائیداد قاضی کے قبضہ میں ہے، مذکورہ بھائیوں نے قاضی سے جائیداد کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے قبضہ میں ہے اور مذکورہ نواب نے مجھے دی ہے اس لیے یہ میرا ہی حق ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قاضی کے لیے ایسی زمین پر قابض رہنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بشریعت نے حاکم صرف اس جائیداد سے عطیات دینے کا حق دیا ہے جو کسی کی مملوکہ نہ ہو اور جو جائیداد پہلے ہی سے کسی کی ملکیت چلی آ رہی ہو اس کا کوئی کسی کو بطور عطیہ یا انعام دینا جائز نہیں، اس لیے مذکورہ نواب نے اپنی حکومت میں جو مملوکہ زمین قاضی کو دی ہے اس پر قاضی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور خاص کر جب مذکورہ نواب کی حکومت ختم ہونے پر حکومت نے مالکوں کے حق میں فیصلہ کیا ہو تو یہ جائیداد اصل مالکوں کو واپس کی جائے گی قاضی کے لیے اس پر بے جا قبضہ کرنا جائز نہیں بلکہ یہ عصب کے حکم میں ہوگا، اس لیے اگر قاضی کے تصرفات کی وجہ سے اس زمین کو نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری قاضی پر عائد ہوگی۔

لہ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: واذا اراد القاضى ان يكتب السجل ويأخذ على ذلك اجراً يأخذ منه مقدار ما يجوز اخذ غيرہ - (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۷۹) کتاب القضاء - الفصل الثانی - ومثله فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج ۶ ص ۲۷۹ کتاب القضاء - الفصل الثانی -



لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الكاساني<sup>٢</sup>، ولو غصب ارضاً فبني عليها او غرس فيها  
لا ينقطع ملك المالك ويقال للغاصب اقلع البناء والغرس وما دها فارغة لان الارض بحالها  
لم تتغير ولم تنقص شيئاً آخر - ريدائع الصنائع ج ٤، ص ٢٩٩ کتاب الغصب، فصل في حكم الغصب له  
**ایک بھائی کی عدم موجودگی میں مشترکہ جائیداد کے فیصلے کا طریقہ کار | سوال: بھائیوں**  
**کی آپس میں مشترکہ**

جائیداد تھی اس پر کسی شخص نے ملکیت کا دعویٰ کیا، اب ان بھائیوں میں سے ایک بھائی موجود نہیں  
تو کیا اس کی عدم موجودگی میں کوئی فیصلہ وغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ اگر غائب نے اپنی طرف سے کسی بھائی کو اپنی جائیداد کے تنازعہ کے  
متعلق مکمل اختیار دیا ہے تو وہ بھائی اس کی طرف سے وکیل بن کر باقاعدہ خصومت کر سکتا ہے  
اور اس کی موجودگی میں قاضی فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے اپنی طرف سے مکمل اختیار نہ دیا  
ہو تو پھر جو بھائی موجود ہے وہ شریک کی مانند ہو کر جن شرائط کے تحت ایک بھائی دوسرے  
شریک کی طرف سے خصم بن سکتا ہے انہی شرائط کے تحت ایک بھائی دوسرے بھائی کی طرف  
سے خصم بن سکتا ہے۔ اس لیے اگر یہ مشترکہ جائیداد بھائیوں کے قبضہ میں ہو تقسیم نہیں کی گئی  
ہو اور ایک ہی سبب کے تحت سب بھائیوں کو اس پر ملکیت حاصل ہو تو جو بھائی موجود ہے  
اس کی موجودگی میں فیصلہ کیا جائے گا اور اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو تو پھر غائب کی  
عدم موجودگی میں فیصلہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین<sup>١</sup>۔ انه ينتصب احدہم عن الباقین بشروط ثلاثہ لولا العین کلہا فی  
یدہ وان لا تكون مقسومة وان یصل الغائب انھا ارش من المیتة۔ (رد المحتار ج ٢، ص ٣٤٣ کتاب القضاء) لہ

لما قال العلامة المرغینانی<sup>٢</sup>، ومن غصب ارضاً فغرس فيها او بنی قیل اقلع البناء والغرس وردھا وفيہ ایضاً فان  
كانت الارض منقصة بقلع ذلك فللمالك ان یضمن له قيمة البناء وقيمة الغرس مقلوعاً ویكونان لہ۔  
والهدایة ج ٣ کتاب الغصب، فصل فیما یتغیر بفعل الغاصب۔ ومثله فی مجلة الاحکام، المادة ٩٠٥، الفصل الثاني۔  
لہ قال العلامة قاضی سماوی<sup>٣</sup>، کون المدعی شیئین بینہما لاجل حالۃ فی ہذا الصواب حکم علی الغائب وفيہ  
ایضاً و ذکر عامۃ المشائخ ان التبییة تشترط فی ما کان المدعی شیئاً واحداً وهو الاشبه والاقرب  
الی الفقہ۔ (جامع الفصولین ج ١ ص ٥٥٥ الفصل الخامس فی القضاء علی الغائب الخ)

ومثله فی تنقیح الفتاوی الخامدیة ج ١ ص ٣١٣ کتاب القضاء۔

**مکرہ کے اقرار پر فیصلے کا حکم** | سوال :- ایک شخص پر اپنے باپ کے قتل کا دعویٰ کیا گیا، دعویٰ کے اثبات پر کوئی گواہ بھی پیش نہیں ہوا، صرف پولیس کے مظالم سے بچنے کی غرض سے مدعی علیہ نے اقرار جرم کیا، جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا، تو کیا پولیس کے سامنے اقرار کو مدار بنا کر اس شخص کو باپ کی میراث سے محروم کرنے کا فیصلہ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اس میں کوئی شک نہیں کہ قتل موانع میراث میں سے ہے اور باپ کو قتل کرنے سے بیٹا باپ کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے لیکن اس شرط پر کہ قتل کا ثبوت شرعی قواعد و ضوابط کے تحت ثابت ہو، اور قتل کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں، ایک معائنہ کی شہادت کہ قتل پر چشم دید گواہ پیش ہو جائیں اور دوسری صورت اپنی مرضی سے قتل کا اقرار کرنا، چونکہ مذکورہ بالا صورت میں صرف پولیس کے مظالم سے بچنے کے لیے بیٹے نے باپ کے قتل کا اقرار کیا ہے اس لیے یہ شخص مکرہ کے اقرار کے حکم میں ہوگا، جس طرح مکرہ کا اقرار حجت نہیں ہوتا اسی طرح اس شخص کا اقرار بھی حجت نہیں لہذا اس شخص کو باپ کی میراث سے محروم کرنا جائز نہیں ہے۔

کافی الہندیۃ : دکن الرضا والطوع شرط حتی لا یصم اقرار المکرہ کذا فی النہایۃ۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۵۶ کتاب الاقرار (الباب الاول) ص ۱۷

**شریک کی عدم موجودگی میں قاضی کے فیصلے کا جائزہ** | سوال :- دو اشخاص کے درمیان ایک مشترکہ زمین تھی ایک شریک

کی عدم موجودگی میں دوسرے پر کسی نے دعویٰ کیا اور اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کیے، قاضی نے شریک کی عدم موجودگی میں مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا، تو کیا جو شریک موجود ہے اس کو غائب کا نائب قرار دے کر اس پر فیصلہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اب غائب شریک واپس آ گیا ہے اور دوبارہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا دعویٰ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جو شریک حاضر ہے اگر زمین مذکورہ اس کے قبضہ میں ہو اور تقسیم نہ کی گئی ہو اور غائب شریک اس کا اعتراف بھی کرتا ہو کہ یہ زمین ہم دونوں میں مشترکہ ہے تو اس صورت میں

لہ قال العلامة ابن نجیم : اقرار المکرہ باطل۔ (الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۹۶ باب الاقرار۔

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْاِحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۵۷۵ ص ۸۶۲ کتاب الاقرار۔ الباب الاول۔



جو شریک موجود ہے وہ دوسرے شریک کی طرف سے خصم بن سکتا ہے اور اس کو غائب کا نائب قرار دے کر اس کی موجودگی میں فیصلہ کرنا درست ہے، اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی نے فیصلہ کیا ہو تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ العمل ہوگا۔ اسی بناء پر اگر غائب واپس آجائے اور دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ درست نہیں لیکن اگر ان شرائط کی رعایت نہ کی گئی ہو تو جو شریک موجود ہے وہ غائب کی طرف سے خصم بننے کا اہل نہیں، اس لیے ایسی صورت میں اگر قاضی غائب کی عدم موجودگی میں فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ صحیح نہیں تو جب وہ حاضر ہو جائے اور دوبارہ ملکیت کا دعویٰ کرنا چاہے تو اس کا دعویٰ درست ہے۔

لما قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: لا یقضی علی غائب ولا لہ الا بحضور نائبہ حقیقۃً کو کلیلہ و وصیہ و متولی الوقف۔

وفي رد المحتار اذا فاد الكاف عدم الحصر فان احد الورثة كذلك ينتصب خصماً عن الباقيين وكذا احد شريك الدين۔

وفي رد المختار: انه ينتصب احدہم عن الباقي بشروط ثلاثة كون العين كلفا في يده وان لا تكون مقسومة وان يصدق الغائب انها ارث عن الميت۔

رد تنوير الابصار علی هامش رد المختار ج ۲ ص ۳۳ کتاب الحوالة ۱۲

سوال :- ایک شخص نے کسی کو بارہ سو روپے بطور قرض دیئے اور اس شخص نے گواہوں کے سامنے بارہ سو روپے وصولی کا اقرار بھی کیا،

اقرار کے بعد مقروض کا قرض سے انکار اور اس پر ایک عدالتی فیصلے کا جائزہ

جب قرض دینے والے شخص نے مقروض سے اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مقروض نے دو آدمی قرض کی ادائیگی میں مزید مہلت مانگنے کے لیے اس شخص کے پاس بھیجے چنانچہ وہ مزید مہلت دینے پر راضی ہو گیا، کچھ عرصے کے بعد مقروض نے قرض واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا، قرض خواہ

لہ قال العلامة قاضی سماوۃ: کون المدعی شیئین بینہما سببیتہ لا محالۃ فی ہذہ الصور بحکم علی الغائب وفيہ ایضاً ذکر عامۃ المشائخ ان السببیتۃ تشتترط فی ما لو کان المدعی شیئاً واحداً و هو

الاشبہ والاقرب الی الفقہ۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۵۵ الفصل الخامس فی القضاء علی الغائب)

و مثلاً فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ج ۱ ص ۳۳ کتاب القضاء۔



نے مجبور ہو کر عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا اور مقروض کے اقرار پر باقاعدہ گواہ بھی پیش کئے لیکن اس کے باوجود جج نے مقروض کے حق میں فیصلہ سنا دیا، کیا جج کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک عاقل بالغ شخص کسی کے حق کا اقرار کر لے تو وہ اپنے اقرار پر مانوفذ ہوتا ہے اور اس کے اقرار کے موافق اس پر ضمان لازم آتا ہے۔ مذکورہ صورت میں جب مقروض نے ایک دفعہ لوگوں کے سامنے بارہ سٹور روپے بطور قرض لینے کا اقرار کر لیا تو پھر قرض کی واپسی سے انکار جائز نہیں اور مزید برآں قرض کی ادائیگی کے لیے مزید جہلت مانگنے کے لیے دو آدمی قرض خواہ کے پاس بھیجنے سے قرض کے اقرار کی مزید تاکید ہوتی ہے اس لیے اگر قرض دہندہ نے مقروض کے اقرار پر گواہ پیش کیے ہوں تو ان گواہوں کے ہوتے ہوئے جج کا اس کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة طاہر بن عبدالرشید البغاری: وكذا لو قال اخوه اعني او صالحتي فاقرارا۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۳۱ کتاب الاقرار، الفصل الاول)

باپ کو عدالتی سزا سے بچانے کے لیے اعتراف جرم کرنے کا حکم | سوال: ایک قتل

میں باپ بیٹا دونوں شریک تھے عدالت نے جرم ثابت ہونے پر دونوں کو سزا کا مستحق قرار دیا لیکن بعد میں باپ کو بچانے کی خاطر بیٹے نے اعتراف کیا کہ میں نے مقتول کو اپنی بہن کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر قتل کیا لیکن میرا والد اس میں شریک نہیں تھا، اُس کے اس بیان پر عدالت نے باپ کو سزا سے بری کر دیا اور بیٹے کو عمر قید کی سزا سنائی، حالانکہ یہ واقعہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ تو کیا بیٹے کے اس بیان پر باپ کو بری الزمہ قرار دینا صحیح ہے؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے شہادت کو ہر قسم کے خطرات سے تحفظ دلانے کے لیے احتیاط پر مبنی زریں اصول مرتب کیے ہیں کیونکہ فیصلے کا اصل دار و مدار صحیح شہادت پر ہے، اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل سے فیصلے کی پوری نوعیت بدل جاتی ہے، اس لیے جہاں کہیں بھی

قال العلامة ابن نجيم: لو قال لي عليك الف فقال اتزنه او انتقداه او اجلي به او قضيتك

فهو اقرار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب الاقرار۔)

ومثله في شرح المجلة (۸۵۸ ص ۱۵۴۲ کتاب الثالث عشر في الاقرار۔)

اس میں شبہ کا احتمال موجود ہو تو شریعت نے ایسی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اس بناء پر جس شہادت میں بھی ذاتی منفعت یا باہمی قریبی رشتہ کی وجہ سے دوسرے کو منقوت لانے کا تصور پایا جاتا ہو وہ شہادت مقبول نہیں، چونکہ باپ بیٹے کے منافع اکثر ایک ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں۔ صورت مذکورہ میں حسب بیان جب مجرم نے اعتراف جرم کیا تو اس وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہوا لیکن اس کے باپ کے باسے میں اس کی گواہی قبول نہیں لہذا بیٹے کے بیان پر باپ کو بری الذمہ قرار دینا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی: ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لأبویہ ولا جدادہ - (الهدایة ج ۳ ص ۱۱۱ باب من یقبل شہادته ومن لا یقبل) لہ

**مدعی کے بیانات میں تعارض کا جائزہ** | سوال: ایک شخص کی زمین اس کے چچا زاد بھائی کے زیر قبضہ تھی اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہا، بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین چونکہ دیہہ شاملات ہے اور اس کو میں نے آباد کیا ہے اس لیے اب یہ میری ہے، بعد میں اس نے دوبارہ یہ دعویٰ کیا کہ یہ زمین مجھے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے، از روئے شرع اس شخص کی ملکیت کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء کرام نے کسی دعویٰ کی صحت کے لیے یہ شرط قرار دی ہے کہ مدعی کے بیانات کا آپس میں تناقض نہ ہو، اگر اس کے بیانات میں تناقض آجائے تو اس سے اس کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ صورت مسئلہ میں جب مدعی نے ایک دفعہ یہ بیان دیا کہ یہ زمین دیہہ شاملات ہے اور میں نے آباد کی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زمین پہلے سے کسی کی ملکوتہ نہیں تھی بلکہ آباد کرنے سے یہ میری ملکوتہ بن گئی ہے لیکن بعد میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: لا یجوز شہادۃ الوجل<sup>۱</sup>

والوالدہ وان علی من قبل الاب والام ولحافدہ وان سفیل -

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۱ الفصل الثانی فی الشہادۃ)

وہنثلہ فی مجلۃ الاحکام، المادۃ ۷۰۰ ص ۱۰۲۳ کتاب الخامس عشر، الفصل الثالث -



مجھے آباؤ اجداد سے تقسیم میں ملی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پہلے سے میرے آباؤ اجداد کی ملوکہ ہے تو دعویٰ کے دونوں بیانات کا آپس میں تناقض ہے اس لیے اس کا دعویٰ صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني: ومنها عدم التناقض في الدعوى وهو ان لا يسبق منه ما يناقض دعوى الاستحالة وجود الشيء مع ما يناقضه ويتأفیه - ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۳  
 كتاب الدعوى، فصل في شرائط المصححة للدعوى ( لہ

**ملک اور بیع کے دعویٰ میں فیصلہ بیع کے گواہوں پر ہوگا** | سوال :- ایک شخص نے کسی پر

کاغذات میں مشتری کا نام درج کر دیا اور اس کے عوض آٹھ سو روپے وصول کیے، بعد میں بائع نے دعویٰ کیا کہ میں نے آٹھ سو روپے صرف دس کنال زمین کے عوض وصول کیے ہیں اور باقی ۹۰ کنال بطور امانت دی تھی جبکہ مشتری یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے پوری سوا کنال زمین کے آٹھ سو روپے ادا کیے ہیں، دونوں اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرتے ہیں، تو اس صورت میں کس کے گواہوں پر فیصلہ کیا جائے گا؟

**الجواب:** صورت مشولہ میں مشتری بیع قطعی کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے اور زمین چونکہ مشتری کے قبضہ میں ہے اس لیے مشتری ذوالید ہے اور بائع خارج، تو عام طور پر فقہاء کے بیان کردہ اصول کے تحت خارج کے گواہ ذوالید پر مقدم ہوتے ہیں لیکن اگر ذوالید خارج سے ثراء کا دعویٰ کرے تو پھر ذوالید کے گواہ خارج پر مقدم کیے جائیں گے، اور حسب بیان چونکہ مشتری ذوالید ہے اور ثراء کا دعویٰ کرتا ہے اسلئے اگر طرفین اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کریں تو مشتری کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی اور فیصلہ اس کے گواہوں کے موافق ہوگا۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري: ولو برهن الخارج وذواليد على الشراء منه فذواليد احق - (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۲) باب دعوى الرجولين ( لہ

لہ قال العلامة سليم رستم باز: - التناقض يكون مانعاً لدعوى الملكية - (مجلة الاحكام، المادة ۶۳۴، ۱۹۵۴م)  
 ومثله في جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۲۳ الفصل العاشر في التناقض في الدعوى -

لہ قال العلامة المرغيناني: وان اقام الخارج البينة على الملك المطلق وصاحب اليد البينة على الشراء منه كان صاحب اليد اولى - (الهداية ج ۳ ص ۲۲۲ كتاب الدعوى)

ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۶۳۴ ص ۱۳۲ كتاب الدعوى - الفصل الثاني -



حدود بیان کیے بغیر زمین پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم | سوال :- ایک شخص نے کسی  
سولہ کنال زمین خریدی ہے اور یہ میری ملکیت ہے، لیکن دعویٰ میں حدود بیان نہیں کیں، تو کیا  
حدود بیان کیے بغیر زمین کی ملکیت کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی بھی دعویٰ میں یہ ضروری ہے کہ مدعی کو اپنے مدعی پر علم حاصل ہو اور اپنے  
حق کا تعین کر سکتا ہو، کیونکہ اگر مدعی ہی معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے مدعی کے حق کی تمیز اور اثبات  
مشکل ہوگا، چونکہ زمین میں حق کا تعین اور تمیز حدود کے بیان کرنے سے ہوتا ہے اس لیے فقہاء  
نے زمین پر ملکیت کے دعویٰ میں حدود کا بیان کرنا شرط قرار دیا ہے کہ حدود کے بیان کیے بغیر  
زمین کی ملکیت کا دعویٰ صحیح نہیں، اس لیے مذکورہ صورت میں مدعی جب تک اپنے دعویٰ میں  
زمین کی حدود بیان کرے اس وقت تک اس کا دعویٰ قابل سماعت نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم: وان ادعى عقارا ذكر حدوده، لانه لا تعذر التعقيل بالاشارة  
لتعذر الثقل فيصار الى التحديد وما يشترط التحديد في الدعوى يشترط في الشهادة  
البحر المصنف ج ۷ ص ۱۹۷ کتاب الدعوى م لے

فصل کے نقصان کی وجہ سے پڑوسی سے درخت کو جڑ سے کاٹنے کے مطالبہ کا حکم | سوال: ایک  
شخص کی زمین  
میں درخت ہے جس کی کچھ شاخیں پڑوسی کے کھیت کی طرف جھکی ہوئی ہیں جن کے سایہ سے اسکی  
فصل کو نقصان پہنچتا ہے، اب پڑوسی اس شخص سے درخت کو جڑ سے کاٹنے کا مطالبہ کرتا ہے  
تو کیا پڑوسی کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اسلام میں معاشرتی زندگی میں باہمی الفت و محبت کو بڑی اہمیت حاصل  
ہے کیونکہ اس محبت و الفت کے بغیر سکون زندگی کا تصور بھی محال ہے، اور یہ الفت اور محبت صحیح  
طریقے سے تب قائم ہو سکتی ہے جب معاشرے کا ہر فرد دوسرے حقوق کا لحاظ رکھے اور ہر کوئی دوسرے

لے قال العلامة التمر تاشی رحمہ اللہ: ويشترط التحديد في دعوى العقار كما يشترط  
في الشهادة عليه - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب الدعوى م  
و مثله في مجلة الاحكام، المادة ۱۶۲۳ ص ۹۱ کتاب الدعوى -

کو اذیت پہنچانے سے گریز کرے، اس لیے اگر کسی کے تصرفات سے دوسرے کے حقوق کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو اسلام نے اس قسم کے تصرفات سے اس کو باز رہنے کی تاکید کی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں اگر درخت کی شاخوں سے پڑوسی کے کھیت کو نقصان پہنچتا ہو تو درخت کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اگر شاخ کو اوپر باندھنے سے پڑوسی کے نقصان کا ازالہ ممکن ہو تو مالک کو شاخیں باندھنے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر باندھنے سے بھی نقصان دور نہ ہوتا ہو تو پھر مالک کو شاخیں کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا البتہ درخت کو جڑ سے کاٹنے کا مطالبہ صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باذ: من امتدت اعمقان شجر بستانه الى دار جارم او بستانه فلجارم ان يكطفه تفریح هوائه بالربط او القطع شرح مجلة الاحكام، المادۃ ۱۱۹۶ م ۲۵۶ لے

عاریتہ کسی کی زمین پر تصرفات کی وجہ سے استحقاق کا دعویٰ کرنا | سوال :- ایک قوم نے اپنی کچھ زمین حکومت افغانستا

کو عاریتہ دی، حکومت نے اس زمین پر پولیس اسٹیشن (تھانہ) بنایا، تین سال بعد اب ایک افغان کمانڈر نے اس زمین پر قبضہ کیا ہے اور وہ اس پر آبادی کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے حکومت نے اس زمین پر آبادی کی اجازت دی ہے، ان روئے شریعت اس زمین میں مذکورہ کمانڈر کے تصرفات جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب :- جو زمین غیر ملوکہ ہو اس میں حاکم وقت کو تصرفات کا اختیار حاصل ہے اگر وہ اس زمین میں سے کسی کو کچھ دینا چاہے تو دے سکتا، لیکن جو زمین پہلے سے ملوکہ ہو حاکم وقت کو اصل مالک کی مرضی کے بغیر کسی کو دینا جائز نہیں۔ اس لیے مذکورہ صورت میں جب ایک قوم نے اپنی ملوکہ زمین حکومت کو عاریتہ دے دی تو اس زمین پر اس قوم کی ملکیت برقرار ہے اور وہ جب بھی واپسی کا مطالبہ کرے زمین اُسے واپس کی جائے گی لہذا کمانڈر مذکور کا اس زمین پر قبضہ کرنا اور اس میں آبادی کرنا جائز نہیں اور جو آبادی وغیرہ کی ہو تو اُسے گرا کر زمین اصل مالکوں کو

لے قال الإمام فخرالدین حسن بن منصور، رجلٌ له نخلة في ملكه وخرج سقمها الى ارض جارة كان الجاران يقطع ويقرع هو ارض ملكه لان من ملك ارضاً ملك ماتحتة الى الثرى وما فوقه الى السماء فكان له ان يقطع وهذا اذا كان لا يمكنه تفریح الهواء الا بالقطع۔

(الفتاویٰ الخانیة علی ہامش الہندیة ج ۳ ص ۱۳۱ باب الصلح فی العقار الخ)



واپس کی جائے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: واذا استعار ارضاً لبني فيها اوليغرس جازو للمعيران يرجع فيها  
ويكلفه قلع البناء والغرس۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۸۱ کتاب العارية) لے

کسی کی مملوکہ زمین پر قبضہ کے متعلق فیصلہ کا حکم | سوال :- ایک شخص تیس سال قبل اپنی  
مملوکہ زمین میں تصرف کرتا رہا، کسی عذر کی

وجہ سے اسے وطن چھوڑ کر باہر جاتا پڑا، اس کی عدم موجودگی میں اس کے تین چچا زاد بھائیوں نے  
اس میں تصرف شروع کر دیا، جب یہ شخص واپس آیا تو اس نے اچھے تعلقات کی وجہ سے ان کو  
صرف سے نہیں روکا، اب تقریباً دس سال سے وہ زمین پر قابض ہیں اور زمین واپس کرنے  
سے انکار کرتے ہیں، مالک کے پاس زمین کی ملکیت پر باقاعدہ گواہ موجود ہیں، تو فیصلہ کس  
کے حق میں ہوگا؟

الجواب :- مدت مدید تک غیر کی مملوکہ زمین محض تصرف کی وجہ سے کسی کی ملک میں  
نہیں آسکتی بلکہ ملکیت کے لیے باقاعدہ اسباب مقرر ہیں، ان اسباب میں سے کسی بھی سبب کھ  
عدم موجودگی میں کسی چیز پر ملکیت کا تصور ہی ناممکن ہے اس لیے اگر مالک شہادت شرعیہ سے  
اپنی ملکیت ثابت کرے تو اس کو اپنی زمین واپس کی جائے گی، صورتِ مسئلہ میں چچا زاد بھائیوں  
نے اس پر جبراً قبضہ کر رکھا ہے یہ سب غاصب ہیں اور غاصب پر منصوصہ چیز کی واپسی لازم ہے۔  
اگر انہوں نے زمین میں تصرفات کی وجہ سے اس کو کوئی نقصان پہنچایا ہو تو اس کی ذمہ داری ان  
پر عائد ہوگی۔

لما قال العلامة المرغینانی: ومن غصب ارضاً فغرس فيها اوبنى قيل له اقلع البناء والغرس ورد (وفيه ايضاً)  
فان كانت الارض تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن القيمة البناء وقيمة الغرس مقلوباً ويكون له۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۴۹ کتاب الغصب) لے

لے قال العلامة سليم رستم باذ: استعارة الارض لغرس الاشجار وليبنا عليها ميسرة لكن للمعيران يرجع عن  
الاعارة متى شاء فاذا رجع لزم المستعير قلع الاشجار ورفع البناء۔ (مجلة الاحكام، المادة ۸۳۱ ص ۲۶)  
وَمَثَلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب العارية۔

لے قال العلامة الكاساني: ومن غصب ارضاً فبني عليها اوغرس فيها لا تنقطع ملك المالك ويقال للفا اقلع  
البناء والغرس وردها فارغة لان الارض بحالها لم تتغير ولم تصير شيئاً اخر۔ ريدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الغصب  
فصل حكم الغصب) — وَمَثَلُهُ فِي مَجَلَّةِ الْاَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۹۰۵ ص ۵۰۱ الكتاب الثامن. الفصل الثاني



مدعی کا زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں | سوال :- ایک آدمی کافی مدت سے کسی کی زمین پر قابض ہے اور مالک کو باقاعدہ اجارہ دیتا ہے،

دریں حالات کسی نے اس زمین کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا، مزارع نے جب دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے چھوڑنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ زمین تمہاری نہیں ہے اس لیے میں تمہیں فصل کا حصہ نہیں دوں گا، مالک اگر دعویٰ کرے تو دیکھا جائے گا۔ کیا ایسے حالات میں مزارع کا یہ دعویٰ درست ہے یا نہیں؟ اور مدعی علیہ رفع سے انکار میں کہاں تک حق بجانب ہے؟

**الجواب:** صورت مسئلہ میں مزارع کا دعویٰ درست ہے اور جب تک زمین پر مزارع تصرف کر رہا ہو تو اس کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے اور مدعی علیہ کا اس سے جانچھڑانا بے سود ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باذ: ولكن اذا غصب الوديعه او المستعار او الماجور او المرهون فلو ديع والمستعير والمستاجر والمرتهن ان يدعى بها على الغاصب وحده ولا يلزم حضور المالك. وليس لك يدعى وحده ما لم يحضره <sup>هو</sup> (شرح مجلة الاحكام، الماحقة ۱۶۳۷ ص ۹۲۱ الفصل الثالث)

زمین کے نامعلوم حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا حکم | سوال :- ایک آدمی کسی کی مملوکہ زمین کے کچھ حصہ کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ

اس زمین میں میرا حصہ ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کرتا ہے کہ اس زمین کا کچھ حصہ میرے والد نے مالک زمین کو دیا ہے، لیکن نہ تو اس کو مقدار معلوم ہے اور نہ حدود اربعہ، جبکہ مالک زمین اس کی ملکیت سے انکار کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء کرام نے کسی دعویٰ کی صحت کے لیے جو شرائط بیان کی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مدعی جس چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرتا ہو وہ چیز معلوم ہو، اگر مجہول ہو تو پھر اس پر دعویٰ کرنا صحیح نہیں کیونکہ اگر مدعی یہ مجہول ہو تو پھر اس پر نہ تو صحیح شہادت قائم ہو سکتی ہے اور نہ

له لما في الهدية: اذا ادعى رجل دارا في يدي رجل انها في اجارتي اجريها فلان وادعى ذواليد انها في اجارتي اجريها فلان اخرتسمع دعوى المدعى وينتصب صاحب اليد خصما.

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۳۷ الباب الخامس فيمن يصلح خصما لغيره)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۸۷ كتاب الدعوى.

صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ صورتِ مسئلہ میں چونکہ مدعی کو نہ تو مدعی بہ کی مقدار معلوم ہے اور نہ حدود اربعہ، جبکہ زمین کے دعویٰ میں حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے اس لیے اس آدمی کا دعویٰ قابلِ سماعت نہیں۔

قال العلامة المحقق: معلومیۃ المال المدعی اذ لا یقضی بمجهول ولا یقال مدعی فیہ وبہ الا ان یتضمن الاخبار۔ (الدر المختار علی صدر السداد المختار ج ۴ ص ۶۷ کتاب القضاء) <sup>۱</sup>

سوال :- ایک شخص نے اپنی زمین کسی کو بطور عاریہ دی ہے اُس نے زمین میں درخت لگائے اور پھر بیچ دیئے لیکن زمین واپس ہونے کے باوجود صرف تنگ کرنے کی غرض سے نہ تو خود درخت کاٹتا ہے اور نہ مشتری کو کاٹنے دیتا ہے جس کی وجہ سے زمین کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس بارے میں فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- چونکہ عاریت پر زمین دینے والا اس زمین کا مالک ہے اور اپنی زمین میں ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے، تو جس طرح کسی کو زمین عاریہ پر دینے کا اسے اختیار ہے اسی طرح اسی زمین کو کسی سے واپس لینے کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے، جب بھی وہ اپنی زمین کی واپسی کا مطالبہ کرے تو بے چون و چرا اُسے زمین واپس کرنا مستعیر کی ذمہ داری ہے اس لیے عاریہ پر دینے والے کو تنگ کرنے کی غرض سے اپنے لگائے ہوئے درختوں کو ٹھپو دینا جائز نہیں، اسلئے اُسے درخت کاٹنے پر مجبور کیا جائے گا۔

کما قال العلامة سلیم رستم یاز: استعارة الارض لغرس الاشجار والبناء علیہا صحیحۃ لکن للمعیر ان یرجع عن الاعارة متى شاء فاذا رجع لزم المستعیر قلع الاشجار ورمق البنا۔ (مجلة الاحکام، المادة ۸۳۱ ص ۲۶ الفصل الثانی فی احکام العاریۃ وضمائمہا) <sup>۲</sup>

قال العلامة ابوبکر الکاسانی: ومنها ان یكون المدعی معلوماً تعذر الشہادة والقضاء بالمجهول (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۲ کتاب الدعوی، فصل الشرائط المصححة للدعوی)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْاِحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۶۱۹ ص ۹۱۱ الْبَابُ الْاَوَّلُ، الْفَصْلُ الْاَوَّلُ فِي شَرْطِ صِحَّةِ الدَّعْوَى۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: واذا استعاراً ارضاً لیبني فیہا اولی غرس جازو للمعیر ان یرجع فیہا ویكلفه قلع البنا والغرس۔

(الهدایة ج ۳ ص ۲۸۱ کتاب العاریۃ)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْمَعِ الضَّمَانَاتِ، النُّوعُ الثَّلَاثُ ضَمَانُ الْعُقَارِ ص ۶۶۔



**والد کا عقد بیع کی اجازت سے انکار کے متعلق فیصلہ کا حکم** | سوال :- ایک شخص کا سسر

دانا کو زمین کا کچھ حصہ مکان تعمیر کرنے کے لیے دینا چاہا لیکن اس نے یہ کہہ کر زمین لینے سے انکار کر دیا کہ جب تک سسر بیع قطعی پر مجھے زمین نہیں دیتے میں اس پر مکان تعمیر نہیں کروں گا، کچھ عرصہ بعد اس کا بیٹا کراچی سے آیا اور بہنوئی سے کہا کہ مجھے والد نے مکمل اختیار دیا ہے اور اجازت نامہ بھی پیش کیا ہے اس لیے اگر آپ بیع قطعی پر زمین لینا چاہیں تو میں دینے کو تیار ہوں چنانچہ بہنوئی نے دس ہزار روپے کے عوض زمین خرید لی اور بیع نامہ تحریر کیا جب سسر واپس آیا تو لوگوں نے اس کو اکسایا جس پر اس نے بیع پر زمین دینے سے انکار کر دیا، کیا از روئے شرع سسر زمین واپس لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** بشرط صحت سوال اگر واقعی والد نے اپنے بیٹے کو بیع کی اجازت دی ہو تو بیع نافذ ہے اور والد کو بیع روکنے کا اختیار نہیں لیکن مشتری کو اس پر گواہ پیش کرنے ہوں گے کہ واقعی والد نے بیٹے کو بیع کی اجازت دی تھی، اگر مشتری اس پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کے مطالبہ پر بائع کے والد کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو بیع نافذ ہو کر اس کو واپسی کا حق نہیں اور اگر وہ قسم کھائے تو پھر بیع فضولی کے حکم میں ہو کر والد کی اجازت پر موقوف ہے اگر وہ اجازت نہیں دیتا تو بیع نافذ نہیں۔

اخرج الامام البيهقي: فكتب ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو يعطى الناس بدعواهم لامرعى رجال اموال قوم ودمائهم ولكن البينة على المدعى واليمين على من انكر۔  
ردواہ البيهقي ج ۱۰ ص ۲۵۲ کتاب الدعوى ۱۷

**مشترکہ چشمہ پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ** | سوال :- دو اشخاص کے مابین مشترکہ قابل کاشت تھا، دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے رہے، اس زمین کے قریب پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے

لہ و ذکر الامام مسلم: عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۲ کتاب الدعوى) ومثله في الهداية ج ۳ ص ۲۰۳ کتاب الدعوى۔



زمین سیراب ہوتی تھی، اب ان میں سے ایک شخص نے اس چشمہ پر ملکیت کا دعویٰ کیا ہے، کیا ایک جاری چشمہ پر ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ جاری پانی کے ساتھ عام لوگوں کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں، تو اگر اس پر کسی کی ملکیت تسلیم کر لی جائے یا کسی کے زیر قبضہ رکھا جائے تو اس میں لوگوں کے حقوق تلف ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر ہر ایک کو اس سے فائدہ اٹھانے کا برابر اختیار دیا ہے اور کسی کو بھی ملکا قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دی، لہذا حسب بیان مذکورہ بالا صورت میں یہ شخص نہ اپنے شریک کو چشمہ سے روک سکتا ہے اور نہ اس پر ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

انخرج الامام ابو داؤد: عن رجل من مهاجرین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بغزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا سمعہ یقول المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکل والنار۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۶ باب فی منع المائد) لہ

**نہجش کی وجہ سے پانی کا قدیم راستہ روکنے کے متعلق فیصلہ** | سوال :- دو بھائیوں نے اپنی

مشترکہ زمین تقسیم کر کے ہر ایک نے اپنے حصہ پر قبضہ کیا، ایک بھائی نے اپنے حصہ کی زمین میں مکان بنایا اور تقریباً تیرہ سال اس میں رہا، بعد میں اس نے اپنا مکان کسی پر فروخت کر دیا، مشتری بھی تقریباً ۶ سال اس میں رہا اب اول مالک کے بھائی نے باہمی نہجش کی وجہ سے اس شخص کے مکان اور ساتھ ولے دوسرے مکانات کے پانی کا راستہ بند کر دیا ہے، تو کیا کسی کی ملک میں ۶۶ سال سے قائم شدہ پانی کا راستہ کوئی بند کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جب مدت دراز سے لوگوں کے مکانات کے پانی کا راستہ قائم ہو تو ملک بدلنے سے اس میں تغیر نہیں آتی بلکہ ہر ایک کو دوسروں کے حقوق کی رعایت کرنی ہوگی تاکہ آپس میں الفت و محبت کی فضا قائم رہے، اگر ملک بدلنے سے ہر کوئی اس میں تصرف کرتا رہے کبھی

لہ قال العلامة سلیم رستم باذ: الماء والکل والنار مباحة والناس فی ہذا الاشیاء الثلاثہ شرکاء۔ (ترجم مجلۃ الاحکام، المادة ۱۳۳۴ ص ۶۷۶ الباب الرابع فی شرکۃ الاباحۃ۔ الفصل الاول) ومثلہ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۸۳ کتاب الشرکۃ۔

بند کرے اور کبھی کھلا رکھے تو اس سے اہل محلہ کو تشویش لاحق ہوگی اور بے چینی کا شکار ہو جائیں گے، اس لیے اگر واقعی پانی کا یہ راستہ پہلے ہی سے قائم ہے تو پھر اس آدمی کو راستہ بند کرنے کا اختیار نہیں۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پانی کا یہ راستہ مدت دراز سے قائم ہے تو پھر مشتری اور دوسرے مکانات والوں کو گواہوں سے اسی راستے سے پانی گزارنے کا حق ثابت کرنا ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي: اذا كان لرجل ارض وللآخر فيها نهر واراد رب الارض ان لا يجرى النهر في ارضه لم يكن له ذلك ويترك على حاله۔

الدرا المختار على هامش رد المختار ج ۵ ص ۳۱۴ کتاب احياء الموات

حصہ دار کی اجازت کے بغیر اس کی زمین فروخت کرنے کا حکم | سوال :- ایک قطعہ زمین مشترکہ شاملات دیہہ ہے

جس میں سرکاری کاغذات کی رو سے تین سوا فریڈ شریک ہیں، ان میں سے ایک شریک نے دیگر شرکاء کی اجازت کے بغیر زمین کسی پر فروخت کر دی، شرکاء کی بار بار تنبیہ کے باوجود مشتری نے اس زمین پر مکانات تعمیر کیے، اب دیگر شرکاء زمین خالی کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ ہماری ملکیت ہے جبکہ مشتری زمین خالی کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ زمین چوتھم میں نے خریدی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے، تو اس بارے میں اب فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

الجواب :- اگر یہ قطعہ زمین جو کہ شاملات دیہہ ہے حکومت کی طرف سے گاؤں کے لوگوں کو دی گئی ہو تو جن لوگوں کو اس میں حصہ دیا گیا ہے وہ سب اس کے مالک ہیں اس لیے یہ زمین ان سب کی مشترکہ ہوگی اور مشترکہ مال میں ہر ایک شریک دوسرے کے حصہ کے بارے میں اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے اور اجنبی شخص کسی کی مملوکہ زمین میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق نہیں رکھتا اس لیے صورت مسئولہ میں شرکاء کی اجازت کے بغیر ان کے حصہ کی زمین فروخت کرنا جائز نہیں، لہذا ان کے مطالبہ پر ان کے حصہ کی زمین خالی کرانے کے حوالہ کی جائے گی۔

كما قال العلامة سليم رستم باذ: كل من الشركاء في شركة الملاك اجنبي في حصّة

له قال العلامة ابن نجيم: رجل له ارض وللآخر نهر يجرى فيها فاراد رب الارض ان يمنع النهر

ان يجرى في ارضه لم يكن له ذلك - (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۵ کتاب احياء الموات)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَةِ الاحكام، المادة ۱۲۲۸ ص ۶۴۳ کتاب احياء الموات۔



سائرہم فلیس احدہم وکیلاً عن الآخر ولا یجوز لہ من ثم ان یتصرف فی حصۃ شریکہ  
بدون اذنیہ۔ (شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۱۰۷۵<sup>ملائک</sup> الباب الاول فی شرکتۃ الملائک۔ الفصل الثانی)

متوفی بھائی کے بیٹوں کی موجودگی میں اسکی ذاتی | سوال :- ایک شخص فوت ہو گیا اور اس کے  
ورثاء میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں رہ گئے،  
جا ئیداد باپ کے ترکہ میں شامل کر کے تقسیم کرنے کا حکم | ان چار بھائیوں میں سے ایک نے والد کے

ترکہ کے علاوہ ایک قطعہ زمین کسی اور شخص سے خریدا جو کہ کسی کی شرکت کے بغیر وہ زمین اس کی ملکیت  
میں آئی، والد کے ترکہ کی تقسیم سے قبل ہی وہ وفات پا گیا اور اس کے ورثاء میں دو معصوم بچے  
رہ گئے، مرحوم کے بیٹے جب بالغ ہوئے تو انہوں نے اپنے بچوں سے دادا کے ترکہ کی تقسیم کا  
مطالبہ کیا، اب تک ان کو اپنے والد کی اپنی زر خرید زمین کے بارے میں معلومات نہیں ہو سکیں اور  
نہ ہی کسی نے اس بارے میں انہیں بتایا لہذا دادا کے ترکہ کی تقسیم کے وقت وہ قطعہ زمین ایک چچا  
کے حصہ میں آ گیا، دادا کے ترکہ کے تین حصے کر کے مرحوم کا حصہ اس کے بیٹوں کو دے دیا گیا، تقسیم  
کے تقریباً ۱۲ سال بعد مرحوم کے بیٹوں کو معلوم ہوا کہ جو قطعہ زمین ان کے فلاں چچا کے حصہ میں  
آچکی ہے وہ ان کے باپ کی زر خرید اپنی ذاتی ملکیت تھی، اور اس درمیانی عرصہ میں ان کے  
چچا نے وہ زمین اپنے دوسرے بھائی پر فروخت کر دی، مرحوم کے بیٹوں کو جب علم ہوا تو  
انہوں نے دعویٰ کیا کہ جو زمین ہمارے والد کی زر خرید ملکیت ہے وہ ہمیں والد کے ترکہ میں دادا  
کے ترکہ کے علاوہ الگ ملنی چاہیے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے ان کا دعویٰ درست ہے؟ جبکہ مدعی علیہم  
اس قطعہ زمین کے مدعی کے والد کے ترکہ سے نہ ہونے اور دادا کے ترکہ سے ہونے کے قائل ہیں،  
مرحوم کے بیٹوں کے پاس ہر قسم کا ثبوت موجود ہے، اگر شہادت کی ضرورت پڑی تو گواہ کس کے معتبر ہونگے؟  
الجواب :- محض مدتِ دراز کے گزرنے سے کسی کا حق باطل نہیں ہوتا خاص کر ایسی حالت میں جبکہ  
اس کو اپنے حق کا علم بھی نہ ہو اور لاعلمی کی صورت میں چاہے جتنی بھی تاخیر ہو جائے پھر سماعتِ دعویٰ

لہ قال العلامة الحسینی، وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبہ  
لعدم تضمینہا التوکالۃ - الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۵ کتاب الشركة  
وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۶۵ کتاب الشركة -



کے لیے مانع نہیں، چونکہ علم نہ ہونے کو فقہاء نے شرعی عذر قرار دیا ہے اور وراثت میں تو اطلاع کے باوجود بھی تاخیر ہو جانے سے دعویٰ کا حق ساقط نہیں ہوتا اس لیے صورتِ مسئلہ میں میت کے بیٹوں کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ويتخصص بزمان ومكان وحصومة حتى لو امر السلطان بعدم سماع الدعوى بعد خمسة عشر سنة قسمها لم ينفذ الا في الوقف والارث ووجود عذر شرعي وبه افتى المفتي ابوالسعود - (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۰ کتاب القضاء)۔

جب دونوں کے پاس گواہ موجود ہوں تو میت کے بیٹے چونکہ قطعہ اراضی کے زر خرید ہونے کے مدعی ہیں اور ان کے چچا اس کے زر خرید ہونے کی نفی کرتے ہیں، اور دعویٰ میں جب اثبات اور نفی کا تقابل آجائے تو اثبات میں چونکہ زیادت کا معنی پایا جاتا ہے اور زیادت کے گواہ چونکہ نقصان کے گواہ پر مقدم ہوتے ہیں اس لیے اثبات کے گواہوں کو نفی کے گواہوں پر ترجیح دی جائے گی ایسے صورتِ مذکورہ میں میت کے بیٹوں کے گواہ مقدم ہوں گے اور فیصلہ ان کے گواہوں پر کیا جائے گا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: فالاصل فيه ان البينة المظهرة للزيادة اولى -

ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۱ کتاب الشركة) ۲

سوال :- افغان حکومت نے ۱۳۴۲ھ کو حکومت کی طرف سے دی گئی زمین پر فریقین کے دعویٰ ملکیت میں اختلاف کے متعلق فیصلہ یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے حکومت انہیں زمین دے گی، ایک قوم نے کسی کی وکالت سے حکومت کو درخواست دی، حکومت نے درخواست منظور کر لی اور اس قوم کو مالکانہ حقوق کے ساتھ زمین دے دی گئی اور باقاعدہ اسناد جاری کی گئیں، ۱۹۸۴ء تک یہ قوم

له قال العلامة سليم رستم باز: لا تسمع دعوى الدين والوديعة والعقار المملوك والميراث بعد ان تركت خمس عشرة سنة - (شرح المجلة، المادة ۱۶۶۰ ص ۹۸۴ الباب الثاني في مرور الزمان) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۸ باب التحالف -

له قال العلامة سليم رستم باز: بينة الزيادة اولى - (شرح المجلة، المادة ۱۶۶۲ ص ۱۱۳۱ الباب الرابع) ومثله في الهندية ج ۳ ص ۵۱۲ الباب التاسع في الشهادة على النفي والبيانات الخ -

بطور کاشت کار اس سے فائدہ حاصل کرتی رہی جب اس قوم نے پاکستان ہجرت کی تو مذکورہ بالا زمین ایک اور قوم کو اجارہ پر دے دی، اب اس قوم نے اس زمین پر ملکیت کا دعویٰ کیلئے کہ یہ ہماری زمین ہے اور ہم سے غصب کی گئی تھی، شرعاً اب یہ زمین کس کی ملکیت میں رہے گی؟

**الجواب :-** جو زمین کسی کی مملوکہ نہ ہو اور موات کے حکم میں ہو یا وہ زمین جو بیت المال کے زیر تصرف ہو اس کے بارے میں حاکم وقت کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے بھی چاہے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے استعمال کر سکتا ہے، اس لیے اگر وہ کسی قوم کو اس میں سے کچھ دینا چاہے تو اس کو اختیار حاصل ہے اور جس کو بھی حاکم وقت کی طرف سے کچھ زمین مل جائے وہ اس کا مالک تصور کیا جائے گا اور یہ زمین شرعی قواعد و ضوابط کے تحت اس کے مرنے کے بعد وراثت میں بھی تقسیم ہوگی لہذا حاکم وقت کی طرف سے غیر مملوکہ زمین کسی کو دینے کے بعد کسی کو بھی اسے واپس لینے یا اس پر قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وللامام ان يقطع كل موات وكل ما ليس فيه ملك لاحد ويعمل بما يرى انه خير للمسلمين واعم نفعاً. (رد المحتار ج ۳ ص ۲۹ فی احکام الاقطاعات من بیت المال - باب العشر والمخارج والجذية) لہ

**سوال: بیکری** کسی غیر کے نام مندرج زیر قبضہ زمین میں فریقین کے اختلاف کا فیصلہ کاغذات میں

ایک شخص کے نام زمین درج ہے اور اس زمین پر ۱۹۳۱ء سے کسی دوسرے شخص نے قبضہ کر رکھا ہے اس زمین میں ایک بہت بڑا درخت تھا جو کہ قابض کاٹ کر گھر لے گیا، زمین کی ملکیت جس شخص کے نام درج ہے اب اس نے زمین پر قبضہ کر کے قابض پر زمین کی ملکیت اور درخت کا دعویٰ کیا، تو مذکورہ صورت میں فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

**الجواب:** اگر سرکاری کاغذات صحیح ہوں ان میں دھوکہ، جعل سازی اور جھوٹ کا احتمال نہ ہو تو ان کے مطابق عمل کیا جائے گا، ان کاغذات کے موافق زمین جس کے نام درج ہو اس کی

لہ قال العلامة الكاساني: فالامام يملك اقطاع الموات من مصالح المسلمين لما يرجع ذلك الى عمارة البلاد والتصرف فيما يتعلق بمصالح المسلمين للامام. (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۲ کتاب الاراضی) ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۱۲۷۲ ص ۶۸۸۔



ملکیت تصور کی جائے گی اور درخت بھی اسی کا ہوگا لیکن اگر اس میں جھوٹ و فریب کا احتمال ہو تو متعلقہ زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنے والا خارج ہے اور قابض ذوالید ہے اس لیے اگر فریقین گواہ قائم کریں تو خارج کے گواہ مقدم ہوں گے اور فیصلہ اس کے گواہوں پر کیا جائے گا، اگر خارج کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر ذوالید کے گواہوں پر فیصلہ ہوگا، اگر طرفین میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہ ہو تو پھر ذوالید کو قسم دی جائے گی، اگر قسم سے انکار کرے تو زمین پر خارج کی ملکیت ثابت ہوگی۔  
لما قال العلامة الكشافی: فان قامت علی ملك مطلق عن الوقت فبينة الخارج اولی۔

ردائع الصنائع ج ۶ ص ۲۳۲ کتاب الدعوی، فصل فی حکم تعارض الدعوتین (۱) لے

**حکومت کی اجازت سے مواتِ اراضی آباد کرنے کا حکم** | سوال :- ایک دفعہ صوبائے

غیر آباد زمین کو آباد کرے گا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، چنانچہ ایک علاقہ میں غیر آباد بنجر پہاڑ کے کچھ حصہ پر بعض لوگوں نے محنت کر کے قابل کاشت بنایا اور بعض حصہ میں گھر بنائے، لیکن وہاں کے بعض بااثر لوگوں نے جبراً ان لوگوں کی زمینیں چھین لیں اور مکانات بھی خالی کرایے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکومت وقت کے باقاعدہ اعلان کے بعد اگر کوئی شخص غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر مذکورہ بالا پہاڑ پہلے سے کسی کا ملوکہ نہ ہو اور نہ قریبی لوگ اس کو اپنے مفادات میں استعمال کرتے ہوں تو حکومت وقت کی اجازت کے بعد جو بھی اس کو آباد کرے چاہے کاشت کے قابل بنانے سے آباد کرے یا مکانات تعمیر کرنے سے آباد کرے تو آباد کرنے والا اس کا مالک بن جائے گا، اس لیے اس زمین پر ملکیت ثابت کیے بغیر محض وقت کے بل بوتے پر غریب لوگوں سے زمین خالی کرانا سراسر ظلم و زیادتی ہے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

قال العلامة سلیم رستم باز: من احیا ارضاً من الاراضی الموات بالاذن السلطان

لے قال العلامة علاؤ الدین التمر تاشی: تقدم حجة خارج في ملك مطلق على حجة ذوی الید۔

رتنوبیر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب دعوی الوجیلین (

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الاحكام، المادة ۵۷ ص ۱۱۶ کتاب الدعوی۔



صادماً لکھا۔ (شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۱۲۷۲ و ۶۸۸ الباب الرابع فی شرکتہ الاباحۃ) لہ

سوال: ایک زمین مدتوں سے ایک شخص موات کو آباد کرنے کی وجہ سے چشمہ کا پانی دوسری اراضی پر بند کرنے کے متعلق فیصلہ کے زیر تصرف چلی آ رہی ہے اس کے قریب ایک غیر آباد پہاڑ میں چشمہ تھا جس سے زمین

سیراب ہوتی تھی، اب اس غیر آباد پہاڑ کو کسی نے آباد کر کے قرب وجوار میں واقع آباد زمین پر پانی بند کر دیا ہے، تو کیا اس شخص کا دوسروں کی اراضی پر پانی بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب ایک غیر آباد زمین جاری چشمہ سے مدت دراز تک سیراب ہوتی رہی ہے تو اس غیر آباد زمین پر قبضہ کر کے اس کو آباد کرنے سے قرب وجوار میں واقع اراضی پر اس چشمہ کا پانی بند کرنا جائز نہیں کیونکہ موات اراضی کو آباد کرنے سے اس کے قرب وجوار میں واقع اراضی پر کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ اس زمین کے متعلقہ حقوق بدستور قائم رہیں گے، جس طرح موات میں پہلے سے قائم شدہ راستہ موات آباد کرنے کی وجہ سے کوئی نہیں روک سکتا اسی طرح موات میں پہلے سے قائم دوسری اراضی کے پانی کا راستہ روکنا جائز نہیں۔

وفی الہندیۃ: رجل احیا ارضاً میتة ثم جاء انسان واحیا ارضی حولها حتی احاط بالاجیاء  
بعوانبھا الاربعۃ کان لہ ان یتطرق الی ارضہ من الارض التي احیاها آخر۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۸۷ کتاب احیاء الاموات، الباب الاقل م ۲۷)

مشترکہ زمین میں دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حکم | سوال: ایک علاقہ میں

لہ قال العلامة ابوبکر الکاسانی، فالملک فی الموات یتبیت بالاحیاء باذن الامام عند ابن حنیفۃ

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۹۳ کتاب الاراضی)

وَمِثْلُهُ فِي رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۷ کتاب احیاء الموات۔

لہ قال العلامة سلیم رستم باز: اذا احیا رجل ارضاً من ارضی الموات ثم جاءه آخرون ایضاً  
فاحیوا الاراضی التي فی اطرافها الاربع یتعین طریق ذلك الشخص فی ارض المحی الاخیر یعنی ان  
طریقہ تکیون متھلر شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۱۲۷۳ و ۶۸۹ الباب الرابع فی شرکتہ الاباحۃ الفصل الثانی

وَمِثْلُهُ فِي تنویر الابصار ج ۵ ص ۳۰۷ کتاب احیاء الموات۔

چھ سو ایکڑ زمین مشترکہ شاملات دیہہ ہے جس میں پانچ سو افراد شریک ہیں، اب اس میں شریک چند اشخاص نے دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مکانات بنائے اور باغات لگائے دوسرے شرکاء ان کو اس تصرف سے منع کرتے جبکہ یہ اشخاص اس تصرف سے باز نہیں آتے، تو کیا دوسرے شرکاء ان اشخاص کو اس تصرف سے منع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ زمین کسی کی ملکوتہ نہیں اور موات کے حکم میں ہے تو حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والا اس کا حقدار ہوگا، اس میں دوسرے شرکاء سے اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی اجازت کے بغیر بھی اس میں تصرف جائز ہے، البتہ اگر یہ زمین حکومت نے ان پانچ سو افراد کو دی ہو جیسا کہ عام طور پر مقامی لوگوں میں شاملات زمین قرب و حواریں موجود اراضی کے تناسب سے دی جاتی ہے، تو یہ زمین سب میں مشترکہ ہوگی اور مشترکہ املاک میں تصرف کرنے سے اگر دوسرے شرکاء کی املاک کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو پھر اس میں بعض شرکاء کا تصرف جائز ہے لیکن اگر ان کے تصرف سے دوسرے شرکاء کی املاک کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر ان شرکاء کا اس زمین میں تصرف جائز نہیں اور دوسرے شرکاء ان کو تصرف سے منع کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

قال العلامة الحصکفی: وكل من شرکاء الملك اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة۔ (الذکر المختار ج ۳ ص ۳۶۵ کتاب الشركة)

**سوال :-** دو اشخاص کا ایک راستہ پر تنازعہ ہے عرصہ دراز تک آمد و رفت کی وجہ سے راستہ پر ہی مرور کا دعویٰ کرنے کا حکم

اس راستہ پر میری آمد و رفت جاری ہے اس لیے اب کوئی بھی مجھے اس راستے پر گزرنے سے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا، جبکہ دوسرا شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ راستہ میری ملکیت ہے اور محض تعلقات کی وجہ سے میں نے اس شخص کو اس راستے پر سے گزرنے کی اجازت دی تھی لہذا مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اس شخص کو راستے پر گزرنے سے روک دوں، تو کیا زمین کا مالک اس شخص

لہ قال العلامة سلیم رستم باز، انتفاع الحاضر بالملك المشترك بوجه لا یضرب الغائب یعد رضی من الغائب۔ شرح مجلة الاحکام، المادة ۷۹۔ ۱ ص ۶۰۲ الباب الاول فی شركة الملك (وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَائِعِ ج ۶ ص ۶۵ کتاب الشركة۔)







دونوں نے مختلف تاریخیں بیان کی ہوں تو پھر جس کی تاریخ مقدم ہو اس کے گواہ بھی دوسرے کے مقابلے میں مقدم ہوں گے۔

قال العلامة محمد علاؤ الدین افندیؒ: ووادعی الخارج وذوالیبد بسبب من الاسباب نحو شراء وارث وشبهه فلا یخلوا اما ان یدعیاتلقی الملك من جهة واحد او من جهة اثنين فلو ادعیاه من جهة واحد وبرهنا حکم به لذی الیبد لولم یثور خا او ارخا سواء فلوارخا وتاریخ احدہما سبق فہو اولی۔ (تکملة رد المحتار ج ۲ ص ۱۸۰ یا دعوی الرجلین ص ۱۸۰)

مقتول کے وارث کی طرف سے قاتل کو معاف کرنے کے بعد قتل کے دعوے کا جائزہ

سوال :- ایک آدمی نے کسی شخص پر اپنے بیٹے کے قتل کا دعویٰ کیا جبکہ مدعا علیہ قتل سے منکر ہے، گواہوں کی شہادت سے قبل مدعی علیہ نے دعویٰ کو ان الفاظ سے رفع کیا کہ مقتول کے باپ سے میرے بھائی نے قتل کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میرے بیٹے کو مدعی علیہ نے قتل نہیں کیا اور اگر اس نے قتل کیا بھی ہو تو میں نے اس کو معاف کر دیا ہے، تو کیا یہ معافی رفع دعویٰ کیلئے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب :- قصاص جاری کرنا چونکہ سنگین نوعیت کا حامل معاملہ ہے کیونکہ یہ کسی کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا ہے اس لیے اس باب میں شریعت نے مقتول کے ورثاء کے عفو و درگزر کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی بھی قاتل کو معاف کر دے تو اس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ حسب بیان اگر شرعی طریقے سے ثابت ہو جائے کہ مقتول کے والد نے اعتراف کیا ہے کہ میرے بیٹے کو مدعی علیہ نے قتل نہیں کیا اور اگر کیا بھی ہو تو میں نے معاف کیا ہے، تو اس کا یہ اعتراف اور معافی دعویٰ کے دفاع کے لیے کافی ہے اور اس سے قتل کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔

لہ وفي الہندیۃ: ان کانت فی ید احدہما فہی لذی الیبد سواء رخ او لہ یورخ الا اذا رخا وتاریخ الخارج سبق فی قضی بہا للخارج کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۸۰ الباب التاسع، الفصل الثانی فی دعوی الملك فی الاعیان) ومثله فی شرح مجلة الاحکام (۱۱۲۷) کتاب الدعوی۔

کما فی الہندیۃ: ومن عفا من وراثۃ المقتول عن القصاص رجلًا أو امرأة أو  
 أم أو جدۃ ومن سواہن من النساء أو کان المقتول امرأة فعفا زوجها عن القصاص فلا  
 سبیل الی القصاص۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۶<sup>۲</sup> ابواب السادس فی الصلح والعفو والشہادۃ فیہ) <sup>۱</sup>  
**بیٹے کو ہمیشہ کی ہوئی زمین پر وراثت کے دعویٰ ملکیت کا جائزہ** | سوال: ایک شخص  
 نے کچھ زمین خریدی،  
 خریدنے کے بعد زمین کا کچھ حصہ اپنے بیٹے کے نام منتقل کر دیا اور اس کو باقاعدہ قبضہ بھی دے دیا  
 اس کی وفات کے بعد جو زمین اس کے نام درج تھی وہ وراثت میں تقسیم کر دی گئی اور جو زمین  
 بیٹے کے نام درج تھی وہ اس کے قبضہ میں اپنے حال پر باقی رہی، اب وراثت نے اس کی زمین میں  
 بھی وراثت کا دعویٰ کیا ہے کہ وراثت کے تحت ہمارا بھی اس میں حصہ ہے جبکہ بیٹا اپنی زمین میں  
 ان کو حصہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ اندر میں صورت کیا بیٹے کے حصہ کی زمین میں وراثت کی ملکیت  
 کا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب:**۔ درحقیقت حالت حیات میں باپ اپنی جائیداد میں سے جو حصہ اپنے کسی بیٹے  
 کو دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے بیٹے کے لیے ہبہ ہوتا ہے اور ہبہ کی تمامیت کے لیے قبض شرط ہے  
 اگر موهوب لمہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ نہ کرے تو بغیر قبضہ کے ہبہ تام نہیں ہوتا اس لیے حسب بیان  
 اگر واقعی والد نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے نام زمین منتقل کر دی ہو اور اس کی زندگی میں بیٹے نے  
 اس پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ زمین محض اس کی ملکیت ہوگی اس میں دوسرے وراثت کا حق نہیں اس لیے اس زمین  
 پر دوسرے وراثت کا ملکیت کا دعویٰ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: ومنها ان يكون الموهوب مقبوضاً حتى لا يثبت الملك للموهوب له  
 قبل القبض وان يكون مقسوماً اذا كان مما يتعمل القسمة۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲<sup>۹۳</sup> کتاب الہبۃ)

قال العلامة الكاساني: فاما اذا كان اثنين او اكثر فعفا احدهما سقط القصاص عن القاتل لانه سقط نصيب  
 العافي بالعض فيسقط نصيب الآخر ضرورة انه لا يتجوز۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۲۴ کتاب الدعوى)  
 ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۵۶ کتاب الدعوى۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: يملك الموهوب له الموهوب بالقبض۔ (مجلد الاحكام۔ المادة ۸۶۱ ابانثا)  
 ومثله في بدائع الصنائع ج ۶ ص ۱۳۱ فصل حكم الهبة، کتاب الهبة۔



ہلاک شدہ مال کے بارے میں قرض اور مضاربت کے اختلاف کا فیصلہ | سوال: ایک شخص

کرتا تھا اور وہ اپنے ایک ساتھی سے چار ہزار روپے دوسرے سے دو ہزار روپے اور تیسرے سے ایک ہزار روپے لے کر چلا، اس نے کل سات ہزار روپے ایک دلال کو پیشے دلال نے کہا کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر نہیں آپ کو کارٹوس دوں گا، یہ شخص جب طے شدہ مقام پر پہنچا تو اس کی موجودگی میں پولیس نے دلال کو گرفتار کر لیا اور کارٹوس وغیرہ ضبط کر لیے، یہ شخص خالی ہاتھ وہاں سے واپس آگیا، بعد میں اس کو پتہ چلا کہ یہ سب دلال کا اپنا چکر تھا اور واقعہ بناوٹ تھا، اس لیے اس نے دلال سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا لیکن دلال نے رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا، وہاں سے ناکام واپس لوٹا، جب ساتھیوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، اس وقت اس شخص نے کہا کہ تم پرواہ نہ کرو تمہاری رقم میں واپس کروں گا، بعد میں اس نے اپنے ساتھیوں سے یہ کہا کہ چونکہ آپ لوگوں نے رقم مجھے مضاربت پر دی تھی اس لیے اس ہلاکت کے بعد میں رقم کا ضامن نہیں، جبکہ ساتھی کہتے ہیں کہ ہم نے یہ رقم قرضِ حسنہ کے طور پر دی تھی۔ فریقین میں سے کسی کے پاس گواہ موجود نہیں، تو اب فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئلہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے یہ رقم اسے بطور قرضِ حسنہ دی تھی کیونکہ مدعی علیہ نے جب یہ کہا کہ تم پرواہ نہ کرو میں تمہاری رقم واپس کروں گا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرضِ حسنہ کا قائل تھا، اب یہ تینوں ساتھی مدعی ہیں اور وہ شخص مدعی علیہ چونکہ ساتھیوں کے پاس گواہ موجود نہیں اس لیے البینۃ للمدعی والیمن علی من انکر کے تحت اس شخص کو قسم دی جائے گی اور اگر وہ قسم کھالے کہ میں رقم مضاربت پر لی تھی تو مضاربت ثابت ہونے کے بعد وہ ضمان سے بری الذمہ ہوگا کیونکہ مضاربت میں مال مضارب کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے اور امانت میں اگر مال ہلاک ہو جائے تو موجب ضمان نہیں اس لیے یہاں بھی ضمان لازم نہیں آئے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لانه يمين-

(الهداية ج ۳ ص ۲۶۲ کتاب المضاربة، فصل في العزل والقسمة) لـ

لـ قال العلامة سليم رستم باز: اذا تجاوز مقدار الربح سرى الى راس المال فلا يضمنه المضارب سواء

كانت المضاربة صحيحة او فاسدة - (شرح المجلة - المادة ۱۲۲۷ ابواب الرابع - الفصل الثالث)

و مثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۸۸ کتاب المضاربة -



غیر اختیاری کاموں میں کسی کی ذمہ داری قبول کرنے کے متعلق فیصلہ | سوال: ایک شخص

سعودی عرب میں ایک کمپنی میں ملازم تھا اور اس کی نگرانی میں تقریباً ۳۵ آدمی کام کرتے تھے، یہ سارے آدمی چونکہ غیر قانونی طور پر وہاں مقیم تھے اس لیے حکومت نے ان کو گرفتار کر لیا، اب ان آدمیوں میں سے ایک نے اپنے نگران پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے ہماری ذمہ داری لی تھی کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور جو بھی نقصان ہوگا میں اس کا ذمہ دار ہوں، جبکہ نگران انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ تم بھاگ جاؤ لیکن یہ خود نہیں بھاگ سکے اس لیے میں ان کے نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اب مذکورہ بیانات کے تحت فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟

الجواب:- دراصل جس شخص نے ان لوگوں کی ذمہ داری قبول کی تھی وہ ان کی طرف سے کفیل بن گیا تھا اور کفالت کے لیے فقہاء کرام نے یہ شرط لگائی ہے کہ صرف ان امور میں کفالت معتبر ہے جو کفیل کے دائرہ اختیار میں ہو اور جو کام اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہو اس کے بارے میں کفیل ذمہ دار نہیں، تو غیر قانونی طور پر مقیم لوگوں کو بحق سکونت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے یہ کفیل کے دائرہ اختیار میں نہیں اس لیے اس بارہ میں اس آدمی کا اپنی طرف سے وکیل بننا صحیح نہیں، تو جب کفالت ہی صحیح نہیں تو نقصان کی ذمہ داری بھی اس پر عائد نہیں ہوتی۔  
لما قال العلامة المورغینانی: وكل حق لا يمكن استيفاءه من الكفيل لا يصح الكفالة به  
كالحدود والقصاص - والهداية ج ۳ ص ۱۲ کتاب الكفالة) لہ

سوال: ۱۹۶۶ء سے ایک شخص کسی کے عقد پر دوبارہ عقد بیع کرنے کے متعلق فیصلہ | نے دوکان کرایہ پر رکھی ہے

اور حسب دستور دوکاندار مالک دوکان کو کرایہ ادا کرتا رہا، مالک دوکان کے فوت ہونے کے بعد اس کا بیٹا مسلسل کرایہ وصول کرتا رہا، ۱۹۷۷ء میں موجودہ مالک دوکان نے اپنی دوکان فروخت

لہ قال العلامة الكاساني: ان يكون المكفول به مقدورا لاستيفاءه من الكفيل لكون العقد مفيداً فلا تجوز الكفالة بالحدود والقصاص لتعذر الاستيفاء من الكفيل فلا تفيد الكفالة فائدتها -

ربدائع الصنائع ج ۶ ص ۹ کتاب الكفالة - فصل شرائط الكفالة )

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْأَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۶۳۲ ص ۳۲۲ الفصل الثاني في شرائط الكفالة -

کرنے کا اظہار کیا تو کرایہ دار نے اس سے پچاس ہزار کے عوض بات کی، رجسٹری کرانے میں تین دن باقی تھے کہ اس دوران ایک شخص نے دلال کی وساطت سے مالک دوکان کے پاس جا کر مذکورہ رقم ادا کرتے ہوئے دوکان اپنے نام رجسٹری کرائی اور اس کے ساتھ دوسری دوکان بھی خرید کر اپنے بھائی کے نام رجسٹری کرائی، اب وہ دوکان فی الحال کرایہ دار کے قبضہ میں ہی ہے اور دوسرا شخص دوکان خالی کرانے کے لیے دباؤ ڈال رہا ہے، اندریں حالات اب یہ دوکان کس کا حق بنتی ہے؟ اس بارے میں شریعت مقدسہ کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمائیں؟

**الجواب:-** اگر کرایہ دار اور مالک دوکان کے مابین بیع قطعی ہوئی ہو تو کرایہ دار اس مذکورہ عقد سے مالک بن گیا اگرچہ ابھی تک رجسٹری نہ کرائی ہو کیونکہ عقد بیع کی تمامیت کے لیے رجسٹری کرنا شرعاً ضروری نہیں۔ جب بیع قطعی سے کرایہ دار مالک بن گیا تو جو دوکان اسکی دوکان کے ساتھ متصل ہے اگر اس دوکان کا کوئی شریک موجود نہ ہو اور نہ اس کے حقوق میں شریک موجود ہو تو پڑوسی ہونے کے ناطے وہ اس دوکان پر شفیع کا حق رکھتا ہے تو حق شفیع کی رو سے وہ اس دوکان کو واپس کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع ثم للخليط في حق المبيع كالشرب والطريق ثم للجار۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۴۴ کتاب الشفعة) لہ

**سوال:-** ایک شخص نے باپ کی وفات کے بعد بیٹوں کا اس کے عقد بیع سے انکار تیس سال قبل اپنی زمین شاملات دیہہ سمیت کسی پرفروخت کی، بعد میں مشتری نے بائع سے کچھ رقم قرض پر لے لی، مگر قرض کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے مشتری نے قرض کی رقم کے بدلے زمین بائع پر دوبارہ فروخت کر دی اور واپس کرنے کا وعدہ کیا لیکن واپسی سے قبل ہی وہ وفات پا گیا، اب بائع اس کے بیٹوں سے زمین کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے لیکن بیٹے زمین واپس کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ ہمارے باپ نے زمین دوبارہ بائع پرفروخت نہیں کی، اب عقد بیع پر مدعی کے پاس گواہ موجود نہیں

لہ قال العلامة سلیم رستم باذ: الثالث ان يكون جاداً ملاصقاً للعقار المبيع۔

(شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۰۰۸ ص ۵۶۳ کتاب الشفعة)

وَمِثْلُهُ فِي خَلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۲۵۲ کتاب الشفعة۔



توفیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

**الجواب :-** اگر شاملات موات کے حکم میں ہو اور شرعی اصول کے موافق اس شخص نے اس زمین پر قبضہ کر کے اُسے آباد کیا ہو تو اس زمین پر اس کی ملکیت ثابت ہونے کی وجہ سے بیع نافذ ہے، جب بعد میں مشتری نے بائع سے کچھ رقم قرض لے لی اور اس کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زمین واپس بائع پر فروخت کی تو بائع کو اس عقد کے تحت زمین واپس لیتے کا حق حاصل ہے، اب بائع چونکہ عقد بیع کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے مشتری کے مرنے کے بعد بائع کو اس عقد پر گواہ پیش کرنے ہوں گے اور اگر گواہ موجود نہ ہوں تو مشتری کے بیٹوں کو ان کے علم پر قسم دی جائے گی کہ ان کو معلوم نہیں کہ ان کے والد نے رقم کی ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زمین واپس بائع پر فروخت کی تھی، اگر وہ اس پر قسم کھالیں تو فیصلہ بیٹوں کے حق میں ہوگا اور اگر انکار کریں تو زمین بائع کو واپس کی جائے گی۔

مقال العلامة التمرتاشی رحمہ اللہ: والتعلیف علی فعل غیرہ یکون علی العلم ای  
انہ لا یعلم انہ کذلک لعدم علمہ بما فعل غیرہ۔ (تنویر البصار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۴۳ کتاب الدعوی)۔

**عقد مضاربت کے متعلق ایک فیصلے کی تصحیح** | سوال :- دو آدمیوں نے مضاربت پر

کاروبار شروع کیا، رب المال نے ۲ لاکھ روپے مضارب کو دے دیئے اور مضارب نے اس رقم سے کپڑے کی دوکان کھولی اور اس پر اپنے ایک دوست کو بٹھا دیا اکثر اوقات وہی دوکان چلاتا رہا، رب المال نے اس پر ناراضگی ظاہر کی لیکن اس کے باوجود مضارب نے اپنے دوست کو دوکان سے نہیں ہٹایا، نتیجتاً اس کاروبار میں تیرہ ہزار روپے کا نقصان ہوا، رب المال نے دعویٰ کیا کہ مضارب نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر تیرہ ہزار روپے کی چوری کی ہے، جب رب المال نے اپنی رقم کھے واپسی کا مطالبہ کیا تو مضارب نے رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس دوکان پر

لہ قال العلامة قاضی سماوی: ولو وقع الدعوی علی فعل الغير من کل وجه یحلف علی العلم  
حتی لو ادعی علی وارث ان ابان تلفه او سرقه او عصبه منی یحلف علی العلم و هذا مذہبنا۔

(جامع القصولین ج ۱ ص ۱۹۲ الفصل الخامس عشر فی التعلیف)

ومثله فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۲۱۲ فصل ما یتعلق بالنکاح من المهر والولد وغیر ذلک۔



میرے ۲۵ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں، ان دونوں نے ثالث مقرر کیا، اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دوکان رب المال کے پاس رہے گی اور مضارب ۲۵ ہزار روپے خرچہ ادا کرے گا، ثالث کے اس فیصلے کے مطابق رب المال کو ۵۸ ہزار روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ از روئے شریعت یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** دراصل مضارب کا دو بار میں رب المال کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے رب المال جن شرائط کے تحت مضارب کو تصرف کا اختیار دے ان شرائط کی پابندی مضارب پر لازم ہے اگر ان شرائط کی خلاف ورزی کرے اور کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ضمانت مضارب پر لازم آئے گی، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں جب رب المال نے مضارب کے دوست کو دوکان پر بٹھانے سے روکا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے دوست کو بدستور دوکان پر بٹھائے رکھے لہذا اگر رب المال شہادت سے یہ ثابت کرے کہ مضارب نے واقعی خیانت کی ہے تو تجارت کے سامان کو فروخت کر کے رب المال کی رقم پوری کی جائے گی اور جو رقم اس سے بچ جائے اس کو دونوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا، مضارب نے اپنے خرچہ کے لیے جو رقم لی ہے وہ مضارب کی کمائی سے جدا کی جائے گی۔

لما قال العلامة الكاساني: فاذا خالف شرط رب المال صار بمنزلة الغاصب ويصير المال مضمونا عليه. (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۸۵) کتاب المضاربة. فصل في حكم المضاربة (۱) لے

**ٹیوب ویل کی نوکری پر فریقین کے تنازعہ کا فیصلہ** | سوال :- ایک شخص جو کہ انسی سال سے زمین میں تصرف کر رہا ہے اس نے اپنی زمین کا کچھ حصہ حکومت کو ٹیوب ویل لگانے کے لیے اس شرط پر دیا کہ ٹیوب ویل کی نوکری میری ہو گی، ٹیوب ویل لگنے کے بعد اس نے نوکری کے لیے کسی اور شخص کو خرچہ وغیرہ دے دیا، اس شخص نے مالک زمین کو دھوکہ میں رکھا اور ٹیوب ویل کی نوکری اپنے نام منظور کرائی، مالک زمین نے

لے قال العلامة سليم رستم بان: واذا تجاوز المضارب حداً مذوتيته وخالف الشرط كان غاصباً وفي هذه الحال يعود الربح والخسارة له وعليه واذا تلف مال المضاربة كان ضامناً۔

(شرح مجلة الاحكام. المادة ۱۲۲۹ ص ۵۲ کتاب المضاربة)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى هَامِشِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۲ ص ۵۳۲ کتاب المضاربة۔

اس پر دعویٰ کیا کہ یہ نوکری میرا حق ہے کیونکہ میں نے اس شرط پر حکومت کو زمین دی ہے۔ دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ نوکری میرا حق بنتا ہے کیونکہ یہ زمین مشترک ہے اور شاملات ہے جس میں میرا بھی حصہ ہے اگرچہ متعین نہیں کہ ٹیوب ویل کی جگہ میری ہے یا کسی اور کی، مالک زمین نے یہ جواب دیا کہ یہ زمین مجھے اتنی سال قبل پوری قوم نے دی تھی۔ تو مذکورہ بالا صورت میں ٹیوب ویل کی نوکری کا حقدار کون ہے؟

سوال :- اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین شاملات و مہر ہے اور پوری قوم نے اس شخص کو دی ہے تو یہ شخص اس پر قبضہ کرتے اور تصرف کرنے سے مالک بن گیا ہے، تو جو اب اتنی سال اس نے اس زمین میں تصرف کیا اور کسی نے اس پر ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا تو اس کی زمین میں کسی اور کو تصرف کا حق نہیں۔ لہذا جب اس نے اپنی زمین ٹیوب ویل لگانے کے لیے دے دی تو یہ زمین وقف ہو گئی اور وقف زمین میں واقف جو شرط لگائے اس کی رعایت کی جائے گی۔ تو جس طرح موقوفہ زمین کا منافع واقف اپنے لیے خاص کر سکتا ہے، اسی طرح اگر مالک زمین موقوفہ زمین میں ٹیوب ویل کی نوکری اپنے لیے خاص کرے تو یہ اس کا حق ہے اس لیے اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور شخص اس نوکری کا حقدار نہیں۔

مقال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: و ذکر الفقیہ ابو جعفرانہ لوشروط لنفسه ان یأکل من العلة یجوز عند محمد و کذا الذک لوشروط الغلة لابیہ فہو کاشترطها لنفسه۔  
(الفتاویٰ التاتاریخانیة ج ۵ ص ۴۲۰ الفصل الرابع فیما یتعلق بالشرط الوقف) لہ

بیٹے کا باپ کے ترکہ میں سے اپنے لیے زمین کا کچھ حصہ ہبہ کرنے کے دعویٰ کا جائزہ

فریق اول — فریق ثانی

حقیقہ تحکیم؛ مندرجہ بالا فریقین بذات خود تو حاضر نہیں ہوئے لیکن انہوں نے اپنے نمائندے یعنی وکیل بھیج دیئے اور قرآن و سنت کے تحت فیصلے کے لیے تیار ہوئے لہذا

لہ قال العلامة الحسینی: و جاز جعل غلة الوقف والولاية لنفسه عند الثاني و علیہ الفتوی۔ ( الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۲۴ کتاب الوقف )  
و مثله فی الہندیة ج ۲ ص ۳۹۸ الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط الوقف۔



ان کے نمائندوں کے واسطے سے فریقین کے بیانات سن لیے گئے۔

تنقیحات : مندرجہ بالا فریقین کے نمائندوں کے واسطے سے بیانات سن لیے گئے، ان بیانات سے چند امور سامنے آئے۔

(۱) دونوں فریق آپس میں حقیقی بھائی ہیں اور ان کے بیان سے اتفاقی طور پر واضح ہوتا ہے کہ دونوں فریق اپنی بہنوں کو جائیداد سے محروم رکھتے ہیں، جائیداد کی تقسیم کو صرف فریقین تک محدود رکھا جاتا ہے، فریقین کے والد کے تصرفات یا بعد کے ورثاء کے عملی اقدامات سے اپنی بہنوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے۔

(۲) فریق اول اس بات کا دعوہ پدار ہے کہ اس کے والد نے اپنی حین حیات میں جائیداد تقسیم کی تھی، دیگر حصص کے علاوہ خسرو نمبر آٹھ سو سات جو کہ اربل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کی مقدار اسٹی کنال آٹھ مرلے ہے یہ مجھے دی گئی ہے جو کہ ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء کی بندوبست میں بحال رکھی گئی ہے، فریق مذکورہ کے بیان کی رو سے فریق ثانی نے یہ جائیداد اپنے نام منتقل کرائی ہے جس کے خلاف فریق اول نے عدالت سے درخواست کی لیکن اس دوران ایک شخص نے ان میں مصالحت کرا دی۔

(۳) فریق اول مصالحت میں ایک ہزار روپے کی رقم دینے کا تذکرہ کرتا ہے جو فریق ثانی نے برفاء و رغبت وصول کی ہے اور بطور بیتہ سند تحریری سٹامپ پیش کرتا ہے۔

(۴) فریق ثانی کا بیان ہے کہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں زمین اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی تھی تاہم اچھے امکد منیت کے ساتھ دوسرے حصے ایسے بیٹے کو بھی دیئے گئے اور دوسرے کو بیکار زمین زیادہ دی تھی، فریق اول نے ساز باز کر کے خسرو نمبر آٹھ سو سات جعلی طور پر اپنے نام انتقال کرایا ہے جو کہ ہمارے رجوع کرنے پر عدالت نے بحال کر دیا ہے۔

(۵) فریق ثانی کا دفاعی بیان یہ ہے کہ اس نے فریق اول کے ساتھ جو مصالحت کی ہے وہ نافذ نہیں کیونکہ فریق ثانی نے اپنی تمام جائیداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کی تھی اور جس جائیداد سے فریق ثانی نے مصالحت کرائی یہ اس کی جائیداد نہیں تھی بلکہ اس کے بیٹوں کی جائیداد تھی یہی وجہ ہے کہ فریق ثانی نے ایک ہزار روپیہ فریق اول کو واپس کر کے مصالحت کو کالعدم قرار دیا ہے۔



**حقیقتِ حالہ:** ان نکات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریقین بہنوں کو جائیداد سے محروم کرنے پر متفق ہیں یہ ایک جاہلانہ اور غیر شرعی اقدام کی تائید کے مترادف ہے، اگر باپ نے دیدہ دانستہ طور پر بیٹوں کے نام جائیداد منتقل کر کے بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھا ہو تو یہ ناجائز اور حرام حرکت ہے اگرچہ قضاء ایسے اقدامات نافذ ہوتے ہیں لیکن عند اللہ اس جرم سے خلاصی اور نجات کے لیے واحد ذریعہ یہ ہے کہ ورثاء و مورث کی ذمہ داری کی فراغت کیلئے ہر صاحب حق کو اس کے حق کی ادائیگی کریں ورنہ حقوق العباد کی حق تلفی سے اس کا گرفتار ہونا یقینی امر ہے تاہم قضاء والد کے تصرفات نافذ رہیں گے۔

**شرعی فیصلہ:** جہاں تک تنازعہ جائیداد کے بارے میں فریقین کے بیانات کا تعلق ہے تو واضح رہنا چاہیے کہ سرکاری کاغذات میں محض انتقال کا ہونا نہ تو کسی کی ملکیت کی شرعی دلیل ہے اور نہ اس پر ملکیت موقوف ہے ایسے فریقین کے والد کے مالکانہ تصرفات کے نفاذ کیلئے سرکاری کاغذات میں انتقال ضروری نہیں جو بھی باقاعدہ گواہوں سے ثابت ہو جائے اس کو اعتبار دیا جائے گا۔

قال العلامة سلیم رستم بأن ولا يعمل بالخط والختم وحدهما الا اذا كان سالماً من شبهة التزوير والتضييع فيعمل به يعني انه يكون مدار الحكم ولا يحتاج الى الثبوت بوجه اخر - مجلة الاحكام، المادة ۳۶۷ - ۱۰۹ م

لیکن بعد ازاں جہاں تک فریقین کے تنازعہ کا مسئلہ ہے اور پھر اس میں مصالحت کی صورت ہے تو مصالحت کا ثبوت باقاعدہ اقرار یا عادل گواہوں کی گواہی پر موقوف ہے، اس لیے اگر فریق ثانی کی رضا و رغبت سے مصالحت ایک دفعہ ثابت ہو جائے تو باقاعدہ ماننے کے بعد نہ خود فریق ثانی اور نہ اس کے ورثاء اس سے انکار کر سکتے ہیں لیکن ایسی مصالحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ فریق ثانی جس جائیداد پر مصالحت کر رہا ہو وہ اس کی ملکیت میں ہو ورنہ اگر اس نے واقعی یہ جائیداد اپنے بیٹوں میں باقاعدہ تقسیم کر کے قبضہ دے کر سبہ کیا ہو تو پھر قبضہ سے سبہ تمام ہو کر فریق ثانی کی ملکیت باقی نہیں رہتی اس لیے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی تنازعہ جائیداد پر مصالحت نہیں کر سکتا اور نہ کسی دوسرے کو اس کی جائیداد دے سکتا ہے اگرچہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة الكاساني: ومنها ان يكون مملوكاً للمصالح حتى انه اذا صالح على ما يتم استحق من المدعى لم يصح الصلح لانه يتبين انه ليس مملوكاً للمصالح فتبين ان الصلح لم يصح - رد ائع الصنائع ج ۶ ص ۲۸ کتاب الصلح، فصل في ما شرائط التي المصالح عليه۔

تاہم مصالحت کرتے وقت مذکورہ جائیداد کا فریق ثانی کی ملکیت کے ثبوت کے لیے باقاعدہ

گواہوں کی گواہی ضروری ہے ورنہ فریقِ ثانی کو اس پر قسم دی جائے گی۔ اگر فریقِ اول کی ملکیت پر گواہ پیش ہو جائیں تو پھر مصالحت قائم رہے گی جس کی پابندی دونوں کے لیے ضروری ہوگی ورنہ پھر فریقِ اول کے مطالبہ پر فریقِ ثانی کو ملکیت سے انکار کرنے پر قسم دی جائے گی اگر فریقِ ثانی قسم کھلے تو مصالحت کا دعویٰ کالعدم رہے گا اور اصل فیصلہ فریقین کے قدیم دعویٰ پر ہوگا جس میں مدعی کے لیے گواہ اور گواہ بیسرنہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔

### عقدِ بیع میں اختلاف کے متعلق فیصلہ | سوال :- بیانات فریقین

فریقِ اول میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے فلاں محدودہ ۱۳ اجریب زمین فریقِ ثانی سے مبلغ ساٹھ ہزار روپے کے عوض خریدی، بیع کے وقت دو ہزار روپے میں نے ادا کیے باقی رقم دو قسطوں میں ادا کرنی تھی، ایک قسط مبلغ تیس ہزار روپے میں نے ادا کر دیے اور باقی رقم بھی ادا کرنا چاہتا ہوں لہذا مجھ سے رقم لے کر میری خریدی ہوئی زمین مجھے دی جائے۔

فریقِ ثانی :- میں اقرار کرتا ہوں کہ مذکورہ قطعہ اراضی جو کہ میرے اور میرے بھائی کے درمیان مشترک ہے اپنے بھائی کی اجازت سے فریقِ اول پر فروخت کی ہے لیکن فروخت کرتے وقت میں نے یہ شرط لگاٹی تھی کہ اگر فلاں قطعہ اراضی جو کہ ایک دوسرے شخص کی ملکیت میں ہے مجھ پر فروخت کرے تو میں بھی یہ زمین فروخت کروں گا، اب چونکہ اس شخص نے مجھ پر اپنی زمین فروخت نہیں کی لہذا میں بھی فروخت نہیں کرتا۔

الجواب :- دعویٰ متعلقہ ۱۳ اجریب قطعہ اراضی۔ مدعی مشتری فریقِ اول (مدعی علیہ بائع فریقِ ثانی) فریقین کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق اگر مدعی علیہ کا بھائی کے حصر میں وکیل بالبیع ہوتا میرا مسلم

لہ قال العلامة ابن عابدین: فالحاصل ان المدار علی انتفاء الشبهة ظاهراً او علیہ فما یوجد فی دفاتر التجار فی زماننا اذ اذ مات احدہم وقد حرر بخطہ ما علیہ فی دفترہ الذی یقرب من الیقین انہ لا یکتب علیہ سبیل التجربۃ والہزل یعمل بہ۔ (تنقیح الفاوی الحامدیۃ ج ۲ ص ۲۱ کتاب الدعوی) ومثله فی تقریرات الرافعی ج ۲ ص ۹۲ کتاب الدعوی۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز: یشترط ان یکون المصالح علیہ مال المصالح ومملکہ فلو اعطی المصالح مال غیرہ لیکون بدلاً للمصالح فلا یصح صلحہ (شرح مجلۃ الاحکام، المادۃ ۱۵۲۵ ص ۸۳۲ ابنا ثانی) ومثله فی الہدایۃ ج ۳ ص ۲۲۴ کتاب الصلح۔



ہو تو تمام قطعہ اراضی کی بیع درست ہے اور اگر یہ ولایت ثابت نہ ہو تو پھر بائع کا اپنے حصے میں بیع درست ہو کر بچائی کے حصے کی بیع بیع فضولی کے حکم میں ہو کر اس کی اجازت پر موقوف ہے، اگر مذکورہ شرط موجود ہو تو تمام زمین کی بیع درست ہو کر بائع بیع توڑنے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ بیع میں مذکورہ شرط نہ تو مقتضیات عقد اور نہ مدعات عقد میں سے ہے کہ جس کا ایفاء ضروری ہے اور نہ اس میں بائع مشتری، بیعہ کو فائدہ ہے کہ جس کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے۔

قال العلامة ابن عابدین: المراد بالنفع ما بشرط من احد العاقدین علی الآخر فلو علی اجنبی لا یفسد ویبطل الشرط لما فی النفع عن الوجیه بعقل الدار یالف علی یقرضنی فلان الاجنبی عشرۃ دراهم فقبل المشتري لا یفسد البیع لانه لا یلزم الا اجنبی ولا خیيار للبائع۔

رد المحتار ج ۵ ص ۸۵ باب البیع الفاسد، مطلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر الخ

تشفہ کے دعویٰ میں راستہ کا شریک پڑوسی پر مقدم ہے | فریق اول۔ فریق ثانی۔ فریق ثالث۔ تنازعہ: ایک عورت کی طرف سے

فریق اول پر فروخت شدہ مکان محدود بحد و دار بعم غریبا جایداد والدہ فریق اول، شرقا راہ خاص فریق اول و ثالث وغیرہ شمالاً مکان فریق ثالث و جنوباً جایداد والد فریق اول واقع ہے۔

حقی تحکیم: مندرجہ بالا فریقین اپنے علاقہ کے معززین کی نگرانی میں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوئے، مذکورہ جملہ فریقین تنازعہ کے تصفیہ کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلے کے لیے تسلیم خم کر کے تیار ہوئے اور تحریری طور پر حلفیہ بیان دے کر قرآن و حدیث کی روشنی میں فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہوئے۔

تنقیحات: جملہ فریقین سے فرداً فرداً بحضور فریق آخر بیان لیا گیا اور تحریر میں لاکر ہر ایک سے دستخط لیے گئے، فریقین کے بیانات کی روشنی میں جو تنقیحات سامنے آئیں

۱۔ قال العلامة ابن نجیم: وفي المنتقى قال محمد بن شيبان يشرطه المشتري على البائع يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبی فهو باطل رای فالشرط باطل كما اذا اشترى دابة على ان يهبه فلان الاجنبی كذا فهو باطل كما اذا شرطه على البائع ان يهبه وكل شيء يشرطه على البائع لا يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبی فهو جائز وهو بالخيار۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۸۶ باب بیع الفاسد) ومثله في شرح المجلة للعلامة سليم رستم بازاللبنا في رمت الماحة ۱۸۹ ص ۸۹۔



وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) فریقِ اول جس نے یہ مکان خریدا ہے وہ خریدے ہوئے مکان کے راستے میں شریک ہے جبکہ فریقِ ہذا اور ثانیان کے بیان کے مطابق راہِ عام سے جو خاص راستہ جدا ہو کر آگے آتا ہے تو فریقِ ثالث وغیرہ کے مکان سے گزرتنا زعمِ فروخت شدہ مکان اور فریقِ اول کے گھر کی طرف جاتا ہے جس میں فریقِ ثالث بھی آمدورفت رکھتا ہے لیکن ثانیان کے بیان کے مطابق یہ صرف تین اشخاص کا مخصوص راستہ ہے، بایں معنی یہ کسی عام شخص کو اس راستے پر آمدورفت کا حق حاصل نہیں گویا یہ ایک خاص راستہ ہے۔

(۲) فریقِ ثانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکان ٹھکانے میں کسی قسم کی شرکت کا دعویٰ نہیں رکھتا اور نہ اس مکان کا پڑوسی ہے بلکہ محض اس وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ مکان ٹھکانے میرے بھائی کی ملکیت تھا جس کا میں وارث ہوں، یہ مکان میرے بھائی کو باپ دادا سے وراثت میں ملا تھا جو کہ فروخت ہوتے وقت صرف اور صرف میرا حق ہے اس لیے میری اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مکان لینے کا حق حاصل نہیں۔

(۳) فریقِ ثالث کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکان مذکورہ میں شفعہ کا دعویٰ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے کرتا ہے جس کے لیے طلبِ موثبت اور طلبِ اشہاد کے جملہ مراحل کی تکمیل کا دعویٰ دار ہے اگرچہ فریقِ اول موصوف کے مکان اور متنازعہ مکان کے درمیان مسجد کیلئے باقاعدہ وقف راستہ بیان کر کے ہمسایہ ہونے سے انکار کرتا ہے لیکن فریقِ ثالث اس پر قائم ہے کہ میں نے اس راستے پر گزرنے کی ان لوگوں کو عارضی اجازت دی تھی لیکن جب انہوں نے مجھ سے باقاعدہ وقف کا مطالبہ کیا اور میں نے انکار کیا تو اس کے بعد اس راستے کو فریقِ اول یا کسی دوسرے نے استعمال نہیں کیا چنانچہ موصوف اس راستے کے نہ ہونے پر مصر ہے اور یوں اپنا موقف مضبوط کر رہا ہے کہ فروخت شدہ مکان سے میرے گھر کی دیوار متصل ہے جس سے مجھے ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے زیادہ حق حاصل ہے۔

**حقیقتِ حال :-** مذکورہ تین حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فروخت شدہ مکان جس کے جنوب میں فریقِ ثالث کا مکان واقع ہے، اس کے بیان کے مطابق وہ جارِ ملاحق یعنی جڑ اور ملاہوا پڑوسی ہے جبکہ فریقِ اول متنازعہ مکان کے راستے میں شریک ہے بایں معنی کہ یہ راستہ عام نہیں بلکہ خاص راستہ ہے جس میں صرف اس گلی میں رہنے والے شرکاء کو آمدورفت کا حق حاصل ہے

کوئی عام شخص اس راستہ کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنے کا مجاز نہیں۔  
**فقہی نظائر:** حدیث کی رو سے جہاں کسی کو شفعہ کا حق دیا گیا ہے تو اس میں راستے کی شرکت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کہ راستہ میں شریک کو دوسرے پڑوسی پر سبقت حاصل ہوگی ایسے کہ وہ بیعہ کے حقوق میں شریک ہے لہذا جب تک شریک فی حقوق المبیعہ و عویدار ہو تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں دیا جاتا۔

کما فی الحدیث: عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعته ینتظر لها وان کان غائباً اذا کان طریقہما واحداً۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۷ باب الشفعة)  
 خاص کر وہ راستہ جو خاص افراد کے لیے مخصوص ہو جس راستہ پر گلی میں رہنے والوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے عام اشخاص کو آمد و رفت کا حق حاصل نہ ہو تو وہ خاص راستہ کہلاتا ہے۔

لما قال العلامة سلیم رستم باذ: الطريق الخاص هو النطاق الذي لا ينفذ اى كمانه لوفتح اصحاب الطريق الخاص منفذاً أو صلوةً بالطريق العام كان لهم ان يمنع غيرهم من المرور فيه۔ (شرح المجلة مادة ۹۰۶ ص ۵۳۷ کتاب الشفعة)

اس حالت میں جو لوگ گلی کے شروع میں رہتے ہوں ان کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے جبکہ گلی کے آخر میں رہائش رکھنے والے کو پوری گلی میں آمد و رفت کا حق حاصل ہوتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: فان كانت سكة غير نافذة ينشعب فيها سكة غير نافذة وهي مستطيلة فبعيت داراً في السفلى فلاهلها الشفعة خاصة دون اهل العليا۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الشفعة)

پڑوسی بلا شک و شبہ شفعہ کا حق دار ہے، لیکن یہ تب ہے کہ اس میں حق رکھنے والا شریک فی حقوق المبیعہ نہ ہو جیسا کہ شریک فی نفس المبیعہ کو شریک فی حقوق المبیعہ پر سبقت حاصل ہے۔  
 لما قال العلامة سلیم رستم باذ: حق الشفعة اولاً للمشارك في نفس المبيع ثانياً للخليط في حق المبيع ثالثاً للجار الملاصق وما دام الاول طالباً ليس للاخرين حق الشفعة وما دام الثاني طالباً ليس للثالث حق الشفعة۔ (مجلة الاحكام۔ المادة ۱۰۵ ص ۵۶۷ کتاب الشفعة)

**شرعی فیصلہ:** ان تنقیحات، حقیقت حال اور فقہی نظائر کی روشنی میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فریق اول جس نے یہ مکان باقاعدہ بیع قطعی سے خریدی ہے یہ سکتے غیر نافذہ یعنی خاص راستہ میں اس گھر کی شرکت کا حق رکھتا ہے اور فریق ثالث نے اگرچہ اپنا پڑوس ثابت کرنے میں



کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن پڑوسی ثابت ہونے کے باوجود خاص راستہ میں شرکاء کا حق اس سے زیادہ ہے جبکہ فریقِ ثانی کا محض بھائی ہونے کے ناطہ سے شفعہ کا دعویٰ بے بنیاد ہے اس کا کوئی حق نہیں اس لیے فریقِ اول کے معاملہ خرید کو درست تسلیم کر کے مکان اس کے قبضہ میں رکھا جائے یہی فریقِ اول اس کا زیادہ حقدار ہے۔

قریقین میں سے ہر ایک کا زمین پر ملکیت اور قبضہ کے دعویٰ کا جائزہ | دعویٰ بابت اراضی

بیان فریقِ اول: میرے والد نے یہ زمین فریقِ ثانی کے والد سے خریدی ہے اس لیے یہ میری ملکیت ہے اور فی الحال میں نے فریقِ ثانی کو اجارہ پردی ہے جبکہ اس کا قبضہ میرے پاس ہے۔

بیان فریقِ ثانی: میرے والد نے یہ زمین فریقِ اول کے والد پر فروخت نہیں کی پہلے ہی سے اس پر میری ملکیت چلی آ رہی ہے اور زمین میرے قبضہ میں ہے، یہاں تک کہ ہائی کورٹ نے بھی میری ملکیت تسلیم کی ہے۔

تنقیحات: دونوں فریق مذکورہ زمین پر ملکیت اور قبضہ کا دعویٰ کرتے ہیں، فریقِ اول تو اس وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے والد نے یہ زمین فریقِ ثانی کے والد سے خریدی ہے اور فی الحال محض اجارہ پردی ہے۔ فریقِ ثانی اس وجہ سے زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ زمین اس کو اپنے والد سے وراثت میں ملی ہے اور وہ فریقِ اول پر فروخت کرنے سے انکار کرتا ہے، مزید برآں اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی پیش کرتا ہے۔

طریقِ فیصلہ: اگر واقعی ہائی کورٹ نے فریقِ ثانی کی ملکیت تسلیم کی ہو تو اس فیصلے پر

۱۔ قال العلامة المرغینانی: فالطریق الخاص ان لا یكون نافذاً۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۸۸ کتاب الشفعة)  
 ۲۔ قال العلامة ابن نجیم: ولذا الوبیعت دار فی القصوی لم یکن لاهل الاولی شفعة بخلاف اهل القصوی۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۰ باب التحکیم)

۳۔ قال العلامة المرغینانی: الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع كالشرب والطریق ثم للجار۔ (الهدایة ج ۳ ص ۳۸۴ کتاب الشفعة علی الصفة الاولى من المجلد الرابع)



عقد آدکيا جائے گا اس لیے اگر قبضہ فریق ثانی کے پاس نہ ہو تو حق قبضہ بھی اس کو دیا جائے گا اور اگر ہائی کورٹ نے فریق ثانی کی ملکیت تسلیم نہ کی ہو تو اگر فریق اول کے پاس گواہ موجود ہوں تو اس کے مطابق فیصلہ فریق اول کے حق میں کیا جائے گا اور اگر فریق اول گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو فریق ثانی چونکہ والد کے شرا سے انکار کرتا ہے اس لیے فریق ثانی کو اس کے علم پر قسم دی جائے گی کہ اُسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے والد نے یہ زمین فروخت کی ہے یا نہیں، اگر اس نے قسم اٹھالی تو زمین پر اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور قبضہ بھی اس کو دیا جائے گا اور اگر اس نے قسم اٹھانے سے انکار کیا تو فیصلہ فریق اول کے حق میں کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشي: والتحليف على فعل غيره يكتو على العلم اي انه لا يعلم  
كذلك لعدم علمه بما فعل غيره - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۱۲ کتاب الدعوی) لہ

**دعویٰ بابت اراضی**  
فریقین میں سے ہر ایک کا دوسرے کی مقبوضہ جا ئیداد میں ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ

**بیان مدعی:** میں دعویٰ کرتا ہوں کہ مذکورہ اراضی محدود و بحد و داربعہ جو کہ شرفا زرد مٹھی تک، غریبا سبز درخت تک، جنوباً زیتون کے درخت تک اور شمالاً ندی سے نیچے تک ہے یہ میری ملکیت ہے جس نے اس پر قبضہ کیا ہے یہ ظالمانہ قبضہ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ چار اشخاص نے میری زمین کی تحدید کے وقت اس پر قسم کھائی ہے اور خود مجھ سے بھی اس پر قسم لی گئی ہے۔

**بیان مدعی علیہ:** میں کہتا ہوں کہ مدعی دعویٰ کا کوئی حق نہیں رکھتا بلکہ اس نے میری زمین کو ظالمانہ طور پر قبضہ میں رکھا ہوا ہے جو مشترکہ پہاڑی تک میرا حق ہے اور میری طرف سے اس پر چار اشخاص نے قسم بھی کھائی ہے اور مجھ سے بھی اس پر قسم لی گئی ہے۔

**فریق اول:** مدعی۔ **فریق ثانی:** مدعی علیہ۔

لہ قال العلامة قاضی سماوی: لو وقع الدعوی علی فعل الغیر من کل وجه یحلف علی العلم  
حتی لو ادعی علی وارث ان ابانک انلفه او سرقة او غصبه متی یحلف علی العلم هذا مذہبتنا۔

(جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴۰ الفصل الخامس عشر فی التحلیف وما یتعلق بہ)

و منلہ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الحدود۔

**حق تحکیم** : مندرجہ بالا فریقین نے علاقہ کے معززین کی سرپرستی میں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہو کر اپنے فیصلے کے لیے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دینے کی درخواست کی اور اپنے تنازعہ کے تصفیہ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کے لیے تیار ہو کر سر تسلیم خم کر کے علماء کی کمیٹی کو موقع دکھانے کی خاطر اپنے علاقہ میں لے گئے، علماء کی کمیٹی نے موقع پر جا کر ممتاز اراضی کا معائنہ کیا، چونکہ فریقین نے پہلے ہی سے ایک ثالث کو اپنے بیانات قلم بند کرائے تھے اس لیے اپنے سابقہ بیانات پر اکتفا کرتے ہوئے مزید نئے بیانات دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کمیٹی نے فریقین سے بیانات کے متعلق کچھ اہم سوالات پوچھے تاکہ فریقین کی طرف سے بیانات سمجھنے میں مدد و معاون ہو سکے۔

**تنقیحات** :- دونوں فریقوں کے بیانات سے چند امور معلوم ہوئے :-

(۱) فریق اول نے اپنے بیان کی رو سے جس محدود زمین کا دعویٰ کیا ہے اس میں کچھ زمین ایسی ہے جس پر فریق مخالف کا قبضہ ہے۔

(۲) فریق ثانی کے بیان کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف یہ نہیں کہ مدعی کے دعویٰ کا رد کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایسی زمین کا دعویٰ بھی کیا ہے جس پر فریق اول یعنی مدعی قابض ہے، گویا اندریں صورت دونوں فریق ایک دوسرے کے دعوؤں کے رد کے علاوہ کچھ زائد ایسی زمین کا دعویٰ کر رہے ہیں جس پر دوسرا فریق قابض ہے، اگرچہ موقع دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ فریقین کے دعاوی میں وسعت سے کام لیا گیا ہے۔

**حقیقت حال** :- دونوں فریق ایک دوسرے کے قبضہ کو غاصبانہ اور ظالمانہ جیسے

الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ فریقین کے درمیان نسبتی قرابت بھی قائم ہے، چونکہ فریقین قریبی نسل میں ایک جہد پر ملتے ہیں، قرب و جوار کے حالات، موقع دیکھنے اور دوسرے قرآن پر نظر ڈالتے ہوئے یہ حالات سامنے آتے ہیں کہ فریقین کے درمیان یہ تنازعہ کسی خانگی دشمنی کا نتیجہ ہے ورنہ دونوں فریق کچھ عرصہ قبل تک ایک دوسرے کے ساتھ امن و امان کے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ دونوں فریقوں کے مردے بھی ایک ہی قبرستان میں دفن ہوتے تھے، غم اور خوشی میں ایک دوسرے سے باہمی مشارکت قائم تھی، فریقین کے دعوؤں کو دیکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے ارث کا دعویٰ کر رہا ہے، گویا ہر ایک فریق اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ یہ زمین مجھے میرے باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے اور دوسرے



فریق کا اس میں کوئی حق نہیں۔

**فقہی نقطہ نگاہ سے اختلاف کا جائزہ:** از روئے شرع ایسی حالت میں جہاں دو فریق کسی جائیداد پر قابض ہو کر ایسی جائیداد پر وراثت کی وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرے کہ وہ مخالف فریق کی ملکیت میں ہو تو اس دعویٰ کو دعویٰ رجلیں سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسی حالت میں طرفین سے گواہ طلب کیے جاتے ہیں لیکن مذکورہ تنازعہ میں بظاہر گواہوں کص گواہی مشکل ہے کیونکہ احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ کی تمام قوم قولاً یا فعلاً دونوں فریقوں کی طرفداری میں بھٹک گئی ہے، یہاں تک کہ قرب و جوار میں رہنے والے اور حالات سے واقف لوگ حقیقتِ حال کے اظہار سے چشم پوشی پر مجبور ہیں اور جو قوم ثالث کی حیثیت سے کردار ادا کر رہی ہے اس کو صحیح حالات کا علم نہیں، علاوہ ازیں اس علاقہ میں کوئی غیر قوم جو کہ دعویٰ میں شریک نہ ہو کسی دوسری قوم کے لیے گواہی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی کیونکہ اس سے آپس میں دشمنی کی بنیاد پڑتی ہے، خاص کر جب گواہی میں قسم کھا کر بیان دینا ہو تو اس کے لیے عام لوگوں میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا جبکہ قسم کھا کر بیان دینے کا دوسرا نام گواہی ہے، اس لیے جب گواہ میسر نہ ہو تو پھر دوسرے کے دعویٰ کو دفع کرنے کے لیے مدعی کے مطالبہ پر مدعی علیہ کو قسم دی جاتی ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی، وان عجز عن ذلك وطلب يمين خصمه استعلف عليها  
لما روينا ولا بد من طلبه لان اليمين حقه انه كيف اضيف اليه بحرف اللام فلا بد من  
طلبه - (الهداية ج ۳ ص ۲۰۲ کتاب الدعوى)

اور خاص کر ایسی صورت میں جب دونوں قابض بھی ہوں اور ایک دوسرے کی مقبوضہ جائیداد کا دعویٰ کر رہے ہوں تو ایسی حالت میں ہر ایک قسم کھانے کے بعد دوسرے کو اپنے اپنے حصہ پر بحال رکھا جاتا ہے۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: ادعيا ملكاً ارثاً من ابئهما والعين في ايدهما وفيه  
ايضاً ان لم يورثا يقضى بينهما او ارثا تاريخاً وا حداً يقضى بينهما -

(شرح مجلة الاحكام - المادة ۶۱، ص ۱۱۲۵ الفصل الثاني)

**آخری فیصلہ:** ان حالات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ دونوں فریقوں کی قوموں سے پانچ پانچ افراد منتخب کیے جائیں اور طرفین سے منتخب شدہ افراد دوسرے فریق



کے حق نہ ہونے پر قسم اٹھائیں اور جو جا بیدار دونوں قوموں کے قبضہ سے باہر ہو تو قسم اٹھانے کے بعد وہ فریقین کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کی جائے گی اور جو نقصانات ہوئے ہوں اس کا جبیرہ کیا جائے گا۔

**قدیم راستہ میں تنازعہ کے متعلق فیصلہ** | سوال: (بیان فریقے اول) ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پڑوسی کے مشرقی جانب اخیر

میں ہمارے کھیتوں اور مکانات کا ایک قدیم راستہ تھا جس پر لوگوں کی آمد و رفت ہوتی تھی، اس کے مغربی جانب ایک بڑی ندی بھی تھی اور اس راستے کے کنارے درختوں کا ایک بھاڑ بھی تھا جو کہ اب بھی موجود ہے۔ یہ راستہ ندی کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی زمین سے گذر کر جنوب کی طرف ایک بڑے کنوئیں سے گذرتا تھا، کچھ عرصہ سے لوگوں کی اس راستہ پر آمد و رفت کم ہونے کی وجہ سے پڑوسی نے رفتہ رفتہ اس راستہ کو ختم کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ راستہ بالکل بند ہو گیا، اس پر ہم نے راستے پر آمد و رفت اور اس کی وسعت کا مطالبہ کیا لیکن پڑوسی نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے ہمیں اپنے قدیم راستے پر گذرنے اور اس کو وسیع کرنے کا حق دیا جائے۔

(بیان فریقے ثانی) میری زمین میں کوئی قدیم راستہ نہیں البتہ کچھ عرصہ قبل میری زمین میں ایک راستہ تھا اور اس پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن میں نے بطور احسان ان کو یہاں سے گذرنے کی اجازت دی تھی، کیونکہ زمین خریدتے وقت مجھے نہ تو یہاں قدیم راستے کی نشاندہی کی گئی اور نہ اس میں کسی قدیم راستے کے نشانات موجود تھے، لہذا میری زمین میں قدیم راستے کا دعویٰ بے جا ہے، اس لیے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زمین میں لوگوں کو

لے قال العلامة سلیم رستم باذ: فاذا ظهر المدعی العجز عن اثبات دعواه حلف المدعی علیہ بطلبہ۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادة ۱۰۹۳/۱۰۴۲ الفصل الثالث فی التحلیف) فی الہندیۃ: دائرۃ فی یدی رجل ادعا ہا رجلان کل واحد منہما یدعی انہما دارۃ ورثہا عن ابیہ فلان واقام علی ذلک بیئۃ فان لم یؤرخا وارخا وتاریخہما علی السواء یقضی بداربینہما۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۱۰۹۳، الفصل الثانی فی دعوی الملک فی الاعیان)۔

گزرنے سے روک لوں۔

الجواب :- مندرجہ بالا فریقین کے بیانات موقع اور معززین قوم کی شہادت کے روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فریق اول جس راستے کا دعویٰ کرتا ہے، وہ راستہ چند مہینوں اور سالوں کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ قدیم مدت سے قائم ہے، بلکہ بعض معمر افراد کے بیانات کے مطابق پچاس ساٹھ سال یہ لوگ اس راستے کو استعمال کرتے رہے بلکہ فریق اول جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہے اس پر درختوں کی بھاڑ بھی قائم ہے خاص کر ندی سے گزر کر قدیم راستے کی نشاندہی جس مقام سے ہو رہی ہے وہاں درخت کھڑے ہیں اور اس سے آگے گزر کر جس کنوئیں کے قرب و جوار سے راستہ گزرنے کا کہا جا رہا ہے وہاں پر بھی موجود وقت میں کسی قدیم راستے کی نشاندہی نہیں ہوتی، اس کے مقابلے میں مطلوبہ راستہ پر آمد و رفت کا اقرار خود فریق ثانی کچھ مدت سے کر رہا ہے، اگرچہ یہ لوگ (فریق ثانی) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس زمین کے خریدنے کے وقت ہمیں کسی قسم کے راستے کی نشاندہی نہیں کی گئی، لیکن از روئے شرع جو راستہ پہلے سے قائم ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے گا اور اس راستے سے منع کرنے کا حق فریق ثانی کو حاصل نہیں جبکہ ابھی تک یہ راستہ آمد و رفت کے لیے استعمال ہو رہا ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر تھپوڑ کر آئندہ کیلئے بھی آمد و رفت کیلئے استعمال کیا جائے گا۔

قال العلامة سليم رستم باذ: اذا كان لرجل نهر في ارض رجل او ميزاب في دار رجل فاختلفا في ذلك وانكر صاحب الارض والدار ثبوت حقه فالقول قوله وعلى المدعى البيئته ان له حق السبيل الاجراء الماء فيه الا اذا كان الماء جاريا زمان الخصومة فحينئذ القول قول صاحب الماء. (شرح المجلة، المادة ۱۷۷۷ من كتاب الدعوى - الفصل الثالث) له تاہم موجودہ راستہ سے مغربی جانب فریق ثانی کی زمین کی طرف تصرف نہیں کیا جائے گا اگر راستہ میں وسعت کی ضرورت پڑے تو مشرقی جانب ندی کو استعمال میں لایا جائے گا۔

لہ قال العلامة برهان الدين المرغيناني: اذا كان نهر لرجل يجري في ارض غيره فالدار صاحب الارض ان لا يجري النهر في ارضه ترك على حاله لانه مستعمل له باجراء مائه فعند الاختلاف يكون القول قوله. (الهداية ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب احياء الموات - فصل في الدعوى والاختلاف) ومثله في الهندية ج ۵ ص ۲۰۲ الباب الرابع في الدعوى في الشرب۔



گواہوں پر جرح کے متعلق قاضی کے فیصلے کا جائزہ | سوال: (بیانے مدعیے)

شخص نے میرے گھاس کے ڈھیر میں عمد زہریلی دوائی ڈالی جس سے میری ایک بھینس، ایک گائے اور ایک بچھڑا ہلاک ہو گئے، اور اس شخص نے لوگوں کے سامنے اقرار بھی کیا ہے کہ میں نے مدعی کے گھاس کے ڈھیر میں زہریلی دوائی ڈالی ہے

بیانے مدعیے علیہ میں نے مدعی کے گھاس میں نہ زہریلی دوائی ڈالی ہے اور نہ لوگوں کے سامنے اقرار کیا ہے۔

**فیصلہ قاضی:** مدعی نے اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کئے اور انہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے مدعی علیہ نے اقرار کیا ہے کہ میں نے مدعی کے گھاس کے ڈھیر میں زہریلی دوائی ڈالی ہے اور مدعی کے مویشی میں نے ہلاک کئے ہیں۔ اس کے بعد مدعی علیہ نے چار گواہ پیش کیے لیکن قاضی صاحب نے یہ کہا کہ جرح کے گواہ شریعت میں منع ہیں، اس لیے فیصلہ مدعی کے گواہوں پر ہوا۔ تو کیا قاضی صاحب کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** قضاء کا معاملہ چونکہ حساس نوعیت کا حامل ہے اس لیے قاضی کو پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ہر مسئلے کو حل کرنا چاہیے، چنانچہ ہر فیصلہ کی حقیقت حال تک پہنچنے کے لیے شریعت نے زرین اصول مرتب کیے ہیں تاکہ اس بارے میں ہر کسی کی تسلی ہو جائے اور کوئی بھی فریق عدم اطمینان کا شکار نہ ہونے پائے۔ چونکہ فریقین کے درمیان کسی تنازعہ کے فیصلہ میں مدعی کے گواہوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لیے اس کے گواہوں کا شریعت مطہرہ کی بیان کردہ صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ لہذا مذکورہ بالا صورت میں اگر قاضی کے ہاں مدعی کے گواہوں کی تعدیل ثابت ہو چکی ہو اور وہ پُر اعتماد ہوں تو ان گواہوں پر مدعی علیہ کو جرح وغیرہ کا حق نہیں ہے بلکہ قاضی ان گواہوں کی گواہی کے موافق فیصلہ کرے گا، اور اگر پہلے سے مدعی کے گواہوں کی تعدیل ثابت نہ ہوئی ہو تو پھر مدعی علیہ کو گواہوں پر جرح کا حق حاصل ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحسکفی رحمہ اللہ: لا تقبل الشہادة علی جرح مجرد من اثبات صحیحی للہ تعالیٰ اوللعبد بعد التعدیل ولوقبلہ قبلت ای الشہادة



بل الانخبار ولو من واحد علی الجرح المجرد - الدر المختار علی ہاشم رد المحتاج ۴۲۸ کتاب الشہادات ،  
باب القبول وعدمہم لہ

**سوال** نوے سال سے قابض زمین پر ملکیت کے دعویٰ کے متعلق فیصلہ | دعویٰ بابت اراضی

**بیان فریق اول :-** میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ فریق ثانی نے ساٹھ ستر سال سے ہماری  
پدری جائیداد کے ایک قطعہ اراضی پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے اور اس قطعہ اراضی کا کچھ حصہ  
کسی اور شخص پر فروخت کر دیا ہے، لہذا فروخت شدہ قطعہ اراضی اور فریق ثانی کے زیر تصرف  
زمین میری ہے۔

**بیان فریق ثانی :-** یہ قطعہ اراضی ہمارے دادا نے فریق اول کے دادا سے خرید لیا تھا جو کہ  
نوے سال سے ہمارے قبضہ میں ہے اور اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، چالیس سال قبل  
اس سے کچھ حصہ ہم نے ایک شخص پر فروخت کیا اور بیع پر خبردار ہونے کے باوجود مدعی نے  
کوئی دعویٰ نہیں کیا۔

ان بیانات کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟

**الجواب :-** شرعی اصول کے تحت اولاً یہ معلوم کیا جانا چاہیے کہ فریق اول نے دعویٰ  
کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کی ہے؟ اگر اس نے دیدہ دانستہ بلا عذر دعویٰ میں اتنی تاخیر کی ہو  
تو اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے، اور اگر اس نے لاعلمی، خوف یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ  
سے تاخیر کی ہو تو پھر اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ چونکہ فریق ثانی بیع قطعی کا دعویٰ کرتا ہے اسلئے  
اس پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے سو سالہ دو معتد گواہ پیش کرے، اگر  
فریق ثانی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو پھر فریق اول کو اس علم پر قسم دی جائے گی کہ  
کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے دادا نے فریق ثانی کے دادا پر زمین فروخت کی تھی؟ اگر

لہ قال العلامة ابن نجيم المصر رحمه الله: لا تقبل الشهادة على الجرح المجرد اذا  
اقام البينة على العدالة اما اذا الم يقم للبينة عليها فاخبر مخبران الشهود فساق  
او اكلوا الربوا فان الحكم لا يجوز قبل ثبوت العدالة لاسيما اذا اخبر مخبران الشهود  
فساق - (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۰۷ كتاب الشهادة)

و مثله في شرح المجلة للعلامة سليم رستم باز، المادة ۱۰۲۳ ص ۱۰۷ الفصل السادس۔

فریق اول قسم اٹھائے تو اس کی قسم پر فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو پھر فیصلہ فریق ثانی کے حق میں کیا جائے گا۔

قال العلامة محمود بن اسماعیل الشهير بقاضی سماوہ: ولو وقع الدعوی علی فعل الغیر من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان اباک اتلفه او سرقه او غصبه منی یحلف علی العلم هذا مذہبنا۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۸۱ الفصل الخامس عشر فی التعلیف و متعلقہ) لہ

آباؤ اجداد کی شرکت کی وجہ سے وراثت کا شریک کی جائیداد میں کچھ حصہ پر ملکیت کے دعویٰ کا جائزہ

فریق اول — فریق ثانی  
حق تحکیم: فریقین بالانہ  
برضا و رغبت اپنے تنازعہ متعلقہ

قطعہ اراضی تقریباً ایک سو پچاس جریب مع سرکاری کاغذات شرعی فیصلہ کرانے کیلئے دارالعلوم حقانہ کے دارالافتاء میں پیش ہوئے، ایک معزز شخص کے توسط سے فریقین کو فیصلہ کا پابند رکھنے کے لیے ہر ایک فریق سے تین تین سو روپے بطور ضمانت لئے گئے جو اس معزز شخص کے پاس بطور امانت رکھے گئے اور فیصلہ پر عمل درآمد یقینی ہونے پر طے شدہ تاریخ کے مطابق واپس کر دیئے جائیں گے۔

تنقیحات: فریقین کے بیانات سنتے کے بعد مندرجہ ذیل امور سامنے آئے۔

(۱) فریق ثانی زیر تنازعہ قطعہ اراضی کا قبض ہو کر فریق اول اس میں ۴ حصہ کی ملکیت کا دعویٰ ہے اور بیان کرتا ہے کہ مدعی علیہ کے آباؤ اجداد سے ہمارے آباؤ اجداد کا مشترکہ کاروبار تھا اور تنازعہ جائیداد مشترکہ کھاتہ سے خریدی گئی ہے جس میں ہمارے باپ مدعی علیہم کے باپ وغیرہ سے ۴ حصہ کا مقدار ہے۔

(۲) فریق اول اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ایک تحریر پیش کر رہا ہے جو مدعی علیہم کے باپ کے نام منسوب ہے جس کے مطابق وہ تسلیم کرتا ہے کہ مدعی کا باپ ہمارے ساتھ اس خریدی ہوئی جائیداد میں برابر کا حصہ دار ہے، اگرچہ سرکاری کاغذات میں نام کا اندراج رہ گیا ہے لیکن وقت مقررہ پر اس کا

لہ قال العلامة تمر تاشی: والتعلیف علی فعل غیرہ یکو علی العلم ای انه لا یعلم کذا لک لعدم

علمہ بما فعل غیرہ۔ (تنویر البصائر علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الدعوی)

و مثله فی فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۲ کتاب الحدود۔



نام درج کیا جائے گا تاہم تحریر پر موقعہ کی تاریخ ڈالی گئی ہے البتہ بعد میں ۱۹۷۷ء کا سال لکھا ہوا نظر آ رہا ہے جبکہ توثیق ۱۹۸۷ء میں کی گئی ہے۔

(۳) فریق اول علاوہ ازیں حاصلات کی وصولی کا بحیثیت مالک ہونے اور اس کی حصہ داری کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہم نے مدت دراز تک اس کے حاصلات لیے ہیں جبکہ فریق ثانی محض تبرع و احسان اور خریداری کے وقت ایک معاہدہ کے تحت کچھ وقت تک اس کی ادائیگی کے قائل ہیں لیکن مدعی علیہم کے باپ کی موت سے یہ مراعات بھی ختم ہو گئیں، یعنی فریق ثانی کا بیان ہے کہ یہ مراعات ان کو اس معاہدہ کے تحت دی گئی تھیں کہ خریدنے کے بعد زمین کے قبضہ کی وصولی تک وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے کیونکہ فریق اول کے باپ کے پاس یہ جائیداد اس وقت رہن تھی۔

فیصلہ: از روئے شرع فریق اول مدعی ہے اس لیے دعویٰ کے اثبات کے لیے اس سے گواہ مانگے گئے لیکن وہ اپنے دعویٰ ملکیت کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنے سے قاصر رہا کیونکہ تحریری بیان پر جن گواہوں کے نام ثبت ہیں ان میں سے حسب بیان مدعی ایک گواہ مخالف فریق سے تعلقات کی وجہ سے ہمارے لیے گواہی نہیں دیتا جبکہ دوسرا گواہ اکیلے ناکافی ہے اس لیے فریق اول یعنی مدعی کے مطالبہ پر فریق ثانی کو قسم دی گئی، چونکہ یہ دوسرے کے فعل پر قسم ہے اس لیے فریق ثانی کو قسم بالعلم دی گئی، قسم کھانے کے بعد جائیداد مذکورہ فریق ثانی کے پاس رہ کر فریق اول اپنے دعویٰ کے اثبات میں ناکام ہوا۔

قال العلامة التمر تاشی: والتحلیف علی فعل غیرہ یكون علی العلم ای انه لا یعلم انه كذلك لعدم علمه بما فعل غیرہ۔ (تویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳ کتاب القضاء)

لہذا قال العلامة محمود بن اسماعیل الشہیر بقاضی سماوہ رحمہ اللہ: ولو وقع الدعوی علی فعل غیر من کل وجه یحلف علی العلم حتی لو ادعی علی وارث ان ایاک اتلقہ او سرقہ او غصبہ منی یحلف علی العلم وهذا مذہبنا۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۴۰ الفصل الخامس عشر فی التحلیف ومتعلقہ)

وَمِثْلُهُ فِي فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۱۲ باب ما یکر من الثیاب والخلی والزینۃ۔



## فیصلہ شرعی درباب شفعہ

### دعویٰ

- مفتاح الدین ولد عبد المالك سابق سپہ سالار دیر سکتہ مینگلور تحصیل مینگورہ ضلع سوات  
بنام
- (۱) رحمت اللہ جان ولد نور جان سکتہ محلہ رحمانیہ نزد رحمانیہ مسجد عید گاہ میدان ٹھیان  
کالونی، منگھو پیر روڈ کراچی۔
- (۲) خان بہادر ولد عبد المالك سابق سپہ سالار دیر سکتہ مینگلور، تحصیل مینگورہ ضلع سوات (مدعا علیہم)  
دعویٰ و خلیائی بہ نقاد حق شفعہ اراضی زرعی مشتمل بہ پانچ قطعات معروف بہ  
۱۔ کس ۲۔ شوگر ۳۔ لہم ۴۔ جماعت باڑی ۵۔ ناغہ غیر آباد بحد و ذیل !  
قطعہ ۱۔ کس: شرقاً، اراضی مدعی۔ غرباً، اراضی گل محمود۔ شمالاً، اراضی عبد الظاہر،  
جنوباً، اراضی محمد ظاہر شاہ برادر مدعی۔  
قطعہ ۲۔ شوگر: شرقاً اراضی مفتاح الدین مدعی، غرباً، اراضی محمد ظاہر شاہ،  
شمالاً، اراضی مدعی۔ جنوباً اراضی مدعی۔  
قطعہ ۳۔ لہم: شرقاً، اراضی مدعی۔ غرباً، بارانی ندی تالہ۔ شمالاً، اراضی محمد ظاہر شاہ۔  
جنوباً، اراضی محمد ظاہر شاہ۔  
قطعہ ۴۔ جماعت باڑی: شرقاً، اراضی نیک محمد۔ غرباً، اراضی گل اعظم خان شمالاً، اراضی  
محمد ظاہر شاہ۔ جنوباً، اراضی گل اعظم خان۔  
قطعہ ۵۔ ناغہ غیر آباد، شرقاً، اراضی و مکان مدعی۔ غرباً، اراضی محمد ظاہر شاہ۔ شمالاً، راہ عام۔  
جنوباً، اراضی عبد الظاہر واقع شگہ مجد رقبہ سیرانی تحصیل و ضلع دیر بہ ادائیگی اصل ذر ثمت  
مبلغ ایک لاکھ روپے یا جو بھی درست قیمت فاضل عدالت مقرر کرے۔
- مالیت دعویٰ بغرض کورٹ فیس و اختیار  
بتائے دعویٰ ۱۸۹۸ کو بیع کا علم و  
ساعت مبلغ - / ۱۰۰۰ روپے  
اعلان بر شفعہ اندر حدود تحصیل دیر  
پیدا ہوئی۔

جناب عالی! گزارش حسب ذیل ہے :-

(۱) یہ کہ مدعا علیہ ۱ نے ہر پانچ قطعات اراضیات متدعوہ ازاں مدعا علیہ ۲ بعض مبلغ ایک لاکھ روپے (۱۰۰۰۰۰) خفیہ طور پر بیع کی ہوئی ہے اور جملہ لین دین کو اخفاً میں رکھ کر حسب قانون مروجہ مدعی کو قبل از بیع کوئی نوٹس نہ دیا ہے۔

(۲) یہ کہ مدعا علیہم نے مدعی کے حقوق کو نقصان پہنچانے کے لیے اگر اپنے خانگی بیع نامہ میں زیادہ رقم درج کی ہو تو وہ فرضی ہوگی، حالانکہ بیع اصل میں ایک لاکھ روپے کے عوض ہوئی ہے اور یہی اراضیات متدعوہ کی بازاری قیمت ہے۔

(۳) یہ کہ مدعی کو مذکورہ بیع کا علم مؤرخہ ۹۸/۸/۸ کو بوقت صبح آٹھ بجے گھر خود بمقام درہ ہو کر اطلاع دہندہ مستی عبدالنظامہر سکنہ شگی کے روبرو فی الفور اور بر موقع اپنے حق شفعہ کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی اسی روز ہمراہ اطلاع دہندہ اراضیات متدعوہ پر جا کر کاشتکاران اراضیات مشفوع مستیان عبدالحمید اور محمد طیب ساکنان شگی کے علاوہ گواہان عباس خان، اجمیر خان و حمید اللہ خان ساکنان سیرانی کی موجودگی میں اپنے حق شفعہ کا بھرا اعلان کیا۔

(۴) یہ کہ بعد ازاں بروٹے تحریر مؤرخہ ۹۸/۸/۲۲ کو مدعا علیہ ۱ بذریعہ جیٹری ۱ سے ڈی نوٹس بھیج کر جملہ طلبات اسلاحی پورے کئے۔ (نقل رسید نوٹس کارڈ لف ہیں)

(۵) یہ کہ مدعی کا حق شفعہ بمقابل مدعا علیہ ۱ ہر لحاظ سے فائق تر ہے۔

(ا) یہ کہ اراضی متدعوہ خاندانی اراضی ہے۔

(ب) یہ کہ اراضی متدعوہ کے پیوست مدعی کی اراضیات ہیں۔

(ج) یہ کہ اراضیات مشفوعہ کے ساتھ مدعی کے جملہ حقوق آب نالاش و راہ ہیں۔

ارضی متدعوہ و مدعی کی اراضیات ایک ہی تالہ سے سیراب ہوتی ہیں۔

(د) یہ کہ مدعا علیہ ۱ علاقہ میں غیر مالک و نیز غیر باشندہ ہے اور اس کا کوئی بھی وصف حق شفعہ نہ ہے۔

(س) یہ کہ مدعی کے حقوق ہر لحاظ سے فائق و برتر ہیں۔

(۶) یہ کہ ہر چند مدعا علیہم سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حقوق مدعی کو تسلیم کر کے اراضیات متدعوہ سے بحق مدعی بہ ادائیگی اصل زرٹمن دستبردار ہو جائے مگر وہ انکاری ہیں جس کی بنا پر

دعویٰ ہذا کی ضرورت لاحق ہوئی۔

- (۷) بناٹے دعویٰ و مالیتِ دعویٰ مندرجہ عنوان عرض دعویٰ ہے۔
- (۸) یہ کہ اراضیات متدعویہ تحصیل دیر میں واقع ہے اس لیے عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے۔ لہذا استدعا ہے کہ ڈگری دخلیابی یہ نفاذِ حقِ شفعہ یہ ادائیگی اصل زمین مبلغ ایک لاکھ روپے یا جو بھی قیمت فاضل عدالت ہذا مقرر کرے یہ حقِ مدعی مع خرچہ صادر فرمایا جائے۔

## العارضہ

مفتاح الدین ولد عبدالملک سابق سپہ سالار سکندریہ (مدعی)  
بیانِ حلفی :- حلفاً عرض ہے کہ جملہ مراتب برعوض دعویٰ درست ہیں۔

## جوابِ دعویٰ متجانس مدعا علیہم

جناب عالی! جوابِ دعویٰ ذیل عرض ہے :-

### تمہیدی عذرات :-

- (۱) مدعی کو بہ خلافِ مدعا علیہ کوئی بناٹے دعویٰ حاصل نہ ہے۔
- (۲) دعویٰ مدعی مبہم اور ناقص ہے۔
- (۳) دعویٰ مدعی سازشی ہے اور بدنیتی و ایذا رسانی پر مبنی ہے۔
- (۴) حدودات غلط درج کئے گئے ہیں۔
- (۵) اراضی متدعویہ مدعا علیہ ۲ و برادر خورد بہادر زیب، جو کہ فالج کا مریض تھا کا حقہ رسدی ملکیت تھا، مدعی و دوسرے برادران کے خریدنے سے انکار پر مجبوراً علاج کی غرض سے مسمی متذکرہ پر نزد مدعا علیہ ۱۔ یہ عوض مبلغ تین لاکھ ساٹھ ہزار (۳۰۰۰۰۰) روپیہ فروخت کی گئی اور یہی اُس وقت اس کی بازاری قیمت تھی۔
- (۶) دعویٰ مدعی بوجہ عدم اشمال ضروری فریق ناقابلِ سماعت و قابلِ اخراج ہے۔
- (۷) مدعی کو بیعہ کا خوب علم تھا اور بروقت حسبِ قانون دعویٰ نہ کیا اور اب دعویٰ ہذا بہ ایما و عبد الظاہر سازش اور ایذا رسانی کی خاطر کیا گیا ہے۔
- (۸) مدعی نے حسبِ قانون شفعہ پورے نہیں کئے ہیں۔





## فصلہ

اسلامی قانون میں شفعہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کی مشروعیت کسی کے ضرر سے بچنے کے لیے کی گئی ہے۔ اس کا حق صرف تین اشخاص یعنی شریک فی نفس المبیع، شریک فی حق المبیع اور پڑوسی کو حاصل ہے۔

لما قال المرغینانی: الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع كالشرب والطریق ثم للجار۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۸۷ کتاب الشفعة)  
 (۱) ان تینوں کو تب حق شفعہ حاصل ہوگا کہ علم ہوتے ہی طلب المواثبہ اور ایسے الفاظ کہے جس سے حق شفعہ کا مطالبہ کرنا ظاہر ہوتا ہو، اس طلب پر گواہ بنا نا ضروری نہیں تاہم بہتر ضرور ہے۔

لما فی الہدایة: اذا علم الشفیع اشہد فی مجلسہ ذلک علی المطالبۃ واعلم ان الطلب علی ثلاثۃ اوجه طلب المواثبۃ وهو ان یطلبہا کما علم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم یطلب شفعته بطلت الشفعة۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۹ کتاب الشفعة)  
 آگے لکھتے ہیں: والاشہاد فیہ لیس بلازم انما نفی الجاہد۔ (الہدایہ ج ۲ ص ۳۹ کتاب الشفعة)  
 قال العلامة البایرینی: والاشہاد فی ذلک لیس بشرط۔ العنایة شرح الہدایة  
 وفی شرح المجلۃ: ویلزم الشفیع ان یقول کلاماً یدل علی طلب الشفعة فی المجلس الذی سمع فیہ عقد البیع فی الحال کقولہ انا شفیع المبیع او اطلبہ بالشفعة ویقال لهذا طلب المواثبۃ۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۴۸۹ الفصل الثالث)  
 (۲) طلب المواثبۃ کے بعد شفیع پر طلب التقریر والاشہاد کرنا ضروری ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع بائع یا مشتری یا مشفوعہ زمین وغیرہ کے پاس اپنا طلب شفعہ ظاہر کرے اگرچہ خط کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، مگر بلا عذر شرعی زیادہ تاخیر کرنا مبطل الشفعہ ہے۔

لما فی شرح المجلۃ: ومدة هذا الطلب لیس علی الفور کطلب المواثبۃ بل هی مقدرة بمدة التمكن من الاشهاد وهذا الطلب لا یدمنہ بعد طلب المواثبۃ حتی لو تمكن ولو بکتاب اور رسول ولعیشہا بطلت شفعته۔ ۱۰

(شرح المجلۃ لرستم باز ص ۵۹۱ المادة ۱۰۳)

اس طلب التقریر پر گواہ بنا نا ضروری ہے تاکہ خصم کو ٹی بات نہ کر سکے۔

لما فی شرح المجلة، ويجب علی الشفیع بعد طلب المواثبة ان یطلب التقریر وان یشهد بان یقول فی حضور رجلین عند العقار المبیع - (درر الحکام شرح مجلة الحکام ج ۲ کتاب الشفعة) <sup>۷۹۵</sup> ورنه دراصل دونوں طلبات میں گواہ بنانا کوئی شرط نہیں۔

لانه قد جرح فی الخانیة والبدائع بان الاشهاد لیس شرطاً فی صحة الطلب المذكور، بل انما تجب الاشهاد للمتکمّن من الاثبات باقامة الشهود فیما اذا انکر الخصم الذی هو المشتري وقوع طلب التقریر والاشهاد حتی ان الشفیع لو اجری طلب التقریر بلا اشهاد واقربه المشتري وصدقہ او فکل المشتري عن الیمن المکلف بها فیثبت ویتحقق طلب التقریر۔

(درر الحکام شرح مجلة الحکام ج ۲ ص ۷۹۵ کتاب الشفعة)

(۳) اس سے فراغت کے بعد شفیع پر طلب الخصومة ضروری ہے کہ قاضی یا علاقائی مجسٹریٹ کے پاس شفعہ کا دعویٰ دائر کرے، لیکن یہ طلب اس وقت ضروری ہے جب مشتری شفیع کو مشفوعہ زمین دینے سے انکاری ہو، اگر مشتری بغیر عدالتی کاروائی کے شفیع کو مشفوعہ تنہ سے حوالہ کرے تو اس طلب کی کوئی ضرورت نہیں۔

کما فی شرح المجلة، ویلزم ان یطلب الشفیع ویدعی فی حضور الحاکم بعد طلب التقریر والاشهاد ویقال لهذا طلب الخصومة والتمکک يجب علی الشفیع اذا لم یسلمه المشتري العقار المشفوع بعد طلب التقریر والاشهاد ان یطلب الشفعة ویدعی فی حضور الحاکم۔۔۔۔۔ لو سلم المشتري العقار المشفوع برضائه للشفیع بناء علی شفעתه فلا حاجة لطلب الخصومة بعد۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۷۹۶)

اس طلب میں ایک ماہ سے کم تک بلا عذر تاخیر کرنا جائز ہے جبکہ ایک ماہ تک بلا عذر شرعی تاخیر مبطل شفعہ ہے اور عذر شرعی کی وجہ سے کوئی تحدید نہیں۔

لما فی شرح المجلة، واخر الشفیع طلب الخصومة بعد طلب التقریر والاشهاد من دون عذر شرعی کونہ فی ديار یسقط حق شفעתه۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۸۰۲ م ۱۰۳)

قال الباری: معناه اذا ترکها من غیر عذر لانهم اجمعوا علی انہ اذا ترک بمرضا او حبس او غیر ذلك ولم یکنه التوکیل بهذا الطلب تبطل شفעתه وان طال المدّة۔ (الغایة شرح لہدایہ)

لہذا مثل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسمی مفتاح الدین ولد عبد الحاکم سابق سپہ سالار دیر



در باب شفعہ جملہ شرعی تقاضے پورے کئے ہیں۔

(۱) زمین کی بیان کردہ حدودات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستمی مفتاح الدین ان اراضی میں حق الشرب والطرین کا اشتراک رکھتا ہے اور ساتھ ہی ان اراضی کا جار یعنی پڑوسی بھی ہے، اور یہ تو مذکور بالا تصریحات کی روشنی میں حق شفعہ کے اسباب ہیں۔

(۲) اور پھر موصوف نے طلب المواثبہ بھی بروقت علم ہوتے ہی کیا ہے اور ساتھ ہی طلب التقریر والاشہاد پر مشفوعہ زمین کے ساتھ کاشتکاران اراضی کے سامنے مستمی سے اجیر خان، عباس اور حمید اللہ خان کو گواہ بنا کر حق شفعہ کا اظہار کیا ہے۔ لہذا اگر مدعا علیہ رحمت اللہ خان ان طلبات کا منکر ہو اور مذکورہ گواہان مستمی مفتاح الدین ولد عبدالمالک مدعی کی اس طلب التقریر کی گواہی دیں تو دعویٰ قابل سماعت ہے۔

(۳) اور طلب الخصومۃ کی دعویٰ میں تاخیر زائد المیعاد نہیں اس لیے کہ ایک ماہ سے کم کی مدت تک بلا عذر شرعی تاخیر کرنا بھی مبطل شفعہ نہیں جبکہ موصوف نے ایک ماہ سے بھی کم مدت کی تاخیر کی ہے اور باہمی اصلاح وغیرہ کے لیے بھی کی گئی ہے جیسا کہ تحریری نوٹس اور علاقائی جرگہ کے بیان تحریری سے معلوم ہوتا ہے۔

(۴) اور ساتھ ہی آپ کا یہ مطالبہ مدعا علیہ مستمی رحمت اللہ خان نے علاقائی جرگہ کے سامنے تسلیم کیا ہے اور جرگہ والوں نے فیصلہ بھی مدعی مفتاح الدین کے حق میں کیا ہے جس پر مرسولہ بیان کی تحریر شاہد ہے۔

لہذا ان وجوہات کی بناء پر شریعت اسلامی کی روشنی میں اس اراضی کا حق شفعہ مدعی مستمی مفتاح الدین ولد عبدالمالک کو حاصل ہے۔

تاہم اگر مدعی علیہ اس بات پر گواہ پیش کر دے کہ مدعی مفتاح الدین ولد عبدالمالک کو ان اراضی کی بیع کی اطلاع طلب المواثبہ کی تاریخ سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ اس پر خاموش رہا یا انکار کیا تو پھر مفتاح الدین کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی خاموشی یا انکار سے باطل ہو چکا ہے جیسا کہ ماقبل کی تصریحات سے معلوم ہوا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



راضی نامہ کے بعد دعویٰ کرنا اور مدعا علیہ سے قسم لینا | سوال :- غلام رسول، غلام حسین اور بخت رسول تین بھائی ہیں ان

کے مابین کاروباری شارع تھا، مؤرخہ ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کو ان کے درمیان روبرو گواہان یہ فیصلہ بطور راضی نامہ طے پایا کہ آئندہ کے لیے ہم تینوں میں سے جس کے پاس نقد رقم، پیش اور زر خرید راضی میں سے جس کے نام پر بیع نامہ ہو وہ سب کچھ اسی کا ہوگا اور ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر کسی قسم کا اعتراض یا دعویٰ وغیرہ نہیں کرے گا، راضی نامہ پر تینوں بھائیوں کے علاوہ گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اب راضی نامہ کے آٹھ ماہ بعد بخت رسول نے راضی نامہ سے اعراض کرتے ہوئے اپنے بھائی غلام حسین کے خلاف سول جج کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ غلام حسین کے پاس ہماری مشترکہ رقم اور زر خرید راضی ہے اگر وہ نہیں مانتا تو قسم اٹھائے کہ میرے پاس مشترکہ رقم اور زر خرید راضی نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بخت رسول کا یہ دعویٰ شرعاً درست ہے؟ اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کر کے اپنے بھائی غلام حسین سے حلف لے لے، جبکہ وہ یہ تمام کاروائی صرف اپنے بھائی کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- قانون شرعی کے مطابق جب کسی نزاع کے فیصلہ کا حل درکار ہو تو البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (الحديث) کی رو سے مدعی کے ذمہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہوں کا پیش کرنا لازم ہوتا ہے اور اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو تو مدعی کے مطالبہ پر مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔ یہ کاروائی تب صحیح اور درست ہوگی اور اس طریقے پر فیصلہ تب کیا جائے گا جب دعویٰ قابل سماعت ہو۔ صورت مسئلہ میں راضی نامہ کے جملہ کاغذات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت رسول کا اپنے بھائی غلام حسین کے خلاف یہ دعویٰ اس صلح اور راضی نامہ کے بعد کا ہے جو ۱۴ اپریل ۲۰۱۰ء کو گواہوں کے سامنے ہوا تھا اس لیے کہ بخت رسول نے اپنا دعویٰ سول جج کی عدالت میں دائر کیا ہے۔ اس لیے شرعاً اس دعویٰ کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی مدعی کے لیے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ مدعی علیہ غلام حسین وغیرہ سے یمین (قسم) لینے کی، بشرطیکہ مذکورہ صلح نامہ

شرعی قوانین کے مطابق ثابت کیا جائے۔ اس لیے کہ جب کسی نزاع سے متعلق شرعی قواعد و ضوابط کے مطابق فریقین میں ایک بار صلح ہو جائے تو پھر بدو ن رضاء فریقین کوئی ایک فریق از خود اس کو فسخ (ختم) نہیں کر سکتا۔ لہذا بخت رسول کا راضی نامہ کے بعد غلام حسین پر دعویٰ کرنا شرعاً غیر مسموع اور ناقابل اعتبار ہے اور غلام حسین کو حلف دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی: اذا تم الصلح فليس لواحد من الطرفين فقط الرجوع ويملك المدعى بالصلح بدله ولا يبقى له حق في الدعوى وليس للمدعى عليه ايضاً استرداد بدل الصلح۔

رشرح المجلد لخالد اتاسی ج ۴ ص ۵۶۹ المادة ۱۵۵۶ م ۱

مدعی بہ کی مقدار میں غلطی ہو جانا مستقطب دعویٰ نہیں | سوال :- ایک صاحب نے علاقہ دیر میں قاضی کے سامنے ایک قطعہ زمین

پر دعویٰ کیا جس میں اس نے حدود اربعہ تو صحیح بیان کیا مگر بد قسمتی سے مقدار زمین میں غلطی کر گیا، کاغذات میں وہ زمین پانچ ایکڑ ہے اور مدعی نے دعویٰ میں چار ایکڑ کا ذکر کیا، اس پر قاضی نے اسے جھوٹا قرار دے کر اس کے دعویٰ کو ناقابل سماعت قرار دیا ہے، تو کیا واقعی یہ دعویٰ شرعاً ناقابل سماعت ہے؟

الجواب :- ایسا دعویٰ کرتے وقت مدعی بہ کا حدود اربعہ صحیح بیان کرنا ضروری ہوتا ہے مقدار کا بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا، اس لیے اگر کوئی مدعی بوقت دعویٰ مقدار کے بیان کرنے میں غلطی کر جائے اور حدود اربعہ درست بیان کیا ہو تو دعویٰ قابل سماعت ہوتا ہے۔ صورت مسئلہ میں قاضی صاحب نے بلا تحقیق و بلا عذر شرعی دعویٰ کو ناقابل سماعت قرار دیا ہے۔

لما فی مجلۃ الاحکام: اذا اصاب المدعی فی بیان الحدود و اخطا فی بیان مقدار ذراع العقار و دونه لا یمنع صحۃ دعواه۔ (مجلد الاحکام العدلیۃ۔ المادة ۱۶۲۲)

لے قال العلامة سلیم رستم باز: تحت ہذہ القاعدۃ! سوادکان الصلح عن اقرار وانکار او سکوت حتی لو ادعی علیہ شیئاً فانکر فصالحہ علی شیء ثم اقر المدعی علیہ لایلزمہ ما اقر بہ و کذا لو برهن المدعی بعد صلحہ لایقبل لان الصلح عقد لازم لیس لاحدھا نقضہ الخ (شرح مجلہ الاحکام سلیم رستم باز ص ۸۲۵ الباب الرابع)



**دعویٰ ہبہ کے لیے معتبر شہادت ضروری ہے** | سوال :- زید کا ایک قطعہ اراضی پر قبضہ اور تصرف ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین مجھے بکر کے بیٹے کی تھی، جبکہ بکر کے بیٹے کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین میرے والد کی میراث ہے لہذا یہ میراث حق ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً یہ زمین کس کا حق ہے؟

**الجواب :-** اگر زید اپنا دعویٰ ہبہ معتبر شہادت سے ثابت کرے تو یہ زمین اس کا حق ہے ورنہ بکر کے بیٹے کو حلف علی العلم دیا جائے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئل فی رجل ادعی علی اخر عقاراً انہ مکة تلقاه بالارت من ابيه فاجابه المدعی علیه بانى اشتریتہ من ابيك حال حیاتہ وانه فی حوزی وتصرفی مدة ترید علی خمسين سنة مع حضورك وعلیک وسکوتك بلا عذر شرعی هل یكون جواب المدعی علیه من باب الاقرار بالتلقى من ابيه فیحتاج الی بیئة تشهد له بالشراء ولا ینفعه وضع الید والتصرف المدة المذكورة ولا تكون الحادثة من قبیل ما مضی علیه خمس عشرة سنة فاجبت نعم جواب المدعی علیه من قبیل دعوی التلقى من مورث المدعی ودعوی التلقى من مورثه اقرار له بالملك ثم دعواه الانتقال الیه منه تحتاج الی بیئة لان كل مدع یحتاج الی البیئة ولا ینفعه الید المدة المذكورة مع الاقرار المذكور ولس هذا من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیء لغيره اخذ باقراره ولو كان فی یده احقاباً كثيرة لا تعد افاده المحقق الرملى فی فتاوی الخیرية - والله تعالی اعلم - (فتاویٰ کاملیة ص ۲۳ کتاب الدعوی) له

**الحق لا یسقط بتقادم الزمان كما یطلب** | سوال :- ایک شخص نے آج سے ۳۶ سال پہلے کچھ زمین اپنے بیٹوں کے نام منتقل کی اور وہ اس میں ماکانہ تصرفات کرتے رہے، اب اس کی وفات کے بعد دیگر ورثاء حقاری کا

له قال العلامة سلیم رستم باز: اذا اراد الرجل ان یحلف علی فعل نفسه یحلف علی البتات یعنی یحلف علی القطع بان هذا الشیء كذا ولس یكذبا اما اذا اراد ان یحلف علی فعل غیره یحلف علی عدم العلم یعنی یحلف علی عدم علمه بذالك الشیء - (شرح المجلد ص ۱۰۱ المادة ۱۷۸)

دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ فتاویٰ القرویہ جلد ۲ ص ۵۸ میں ہے کہ :-  
وقی المبسوط ما جل ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولحين له مانع من الدعوى  
ثم ادعى لذل لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن عليه بدل على عدم الحق ظاهراً انتهى  
بخاب مفتی صاحب! مسئلہ ہذا کا شریعت مقدسہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب :- شرح المجلد میں ہے کہ: اذا ترك المورث الدعوى مدة وتركها الوارث  
ايضاً مدة وبلغ مجموع المدتين حد مرور الزمان فلا تسمع. (ج ۵ ص ۱۸۷ المادة ۱۶۷)  
اس سے معلوم ہوا کہ مورث اور اس کے وارث نے جب اپنا دعویٰ ۳۶ سال تک چھوڑا ہو اور  
کوئی شرعی عذر بھی نہ ہو تو ایسا دعویٰ ناقابل سماعت ہے، البتہ جب مدعی علیہ یہ ماننا ہو کہ مدعی کا  
حق وارث ہمارے ذمہ باقی ہے تو پھر سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود بھی دعویٰ مسموع ہوگا اور  
حق دینا ہوگا، اور یہی معنی ہے فقہاء کے اس قول کا کہ الحق لا يسقط بتقادم الزمان۔

سوال :- ایک آدمی ایک قطعہ اراضی پر ۵۰ سال یا اس  
دعویٰ کب تک قابل سماعت ہے

سے زیادہ عرصہ سے قابض اور اس میں مانکا نہ تصرفاً  
کرتا چلا آ رہا ہے، اب ایک دوسرا شخص اس قطعہ زمین پر وارث کا دعویٰ کرتا ہے، تو کیا شرعاً اس  
شخص کا یہ دعویٰ قابل سماعت ہے یا نہیں؟ اور کیا اس تاخیر سے اس شخص کا استحقاق باطل ہو جاتا  
ہے یا نہیں؟

الجواب :- سماع دعویٰ کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اتنی تاخیر نہ ہوئی جو ۳۶ سال  
تک پہنچتی ہو، اسی طرح مدعی علیہ کسی طرح مقرب بھی نہ ہو اور نہ ہی مدعی اس مدت میں غائب، بچہ  
اور پاگل بغیر ولی کے ہو۔ اور اگر دعویٰ کرنے میں ۳۶ سال یا اس سے زیادہ مدت گزر جائے،  
اسی طرح دیگر شرائط بھی قبول دعویٰ کی مفقود ہوں تو دعویٰ قابل سماعت نہ رہے گا۔ اس لیے  
صورتِ مسئلہ میں بھی اس دوسرے شخص کا ۵۰ سال یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد دعویٰ وارث

لہ لما فی مجلة الاحکام، لا يسقط الحق بتقادم الزمان فاذا اقر المدعى عليه واعترف  
صراحة في حضور الحاكم بان حق المدعى عنده في الحال على الوجه الذي يدعيه وكان  
قد مر الزمان على الدعوى فلا يعتبر مرور الزمان ويحكم بموجب اقرار المدعى  
عليه - (شرح المجلد ص ۹۹۶ المادة ۱۶۷)

قابل سماعت نہیں، تاہم مرور زمانہ کی وجہ سے استحقاق باطل نہیں ہوتا، کیونکہ الحق لایسقط  
بتقادم الزمان۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ، قال المتأخرون من اهل الفتوى لا تسمع الدعوى  
بعد ست وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لهما  
ولي او المدعى عليه اميراً جابداً۔ (شرح المجلة ج ۵ ص ۱۷۶۳ المادة ۱۶۶۳)

اذا ترك المورث الدعوى مدة يتركها الوارث ايضاً مدة وبلغ  
مجموع المديتين حد مرور الزمان فلا تسمع۔ (شرح المجلة ص ۱۸۶ المادة ۱۶۶۰) لہ

**سوال :-** ایک پاگل نے کسی شخص کی شرارت اور ایما پر گاؤں کے ایک معزز  
**پاگل کے دعویٰ کا حکم** اور شریف آدمی پر دس ہزار روپے کا دعویٰ کر دیا جبکہ اس پاگل کے پاس

اتنے پیسے بھی نہیں کہ وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے، تو کیا اس کا یہ دعویٰ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** قوانین شرع کے تحت وہ دعویٰ قابل سماعت اور صحیح ہوتا ہے جو عاقل

بالغ آدمی کسی پر دائر کرے۔ اور اگر مدعی عاقل بالغ نہ ہو تو شرعاً اس کا دعویٰ غیر مسموع

اور غیر صحیح ہوتا ہے۔ لہذا بشرط صحت سوال اگر تو اس پاگل شخص نے بلا کسی تحریک کے

خود دعویٰ کیا ہو اور اس کا کوئی ولی اس کی ولایت کر کے دعویٰ کی پیروی نہیں کرتا ہو تو شرعاً

یہ دعویٰ ناقابل سماعت اور صحیح نہیں ہے۔

لما فی مجلة الاحکام، يشترط ان يكون المدعى والمدعى عليه عاقلين

فدعوى المجنون والصبي غير المميز ليست بصحيحة ولكن ان يكون

اولياؤهما واولياؤهما مدعين او مدعى عليهم في محلها۔

{ شرح المجلة لخالد اتاسی ج ۵ ص ۱۸۶ }  
{ الباب الاوّل فی شروط الدعوى }

لہ قال العلامة ابن عابدین: اذا ترك الدعوى ثلاثاً وثلاثين سنة ولم يكن مانع  
من ترك الدعوى الخ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۲ مطلب اذا ترك

الدعوى ثلاثة وثلاثين سنة لا تسمع)

ومثله في فتاوى كالمية ص ۱۱۱ کتاب الدعوى۔



**نابالغ بیٹے کی جگہ باپ کو قسم دینے کا حکم** | سوال :- زید نے بکر پر چوری کا دعویٰ کیا جبکہ بکر چوری سے انکار کرتا ہے اور قسم کھانے کے لیے تیار ہے مگر وہ نابالغ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ پر شرعاً قسم آسکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو پھر اس کا والد اس کی جگہ قسم کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دونوں پر قسم نہیں آتی تو کیا پھر مدعی قسم کھا سکتا ہے؟

**الجواب :-** صورتِ مسئلہ میں اگر مدعی (زید) کے پاس اثباتِ دعویٰ کے لیے گواہ نہ ہوں تو پھر بکر ہی کو حلف و قسم دیا جائے گا اس کے باپ کو نہیں، اس لیے کہ قسم کھانے کے لیے بلوغ شرط نہیں اور نہ ہی مدعی کا قسم کھانا شرعاً معتبر ہے۔

قال العلامة علی حیدر: (تحلیف الصبی) اذا كان المدعی علیہ صبیاً وكان غیر ماذون له، یتوجه علیہ الیمین فاذا وجهه وکل فلا یحکم علیہ بل یجب تحلیفه بعد البلوغ اما اذا كان ماذوناً فیتوجه الیمین علیہ عند بعض الفقهاء ویحکم بیمیته وبتکولہ عن الیمین وهذا هو المفتی به الخ - (رد المحتار شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۲۸۹ الباب الثالث فی بیان التحلیف) لہ

**مصالحات کے بعد ارث کا دعویٰ کرنا** | سوال :- جناب مفتی صاحب! ہمارے والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی جائیداد کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا تھا کہ میرا آبا د گھر میرے تین بیٹوں یعنی حبیب خان، قادر خان، افضل خان کل ہے اور سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) رقبہ تعدادی ایک کنال ۹ مرے دوسرے دو بیٹوں (غلام خان، محمد طفیل) کو دے دیا اور اس کے ساتھ شرط بھی لگائی کہ مستی غلام خان اپنے چھوٹے بھائی محمد طفیل کو دو کمروں کا گھر بنا کر دینے اور اس کی شادی کرنے کے بعد بقیہ ڈاگہ رپلاٹ، کامالک ہوگا والد صاحب کی وفات کے بعد غلام خان نے اپنے بھائی محمد طفیل کو دو کمروں کی بجائے تین کمروں کا گھر بنا کر دیا اور اس کی شادی بھی کر دی، بعد ازاں والدہ صاحبہ اور جملہ بھائیوں نے مشترکہ فیصلہ بھی کر دیا جسے سب نے قبول کیا جس کا اسٹامپ لٹ ہذا ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں،

۲۵ لہ وفي الہندیۃ: الصبی الماذون یحلف کالبالغ وبہ ناخذ - (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۳ ص ۲۵)

کتاب الدعوی - الباب الثالث فی الیمین وفيہ ثلاثہ فصول

مگر اس فیصلہ کے بعد بھائیوں نے انکار کر دیا اور پھر علاقائی جرگہ نے دوبارہ فیصلہ کیا جس پر سب بھائیوں نے رضامندی ظاہر کر دی جس کا تحریری ثبوت بھی لف ہڈا ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود تینوں بھائیوں (حبیب خان، قادر خان، افضل خان) نے پھر اس سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) پر دعویٰ ارث کر دیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیان مذکورہ کی روشنی میں تینوں بھائیوں کا دعویٰ ارث صحیح یا نہیں؟ شریعت اسلامی کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

**الجواب:-** مذکورہ بالا بیان اور ملفوف اسٹامپ سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے اپنی زندگی میں بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم کا جو فیصلہ کیا تھا اس وقت سب بھائی اس فیصلہ پر رضامند تھے اور بعد ازاں علاقائی جرگہ کا فیصلہ قبول کر کے آپس میں سب بھائی صلح بھی کر چکے ہیں، لہذا مصالحت کے بعد کسی بھی وارث کو اپنی صلح سے رجوع کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے مذکورہ سفید ڈاگہ (خالی پلاٹ) میں محمد طفیل کا گھر بن جانے کے بعد باقی حصہ صرف مستحق غلام خان کا ہے اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی وارث اس میں شراکت کا دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ یہ قطعہ زمین غلام خان کی ملکیت متصور ہوگا۔

لما فی مجلۃ الاحکام تحت المادة ۱۵۵۶: اذا تم الصلح فلیس لواحد فقط من الفریقین الرجوع عنہ۔ قال الشیخ سلیم رستم باز تحتہ سوادکان الصلح عن اقرار او انکار او سکوت حتی لو ادعی علیہ شیئاً فانکر فصالحہ علی شیئ ثم اقر المدعی علیہ لایلزما ما اقر بہ وکذا لو برهن المدعی بعد صلحہ لایقبل لان الصلح عقد لازم لیس لاحد ہا نقضہ۔ (شرح المجلد ۲۲۵، الباب الرابع فی احکام الصلح) لہ

**دعویٰ کے ثبوت کے لیے شرعی ضابطہ** | سوال: زید سے عمرو نے چوری کی ہے، اب زید عمرو پر دعویٰ (مقدمہ) کرنا چاہتا ہے تو اس

لہ وفي الهندية: فوقع الملاك في البديل وثبوت الملك في المصالح عنه ان كان مما يحتمل التملك كالمال ووقوع البرائة عنه للمدعى عليه ان كان لا يحتمل التملك كالقصاص هذا اذا كان الصلح على الاقرار الخ۔

(الفتاوى الهندية ج ۴ ص ۲۲۹ کتاب الصلح)



کے لیے اُسے کیا کرنا چاہیے؟ اور اگر زید شرعی تقاضوں کے مطابق عمر و کو چور ثابت کر دے تو جتنا مال اس کا چوری ہوا ہے اس سے زیادہ عمر و سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ دعویٰ کے اثبات کے لیے شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مدعی (دعویٰ کرنے والا) قاضی کے سامنے معتبر شہادت پیش کرے اور مدعی علیہ (منکر) کے ذمہ حلف یعنی قسم کھانا لازم ہے، مگر یہ تب ہے جب مدعی گواہ پیش نہ کر سکے اور وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے۔

حدیث میں ہے: البینة علی المدعی والیمن علی من انکر۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۲ کتاب الاقضية) اور فعل انکر پر قسم کرنے کی صورت میں قسم علی العلم کی جائے گی۔ اور شہادت یا نکل یعنی قسم کھانے سے انکار کی صورت میں مدعی کے لیے صرف وہ چیز ثابت ہوگی جس کا وہ دعویٰ ہے اس سے زائد مال لینا اس کے لیے شرعاً درست نہیں۔

**سوال**۔ جناب مفتی صاحب! بیٹہ تام کے بعد دعویٰ ارث قابل سماعت ہے ہمارے والدہ صاحبہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جملہ ترکہ اپنے ایک بیٹے کے نام کر دیا تھا جس کے گواہان اور سرکاری اسٹامپ لفت ہذا ہے، تو اب ان کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بیٹے والدہ کے ترکہ میں اپنے حصہ کے دعویٰ ہیں، تو کیا ان کا دعویٰ ارث صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب**۔ ہر شخص کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حین حیات میں ہی اپنی جائیداد وغیرہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو تملیکاً ہیہ کر سکتا ہے، اس کی وفات کے بعد اس تملیک شدہ جائیداد میں کسی بھی وارث کا دعویٰ ارث قابل سماعت نہیں، صورتِ مسئلہ میں جب آپ کی والدہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی جملہ جائیداد ایک بیٹے کو تملیکاً دے دی ہے اور اس پر مرقہ قانون کے مطابق تحریر اور گواہ بھی موجود ہیں تو اب ان کی وفات کے بعد دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق باقی نہیں رہا۔

لما فی الہندیۃ: رجل وھب فی صحته کل المال للولد جانا

لے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال البینة علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ۔ رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب الاقضية والشہادت الفصل الثانی



فی القضاء ویكون اثماً فیما صنع۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الہبۃ) لہ  
**تنازعہ تقسیم ترکہ میراث الحاج نواب خان مرحوم، پلوسی، پشاور** **بیان مدعی!**  
 ہم نے اپنے حق میں

ایک عدد وصیت نامہ بہ سبب نامہ منسلک کیا ہے اور اس کے ساتھ پورا بیان بھی دیا ہے، لہذا  
 میں اپنے بیان میں مزید یہ شامل کرنا چاہتا ہوں کہ:-

(۱) یہ زمین خریدتے وقت میرے بھائی عالم زیب کی عمر ۹ سال تھی، زمین ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۷ء  
 کو خریدی گئی اور عالم زیب کی تاریخ پیدائش ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء ہے، لہذا اس سے میرا بڑا  
 بھائی ۴، ۵ سال بڑا ہوگا، دونوں بھائی زمین خریدتے وقت بغیر کمائی کے تھے اور سکول  
 میں پڑھتے تھے جس کا ثبوت بھی منسلک ہے۔

(۲) یہ کہ اٹھائیسین میری والدہ صاحبہ کی ہے جو کہ والد صاحب نے انہیں حق مہر میں دی تھی،  
 لیکن اس کا ذکر پہلے والے بیان میں نہیں کیا گیا ہے کیونکہ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ تنازعہ صرف اور  
 صرف خریدی گئی زمین تک محدود ہے۔

(۳) مزید کوئی ثبوت یا گواہ میرے بیان کے بارے میں درکار ہوں تو آپ کے کہنے پر  
 پیش کر دوں گا۔

(۴) کوئی بھی فیصلہ جرگے کے ممبران جناب سعید جان صاحب اور عبد الحمید کا صاحب کا  
 دستخط شدہ ہو میں قبول کروں گا۔

میں اپنی والدہ صاحبہ اور چھوٹے بہن بھائیوں اور اپنی طرف سے اقرار کیا ہوں کہ جو کوئی فیصلہ شریعت  
 کی رو سے ہوگا مجھے قابل قبول ہوگا۔ (عطاء الرحمن ولد حاجی نواب خان

ساکن پلوسی، پشاور)

**بیان مدعی علیہ!** ہم دونوں بھائی عالم زیب و اوزنگریب پسران حاجی

لہ قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: رجل وھب فی صحته کل المال  
 للولد جاز فی القضاء ویكون اثماً فیما صنع۔

{ الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۳ ص ۲۷۹ }  
 { فصل فی ہبۃ الوالد للولد الخ }

نواب خان مرحوم ساکنان پلوسی ضلع پشاور یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے والد محترم نے ۱۹۶۷ء میں تہکال I نزد تاج آباد میں واقع ۲۲ کنال ۱/۲ مرلہ زمین اپنے نقد پیسوں سے خریدی تھی۔ والد محترم نے ارضی مذکورہ کا یہ حصہ مساوی انتقال کچھ اس طرح کرایا کہ ۱۔ حاجی نواب خان ولد سر بلند کا حصہ ۷ کنال ۱/۲ مرلہ ۲۔ عالم زیب ولد حاجی نواب خان کا حصہ ۷ کنال ۹ مرلے ۳۔ اورنگ زیب ولد حاجی نواب خان ۷ کنال ۹ مرلے کے باقیہ مالکان ہیں۔ زمین کے انتقال کے وقت ہماری دوستی بہنیں، سوتیلی والدہ اور دوستیلی بہنیں موجود تھیں، اس کے بعد ۳۱ سال والد صاحب زندہ رہے، اور اس عرصہ میں ہماری سوتیلی والدہ سے سات بھائی اور چار بہنیں پیدا ہوئے۔ یعنی کل سات بھائی اور چھ بہنیں، بعد ازاں ہمارے والد صاحب نے کچھ اور زمین خریدی جس کا انتقال ورجسٹری وغیرہ انہوں نے اپنے نام پر کرایا ہے۔

ہمارے نانا محترم نے ہماری والدہ صاحبہ کو کچھ زمین دی تھی جس پر والد صاحب نے آبادی کر کے وہاں آٹا پیسنے کی مشین لگائی جو کہ ہم دو بھائیوں اور دو بہنوں کی ملکیت ہے۔ مندرجہ بالا بیان کے مطابق ہمارے سوتیلے بہن بھائیوں کے حصے کے بارے میں شرعی حکم صادر فرمایا جائے۔

(نوٹ) اس سے پہلے بیان میں ہم اپنے والد صاحب کی جائیداد اور مکانات کے بارے میں تفصیلاً ذکر کر چکے ہیں۔

اورنگ زیب ————— عالم زیب

(۱) فریقہ اولیٰ : عالم زیب خان و اورنگ زیب خان پسران  
**فیصلہ شرعیہ** حاجی نواب خان

(۲) فریقہ ثانیہ : عطاء الرحمن مع برادران پسران حاجی نواب خان۔

۱۔ فریقین کے بیان کے مطابق حاجی نواب خان مرحوم نے ۱۹۶۷ء میں تاج آباد تہکال پشاور میں ۲۲ کنال ۱/۲ مرلے زمین خریدی، اس میں سے ۷ کنال ۱/۲ مرلہ زمین حاجی نواب خان نے اپنے نام انتقال کرائی اور ۷ کنال ۹ مرلہ زمین اپنے پسر عالم زیب خان ولد حاجی نواب خان کے نام انتقال کرا دی اور ۷ کنال ۹ مرلہ زمین اپنے پسر اورنگ زیب خان ولد حاجی نواب خان کے نام انتقال کرا دی۔

چونکہ حاجی نواب خان نے خرید کردہ زمین سے ۴۴ کنال ۸ امرے اپنے دونوں بیٹوں کے نام انکی صغرسنی میں مالکانہ حقوق کے ساتھ انتقال کرا دی ہے لہذا اب اس کے یہ دونوں بیٹے (اوزنگزیب خان، عالم زیب خان) اس انتقال شدہ زمین کے باقاعدہ مالکان ہیں اور انتقال شدہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی، اس لیے کہ صغرسنی میں شے موہوبہ پر صغیر کا قبضہ ضروری نہیں ہے، باپ کے قبضہ ہی سے ہبہ تام ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل عطاء الرحمن و برادران نے اپنے باپ حاجی نواب خان کا جو خط پیش کیا ہے شریعت کی رو سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۱) لما فی الفتاویٰ الخیریۃ علیٰ ہامش العقود الدریۃ ج ۲ ص ۱۰۰۔  
(۲) اس لیے کہ اس خط کے ثبوت میں گواہان نہیں ہیں۔

(۳) یہ پیش کردہ خط وصیت نامہ ہے، اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میری جائیداد مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم ہو، اور شرعی اعتبار سے اپنے وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں، ولائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) قال العلامة قاضی خان، رجل وھب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون اثماً فیما صنع، رجل قال جعلت هذا للودی فلان کانت ہبۃ، رجل وھب لابنہ الصغیر داراً وھی مشغولۃ بمتاع الاب۔ قال ابونصر جاز ولا یحتاج الی التفریح لانھا مشغولۃ بمتاع القابض وھو الاب۔ (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الہبۃ۔ فصل فی ہبۃ الوالد للولد والہبۃ للصغیر)

(۲) قال العلامة الزلیعی: وھبۃ الاب لطفلة تسم بالعقد لانه فی قبض الاب فینوب عن قبض الصغیر لانه ولیہ۔ (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۹۰ کتاب الہبۃ)

(۳) لما فی الہندیۃ: رجل اتخذ لولده او لتلیذہ ثیباً ثم اراد ان یدفع الی ولده الاخر او لتلیذہ الاخر لیس له ذلك الا اذا بین وقت الاتخاذ انها عاریۃ۔

(فتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۳۹۲ کتاب الہبۃ۔ الباب السادس فی الہبۃ للصغیر)

(۴) قال العلامة الزلیعی: قال وانما یصح الرجوع بتراضیہما او بحکم الحاكم لان ملک الموهوب له ثابت فی العین فلا یدفع عن مملکہ الا بالرضاء او بالقضاء۔

(تبیین الحقائق ج ۵ ص ۱۰۰ کتاب الہبۃ)



(۵) قال العلامة ابن نجيم: وكتبنا في القضاء من القوائد انه يعمل بد فترا لبيع  
 والتمسار والصفاف فالخط فيه حجة - (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۱۲۵)  
 (۶) قال العلامة قاضي خان: رجل كتب صك وصية وقال للشهود اشهدوا بما  
 فيه ولم يقرأ وصيته عليهم قال علماء ونا لا يجوز للشهود ان يشهدوا بما فيه  
 وقال بعضهم وسعهم ان يشهدوا والصحيح انه لا يسعهم ان يشهدوا -  
 رفاوى قاضيان على هامش الهندية ج ۲ ص ۲۸۲ كتاب الشهادات، فصل في الشاهد  
 يشهد بعد ما اخبر بزوال الحق  
 (۷) قال العلامة فخر الدين الزيلعي: واما الثالث فلقوله عليه الصلوة والسلام:  
 ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث -

(تبيين الحقائق ج ۶ ص ۱۸۲ كتاب الوصايا)

(۸) قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولا تجوز لوارثه لقوله عليه  
 السلام ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه الا ولا وصية لوارث -  
 الهداية ج ۲ ص ۶۵۴ كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية الخ

(۲) حق مہر (۳) آٹا مشین

جناب الحاج نواب خان مرحوم نے مسماة حسن آربر دختر اول خان سے عقد نکاح کرتے وقت  
 حق مہر میں جو ایک عدد رہائشی مکان اور ایک آٹا مشین مسمی کیا ہے اس کی ادائیگی نواب خان  
 مرحوم پر لازم ہے، اگر انہوں نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا ہو تو اب اس کے جملہ ترکہ  
 سے ادا کیا جائے گا، حق مہر ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ وراثت میں تقسیم کیا جائے۔ تاہم  
 عالم زریب اور اورنگ زریب جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آٹا مشین کی زمین ہمارے نانا محترم  
 نے ہماری والدہ صاحبہ کو دی ہے، اس پر آبادی اور آٹا مشین ہمارے والد صاحب نے  
 بنائی ہے، اگر انہوں نے اس دعویٰ کا صحیح ثبوت شرکاء جرگہ کے سامنے پیش کیا ہو تو شرکاء  
 جرگہ صرف اس زمین کی قیمت طے کریں، پھر اگر اورنگ زریب و عالم زریب اس زمین کی قیمت  
 لینے پر راضی ہوں تو نواب خان مرحوم کے کل ترکہ سے زمین کی قیمت منہا کر کے ان کے  
 حوالہ کر دیں اور آٹا مشین مع زمین حاجی نواب خان کو حق مہر میں دے دیں اور اگر عالم زریب  
 اور اورنگ زریب زمین کی قیمت لینے پر راضی نہ ہوں تو اس زمین کو نکالی کر دیں، کیونکہ یہ انکی

سوتیلی والدہ کا حق ہے، اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کا حق اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کے حوالے کر دے۔ لیکن جب اورنگزیب، عالم زیب کی والدہ اپنے شوہر سے پہلے فوت ہوئی ہے تو اس کی ملکیت میں چاہے آٹا مشین کی زمین ہو یا دیگر اشیاء، ان میں ۴/۱ حصہ اس کے شوہر نواب خان کو بھی میراث میں ملے گا اور باقی ۳/۴ حصے اس کی اولاد (عالم زیب وغیرہ) کو میراث میں ملیں گے، اب چونکہ شوہر بھی فوت ہو چکا ہے اس لیے اس ۴/۱ حصہ میں بھی (جو کہ بیوی کی طرف سے اس کو میراث میں ملا ہے) نواب خان کے جملہ ورثاء (عالم زیب اور اس کے سگے بہن بھائی مع سوتیلی والدہ و سوتیلی بہن بھائی) شریک ہونگے، اور اگر مدعی معتبر شہادت سے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو مدعی علیہ (منکر) کو حلف و قسم دیا جائے گا۔ البتینة علی المدعی والیمن علی المدعی علیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲۷ باب القفینة والشہادات) حوالہ حسب ذیل ہے :-

لما فی الہندیۃ : و اذا تزوجھا علی هذا العبد وهو ملک الغیرا و علی هذه الذار  
وہی ملک الغیرا لنکاح جائز و التسمیۃ صحیحۃ فبعد ذلك ینظر ان اجاز  
صاحب الدار و صاحب العبد ذلك فلها عین المسمی وان لم یجز المستحق لا یبطل  
النکاح ولا التسمیۃ حتی لا یجب مہر المثل وانما تجب قیمۃ المسمی کذا فی المھیط۔  
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۳ کتاب النکاح۔ الباب السابع فی المہر)  
وقال ایضاً : ولو تزوجھا علی شیء بعینہ و ہلک قبل التسلیم أو استحق فان  
کان ذلك من ذوات الامثال رجعت علی الزوج بالمثل و الا فالقیمۃ کذا فی المھیط۔  
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۶۷ الباب السابع فی المہر۔ الفصل التاسع)

### (۴) تقسیم ترکہ میراث

صغریٰ میں عالم زیب و اورنگزیب کے نام مالکانہ طور پر انتقال شدہ زمین اور نواب خان مرحوم کی بیوی کے حق مہر کے علاوہ نواب خان مرحوم کی ملکیت میں جتنا اثاثہ ہو، منقولہ ہو یا غیر منقولہ جائیداد، سب ورثاء اس میں شریک ہوں گے اور تقسیم میراث اس طرح ہوگی کہ سارے ترکہ میراث میں ۸/۱ حصہ اس کی بیوہ کو ملے گا اور باقی سات حصے نواب خان مرحوم کی دونوں بیویوں کی تمام اولاد میں بایں طور تقسیم ہوگی کہ ہر ایک بھائی کو دو دو حصے اور ہر ایک بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا۔



ارشاد ربانی ہے، یُؤْصِيكُمْ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّيْنِ -  
(سورۃ النساء آیت ۱۲)

وفي الهندية: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون والبنات  
فيكون للابن مثل حظ الانثيين - (الفتاوى الهندية ج ۶ کتاب الفرائض، الباب الثاني)

## فیصلہ شرعی ما بین سید یوسف شاہ و سلطان شاہ پسران حیات شاہ

فریقہ اولیٰ: سید یوسف شاہ ولد حیات شاہ ساکن بلند کوٹ، بنگرام، مانسہرہ  
فریقہ ثانیہ: سید سلطان شاہ ولد حیات شاہ ساکن بلند کوٹ، بنگرام، مانسہرہ  
نمائندہ فریقہ اولیٰ: گل علی شاہ ولد سید یوسف شاہ  
نمائندہ فریقہ ثانیہ: سید فرمان شاہ ولد سید سلطان شاہ  
مندرجہ بالا فریقین کا بیان ان کے نمائندوں کے واسطے سنا گیا، دونوں نمائندوں کے  
بیانات سے چند امور سامنے آئے :-

(۱) فریقین کے بیانات سے اتفاق طور پر واضح ہوتا ہے کہ حیات شاہ کی بیٹیوں کو اس کی جائیداد  
سے محروم رکھا گیا ہے، جائیداد کی تقسیم صرف اسکے بیٹیوں تک محدود رکھی گئی، والد کے اپنے  
تصرفات یا بعد کے وراثت کے عملی اقدامات سے بیٹیوں کا کوئی تذکرہ فریقین نہیں کرتے  
بلکہ اس سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

(۲) فریق اولیٰ سید یوسف شاہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کے والد نے حیات میں جائیداد  
تقسیم کی تھی اس میں دیگر حصص کے علاوہ خسروہ ۸۰۰ جو کہ "ارتل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے  
جس کا رقبہ اسی کنال آٹھ مرلہ ہے، یہ سید یوسف شاہ کو دی گئی ہے جو کہ ۱۹۶۶ء / ۱۹۶۷ء  
کی بندوبست اراضی میں بحال رکھی گئی ہے۔ فریق مذکورہ کے بیان کی رو سے سلطان شاہ  
نے یہ زمین اپنے نام منتقل کرائی ہے جس کے خلاف یوسف شاہ نے عدالت سے درخواست  
کی لیکن اس دوران شاد علی خان نے دونوں میں مصالحت کرا دی۔

(۳) فریق اولیٰ مصالحت میں ایک ہزار روپے نقد دینے کا تذکرہ کرتا ہے جو کہ فریق ثانی نے  
رضا و رغبت وصول کیے ہیں اور بطور سند تحریری سٹامپ پیش کرتے ہیں۔

(۴) فریق ثانی سلطان شاہ کا بیان ہے کہ حیات شاہ نے اپنی زندگی میں زمین اپنے بیٹیوں کے



درمیان تقسیم کی تھی، تاہم اس میں اچھی اور کمزور زمین کی رعایت کرتے ہوئے ایک بیٹے کو اچھی زمین کم اور دوسرے کو بیکار زمین زیادہ دی تھی۔ فریق اول سید یوسف شاہ نے سازبانہ کر کے خسرہ ۸۰۷ کا بوجس طریقے سے اپنے نام انتقال کرایا ہے جو کہ عدالت نے میری درخواست پر میرے حق میں بحال کر دیا ہے۔

(۵) فریق ثانی کا دفاعی بیان ہے کہ سلطان شاہ نے سید یوسف شاہ کے ساتھ جو مصالحت کی ہے وہ نافذ نہیں کیونکہ سلطان شاہ نے اپنی تمام جائیداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی ہے اور جس جائیداد سے سلطان شاہ نے مصالحت کی ہے یہ اس کی اپنی نہیں بلکہ اس کے بیٹوں کی جائیداد ہے، یہی وجہ ہے کہ سلطان شاہ نے ایک ہزار روپے فریق اول کو واپس کر کے مصالحت کا عدم کر دی ہے۔

**نتیجہ بیانات** | ان نکات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فریقین کسی نہ کسی طریقے سے بیٹیوں کو جائیداد سے محروم کرنے پر متفق ہیں جو کہ ایک جاہلانہ اور غیر شرعی اقدام کی تائید کے مترادف ہے، اگر والد نے دیدہ دانستہ طور پر اپنی جائیداد بیٹوں کے نام منتقل کر کے بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھا ہو تو یہ ایک ناجائز اور حرام حرکت ہے، اگرچہ قضاء یہ اقدامات نافذ ہوتے ہیں لیکن عند اللہ اس جرم سے خلاصی اور نجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ رثا مورث کے فراغت ذمہ کے لیے ہر صاحب حق کو اس کے حق کی ادائیگی کریں ورنہ حقوق العباد کی حق تلفی سے انسان کا عذاب الہی میں گرفتار ہونا یقینی امر ہے۔ تاہم والد کے تصرفات قضاء نافذ نہیں گے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۱۳۹)

**اصل دعویٰ کے بارے میں شرعی فیصلہ** | جہاں تک متنازعہ جائیداد کے بارے میں شرعی فیصلہ میں فریقین کے بیانات کا تعلق ہے تو واضح رہنا چاہیے کہ سرکاری کاغذات میں اس کا محض انتقال و رجسٹری ہونا شرعاً نہ کسی کسے ملکیت کی دلیل ہے اور نہ اس پر حق ملکیت موقوف ہے، اس لیے جیات شاہ کے اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرفات کے نفاذ کے لیے سرکاری کاغذات میں انتقال ضروری نہیں جو باقاعدہ گواہان سے ثابت ہو جائے اس کو اعتبار دیا جائے گا۔ لیکن جہاں تک بعد از ان یوسف شاہ اور سلطان شاہ میں متنازعہ کا مسئلہ ہے اور پھر اس میں مصالحت بھی ہوئی ہے تو اس کا ثبوت باقاعدہ اقرار یا عادل گواہان کی گواہی پر موقوف ہے، اس لیے اگر سلطان شاہ کی رضا و رغبت سے

مصالحات ایک دفعہ ثابت ہو جائے تو باقاعدہ تسلیم کر لینے کے بعد خود سلطان شاہ اور نہ اس کے ورثہ اس سے انکار کر سکتے ہیں، لیکن اس مصالحت کے نفاذ کے لیے یہ ضروری ہے کہ سلطان شاہ جس جائیداد پر مصالحت کر رہا ہے یہ اس کی اپنی ملکیت میں ہو، ورنہ اگر اس نے واقعی یہ جائیداد اپنے بیٹوں میں تقسیم کر کے باقاعدہ قبضہ دے کر ہبہ کیا ہو تو پھر قبضہ سے ہبہ تام ہوگا جس جائیداد پر سلطان شاہ کی ملکیت باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی جائیداد پر مصالحت نہیں کر سکتا اور نہ کسی دوسرے کو اس کی جائیداد دے سکتا ہے اگرچہ باپ بیٹا ہی کیوں نہ ہوں۔ تاہم مصالحت کرتے وقت مذکورہ جائیداد کا سلطان شاہ کی ملکیت میں ہونے کے ثبوت کے لیے باقاعدہ گواہان کی گواہی ضروری ہے ورنہ فریقِ ثانی کو اس پر قسم دی جائے گی، اگر فریقِ اول سلطان شاہ کی ملکیت پر گواہ قائم کرے تو پھر مصالحت قائم رہے گی جس کی پابندی دونوں کے لیے ضروری ہوگی ورنہ پھر ان کے مطالبہ پر فریقِ ثانی پر ملکیت سے انکار کر کے اس پر قسم دی جائے گی، اگر فریقِ ثانی قسم کھائے تو مصالحت کا دعویٰ کالعدم رہے گا اور اصل فیصلہ فریقین کے قدیم دعویٰ پر ہوگا جس میں مدعی کے لیے گواہ اور گواہ میسر نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کو قسم دی جائے گی۔

اس لیے متعلقہ حاکم فریقین سے گواہان کا مطالبہ کرے یا ان کی قسم پر فیصلہ کرے۔

**مدعی اور مدعی علیہ میں سے قسم کس پر ہے؟** | سوال: خالد نے واجد پر دعویٰ کیا ہے کہ تم نے مجھ سے گیارہ ہزار روپے قرض لیے ہیں جبکہ واجد اس کا انکار کرتا ہے

اور مدعی کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، لہذا اب قسم مدعی کو دی جائے گی یا مدعی علیہ کو؟

**الجواب:** قسم شرعاً مدعی علیہ کے ذمے ہوتی ہے اور مدعی کے اختیار میں دعویٰ کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرنا لازم ہوتا ہے، صورتِ مشولہ میں اس تنازع کے حل کے لیے مدعی سے گواہ طلب کیے جائیں اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ کو قسم دی جائے بشرطیکہ مدعی اس کا طالب بھی ہو۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البينة على المدعي واليمين على من انكر. وفي رواية واليمين على المدعي عليه. (جامع الترمذی ص ۱۶۸ ابواب الاحکام۔ باب ماجاء فی ان البينة على المدعي واليمين على المدعي عليه)

لے عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو يعطى الناس يد عواهم دعي ناس ما درجال واموالهم ولكن اليمين على المدعي عليه. (سنن ابن ماجه ص ۱۶۸ ابواب الاحکام۔ باب البينة على المدعي واليمين على المدعي عليه)

وَمِثْلُهُ فِي صِحِّحِ الْمُسْلِمِ ج ۲ ص ۲۶۲ كِتَابُ الْأَمْثِيَّةِ، بَابُ الْيَمِينِ عَلَى الْمَدْعَى عَلَيْهِ



سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ زمین کا ایک ٹکڑا دو فریقوں کے مابین متنازعہ ہے۔

زمین کے تنازعہ پر فریقین میں شرعی فیصلہ فریقے اولے امیر حمزہ وغیرہ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ تنازعہ زمین ہماری ہے، جبکہ فریقے ثانی دبر و دین محمد وغیرہ نے فریق اول کے دعویٰ کے رد میں یہ کہا ہے کہ یہ زمین تمہارے باپ نے ہمارے باپ کو اس مشترکہ مال کے حق کے بدلے میں جو مشترکہ اموال میں اس کو ملتا، دیدی ہے یعنی ہمارے والد پر بیچدی ہے۔

لہذا آپ حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان قرآن و سنت کی روشنی میں اس تنازعہ کا فیصلہ فرمایا جائے؟

**الجواب:** بصورتِ مشولہ میں فریق اول امیر حمزہ وغیرہ مدعی ہے، اور فریق ثانی دبر و دین محمد مدعی علیہ ہے، فریق ثانی نے فریق اول کے دعویٰ کے رد میں یہ کہا ہے کہ زمین کا یہ تنازعہ ٹکڑا تمہارے مورث (والد) نے ہمارے والد کے حق کے بدلے میں (یعنی ہمارے والد کے اس مال کے بدلے جو مشترکہ اموال میں اس کو ملتا اور جسے تمہارے مورث (والد) نے خرچ کر لیا تھا) دیدیا ہے (یعنی بیچدیا ہے)۔ تو اب شرعی ضابطہ کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ یہ ہوگی کہ دافع اپنے دافع کو معتبر شہادت سے ثابت کرے گا، اثبات دفع کی صورت میں فیصلہ مدعی علیہ کے حق میں کیا جائے گا، بصورت دیگر مدعی فریق اول کو حلف علی العلم دیا جاوے گا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی: سئلت فی رجل ادعی علی اخر عقاراً انہ تلقاہ بالارث من ابیہ فاجاہ المدعی علیہ بانی اشتريتہ من ابیک حال حیاتہ یکذا و کذا من القروش و انه فی حوصی و تصهر فی مدۃ تزید علی الخمسین سنۃ مع حضورک و علمک و سکوتک بلا عذر شرعی هل یکون جواب المدعی علیہ من باب الاقراء بالتلقی من ابیہ فیحتاج الی بیئۃ تشهد لہ بالشراء و لا ینفعه وضع الید و التصرف المدۃ المذكورۃ و لا تكون الحادثۃ من قبیل ما مضی علیہ خمس عشرۃ سنۃ، فاجبت نعم جواب المدعی علیہ من قبیل دعوی التلقی من مورث المدعی و دعوی التلقی من مورثہ اقرار لہ بالملک ثم دعواه الانتقال الیہ منه تحتاج الی بیئۃ لان کل مدع یمتاج الی البیئۃ و لا ینفعه وضع الید المدۃ المذكورۃ مع الاقرار



المذكور، وليس هذا من باب ترك الدعوى بل من باب المواخذة بالاقرار ومن  
اقر بشئ لغيره اخذ باقراره ولو كان في يده احقايًا كثيرًا لا تعد الخ  
(الفتاوى الكاملة ص ۱۲۳ كتاب الدعوى)

وفي مجلة الاحكام : اذا ثبت من ادعى دفع الدعوى دفعه  
تدفع دعوى المدعى ولا يحلف المدعى الاصلى بطلب صاحب الدفع. فان نكل  
المدعى عن اليمين يثبت دفع المدعى عليه وان حلف تعود دعواه الاصلية -  
المجلة الاحكام العدلية المادة ۶۳۲ كتاب الدعوى - الفصل الثاني في دفع الدعوى  
قال العلامة خالد اتاسي : وان كان فعل غيره - كما اذا كان بقوله او دعيه  
القائب او اجرنه الى قوله يحلفه على العلم اي على انه لا يعلم ان المدعى به وديعه  
اورهن او مستاجر - وهو هذا الثاني هو المعنى بقول صاحب رد المحتار ويحلفه  
على العلم لانه على فعل الغير - (شرح المجلة ج ۵ ص ۷۵ كتاب الدعوى  
الفصل الثاني في دفع الدعوى)

قال العلامة على جيداً : واذا حلف المدعى تعود دعواه الاصلية وفي هذه  
الحال يكون في اصل الدعوى احتمالان - الاحتمال الاول : ان تثبت دعوى المدعى  
نظراً لكون دفع المدعى عليه يتضمن الاقرار وفي هذا الحال يحكم باصل الدعوى  
كما هو في المثال المذكور آنفاً حيث ان دفع المدعى عليه بقوله انتي اديت المبلغ  
المدعى به هو اقرار بالمبلغ المذكور فاذا صرحت المدعى عليه الاداء وحلف  
المدعى اليمين على عدم الاداء يحكم على المدعى عليه باد المبلغ المدعى به للمدعى -  
رد المحتار شرح مجلة الاحكام ج ۲ ص ۲۲۲ كتاب الدعوى - الفصل الثاني  
در الاحكام کی عبارت مسطورہ سے معلوم ہوا کہ مدعی فریق کے حلف اٹھانے کی صورت میں  
جبکہ مدعی علیہ اپنے دفع کے اثبات سے عاجز آجائے تو جیت مدعی فریق کی ہوگی یعنی اس  
صورت میں فیصلہ اس کے حق میں کیا جاوے گا۔

مدعی مدعی علیہ کو قسم دینے کے بعد گواہ پیش کرے | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین  
اس مسئلہ کے بارے میں کہ درآذینوں  
کے درمیان ایک تنازعہ زمین تھی، مدعی گواہوں کو کسی وجہ سے حاضر نہ کر سکا تو مدعی علیہ کو قسم دینے  
کے بعد فیصلہ کیا گیا، بعد ازاں مدعی کو گواہ مل گئے، تو کیا مدعی اب گواہ پیش کر سکتا ہے یا نہیں  
اور ان کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نزاع کے حل کے لیے گواہ اصل اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اگر مدعی کسی  
وجہ سے مقدمہ میں گواہ پیش نہ کر سکے اور قاضی مدعی علیہ کو قسم دے کر فیصلہ کر جائے اور بعد ازاں  
مدعی کو گواہ مل جائیں اور وہ ان کو پیش کرنا چاہتے تو کر سکتا ہے شرعاً ان کی گواہی قبول ہوگی  
اور گذشتہ فیصلہ کا عدم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (سوال) هل تقبل البيّنة لو اقامها المدعى  
بعد يمين المدعى عليه؟

(الجواب) تسمع البيّنة وتقبل على ما هو الصواب كما صرح به في شرح الملتقى  
والتنوير وغيرهما من الدعوى۔

قال في التنوير: وتقبل البيّنة لو اقامها المدعى بعد يمين المدعى عليه  
عند العامة وهو الصحيح۔ (العقود الدارية في تنقيح الفتاوى الحامدية ج ۲ ص ۲۱۱  
كتاب الدعوى) لہ

مدعی علیہ کے تصرفات پر اظہارِ رضا مندی کے بعد دعویٰ کرنا | سوال: ایک آدمی  
کا مسجد سے متصل ایک

لہ قال العلامة الحصكفي: وتقبل البيّنة لو اقامها المدعى وان قال قبل اليمين  
لا بيّنة لي بعد يمين المدعى عليه كما تقبل البيّنة بعد القضاء بالنكول  
عند العامة وهو الصحيح۔۔۔۔۔ ولان اليمين كالحلف عن البيّنة فاذا جاء الاصل  
انتهى حكم الحلف كانه لم يوجد اصلاً۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار  
ج ۲ ص ۲۴۲ كتاب الدعوى)

ومثله في البحر الرائق ج ۷ ص ۲۰۶ كتاب الدعوى۔

کمرے ہے، اہل محلہ نے اس سے کہا کہ یہ کمرہ ہم کو دے دو ہم آپ کو اس کی قیمت دے دیں گے اور اس کمرے کو مسجد میں شامل کر دیں گے، اس میں لوگ نمازیں پڑھیں گے، اس پر کمرے کے مالک نے کہا کہ میں روپے نہیں لیتا بلکہ اس کمرے کو مسجد کے لیے بنام خدا وقف کرتا ہوں، اس پر اہل محلہ نے اس کمرے کو مسجد میں شامل کر لیا، تقریباً دو سال تک محلہ کے لوگوں نے خود اس کمرے کے مالک اور اس کے دوسرے بھائیوں نے اس میں نمازیں ادا کیں، مسجد میں باقاعدہ امام بھی مقرر کیا گیا، اب دو سال کے بعد کمرے کے مالک کے دوسرے بھائی نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ کمرہ جو مسجد میں شامل کیا گیا ہے میرا ہے اور اپنے بھائی سے بھی اور اہل محلہ سے بھی جھگڑتا ہے اور لوگوں کو مسجد میں نماز بھی نہیں پڑھنے دیتا، حالانکہ اس آدمی نے خود بھی تقریباً دو سال تک اس مسجد میں نمازیں پڑھی ہیں اور اپنے بھائی کے فیصلے پر راضی تھا اور اس کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا۔ تو اب اس آدمی کا دو سال کے بعد مقدمہ چلانا کیسا ہے؟ کیا شرعاً اس کا یہ دعویٰ قابل سماعت ہے؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے مطابق جب اہل محلہ نے کمرے کو مسجد میں شامل کر لیا اور مالک نے اس کو بنام خدا مسجد کے لیے وقف کر دیا جس پر اس کے سب بھائی بھی راضی تھے اور دو سال تک کسی نے کوئی اعتراض نہیں بھی نہیں کیا تو اس رضامندی کی وجہ سے ان کا حق دعویٰ ختم ہو گیا ہے ایسے اب اگر ان میں سے کوئی دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے۔

لما قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: سئلت فيمن باع عقاراً وسلمه للمشتري وتصرف فيه زماناً وجاره او غيره حاضر يري البيع والتسليم والتصرف وهو ساكتٌ بلا مانع ثم يقوم ويدعي انه كله او بعضه هل لا تسمع دعواه هذه — فالجواب: لا تسمع لما تقر ان من يري غيره يبيع ارضاً او داراً فتصرف فيه للمشتري زماناً والرائي ساكتٌ تسقط دعواه۔  
الفتاوى الكاملية ص ۱۱۴ كتاب الدعوى۔ مطلب لا تسمع دعوى من رأى البيع والتصرف

قال العلامة خير الدين الرملي: (سئل) فيما لو باع شيئاً وبعض أقاربه يطلع على بيعه وقبضه وتصرف المشتري فيه زماناً ثم ادعى فيه ملكاً هل تسمع دعواه ام لا — (اجاب) قال كثير من علمائنا اذا باع شخص عقلاً او حيواناً او ثوباً او نحو ذلك وقبضه المشتري وتصرف فيه تصرف الملاك وبعض أقاربه مطلع على ذلك ثم ادعاه او ادعى بعضه انه ملكه لا تسمع دعواه لان ذلك اقرار منه بانه ملك البائع قطعاً للاطلاع الفاسدة وسد الباب للتزوير والتلبيس الخ۔  
 (الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲ كتاب الدعوى ومطالبه۔ مطلب لو باع شيئاً الخ) ومثله في فتاوى تنقيح الحامدية ج ۲ ص ۲ كتاب الدعوى باع داراً وقبضه حاضر تترك الدار..... الخ



کاغذی ثبوت پیش کرنے کے بعد مدعی علیہ کا انکار کرنا | سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے

میں کہ فریقین (فریق اول محمد خان وغیرہ اور فریق ثانی اجمل خان وغیرہ) نے تحریری طور پر لکھ کر دیا کہ ہم متفقہ طور پر شرعی فیصلہ کروائیں گے، پھر ایک دینی مدرسہ میں آکر علماء کو یہ تحریر کر کے دے دیا کہ فریق اول محمد خان وغیرہ چھ ماہ تک اپنے حق کے ثبوت میں کاغذات پیش کرے گا اور اگر کاغذی طور پر اپنا حق ثابت نہ کر سکا تو اپنا قبضہ چھوڑ دے گا۔ فریق ثانی (اجمل خان وغیرہ) نے بھی اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ ٹھیک ہے اگر اس (فریق اول) نے ثبوت پیش کر دیا تو ہم اس کو یہ حق چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد فریق اول (محمد خان وغیرہ) نے چھ ماہ تک کاغذی طور پر اپنا حق ثبوت پیش کیا تو اس کے مخالف فریق اجمل خان وغیرہ نے کہا کہ اب ہم بھی اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا اور اپنے تحریری وعدہ سے منحرف ہو گیا، اب آنجناب شریعت مطہرہ کی رو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اس شخص کا حکم یہ ہے کہ حاکم اس کو مقدمہ چلانے پر مجبور کرے گا، پھر دیکھا جائے گا کہ فیصلہ کس فریق کے حق میں کیا جاتا ہے۔

قال العلامة خالد اتاسی رحمہ اللہ: اذا اصر المدعی علیہ علی سکوتہ الخ  
فیحبس حتی یقر او ینکر۔ (شرح المجلد تحت المادة ۱۲۲ ج ۶ ص ۱۱۹  
باب فی بیان احکام کتاب التقاضی) لہ

لہ قال العلامة الحسینی: واذا قال المدعی علیہ لا اقر ولا انکر لا یتخلف بل یحبس  
لیقر او ینکر الخ۔ (الدر المختار ج ۲ ص ۲۱۱ کتاب الدعوی)  
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب الدعوی۔

مدعی بہ کے سامنے ہونے کی صورت میں اشارہ ہی کافی ہے | سوال :- امارت اسلامی افغانستان

زمین پر دو فریقین کے مابین دعویٰ ہے۔ فریق اول (مدعی) محمد قاسم ہے اور فریق ثانی (مدعی علیہ) محمد قیوم ہے، اس دعویٰ کے تصفیہ کے لیے دونوں نے مشترکہ طور پر دو حکمین مقرر کر لیے، ایک محکم مولانا نور الحق صاحب اور دوسرے محکم مولانا سید گلزار صاحب ہیں۔ مدعی اور مدعی علیہ دونوں نے محکمین علماء کو تنازعہ زمین پر لے جا کر اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے دکھائی اور محکمین حضرات نے خود شاہدہ کر کے دیکھ لی۔ اس کے بعد موقع پر ہی مدعی محمد قاسم نے اپنا دعویٰ لکھا اور اسی جگہ پر محکمین حضرات کو دے دیا تاکہ وہ اس کو پڑھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں۔ تحریری دعویٰ دیکھ کر محکمین میں سے مولانا سید گلزار صاحب نے کہا کہ یہ دعویٰ قابل سماعت ہی نہیں، اس لیے کہ اس میں زمین مدعی بہا کا حدود اربعہ نہیں لکھا گیا، حدود اربعہ کا لکھنا ضروری ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ: معلومۃ المدعی بہ ان کان عقاراً تعیین بیان حدودہ۔ (شرح المجلدہ خالد اتاسی ج ۵ ص ۱۶۱) اس پر دوسرے محکم مولانا نور الحق صاحب نے کہا کہ صورت دعویٰ درست ہے، اس لیے کہ اس تنازعہ زمین پر ہم کھڑے اور حاضر ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لہذا حدود لکھنے کی ضرورت نہیں رہی، دلیل اس کی یہ ہے: والتعریف بالاشارة بكون صحیحاً فی محل نوع من المدعی بہ الموجود منقولاً او کان عقاراً والوصف والتعریف بكون فی المدعی بہ الغائب و غیر الموجود۔ (درر الحکام ج ۲ ص ۱۶۱)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی تنازعہ زمین کو قاضی یا محکم خود حاضر ہو کر شاہدہ کر لے تو پھر حدود لکھنا ضروری ہے یا نہیں؟  
۲۲) اوپر دی گئی صورت میں کون سا محکم حقہ حنفی کے موافق ہے؟ اور جو صورت دعویٰ اوپر دی گئی ہے وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- کوئی تنازعہ چیز جب مجلس قضاء میں برائے تصفیہ حاضر ہو تو اس کے تعیین کے لیے صرف اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، اس کے دیگر صفات اور حدود اربعہ وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، صرف اشارہ کر دینے سے مدعی یہ کا تعیین ہو جاتا ہے، تاہم اگر تنازعہ چیز مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو تو حکمین یا عدالت میں قاضی یا جج کے سامنے اس چیز چیز کی تعریف بالاوصاف اور حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہوگا تاکہ نزاع ختم کرنے کے لیے

مدعی بہ سب پر واضح ہو جائے۔

صورتِ مسئلہ میں چونکہ حکمین مدعی بہ زمین کے پاس کھڑے ہیں اور اشارہ کے ساتھ آل کی تعیین ممکن ہے، اس کے بعد کوئی جہالت وغیرہ باقی نہیں رہتی، اس لیے حکم مولانا نور الحق صاحب کی بات درست ہے۔

لما فی شرح المجلة: معلومیة المدعی بہ تکنون بالاشارة او الوصف والتعریف هو اذا كان عیناً منقولاً وكان حاضرًا فی مجلس المحاکمة فالاشارة کافیة۔ (المادة ۱۶۲۰۔ در الاحکام ج ۲ ص ۱۸۵ کتاب الدعوی)

وفیه ایضاً: کذلک لا یشترط بیان حدود العقار اذا کان مستغنیاً عن التحدید لشهرته۔ (المادة ۱۶۲۳۔ در الاحکام ج ۲ ص ۱۹۱ کتاب الدعوی) وفیه المسئلة الثانية لا یشترط عند الامین بیان حدود العقار اذا کان مستغنیاً عن التحدید لان الشهرة مغنیة عن التحدید وقد حصل المقصود بلا تحدید۔ (در الاحکام ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الدعوی)

**سوال** :- جناب مفتی صاحب! زمین کے ایک تنازعہ میں فریقین نے بندہ کو حکم بنایا ہے۔ اب مدعی نے جس زمین پر دعویٰ کیا ہے اس میں اس نے حدود اربعہ تو صحیح بیان کیا ہے مگر مقدار زمین کے بیان میں غلطی کر گیا ہے اس زمین کی اصل مقدار ۲۰ کنال ہے جبکہ مدعی نے ۶ کنال کا ذکر کیا ہے۔ مدعی علیہ کے وکیل ایک مولوی صاحب ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تنازعہ زمین کی مقدار ۲۰ کنال ہے اور مدعی نے ۶ کنال ذکر کی ہے اس لیے یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ تو کیا واقعی یہ دعویٰ صحیح نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

**الجواب** :- شرعاً دعویٰ کی صحت کے لیے مدعی کا مدعی بہ صحیح اور درست حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے، اگر مدعی سے مقدار رقبہ بتانے میں غلطی ہو جائے تو اس سے دعویٰ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، دعویٰ درست ہوگا۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں مدعی کا دعویٰ صحیح ہے اور مدعی علیہ کے وکیل کا دعویٰ کو رد کرنا صحیح نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام: اذا اصاب المدعی فی بیان الحدود واخطاء فی بیان مقدار ذراع العقار او دونه لا یمنع صحة دعواه۔

(مجله الاحکام المادة ۱۶۲۳)



فریق اول : فاروق شاہ ولد احمد شاہ  
فریق ثانی : عرب خان ولد شیر علی خان  
ساکنان پانٹی منٹی

## فیصلہ شرعی بین الفریقین

فقہاء اسلام کے تعریف مدعی اور مدعی علیہ : المدعی من یلتبس بخلاف الظاہر و المدعی علیہ من یلتبس بظاہر (شرح المجلة لخالد اتاسی - ۵/۵)  
وفي الهدایة المدعی من یتمسك بغير الظاهر والمدعی علیہ من یتمسك بظاہر الى آخره (۳۰۰/۳)

وقال محمد المدعی علیہ هو المنکر (الهدایة ۳۰۰/۳)  
سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تنازع میں دونوں فریقین مدعیان ہیں۔ لہذا ہم اولاد دونوں کے دعویٰ کا جائزہ لیں گے کہ کونسا دعویٰ اصول شرع کے موافق اور براہین کے ساتھ اپنے مقصد کو ثابت کرتا ہے۔

فاروق شاہ کا دعویٰ یہ ہے کہ نعیم شاہ نے اپنے جملہ جائیداد کو میر سے والد احمد شاہ ولد انبالی اپنے بھائی کے نام کئی سال پہلے کر دیا تھا۔ اور اس کا سٹام میر سے پاس موجود ہے۔ جائزہ یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بنا پر اپنے مقصد کو ثابت کرنے میں ناقص ہے۔  
(۱) جس اسٹام کا حوالہ مدعی دعویٰ میں دے چکا ہے اور بیان کے ساتھ وہ اسٹام منسلک ہے اس میں گواہ درج نہیں، جب کہ صرف اسٹام اثبات دعویٰ کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ صرف تحریر پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

كما قال ابن عابدین : لا یعمد علی الخط ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ عطوط القضاة الماضین۔ (رد المختار - ۴۳۵/۵) وہ اس لیے کہ الخط یشبه الخط کی وجہ سے تحریر خیر واحد کے حکم میں ہو کر ناقابل احتجاج ہے۔

۲۔ مدعی فاروق شاہ اپنے دعویٰ ارث کے اثبات کے لیے گواہان بھی پیش نہ کر سکا جب کہ مدعی کے ذمہ قانون شرعی کے مطابق اثبات دعویٰ کے لیے گواہان کا پیش کرنا لازمی ہے۔ لفظ علیہ السلام : البینة علی المدعی والیمین علی من انکر۔ (الحديث)

(۳) اگر نعیم شاہ نے اپنا جملہ جائیداد اپنے بھائی احمد شاہ کو سببہ بھی کیا ہو لیکن انہوں نے بھائی کو موہوبہ اراضی قبضے میں نہیں دیا تھا جب کہ سببہ تمام ہونے کے لیے قبضہ شرعی کا ہونا ضروری ہے

بدون اس کے سپہ صحیح نہیں ہوتا۔ چونکہ مدعی بھی قبضہ نہ دینے کا مفکر ہے لہذا ہبتہ تام نہ ہوا۔ اس لیے مدعا علیہ کو حلف دینے کی حاجت نہ رہی۔

کما قال ابراہیم حلی: الہبتہ ہی تملیک عین بلا عوض و تصح بايجاب و قبول و تتم بالقبض الكامل۔ فان قبض فی المجلس بلا اذن صح و بعدہ لا بد من الاذن۔ (ملتی الا بحر علی صدر مجمع الا نھر ۳/۲۱۹ تا ۲۹۲ کتاب الہبتہ)

قال المرغینانی: الہبتہ عقد مشروع و تصح بالایجاب والقبول والقبض۔ اما الایجاب والقبول فلاذہ عقد والعقد یعتقد بالایجاب والقبول۔ والقبض لا بد منه لثبوت الملك..... ولنا قوله علیه السلام: لا یجوز الہبتہ الا مقبوضۃ..... فان قبضۃ الموهوب له فی المجلس بغير اذن الواهب جازا سحساناً وان قبض بعد الا فتراق لم یجز۔ (الہدایۃ - ۳/۲۸۱ کتاب الہبتہ)

وفي مجلة الاحكام: تتعقد الہبتہ بالایجاب والقبول و تتم بالقبض قال سلیم رستم باز تحتها: الكامل لانها من التبرعات والتبرع لا يتم الا بالقبض۔

(شرح المجلة - ۳۶۲)

۴۔ مکتوب (اسٹام) میں ذکر ہے کہ احمد شاہ ولد انبالی نعیم شاہ ولد انبالی کا اکیلا وارث ہے۔ جب کہ احمد شاہ ولد انبالی نعیم شاہ سے قبل فوت ہو چکا ہے اور وراثت کا تعلق موت کے بعد سے ہوتا ہے۔ لہذا جب احمد شاہ نعیم شاہ کا خود وارث نہ بن سکا تو اس کی اولاد بدرجہ اولی وارث نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ نعیم شاہ کا بھائی شیر علی ولد انبالی زندہ ہے۔ لہذا نعیم شاہ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد شیر علی کے نام ہوگی۔

دعویٰ عرب خان ولد شیر علی؛ موصوف کا دعویٰ ہے کہ نعیم شاہ ولد انبالی نے اپنے ہوش و حواس کی سالمیت کے ہوتے ہوئے ۵ امر لہ مارکیٹ جو بارہ دکانوں پر مشتمل ہے اور تین کنال اراضی مع پانی کے قیمتاً میرے ہاتھ فروخت کی ہے اور میرے پاس گواہ اسٹام پیپر کاری انتقالات کی فوٹو کاپیاں اور نعیم شاہ کی اپنی آواز کی کلیسٹ موجود ہے۔

جائزہ۔ قانون شرعی کے مطابق کسی تنازع کے حل کے لیے اصول یہ ہے کہ مدعی خلاف ظاہر کے اثبات کے لیے گواہ پیش کرے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہو تو پھر مدعی کے مطالبہ پر مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ لہذا قال علیہ الصلاة والسلام: البینۃ علی المدعی





قانون شرعی یہ ہے کہ جب کوئی مدعی اپنا دعویٰ پر بینہ پیش کرتے تو شرعاً قاضی پر لازم ہے کہ اس کے حق میں فیصلہ کرے کما فی مجلۃ الاحکام۔ (المادۃ ۱۸۱۸) ان اثبت المدعی و عواہ بالبینة حکم القاضی له بذلك۔ قال علی حیدر تحت هذه المادة ان اثبت المدعی دعواہ بالبینة ای: اذا شهد شهود و حیرت تزکیہم سرا و علائقة فظہر انہم عدول و مقبولۃ الشہادة حکم القاضی بذلك۔ (درر الاحکام۔ ۶۴۵/۲)

ہذا گواہان کی گواہی اور بطور تائید اسٹام میں تحریر شدہ اقرار نامہ جس پر گواہوں کے دستخط موجود ہے۔ سرکاری منتقلات کے تصدیق شدہ نوٹوں کا پتلا اور ٹیپ شدہ بیان سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ نعیم شاہ ولد انبالی سکنہ پانٹی نے بقائے ہوش و حواس اپنی ذاتی ملکیت ۱۵ مرلہ مارکیٹ جو ۱۲ عدد درکانوں پر مشتمل ہے اور تین کنال اراضی مع پانی نمبر کے عرب خان ولد شیر علی سکنہ پانٹی کے ہاتھوں فروخت کی ہے اور اس کو اپنی حیات ہی میں قبضہ دیا ہے جو آج تک عرب خان کے قبضہ میں ہے۔ شریعت مقدسہ میں جب دو فریق کے باہمی رضامندی کے ایک بار ایجاب قبول ہو کر عقد بیع ہو جائے تو پھر کسی کو بھی شرعاً اس عقد کے فسخ کا اختیار نہیں ہے۔

کما فی الہدایة: و اذا حصل الایجاب والقبول لزوم البیع ولا خيار لو احد

منہما الخ (۲۵-۳)

وفی ملتقى البحر و اذا وجد الایجاب والقبول لزوم البیع بلا خيار رجوعا لجمع

الذہر۔ (۱۰/۴)

وہذا فی الہندیۃ (۱/۳) و کذا فی فتح القدیر (۵/۲۶۲)

اس لیے جملہ مدعی بہ رتین کنال اراضی مع پانی نمبر اور سپندرہ مرلہ مارکیٹ) عرب خان ولد شیر علی کی زر خرید ملکیت ہے کسی کا اس پر دعویٰ ارث وغیرہ کرنا شرعاً صحیح نہیں۔

فریق اول: فاروق شاہ بن احمد شاہ مدعی۔

فریق ثانی: شیر علی، نعیم شاہ، وغیرہ پسران انبالی۔

**فیصلہ شرعی**

فریق اول: فاروق شاہ ولد احمد شاہ کا دعویٰ ہے کہ انبالی رجو شیر علی، نعیم شاہ وغیرہ کا باپ ہے اور اس کے بھائی میر علی نے آج سے تقریباً ۵۰، ۶۰ سال قبل میرے والد احمد شاہ ولد انبالی کی زوجہ اول امرو بی بی (مرحومہ) جو ۵۰، ۶۰ سال قبل فوت ہو چکی ہے کے جائیداد کو باہمی تقسیم کیا ہے، جب کہ اس جائیداد کا حقدار میرا والد صاحب ہے اس لیے وہ مجھے واپس دیا جائے جبکہ

مدعا علیہاں مدعی کے اس دعویٰ ارث کے منکر ہیں۔

جائزہ : قانونی شرعی کے اندر ارث، وقف وغیرہ کے دعویٰ کے سماع کے لیے ضروری ہے کہ ۳۶ سال کے اندر اندر کیا جائے اگر بلا ضرورت شرعی ۳۶ سال تک تاخیر کیا جائے تو شرعاً وہ دعویٰ قابل سماعت نہیں۔ اتنی مدت کی تاخیر سے سمجھا جائے گا کہ مدعی بہ مدعی کا حق نہیں ورنہ وہ اتنی تاخیر نہ کرتا۔

کما قال ابن عابدین : عن المبسوط اذا ترك الدعوى ثلاثا وثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهر اوقى الجامع الفتوى لا تسمع الدعوى بعد سنة وتلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لها ولي او المدعى عليه اميراً جائراً الى اخره رد المختار ۶/۲۲۲

وقال العلامة سليم رستم باز : اذا مضى على الدعوى ثلاثون سنة بلا عذر فلا تسمع وان امر السلطان بسماعها - رشرح المجله ۳/۹۸۳

وقال علي حيدر : لذلك فالدعوى التي تترك سنة وتلاثين سنة بلا عذر لا تسمع مطلقاً حيث ان ترك الدعوى تلك المدة مع الاقتدار عليها وفقدان العذر يدل على عدم الحق -

ردرر الحکام شرح المجلة ۴/۲۹۵

• وقال العلامة الخالد اتاسى : عن جامع الفتاوى ان المتأخرين من اهل الفتوى قالوا لا تسمع بعد سنة وثلاثين سنة الا ان يكون المدعى غائباً او صبيّاً او مجنوناً وليس لهما ولي او المدعى عليه اميراً جائراً يخاف منه وعللوا ذلك بأن ترك الدعوى جميع هذه المدة مع تمكن منها دليل على عدم الحق ظاهراً - رشرح المجلة ۵/۱۲۷

لہذا ان دلائل کے پیش نظر فاروق شاہ ولد احمد شاہ کا دعویٰ ارث چوں کہ ۶۰ سال گزر جانے کے بعد جوڑ رہا ہے۔ جب کہ اس دوران کوئی عذر شرعی جو دعویٰ سے مانع ہو موجود نہیں تھا۔ اس لیے شرعاً ان کا یہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے۔ مدعی بہ انبالی اور اس کے بھائی میر علی کا منظور ہے اور ان کے بعد ان کے ورثاء کا حق ہے۔

## باب التحکیم (ثالثی کے احکام و مسائل)

**ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت** | سوال :- کسی تنازع کے تصفیہ کے لیے ثالث مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ ہر مستحق کو اس کا حق دلانا شریعت میں مطلوب و مقصود ہے اور حق دار کو جہاں کہیں سے بھی اپنے حق کے حصول کا اطمینان حاصل ہو جائے چاہے قاضی کے ذریعے سے ہو یا کسی اور کے ذریعے سے ہو تو اس میں شریعت نے فریقین کو اختیار دیا ہے کہ جس طرح ہر شخص کو دوسرے معاملات میں اپنے اوپر ولایت حاصل ہے، اسی طرح تنازعات میں بھی اگر وہ اپنی ولایت کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے کسی شخص کو حکم و مقرر کرے تو یہ جائز ہے لیکن اس میں فریقین کی باہمی رضامندی اور اتفاق رائے ضروری ہے، اگر کوئی بھی فریق ثالث مقرر کرنے سے انکار کرے تو صرف ایک فریق کی رائے سے ثالث مقرر کرنا جائز نہیں۔

لما قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وَإِنْ يَخْتُمُّ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَاْبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِمْ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا۔ (سورة النساء آیت ۳۵) لہ

**کسی فاسق کو ثالث مقرر کرنے کی شرعی حیثیت** | سوال :- شرعی امور میں غفلت کے مرتکب شخص کو کسی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے ثالث

مقرر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کسی شخص سے اس وقت صحیح انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے جب وہ زہد و تقویٰ کی زینت سے آراستہ ہو کہ اس کے ہونے ہوئے لوگوں کے تصفیہ طلب معاملات میں سے احتیاط سے کام لے گا اور کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا، اور جو شخص زہد و تقویٰ سے خالی ہو اس سے

۱۔ قال العلامة برهان الدین المرغینانی: إِذَا حَكَمَ رَجُلَانِ رَجُلًا فَحَكَمَ بَيْنَهُمَا وَرَضِيَ بِحُكْمِهِ جاز۔ (الهدایة ج ۳ ص ۱۲۳ باب التحکیم۔ کتاب آداب القاضی)  
وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْأَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۱۸۳۱ ص ۱۱۹۳ الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم۔



صحیح انصاف کا تصور بھی ممکن نہیں، اس لیے ثالث تب صحیح فیصلہ کر سکے گا جب وہ شرعی امور کا پابند ہو اور احکامات شرعیہ کی بجائے آوری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتا ہو لہذا ابتداءً فاسق کو ثالث مقرر کرنا درست نہیں لیکن اگر فریقین نے باہمی رضامندی سے مقرر کر لیا ہو اور اس کا فیصلہ شرعی قواعد و ضوابط کے موافق ہو تو وہ شرعاً نافذ العمل ہوگا، چونکہ فریقین میں سے ہر ایک کو فیصلے سے قبل رجوع کا حق حاصل ہے اس لیے کوئی بھی فریق فیصلے سے قبل اس کو زائل کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصرى: وافاد بقولہ لوصولہ قاضياً جواز تحكيم المرأة والفاستق لصلاحيتهما للقضاء والاولى ان لا يحكما فاسقاً۔

البحر الرائق ج ۷ ص ۲۶۷ باب التحكيم، لہ

دینی امور سے ناواقف شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حکم | سوال :- کیا دینی امور سے

ناواقف شخص کو ثالث مقرر کرنا

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دراصل فریقین کے تنازعہ کا حل نکالنا اور ہر ایک کو اپنا حق دلانا ثالث کی اہم ذمہ داری ہے اور ثالث یہ ذمہ داری اس وقت صحیح طریقے سے نبھا سکتا ہے جب وہ دینی امور سے واقف ہو کیونکہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے واقفیت کے بغیر ان حقوق کے تحفظ کا تصور بھی ممکن نہیں، اس لیے دینی امور سے واقف عالم کے ہوتے ہوئے کسی غیر عالم کو ثالث مقرر کرنا مناسب نہیں، البتہ اگر غیر عالم کو ثالث مقرر کیا گیا تو جائز ہے لیکن اس پر لازم ہے کہ تنازعات کے تصفیہ میں ذاتی رائے قائم کرنے سے گریز کرے اور مسائل میں علماء سے رجوع کرے اس لیے کہ اگر اس کا فیصلہ شرعی اصول و ضوابط کے موافق ہو تو نافذ ہوگا ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: انه يمكنه ان يقضى بفتوى غيره ومقصود القضاء

لہ قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: - والفاستق اذا حکم یجب ان یجوز عندنا کما مرفی

المولیٰ - (الهدایة ج ۳ ص ۱۲۳ باب التحکیم، کتاب آداب القاضی)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُحْتَارِ ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب القضاء، باب التحکیم۔

یحصل بلو وهو ایصال الحق الی مستحقه - (المہدایۃ ج ۳ ص ۱۲۲ ادب القاضی) لہ  
**ثالث کا شرعی اصول کے خلاف فیصلہ کرنے کا حکم** | سوال :- دو بھائیوں نے مشترکہ

ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہو گیا، اس کے وارثوں میں ایک نابالغ بیٹا موجود ہے، بھائی کے انتقال کے بعد دوسرا بھائی اس کی زمین میں تصرف کرتا رہا، جب متوفی کا بیٹا بالغ ہوا تو اس نے اپنے حصے کی زمین کا مطالبہ کیا، دونوں نے فیصلے کے لیے ایک ثالث مقرر کیا، اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ۱۱۵ کنال زمین متوفی بھائی کے بیٹے کو دی جائے گی اور باقی زمین دوسرے بھائی کے حصے میں رہے گی، اس وقت اس فیصلے پر دونوں راضی تھے لیکن متوفی کے بیٹے نے بعد میں انکار کیا، تو کیا شریعت کی رو سے ثالث کا یہ فیصلہ شرعاً نافذ ہو گا یا نہیں؟

**الجواب :-** شریعت مطہرہ نے اگر ثالث کو کسی متنازعہ معاملہ میں فریقین میں فیصلے کا اختیار دیا ہے تو اس میں یہ شرط لازمی قرار دی ہے کہ اس کا فیصلہ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو، اگر اس کا فیصلہ ان امور میں سے کسی کے بھی خلاف ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا، تاہم فریقین میں سے کوئی ایک فریق اپنا حق معاف کر کے ثالث کے فیصلے کو دوام بخش سکتا ہے، اس لیے حسب بیان مذکورہ بالا ثالث کا فیصلہ شرعی اصول کے منافی ہے کیونکہ اگر متوفی اور زندہ موجود بھائی نے مشترکہ مساوی مال سے زمین خریدی ہو تو اس زمین میں متوفی نصف حصے کا حقدار ہے اور اس کا یہ نصف حصہ اس کے وارثوں میں وراثت کے شرعی اصول کے تحت تقسیم کیا جائے گا، صورتِ مسئلہ میں ثالث کا فیصلہ چونکہ قرآن کریم اور سنت کے اصول کے منافی ہے اس لیے شرعاً نافذ نہیں ہو گا، تاہم یہ نہیں تو فریقین میں سے ہر کوئی اس کو رد کر سکتا ہے۔

ما قال العلامة ابو بکر بن مسعود الکاسانی: فان وقع فی فصل فیہ نص مفسر  
 من الکتب او الخبر المتواتر او الاجماع فان وافق قضاء ذلک لقد ولا یحل له النقص

لہ قال العلامة الکاسانی: لانه یمکنہ ان یقضی بعلم غیرہ بالرجوع الی فتویٰ غیرہ من  
 العلماء - ردائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱ فصل التحکیم، کتاب آداب القاضی  
 ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱۱ کتاب القضاء۔

لانه وقع صحيحاً قطعاً وان خالف شيئاً من ذلك يردّه لانه وقع باطلاً قطعاً۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۲۷ کتاب آداب القاضی۔ فصل واما بیان ماینفذ من القضا یا ..... متہام لہ

سوال :- بعض علاقوں میں لوگ باپ دادا کے قانون کے موافق اپنے فیصلے عدالتوں سے کراتے ہیں، اس میں حکومت کی طرف سے

مقرر کردہ قاضی نہیں ہوتا، اور بعض لوگوں نے شریعت کے مطابق فیصلے کے لیے باقاعدہ ایک عالم مقرر کیا ہوتا ہے جو ان کو جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی پڑھاتا ہے، تو کیا شرعاً اس کو قاضی تصور کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :- قاضی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فیصلوں کے بارے میں با اختیار ہو اور ہر خاص و عام پر اس کو یکساں ولایت حاصل ہو کیونکہ اختیارات میں معمولی سی کمی بیشی کے باعث لوگوں میں صحیح فیصلے کرنے سے قاصر رہے گا جس کی وجہ سے قضاء کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا، اور قاضی کو یہ مکمل اختیارات تب حاصل ہوں گے جب اس کو حکومت وقت نامزد کرے کیونکہ قاضی حکومت کی طرف سے وکیل کی حیثیت رکھتا ہے اور فریقین اپنی مرضی سے جس کو فیصلوں کے لیے مقرر کریں اس کو تو صرف ان لوگوں پر اختیارات حاصل ہوں گے جنہوں نے اس کو مقرر کیا ہو، ان کے علاوہ دوسروں پر اس کو اختیارات حاصل نہیں، اس لیے اگر لوگ اپنے فیصلوں کے لیے کسی کو مقرر کریں تو وہ حکم ہو گا قاضی نہیں؟

لما قال العلامة اہل الدین محمد بن محمود الباری، ان المحکم ادقاً مرتبۃ من القاضی

لاقتصار حکمہ علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی۔ (الغایۃ علی ہامش فتح القدر ج ۶ ص ۱۲۰ باب التحکیم۔ کتاب آداب القاضی) لہ

لہ قال العلامة ابن قاضی سماوۃ، قضایا القضاۃ ثلاثۃ اقسام (۱) حکم بخلاف نص او اجماع وپہذا باطل فلکل من القضاۃ نقضہ اذ ارفع الیہ و لیس لاحد ان یجیزہ۔ (جامع الفصولین ج ۱ ص ۳۳ الفصل الثانی فی القضاء فی المجتہد فیہ)

و مثلہ فی البحر الرائق ج ۷ ص ۱۱ کتاب ادب القضاء۔ باب التحکیم۔

لہ لما قال العلامة الحسینی، عرفاً تولیۃ الخصمین حاکماً یحکم بینہما و رکنہ علیہ مع قبول الآخر۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ باب التحکیم۔ کتاب القضاء)

و مثلہ فی البحر الرائق ج ۷ ص ۲۴ کتاب آداب القاضی۔ باب التحکیم۔



**معزول ثالث کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا** | سوال :- فریقین نے دو آدمیوں کو زمین کے تنازعہ میں ثالث مقرر کیا، بعد میں کسی وجہ سے ایک فریق کا دونوں ثالثوں پر اعتماد باقی نہ رہا اور اس نے فیصلے سے پہلے ان دونوں کو معزول کرنے کا باقاعدہ اظہار کیا لیکن اس کے باوجود ثالثوں نے فیصلہ کر دیا، تو کیا ثالثوں کا فیصلہ نافذ عمل ہوگا یا نہیں؟

**الجواب**، صورتِ مسئلہ میں ان دونوں آدمیوں کو فریقین نے چونکہ اپنی طرف سے ثالث مقرر کیا ہے لہذا فریقین میں سے اگر کوئی بھی ان کو معزول کرنا چاہے تو فیصلے سے قبل ان کو یہ اختیار حاصل ہے، جب ایک فریق نے دونوں ثالثوں پر عدم اعتماد یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان کو معزول کر دیا تو اب ان کی تحکیم کا عدم ہوگی اور ان کا فیصلہ نافذ عمل نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: لو عزل احد الخصمین قبل الحكم لم یفذل حکمہ علیہ۔ ر خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۹ الفصل الخامس فی التحکیم۔ کتاب القضاء

**فریقین کا تحکیم سے رجوع کے بعد حکم کیلئے اجرت لینا جائز نہیں** | سوال :- فریقین فیصلہ کے لیے ایک قاضی

کے پاس گئے، اس نے فیصلے پر پندرہ (۱۵) روپے اجرت پیشگی وصول کی، فریقین کی سستی کی وجہ سے ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا، اب فریقین قاضی سے اجرت واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن قاضی اجرت واپس کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ سستی تمہاری طرف سے ہوئی ہے اس لیے میں پیشگی لی ہوئی اجرت واپس نہیں کروں گا، تو کیا قاضی کے لیے فیصلے سے قبل اجرت وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب** :- مذکورہ قاضی شرعی قاضی نہیں کیونکہ قاضی تو حکومت کی طرف سے مقرر

لہ قال العلامة ابن نجیم: وقال انه یخرج عن الحكومة باحد اسباب ثلاثة بالعزل او بانتهاء الحكومة نہایتہا بان کان موقتاً فمضی الوقت او یخرو وجه من ان یکون اهلاً للشهادة۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸ باب التحکیم)

و مثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸ کتاب القضاء۔ باب التحکیم۔

ہوتا ہے، جب فریقین فیصلے کے لیے کسی کو مقرر کریں تو وہ محکم ہوتا ہے اور تحکیم میں چونکہ فیصلے سے قبل فریقین کو رجوع کا حق حاصل ہے اس لیے ان میں سے اگر ایک فریق یا دونوں رجوع کر لیں تو یہ تحکیم فسخ ہو جائے گی، جب تحکیم فسخ ہو جائے تو محکم اجرت کا مستحق نہیں رہتا، ان کے مابین اجارہ تحکیم پر ہوتا ہے، جب فریقین رجوع کر لیں تو اجارہ بھی فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ اجارہ محض عقد سے لازم نہیں آتا بلکہ جو شرط اس میں لگائی گئی ہو اس کا پورا ہونا ضروری ہے لہذا صورتِ مسئلہ میں حکم کو یہ رقم ناجائز نہیں۔

قال العلامة التمرناشی: والاجر کالیزم بالعقد فلا یجب تسلیمہ بل بتعجیلہ او شرطہ فی الاجارہ۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۵ کتاب الاجارۃ) لہ

علاقائی اصلاحی کمیٹی کی شرعی حیثیت | سوال: مروجہ اصلاحی کمیٹیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے کسی فیصلے سے انکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- علاقائی اصلاحی کمیٹیاں جو کہ اکثر علاقہ کے معززین پر مشتمل ہوتی ہیں جو کہ لوگوں کے تنازعات ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں لیکن فیصلوں کے لیے حکومت کی طرف سے مقرر نہیں ہوتیں بلکہ فریقین جب ان سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی طرف سے فیصلے کا اختیار دیتے ہیں اور جس فیصلے میں بھی اختیار حکومت کی بجائے عوام کی طرف سے ملتا ہے تو ان اختیارات کے تحت فیصلے کرنے والے کی شرعی حیثیت مثل حکم دے ہوتی ہے، تو جس طرح فریقین کو حکم دے فیصلے سے پہلے رجوع کا حق حاصل ہے اسی طرح جب حکم فیصلہ کر دے تو پھر فریقین کے لیے اس کا تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے، اسلئے اگر کسی اصلاحی کمیٹی کا فیصلہ شرعی اصول کے منافی نہ ہو تو اس سے انکار جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: اذا حکم لزمہما لصدور حکمہ عن وکایۃ علیہما۔

[الهدایۃ ج ۳ ص ۱۲۳ باب التحکیم] لہ  
[کتاب آداب القاضی] لہ

قال العلامة سلیم رستم باز: لا تلزم الاجرة بال عقد المطلق یعنی لا یلزم تسلیم بدل الاجارۃ حالاً بمجرد انعقادھا شرح مجلۃ الاحکام، المادة ۲۶۶ الفصل الثانی فی المسائل المتعلقة بالخ (و مثلہ فی الہدایۃ ج ۳ ص ۲۹۲ کتاب الاجارۃ، باب الاجر متی یتحوی۔

قال العلامة الکاسانی: اذا حکم صار لازماً۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳ کتاب آداب القاضی) و مثلہ فی مجلۃ الاحکام۔ المادة ۱۸۲۸ ص ۱۱۹۸ الباب الرابع فی المسائل المتعلقة بالتحکیم۔

کسی فریق کی عدم موجودگی میں ثالثوں کے فیصلے کا حکم | سوال :- فریقین میں سے ایک فریق غائب ہے اور ثالثوں نے اس کی

عدم موجودگی میں فیصلہ دوسرے فریق کے حق میں کر دیا، تو کیا ثالثوں کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟  
الجواب :- اگر فریقین نے ثالثوں کو باقاعدہ فیصلے کا اختیار دیا ہو اور فیصلے سے قبل کسی

ایک فریق نے بھی ان سے رجوع نہ کیا ہو تو ثالثوں کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں کے بیانات وغیرہ حاصل کریں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں، اگر ثالثوں نے فریقین سے بیانات وغیرہ حاصل نہ کیے ہوں اور محض ایک فریق کے بیانات پر فیصلہ کیا ہو تو وہ فیصلہ جائز نہیں، کیونکہ جس طرح قضا میں یہ ضروری ہے کہ مدعی علیہ قضاء کے وقت عدالت میں حاضر ہو، اگر وہ خود حاضر نہیں ہوتا اور اپنی طرف سے وکیل وغیرہ مقرر کیا ہو تو اس کا حاضر ہونا ضروری ہے کیونکہ مدعی علیہ یا اس کی طرف سے مقرر شدہ خصم کی عدم موجودگی میں مقدمہ کی صورتحال کی پوری وضاحت مشکل ہے تو جب قضاء میں مدعی علیہ کا موجود ہونا ضروری ہے تو حکیم جو کہ اس سے کم درجہ رکھتی ہے اس میں بطریق اولیٰ اس کی موجودگی ضروری ہے لہذا ایک فریق کی عدم موجودگی میں ثالثوں کا فیصلہ نافذ عمل نہیں ہوگا۔

قال العلامة المرغینانی: ولا يقضي القاضي على غائب إلا ان يحضر من يقوم

مقامه - (الهداية ج ۳ ص ۱۲۲ - باب كتاب القاضي الى القاضي) لہ

ثالث کے فیصلے سے انکار کا حکم | سوال :- دو اشخاص کے درمیان زمین کی حدود پر تنازعہ ہوا، ان دونوں کے درمیان جو کہ نے فیصلہ کیا اور دونوں

اس فیصلے پر راضی ہوئے، ان میں سے ایک نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ مجھے یہ فیصلہ منظور ہے اور اس کی حدود نہیں توڑوں گا لیکن تین چار ماہ گزرنے کے بعد وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا اور فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور حدود بھی توڑ دیئے، تو کیا جو کہ نے فیصلہ کے بعد اس سے انکار کرنا

لہ قال العلامة الكاساني رحمه الله: اما الذي يبيع الى المقضي عليه فحضرته حتى لا

يجوز القضاء على الغائب اذ لم عنه خصم حاضر وهذا عندنا -

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۸۰ کتاب آداب القاضي - فصل واما شرائط القضاء فانواعها

ومثله في البحر الرائق ج ۷ ص ۱۰۰ - باب كتاب القاضي الى القاضي -



درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر ان دونوں نے اپنی مرضی سے ثالث مقرر کئے ہوں اور مدت تحکیم کے اندر ان ثالثوں نے فیصلہ کیا ہو اور ان کا فیصلہ شریعت کے موافق ہو تو وہ نافذ العمل ہے، کیونکہ تحکیم کی وجہ سے ثالثوں کو ان دونوں پر مکمل اختیار حاصل ہے اس لیے ان کا فیصلہ دونوں فریقوں پر تسلیم کرنا لازم ہے، لہذا فیصلہ کے بعد کسی بھی فریق کا اس سے انکار کرنا درست نہیں، اسی قسم توڑنے کے بدلے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

لما قال العلامة المرغینانی: اذا حکم لزمهما الصدور حکمه عن ولاية عليهما۔

الهدایة ج ۳ ص ۱۲۲۔ باب کتاب القضاة الى القاضي

**سوال :-** اگر فریقین کسی کو ثالث مقرر کریں تو ان میں سے کوئی فریق ثالث معزول کرنے کا حکم اس کو معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** جب فریقین اپنی مرضی سے کسی کو ثالث مقرر کریں اور اس کو فیصلے کا اختیار دیدیں تو ثالث کو چونکہ فیصلے کا اختیار ان دونوں کی وجہ سے ملا ہے، اس لیے اگر ثالث کے فیصلے سے قبل کسی بھی فریق کو اس پر اعتماد باقی نہ رہے یا کسی اور وجہ سے اس کو معزول کرنا چاہے تو جیسا کہ قاضی کو فیصلوں کا اختیار حکومت سے مل جاتا ہے اور حکومت کو ہر وقت اس کے معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے اسی طرح فریقین میں سے ہر ایک کو ثالث معزول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

قال العلامة سليم رستم بازالبنانی: لكل من الخصمين عزل المحكم قبل الحكم لانه مقلد من جهتهما فكان لكل منهم عزله وهو من الامور الجائزة فينفرد احدهما بنقضه كما ينفرد احد العاقدین في مضاربة وشركة ووكالة۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۸۲۷ ص ۱۱۹) الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم

له قال العلامة الكاساني: واذا حکم صار لازماً۔ (بدائع الصنائع ج ۲ کتاب ادب القاضي)

ومثله في مجلة الاحكام، المادة ۱۸۲۸ ص ۱۱۹۔ کتاب الدعوى۔

له قال العلامة علاؤالدين الحصكفي: (وينفرد احدهما بنقضه) اي التحكيم بعد وقوعه (كما) ينفرد احد العاقدین في مضاربة وشركة ووكالة بلا التماس طالب۔

(تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ باب التحكيم)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۹ کتاب القضاء۔

فیصلے کے لیے مقرر کردہ کمیٹی کے ارکان کے باہمی اختلاف کا حکم | سوال :- فریقین نے تنازعہ کے فیصلے کا اختیار

چند افراد پر مشتمل کمیٹی کو دیا، فیصلے کے بارے میں کمیٹی کے ارکان میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض ارکان نے مخالفت کے ہوتے ہوئے اپنی طرف سے ایک فریق کے حق میں فیصلہ سنا دیا، تو کیا ان کا یہ فیصلہ نافذ ہو گا یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ تنازعہ کے بارے میں کمیٹی کو فیصلے کا اختیار فریقین کی طرف سے ملا ہے اس لیے اس کمیٹی کی حیثیت حکم کی طرح ہے اور فریقین فیصلے کا اختیار دیتے وقت ثالث پر جو بھی شرائط عائد کریں ثالث پر ان کی پابندی کرنا لازمی ہے، اگر ثالث ان شرائط میں سے کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرے تو کوئی بھی فریق اس کے فیصلے کو رد کرنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح مذکورہ صورت میں جب فریقین نے اپنے فیصلے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین نے کمیٹی کے تمام ارکان کو فیصلے کا اختیار دیا اور فیصلے میں کمیٹی کے تمام افراد کے اتفاق رائے کو شرط قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر متعدد ثالثوں میں سے ایک بھی فیصلے کی مخالفت کرے تو فیصلہ نافذ نہیں ہو گا۔ لہذا بشرط صحت سوال جب کمیٹی کے ارکان میں اختلاف پیدا ہوا تو اختلاف کے ہوتے ہوئے بعض ارکان کا اپنے طور پر فیصلہ کرنا جائز نہیں اس لیے فیصلہ نافذ العمل نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم بازاللبنانی: اذا تعدد المحكمون على ما ذكرنا فلنأخذ  
اتفاق سائرهم وليس لواحد منهم ان يحكم وحده۔

{ شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۸۴۴ ص ۱۱۹۶ لہ  
{ الباب الرابع في المسائل المتعلقة بالتحكيم }



لہ قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه الله: ولو حكما رجلين فحكم احدهما  
لم يجز ولا بد من اتفاقهما على المحكوم به فلو اختلفا لم يجز۔

(البحر الرائق ج ۲، ص ۲۶ باب التحكيم)

## اسلامی قوانین ۰ جامعیت و اہمیت



دنیا کے اندر ملکی نظام کو چلانے، شاندار حکومت کرنے اور ملک و ملت میں امن و امان پیدا کرنے کے لیے مختلف نظریات کے تحت قوانین بنائے گئے اور ان کے اجراء و نفاذ کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے گئے لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ بد امنی اور لاقانونیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا۔ کبھی کبھی جان، مال اور عزت و آبرو نہ پہلے محفوظ تھے نہ اب ہے۔ اس بارے میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ یہ قوانین انسانی ذہن کے اختراع ہیں اس لئے آئے دن ان میں کوئی نہ کوئی تبدیلی سامنے آتی رہتی ہے جس سے امن و مسائل مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔

اسلامی قوانین چونکہ منزل امن اللہ ہیں اس لئے انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اور ان پر عمل کر کے ہم امن و امان، دہشت گردی جیسے بین الاقوامی مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر جامع حقانیہ کے مفتی اور استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے ایک مقالہ بعنوان ”اسلامی قوانین، جامعیت و اہمیت“ لکھا جسے شائع کرنے کا اعزاز بھی ماہنامہ الحق نے حاصل کیا۔ اب اس مقالہ کو فقہ اور فتاویٰ کے مناسبت سے افادہ عوام و خواص کے لیے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شائع کیا جاتا ہے۔



# اسلامی قوانین / جامعیت و اہمیت

مولانا مفتی غلام الرحمن مدظلہ

انسان مدنی بطبع ہونے کی وجہ سے معاشرہ سے اس کا تعلق لازمی ہے۔ تجرد، انفرادیت اور رہبانیت شرعاً اور عقلاً ہر لحاظ سے قبیح سمجھی جاتی ہے۔ انسان کائنات عالم کی خوبصورتی اور زینت ہے، یہ خوبصورتی ایک اچھے معاشرہ کی صورت میں باقی رہے گی، انسان کی ضروریات اور توانج کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی جملہ ضروریات بذاتِ خود پورا نہیں کر سکتا بلکہ معاشرہ میں رہ کر ایک دوسرے سے فائدہ اور استفادہ کی ضرورت ہوگی۔

**قانون کی حقیقت** | فائدہ اور استفادہ میں اگر انسان کو کھلے طور پر اجازت دی جائے اور اس پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے تو اس سے انسان کی زندگی تباہ ہوگی۔ ایسی صورت میں بھروسہ و تشدد، حرص و لالچ، ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگا۔ انسانی زندگی گزارنے کے لیے، انسانی معاشرہ کے لیے ضابطہ حیات ضروری امر ہے کہ جس میں معاشرہ بربادی سے محفوظ ہو، انسان کی زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس میں اس کو کسی قانون کی ضرورت نہ ہو، مثلاً اگر انسان کی ابتدائی زندگی یعنی بچپن میں اس کا تحفظ قانونی ذریعہ سے نہ ہو تو اس سے اس کی تربیت و تعلیم کا پیارا مرحلہ ضائع ہو سکتا ہے۔ اگر جوانی میں کسی ضابطہ حیات کی پابندی کا احساس نہ ہو تو اس سے انسان شباب کے وقت ایسی راہ پر چل سکتا ہے جس سے اس کے تباہ ہونے کا خطرہ ہے، اگر بڑھاپے اور ناتوانی کی حالت میں انسان کو مکمل تحفظ میسر نہ ہو تو اس سے خودکشی جیسے قبیح امور کے ارتکاب کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، غرضیکہ انسان زندگی کے ہر مرحلہ میں کسی نہ کسی ضابطہ حیات کا محتاج ہے۔

انسانی زندگی کے سنوارنے کے لیے اس ضابطہ حیات کا دوسرا نام ”قانون“ اور ”آئین“ ہے۔ علماء و قانون کی نظر میں اس کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے:-

”قانون ایسے مجموعہ کا نام ہے جس میں مروجہ مسئلہ، سماجی، معاشی، تہذیبی اور

سیاسی قدروں کا تحفظ کیا جائے۔“

**قانون کی ضرورت** | اسلام کی نظر میں تو مکلف انسان قانون اور ضابطہ کا پابند ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدنیا سجن المؤمن"۔ دنیا مسلمان کے لیے ایک جیلخانہ ہے جہاں اس کی ہر ایک حرکت قانون اور ضابطہ کے تحت ہوگی۔ مذہب کے لحاظ سے یہ پابند لازمی امر ہے۔ آج کے نام نہاد جمہوریت پسند اور حریت پسند لوگ بھی قانون کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے، ان کے ہاں بھی قانون کی پابندی لازمی امر ہے، اگرچہ زبان پر آزادی کا خوشنما نعرہ ہر وقت دھوکہ دینے کے لیے جاری رہتا ہے لیکن ان کی آزادی کی حقیقت صرف اور صرف مذہب اور عقیدہ سے آزادی سے عبارت ہے۔ آج اگر یورپی ممالک کی مثال لی جائے تو وہاں پر قانون کی ضرورت سب سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ مثلاً لاکھوں لوگ مغربی ممالک میں رہائش چاہتے ہیں لیکن قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہاں رہائش نہیں رکھ سکتے، اس لیے کہ قانون ہی ان لاکھوں افراد کی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر انسانی خواہشات کو پابند رکھنا جرم ہو تو پھر سب سے بڑے مجرم آج ترقی یافتہ ممالک ہیں جنہوں نے غریب ممالک کے لوگوں پر اپنے ملک کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ ان ممالک میں تاجر و مالک، کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان تعلقات بنانے کا واحد ذریعہ قانون سمجھا جاتا ہے، جب ترقی یافتہ ممالک کی کشتی قانون کے بغیر نہیں چل سکتی تو ترقی پذیر ممالک میں قانون کی ضرورت اس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

**قانون کی ابتداء** اسلامی نقطہ نظر سے قانون کی ابتداء ہیوٹو آدم سے شروع ہوئی ہے۔ گویا جب انسان کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تو خلافت کے نظم و نسق کے لیے قانون کی ضرورت نمود بخود محسوس ہوئی۔ موجودہ دور کے قانونی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ خاندان اور قبیلہ کے وجود کے ساتھ ہی دنیا میں قانون کا ظہور ہوا۔

انسان نے حرم اور لالچ سے جب ہم نوع کے حقوق پر دست درازی شروع کی تو حقوق کی حفاظت کے فطری جذبہ نے لوگوں میں قانون کی ضرورت کا احساس ابھارا۔ چنانچہ غیر اختیاری طور پر خاندانوں اور قبیلوں میں عرف، رواج یا دوسرے ایسے قواعد و ضوابط پیدا ہوئے جس کے تحت زندگی گزارنی ضروری ہوئی۔ بچوں بچوں خاندان اور قبیلہ میں وسعت پیدا ہوتی گئی تو قانون کی ضرورت میں بھی شدت ہوتی رہی اور قانون کو معاشرہ کے تقاضوں اور حالات سے ہم آہنگ کرنے کیلئے جدت اور تبدیلی لازم قرار پائی، یہ قانون کے لیے اگرچہ طفولیت کے ادوار تھے، لیکن پھر ایک خاندان اور قبیلہ میں قانون لازمی امر رہا۔ خاندان اور قبیلہ سے انسانی معاشرہ جب ریاست کی شکل میں تبدیل ہوا تو قانون نے دوسرا قدم اٹھایا، اور جب ریاست سے سلطنت اور حکومت کی صورتیں سامنے آئیں تو اس سے



قانون میں اور بھی جدت پیدا ہوئی۔ گویا انسانی زندگی کے اول روز سے ہی قانون کو اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔

**قانون کی قسمیں** | تاریخ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے دو قسم کے قوانین وضع ہوئے۔ پہلی قسم کا قانون ہے جو انسان نے خود اپنے لیے بنایا، مقنن خود بھی اس کا پابند رہا، اس قانون میں عموماً وقت اور حالات کی رعایت ہوتی رہی اور مقنن معاشرہ کے حالات کو مد نظر رکھ کر قانون مرتب کرتا رہا، جب حالات کی تبدیلی ایک لازمی امر تھا تو اس قانون میں بھی ترمیم و اضافے روزمرہ کا ایک معمول بن گیا۔ قانون کی اس قسم کو ہم ”انسانی قانون“ سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس کا بنانے والا خود انسان ہوتا ہے اور یہ انسانی دماغ کا اثر ہے۔ دوسری قسم کا قانون وہ ہے جس کا بنانے والا بالائی طاقت رہی، یعنی مقنن نے اپنی ضروریات کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کی ضروریات کے لیے قانون وضع کیا، اس میں وقتی مصلحت یا حالات کی ضرورت کی رعایت نہیں رکھی گئی بلکہ ابدی ضرورت کو مد نظر رکھ کر قانون بنایا تھا اس لیے وقت اور ضرورت کی تبدیلی سے اس کی قانونی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑا، یہ عمر بھر کے لیے قابل عمل رہا، اس قانون کو ”رجمانی قانون“ کہا جاتا ہے۔

**انسانی قانون کی حقیقت** | آج قانون کا لفظ بول کر معاشرہ میں اس سے اول الذکر قانون مراد لیا جاتا ہے، بلکہ بعض لوگ جو ذہنی جمود کا شکار ہوئے ہیں ان کے نزدیک قانون صرف انسانی قانون سے عبارت ہے، مذہب یا عقیدہ کا قانون سے کوئی رشتہ نہیں، ان لوگوں کے نزدیک قانون اجتماعی زندگی کا محافظ ہے جبکہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قانون ایک انسان کے دوسرے انسان سے تعلقات کا تعین کرتا ہے جبکہ مذہب خدا اور انسان کے تعلقات کا تعین کرتا ہے۔ یہ رائے حقیقت اور واقعات سے صریح مخالف ہے لہذا ایسی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ انسانی قانون نے کچھ اچھے ثمرات بھی دکھائے لیکن ”واشہما اکبر من نفعہما“، یعنی ثمرات سے مضرات زیادہ ہیں۔ قانون کی یہ شکل ہر دور میں مختلف رہی ہے۔ زمانہ قدیم میں قانون امیر یا خاندانی سربراہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہوتی، خاندانی سربراہ جو قاعدہ یا ضابطہ مقرر کرتا اسے قانون کا درجہ حاصل ہوتا، کسی کو اس سے مخالفت کی جرأت نہ ہوتی اور خلاف درزی کی صورت میں بڑی شدت سے اس کا محاسبہ کیا جاتا۔



اٹھارہویں صدی کے آخر میں جب انسانی حقوق کے تحفظ کا نیا نعرہ لگا کر جمہوریت کی آواز بلند ہوئی تو اس سے قانون بنانے کے طریقہ کار میں کافی تبدیلی آئی۔ موجودہ وقت کے قانونی ذخائر اور حالات و واقعات خاص کر جمہوری اصول کو مد نظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی قانون کے بننے والے تین شعبے ہیں۔

**مفتنہ کے مختلف شعبے** | انسانی قانون بنانے میں تین شعبوں کا بڑا دخل ہے، گویا تینوں شعبے انسانی قانون کے ماخذ اور مراجع ہیں اور وہ یہ ہیں :-

۱) سربراہ مملکت (۲) آئین ساز ادارے (۳) عدالتی نظائر

**سربراہ مملکت** | یہ شعبہ قدیم دور کے خاندانی سربراہ کی ایک جدید شکل ہے، البتہ قدیم دور میں خاندانی سربراہ مختار کل ہوتا تھا جبکہ عصر حاضر میں اس شعبہ کو محدود اختیارات حاصل ہیں۔ سربراہ مملکت مفاد عامہ کے پیش نظر ہنگامی حالات میں نظر ثانی ضرورت کے تحت کوئی نہ کوئی قانون "آرڈیننس" کی صورت میں نافذ کر سکتا ہے اگرچہ اس کی منظوری کے لیے کسی پارلیمنٹ کی طرف رجوع ضروری ہوتا ہے لیکن پھر بھی قانون بنانے میں سربراہ مملکت کافی دخل رکھتا ہے۔

**آئین ساز ادارے** | قانون بنانے والوں کا دوسرا اہم شعبہ "آئین ساز" ادارہ ہے اور جمہوری ممالک میں اس ادارہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ایسے ادارہ کی محنت اور

سعی سے بنا ہوا قانون جدید ذہن والے صحیفہ آسمانی کے برابر سمجھتے ہیں، اس میں ترمیم و منسوخی کا حق بھی اسی ادارہ کو حاصل رہتا ہے، آج کل قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ کے ادارے اس کے نمونے ہیں، ان اداروں میں کثرت رائے سے جو بات سامنے آتی ہے اسی کو ملک کا قانون سمجھا جاتا ہے، اس میں رد و اس کی کثرت کا اعتبار رہتا ہے، جس بات کی حمایت میں زیادہ ووٹ نکل آئیں تو وہ قانون بن جاتی ہے، گویا کہ اس میں تمام تر فیصلے کثرت رائے پر ہوتے ہیں، اگرچہ اس کے قانونی شکل میں نفاذ کیلئے (BILL) وغیرہ کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، لیکن حتمی منظوری کے بعد اس کو قانونی قالب میں ڈھال کر ملک کے قانون کا مستقل حصہ بنا دیا جاتا ہے۔

**عدالتی نظائر** | انسانی قانون کا تیسرا ماخذ عدالتی نظائر ہوتے ہیں، کسی جمہوری ملک کی عدالت عالیہ اپنی صوابدید کے مطابق قانون کی تشریح کرتے ہوئے جو فیصلہ کرتی ہے تو ماتحت عدالتیں بھی اس کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک عزیز پاکستان کی اعلیٰ عدالت سپریم کورٹ نے جب کوئی فیصلہ کیا تو "ہائیکورٹ" یا ماتحت عدالتیں اس فیصلہ سے متاثر ہوتی ہیں اور وہ اپنے فیصلوں

اس کا لحاظ رکھتی ہیں تو یہ فیصلے مستقل قانون کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں انسانی قانون یا قانون سازی کو انسان کے بنیادی حقوق کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔

**رحمائی قانون کی حقیقت** | قانون کی دوسری قسم یعنی ”رحمائی قانون“ کی حقیقت یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو جنت سے اتار کر زمین پر بھیجا تو اس وقت حضرت آدمؑ سے فرمایا: **فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى**۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۹) یعنی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت نامہ اور ضابطہٴ حیات آئے گا، تیری اولاد کے لیے اس کی تابعداری ضروری ہوگی۔“

انسانی ہدایت کی یہ حقیقت دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے: **يُنۡزِلُ عَلَيْنَا اِلۡهٰۤاۤنَا نۡنُحۡىۡ بِهَا لِقۡۡۤاۤنَکَۢمۡ وَرِۡۤسٰۤلًاۢمَۡنۡۢنۡزِلۡنَاۤہَاۤ**۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۷) اے اولادِ آدمؑ تمہارے پاس میرے رسول آئیں گے جو میری آیتیں بیان کریں گے۔“

ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدمؑ کے لیے ضابطہٴ حیات کی تفسیری اور تعین کے لیے دورا ہیں متعین کیں۔ ایک راہ ”ہُدًى“ یعنی ہدایت اور دوسری راہ ”رسول“ ہے۔ گویا رحمانی قانون کے ماخذ اور مراجع اصولی طور پر یہ دونوں ٹھہرائے گئے۔

**رحمائی قانون کے ماخذ** | حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ہدایت کے لیے کتنی کتابیں نازل کیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سو چار کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں، دس صحائف حضرت آدمؑ پر، پچاس صحائف حضرت شیثؑ پر، تیس صحائف حضرت ادیسؑ پر اور دس صحائف حضرت ابراہیمؑ پر اتا سے اور چار بڑی کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید نازل کیں۔

یہ ایک سو چار کتابیں حقیقت میں رحمانی قانون کے مختلف ایڈیشن اور نسخ ہیں، پھر قانون کا یہ اہم کام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے لیا گیا، گویا ماضی میں یہ دوراہ یعنی ہُدًى اور رسول متعین تھیں، لیکن جب رحمانی قانون کا آخری کامل اور مکمل نسخہ قرآن کی شکل میں خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آئندہ کے لیے سلسلہ نبوت ختم کر کے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طریقوں کے ساتھ دوسرے دو طریقے اور بھی شامل کیے، جن کو اجماع امت ”اور“ قیاس“ کہا جاتا ہے



اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - (سورة النساء آیت ۵۹)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور اولی الامر کی تابعداری کرو اور اگر کسی چیز میں جھگڑا پڑے تو اللہ اور رسول کے احکام کی طرف رجوع کرو“

اس آیت میں رحمانی ہدایت کے ماخذ اربعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسلامی قانون اور رحمانی ہدایت کے چار ماخذ ہیں۔ اطیعوا اللہ سے کتاب اللہ، اطیعوا الرسول سے سنت الرسول، اولی الامر سے اجماع اور فرڈ وہ الی اللہ والرسول سے قیاس کی طرف اشارہ ہے۔

گویا اسلامی قانون کبھی آدم اور مصحف آدم کی شکل میں آیا، کبھی ثیث کے پچاس صحیفوں میں آیا، کبھی ادیس اور مصحف ادیس کی شکل میں، کبھی ابراہیم اور مصحف ابراہیم کی شکل میں وضع ہوا، کبھی داؤد اور زبور، کبھی موسیٰ اور توریت اور کبھی عیسیٰ اور انجیل کی شکل میں آیا، اور آخری ناقابل ترمیم مسودہ ”قوان“ کی شکل میں اتر جس کی تفصیل سنت رسول، اجماع امت اور قیاس سے کرائی گئی۔

اسلامی قانون کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات | اسلامی قانون کی خصوصیات اور امتیازات یا تقابلی

مطالعہ کے بغیر ہمارے مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانی قانون کے مقابلے میں ”رحمانی قانون“ انسانی معاشرہ کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ اور یہ صرف ہم نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کیے

بغیر نہ رہ سکے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کوئی دوسرا قانون وقت اور حالات کیلئے مناسب نہیں۔

(۱) ڈاکٹر سیموئیل لکھتے ہیں کہ قرآن کے مطالب ایسے ہمگیر اور ہرزلمنے کے لیے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنت میں گونجتے ہیں۔

(۲) مسٹر ولف کہتا ہے کہ وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف و عدالت، فوجی تنظیم و مالیات اور غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہیں۔

(۳) ڈاکٹر مولیس فرانسیسی لکھتا ہے کہ قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو ہیں قرآن ان سب سے افضل ہے۔ (علوم القرآن ص ۴۳)



اسلامی قانون کے اہم شعبے | اگرچہ قانون کے شعبہ "دستوری قانون" (Constitutional Law) اور "قانون انتظامی قانون" (Administrative Law) اور "قانون پالیسی" اور "قانون پالیسی"

کا پورا تذکرہ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور عملی تجربہ خلائق راشدین کے دور خلافت میں نمایاں ہے۔ دستوری قانون اور انتظامی قانون اظہار من الشمس ہیں کہ ہمارا دستور قرآن و سنت ہے اور اس میں ہر ایک کے اختیارات محدود ہیں اور خارجہ پالیسی بھی واضح ہو کہ تعلقات جوڑنے اور توڑنے کے لیے اسلام ہی بنیادی سبب قرار دیا گیا ہے تاہم غیر مسلم ممالک سے معاملات اور تعلقات رکھنے میں رخصت دے کر تمام دنیا سے خارجی پالیسی بنانے کی اجازت دی ہے لیکن دوستی کا ہاتھ صرف اسلامی ممالک کے ساتھ بڑھایا جائے گا۔

موجودہ وقت میں بین الاقوامی یا ملکی قوانین کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قانون کے دو شعبے بہت اہم سمجھے جاتے ہیں۔ رعیت کی خوشحالی و ترقی اور امن و امان کا مسئلہ ان دونوں شعبوں سے تعلق رکھتا ہے جس میں پہلا شعبہ شخصی قانون (Personal Law) اور دوسرا شعبہ ملکی قوانین (Public Law) ہے۔ ہم پوری تفصیل بیان کیے بغیر ان دونوں شعبوں کا ایک طاہرانہ جائزہ لیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسانی معاشرہ کی خوشحالی کا راز صرف اسلامی قانون میں مضمر ہے۔

اسلام کا شخصی قانون | شخصی قانون کا تعلق عموماً فرد اور خاندان سے ہوتا ہے۔ اسلام میں فرد کی اصلاح کیلئے تین چیزیں خصوصی طور پر بیان کی گئی ہیں جو نماز، روزہ اور حج ہیں، ان تینوں عبادات سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے، مفسرین ان تینوں کو امور مصلحہ للنفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان تینوں عبادات میں باقاعدگی سے انسان میں اتباع قانون ایتار اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ ابتداء میں ہوتا رہتا ہے۔

ان تینوں امور کے بعد گھرانے اور خاندان کے جوڑنے کے لیے نکاح، مہر، نفقہ، حضانت، طلاق کی دفعات کتاب النکاح میں بیان ہوتی ہیں تاکہ اس سے انسان ایک خوشحال گھرانہ میں زندگی بسر کر سکے اور طلاق کے قانون پر سہولت دی گئی کہ بصورت ناچاقی خلاصی ممکن ہو۔ گذر اوقات کیلئے اسباب ملک میں بیع و شراء (خرید و فروخت) وصیت، ہبہ، شفعہ، وراثت وغیرہ قوانین معاملات میں بیان ہوئے ہیں تاکہ ملکیت کے اسباب متعین ہوں اور کسی کو دوسرے کی جائیداد پر ناجائز قبضہ جمانے کا موقع نہ مل سکے، وفات کی صورت میں میت کی جائیداد میں زور آزمائی، ظلم و ستم

اور زیادتی سے بچنے کے لیے وراثت کا عظیم قانون موجود ہے۔

**اسلام کا ملکی قانون** (Public Law) میں چند چیزوں کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کو قانون میں بنیادی اہمیت حاصل ہے

اور وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حفاظتِ نفس (۲) حفاظتِ نسب (۳) حفاظتِ مذہب (۴) حفاظتِ مال (۵) حفاظتِ عقل (۶) حفاظتِ عزت۔ اسلامی قانون میں بجز اللہ ان چھ چیزوں کو محفوظ حاصل ہے وہ کسی دوسرے نظام میں میسر نہیں۔

**حفاظتِ نفس** | حفاظتِ نفس کے لیے قرآنِ کریم نے دو لوگ اعلان کیا: کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتْلَةُ فِي الْقَتْلِ؛ اس سے قصاص کا منصفانہ قانون نافذ ہوا تاکہ

کسی شخص کا خون رائیگاں نہ کرنے پائے۔ یہاں تک کہ دوسرے امور میں خطا کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا، یعنی حقوق اللہ میں اگر غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "مَنْ قَتَلَ عَنِّي الْخَطَاءَ وَالذَّيَانَ - يَعْنِي مِيرَةَ أُمَّتِي كِي خَطَاؤُهُ مَجْهُولٌ مَعْفُوفٌ"۔

لیکن انسانی قتل میں خطا کی صورت میں کفارہ اور دیت واجب قرار دی، پھر بھی اگر قاتل کا علم نہ ہو سکے تو پھر محلہ والوں کے لیے "قسامت" کا قانون نافذ کر کے دیت کی وصولی کے لیے عام اہل محلہ کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ انسانی نفس تو کیا انسان کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ایک ایک پور کی حفاظت کی گئی کہ ایک پور کے بدلہ میں سہ حصہ دیت واجب ہوگی۔

**حفاظتِ نسب** | آج آپ ترقی یافتہ ممالک کی حالت دیکھیں کہ وہ جنسی خواہشات کے غلام بن گئے ہیں جس کی وجہ سے وہاں کا نسب محفوظ نہیں ہے، اسلام نے

نسب کی حفاظت اس انداز میں کی کہ چند سال قبل ہندوستان کی اعلیٰ عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ "چادر اور چار دیواری کی حفاظت اگر مقصود ہے تو مسلمانوں کے قانونِ رحم اور حد پر عمل کرنا

پڑے گا"۔ زنا اور حرام کاری کی ممانعت کے علاوہ فسادِ نسب سے بچنے کے لیے نظریہ حفاظت

لازمی قرار دی گئی کہ مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ اپنی نظریہ رکھیں۔ پردہ کو لازمی قرار دیکر غیر محرم عورتوں سے خلوت اور ناجائز اختلاط ممنوع قرار دے کر محرم کاری کی بیخ کنی کی گئی،

زنا کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شادی شدہ مرد اور عورت کو رجم اور غیر شادی شدہ کو سوسو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، ارشادِ باری ہے:۔



الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ - (سورة النور آیت ۴)  
ترجمہ ”زنا کار مرد اور عورت کو سو سو کوڑے لگا دیئے جائیں“

**حفاظتِ مذہب** | انسان کو عقیدہ اور مذہب بڑا پیار ہوتا ہے، اسلام میں ”ذمی“ کی حقیقت تسلیم کرنے کے بعد اس کے مذہبی اور اعتقادی مسائل میں دخل اندازی

ممنوع قرار دی گئی لیکن اسلام جو کہ ابدی اور ازلی مذہب ہے اسکی مخالفت حد ارتداد سے کی گئی کہ -  
من بدل دینہ فاقتلوه - ر

جس نے دین تبدیل کیا اس کو قتل کر دو۔  
**حفاظتِ مال** | مال و دولت کی حفاظت عصر حاضر کا بڑا اہم مسئلہ ہے، آج دولت ہماری حفاظت

نہیں کر سکتی بلکہ ہمیں دولت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اسلام میں پہلے انسان کو حلال خوری کی ترغیب دے کر اس کے حلال مال کی حفاظت یوں کی گئی کہ کسی مسلمان کا مال غیر شرعی

طریقہ سے کھانا حرام ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ زنی، چوری اور دھوکہ دہی کو جرم قرار دیا گیا، اگر کوئی شخص کسی کے حلال مال پر دست درازی کرے تو اس پر حد سرقہ جاری کی جائے گی مستقل حکم یہ دیا گیا:-  
”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ (سورة النور آیت ۴) چور مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

**حفاظتِ عقل** | عقل انسان کا وہ جوہر ہے جس کو محفوظ رکھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں منشیات کی وباء عالمی سطح پر حکومتوں کے لیے ایک چیلنج بنی ہوئی ہے، امریکہ

سمیت پوری دنیا جیران ہے کہ لاکھوں کروڑوں نوجوان اس مکروہ نشہ کا شکار ہو کر بالآخر خودکشی پر کیوں آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بیچنیت مسلمان میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر حد شرب خمر کا مطالعہ کر کے

صرف ”کتاب الاشریۃ“ کے باب کا قانون نافذ کر کے حد شرب خمر کا اجرا کر دیا جائے تو پورے ملک میں ہیروئن کا نشہ کرتے والا ایک آدمی بھی نظر نہیں آئے گا۔ اور عقل کی یہ حفاظت حد شرب الخمر

کے اجراء کی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے۔  
**حفاظتِ عورت** | انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عزت ہے، دنیا کے تقریباً ہر ملک میں

ہنگ عورت کا قانون ہے لیکن اسلام کی یہ دفعہ سب سے اہم اور نرالی ہے اس میں ایک شخص کسی دوسرے کو زانی یا چور جیسے قبیح الفاظ سے نہیں پکار سکتا ورنہ حد قذف

کے لیے تیار ہونا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ہر وہ کلمہ جس سے ایک مسلمان کی عزت و وقار پر حرف آتا ہو قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔



## غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار



غیر اسلامی ممالک اپنی عدالتوں اور ان کے طریقہ قضا پر بہت نازاں ہیں اور اپنے طریقہ قضا کے لیے ہر کسی کو دعوت دیتے ہیں مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ اخبارات، رسائل و جرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے طریقہ قضا میں صاحب ثروت اور اثر و رسوخ والے شخص کو ہر قسم کا تحفظ حاصل ہے جبکہ غریب، نادار، کمزور اور بے بس آدمی کو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور اس کا طریقہ قضا فطرت کے عین مطابق ہے، جس میں ہر ایک کو پورے عدل و انصاف کے ساتھ اس کا حق اس کی دھلیز پر دیا جاتا ہے۔ غیر اسلامی ممالک کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب نے ایک مضمون بعنوان ”غیر اسلامی ممالک میں قضاء کا طریقہ کار“ لکھا جسے ماہنامہ الحق نے شائع بھی کیا تھا۔ اب افادہ عام اور فتنہ و فتاویٰ کی مناسبت سے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔

راز مرتب

## غیر اسلامی ممالک میں قضا کا طریقہ کار

قضا اسلامی شخص کی تکمیل کا ایک اہم حصہ ہے جس کے بغیر اسلامی زندگی ناقص اور ادھوری ہے۔ نظام قضا کے ذریعہ محاسبہ اور مواخذہ کی اس اہم دفعہ کی آبیاری ہوتی ہے جس پر اسلامی زندگی کی بنیاد قائم ہے۔ اگر انسان کے انفرادی یا اجتماعی افعال پر اپنی یا کسی قابل تعظیم شخصیت کی نظر نہ ہو یا اس کو آزاد چھوڑ کر اس کے کئے ہوئے افعال پر کوئی باز پرس نہ ہو تو اس سے قوت بہیمی کو حوصلہ افزائی کا ایسا موقع مل سکتا ہے جس سے انسانی اقدار مجروح ہوں۔

اسلام کے نظام قضا و قانون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قضا صرف ایک معاشرتی ضرورت نہیں کہ جس کی حاجت اجتماعی معاشرہ میں محسوس ہو بلکہ یہ مسلمانوں کا ایسا دینی اور مذہبی فریضہ ہے جس کی ضرورت قدم بقدم محسوس ہوتی ہے۔ قضا دیگر عبادات کی طرح ایک مستقل عبادت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھنا مجھے ستر سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ علماء کرام اسے تقرب الہی کا ایک ذریعہ متصور کرتے ہیں۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: قال بعضهم القضاء امر من امور الدين ومصالحه من مصالح المسلمين تجب العناية به لان بالناس اليه حاجة عظيمة وهو من انواع القربات الى الله عز وجل ولذا تولاه الانبياء عليهم السلام۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۲۴۷) کتاب القضاء

ترجمہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ قضا دین کے امور میں سے ایک اہم امر ہے اور مسلمانوں کی بہتری کا ایک شعبہ ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہ ذمہ داری قبول کی؛ اس لیے اسلامی معاشرہ میں انفرادی اور اجتماعی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی عایت ضروری ہے اس کی ادائیگی کے بغیر مسلمان مسئولیت کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے۔

نظام قضا کیلئے قوت تنفیذ کی ضرورت

ایسی صورت میں نظام قضا کا نفاذ اور اجرا کسی ولایت عامہ یا قوت تنفیذی کے وجود پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ حکیم رنجائیت یعنی کسی ثالث کو فیصلہ کرنے کا اختیار دینا نظام قضا کا ایک شعبہ ہے اس میں

اگرچہ حکم یعنی ثالث کی ولایت ناقص ہو کر صرف طرفین تک محدود رہتی ہے، اس میں بھی طرفین فیصلہ کرنے سے قبل بغیر کوئی وجہ بتائے رجوع کا حق قضا، محفوظ رکھتے ہیں، لیکن جب ایک دفعہ ثالث کا فیصلہ صادر ہو جائے تو یہ مستقل قضا بن کر کسی دوسرے اعلیٰ قاضی کی عدالت میں مراجعہ کے وقت کسی خاص ضرورت کے بغیر اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں رکھتا، طرفین حسب معاہدہ اس فیصلہ کے پابند رہیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نظام قضا، جزوی طور پر کسی طاقت اور قوت کے استعمال پر موقوف نہیں، یہ الگ بات ہے کہ شر القرون کے ان ادوار میں انسان طبعی حرص و لالچ کی وجہ سے کسی دوسرے کے حق کی ادائیگی کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا اور اپنا حق منوانے کے لیے جملہ وسائل بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتا۔ اس لیے نظام قضا کے مثبت نتائج کے مشاہدہ کیلئے قوت تنفیذ کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ **وَ أَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ كِى بَرَكْتَ سَعَى** شرعی فیصلہ کا تقدس اور عظمت بحال رہ سکے۔

**غیر اسلامی علاقوں میں نظام قضا کے چند نظائر** | مسلمان ممالک کی طرح غیر اسلامی ممالک میں بھی جہاں پر کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت

میں رہ رہے ہوں مسلمان اپنا مذہبی شخص قائم رکھنے کے پابند ہیں، جیسا کہ عبادات سے مسلمان بری الذمہ نہیں ہو سکتے ایسا ہی حسب طاقت مسلمان اپنے مسائل اسلامی طرز حیات میں طے کرنے کے پابند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سُورَةُ النَّاسِ آيَةُ ٦٥) (ترجمہ) پس تیرے رب کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو منصف نہ جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے:-

مکی زندگی کے جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل مسلمانوں کو یہاں پر غلبہ حاصل نہیں تھا بلکہ اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے تھے لیکن اس کے باوجود مسلمان اپنے فیصلے اپنے درمیان کرتے تھے، کسی غیر اسلامی فیصلہ کرنے والے کے پاس جانے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی۔

ایسا ہی مدنی زندگی میں اگرچہ خاص علاقوں پر مسلمانوں کا غلبہ تھا لیکن جو علاقے مسلمانوں کی دسترس سے باہر تھے وہاں کے کچھ باشندے جب اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہو جاتے تو اپنے فیصلے باہمی مشورہ سے طے کرتے۔



**فقہی جزئیات کی تائید** | فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جہاں کہیں کفار کا غلبہ ہو اور مسلمان اقلیت میں رہ رہے ہوں تو وہ اپنے باہمی منازعات کا

فیصلہ کرنے کے لیے کسی مسلمان قاضی کی تقرری کے پابند نہیں گے، علامہ کمال ابن ہمام فرماتے ہیں :-  
 هذا اذا لم يكن سلطان ولا من يجوز منه كفاي بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبه

في المغرب الان وبنسبه وبلاد الجشته واقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيوتى قاضيا ويكون هو الذي يقضى بينهم وكذا ينصبوا لهم اما ما ليصلي بهم الجمعة - (فتح القدير ج ۶ ص ۳۶۵ کتاب القضاء)

ترجمہ: ”یہ حکم اس وقت ہے جہاں کہیں حاکم نہ ہو یا کسی فرسے قضاء قبول کرنے کی کوئی صورت نہ ہو جیسا کہ بعض مغربی اور عیشہ کے ممالک میں ہے، تو جب مسلمان باقاعدہ مال کی ادائیگی کے معاہدہ پر رہ رہے ہوں ان پر ضروری ہے کہ اپنے درمیان کسی ایک پر اتفاق کر کے اسے قاضی مقرر کریں جو ان کے درمیان فیصلے کرے اور ان کے لیے امام مقرر کرے تاکہ وہ ان کو جمعہ (اور عیدین) کی نماز پڑھائے“

**مسلمانوں کے اتفاق سے قاضی کی تقرری** | ایسی حالت میں اگر مسلمان باہمی اتفاق سے کسی ایک معتد شخص کو اپنا فیصل مقرر کریں تو اس کی حیثیت قاضی کی ہو

گی، مسلمان اس کے فیصلوں کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ روایت ہلال سے صوم و افطار میں اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور جمعہ و عیدین دیگر شرائط کی رعایت کے بعد اس کی موجودگی میں ادا ہوں گے۔ شیخ بدرالدین محمود بن اسماعیل الشہیر بابن قاضی سماوہ فرماتے ہیں :-

واما في بلاد عليهم اولاة كقار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد وبعيد القاضى قاضيا بتراضى المسلمين - (جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۱۱ الفصل الاول في القضاء)

ترجمہ: ”وہ علاقے جہاں پر کفار کا غلبہ ہو تو مسلمانوں کے لیے جمعہ و عیدین کا پڑھنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی باقاعدہ قاضی ہوگا“

علامہ علاؤالدین الحسکفی: اس کی مزید اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ولو فقد وال الغلبة على كقار وجب على المسلمين تعيين وال - (الدر المختار علی

هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۸ کتاب القضاء)

ترجمہ: ”اگر کفار غلبہ سے کہیں مسلمان ولایت عامہ سے محروم رہیں پھر بھی اپنے لیے والی

کی تقرری ان پر ضروری ہے“

## عصر حاضر میں غیر اسلامی ممالک میں قضاء کی چند صورتیں | آجکل دنیا مذہب و عقیدہ، رنگ و نسل اور سوچ و فکر

کے حوالہ سے منقسم ہے، عام محاورہ میں جسے جمہوری دور کہا جاتا ہے، اس میں جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کر رہے ہیں تو اپنے جملہ وسائل بروٹے کار لاکر اس ملک میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے ہر مسلمان باشندہ کی ذمہ داری ہے، لیکن جہاں کہیں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں بلکہ کسی غیر اسلامی نظام حیات کے تابع ہوں تو ان ممالک میں بھی بقدر استطاعت مسلمان اپنی مذہبی اقدار کی رعایت کرنے کے پابند ہوں گے، عقائد و اعمال کی درستگی اور اسلامی طرز حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا تو انفرادی معاملہ ہے جس میں ان کا کوئی عذر قابلِ سماع نہیں، خاص کر جن ممالک میں مذہبی آزادی ہو، لیکن باہمی جھگڑے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طے کرنے کی بظاہر دو صورتیں نظر آتی ہیں:

**پہلی صورت** | پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان اگر کہیں اجتماعی طور پر اس نظام کے قیام سے عاجز ہوں تو خود مذہبی جذبہ کی روشنی میں انفرادی طور پر اپنے معاملات قرآن و حدیث کی روشنی میں طے کریں، ایسی صورت میں کسی غیر اسلامی حکومت کے لیے کسی قسم کی قانونی پیچیدگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی مروجہ قوانین تک نوبت پہنچنے سے قبل ہی مسلمان اپنے معاملات کسی ایسے عالم کے ذریعہ طے کریں جس میں اسلامی تعلیمات کے مطابق متنازعہ معاملات طے کرنے کی اہلیت ہو، اس سلسلہ میں کسی فعال اسلامی تنظیم کو بھی بروٹے کار لایا جاسکتا ہے کہ وہ تنظیم خود مسلمانوں کے معاملات طے کرانے کا انتظام کرے یا کسی اور کے ذریعہ کرنے کا بندوبست کرے۔

**انفرادی طریقہ کار کی کمزوریاں** | اس طریقہ کار سے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن پھر بھی اس کا دائرہ بہت محدود ہوگا کیونکہ اس کی حیثیت ”تجکیم“ کے سوا اور کچھ نہیں اور ”تجکیم“ کا دائرہ بہت محدود ہے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں سیاسی طور پر مسلمانوں کے لیے کئی مشکلات پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اولاً یہ کہ مسلمانوں کے پاس ایسے نظام کی تنفیذ کے لیے جب تک کسی مروجہ قانون کا سہارا نہ ہو تو محض دینی جذبہ سے اس کے تابع رہنے کے نتائج بہت کم سامنے آئیں گے۔ انسان طبعی طور پر نقصان برداشت کرنے یا کسی معاملہ میں ہار ماننے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتا، عین ممکن ہے کہ کسی مسلمان کو اگر شرعی فیصلہ میں اپنا نقصان نظر آئے تو وہ کسی مسلمان فیصلہ کنندہ کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں کریگا۔



بلکہ مبادل ذرائع تلاش کر کے رائج الوقت قانون میں اپنا سہارا ڈھونڈے گا۔ علاوہ ازیں شرعی طور پر بھی ”محکم“ کا اختیار چند مسائل تک محدود ہے، قصاص و دیت اور حدود جیسے مسائل نمٹانے کی اہلیت ”محکم“ میں نہیں۔ اور اگر کہیں کسی فعال اسلامی تنظیم یا دینی درد لکھنے والے مسلمانوں کی مساعی سے یہ نظام کامیابی سے ہمکنار ہو اور اس کے اچھے نتائج محسوس ہوں تو یہ مسلمانوں کے سیاسی استحکام کی دلیل ہوگی اور اس سے رائج الوقت حکومت اپنے لیے مستقبل میں خطرہ محسوس کرے گی۔ ممکن ہے کہ اس باہمی تعاون کی وجہ سے مسلمان بعض علاقوں میں اس درجہ میں منظم ہوں کہ ان کے پاس معاشرتی میدان میں عملی طور پر قوتِ تنفیذی حاصل ہو اور مسلمان جبری طور پر اسلامی فیصلہ ماننے کیلئے تیار ہوں۔ یہ صورت اگرچہ بذاتِ خود بہت اچھے نتائج کی حامل ہے لیکن سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی سرگرمیاں اس سے متاثر ہو سکتی ہیں جس سے غیر اسلامی اقتدار اعلیٰ ایسی کامیابی میں اپنے لیے خطرہ محسوس کرے گا۔

**دوسری صورت** | ایسے غیر اسلامی ممالک میں مسلمان اپنی ذمہ داری ایک دوسرے طریقے سے نباہ سکتے ہیں کہ وہ اسلامی نظامِ قضاء کے تحفظ کے لیے رائج الوقت قوانین کا سہارا لیں، اور یہ موجودہ وقت میں شخصی قوانین کے تحت قابلِ عمل بھی ہے۔ اس لیے اگر مسلمان محنت کر کے سیاسی میدان میں اتنا مقام پیدا کر لیں کہ حکومت وقت سے اپنے حقوق منوا سکیں، مسلمان ایسے قوانین کے بنانے پر زور دیں کہ رائج الوقت قوانین میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے، یعنی جو مسلمان ہو گا وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا، ممکن ہے کہ اقتدار اعلیٰ ہر مسئلہ میں ایسے فیصلہ کرنے کی اجازت نہ دے لیکن بعض امور میں یہ حق ملتا بھی مسلمانوں کے لیے موقعہ غنیمت سے کم نہیں کیونکہ ماکا لیدر کلمہ کا یترا کلمہ کے قاعدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے جو کچھ بھی ہو سکے اس سے روگردانی اور اعراض نہ کیا جائے، ایسی صورت میں علاقائی تحدید کی طرح اگر بعض مسائل تک قاضی کا دائرہ اختیار محدود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نظامِ قضاء میں اس کی گنجائش ہے کہ کسی قاضی کا دائرہ اختیار ایام یا احکام کے اعتبار سے محدود ہو۔ چنانچہ علامہ الماروردی فرماتے ہیں :-

وہجوزان تكون ولاية القاضی مقصوراً علی حکومتہ بینہما بین خصمین ولا یجوز ان ینفذ النظر الی غیرہما من الخصوم وتكون ولاية علی النظر بینہما باقیة ماکان التشاجر بینہما باقیة فاذا یت الحکم بینہما ذالت ولاية.... فلولم یعین الخصوم وجعل مقصوراً علی الایام وقال فلانک النظر بین الخصوم فی یوم السبت وحده جاز نظرہ فیہ بین الخصوم فی جمیع الاعادی۔  
 (ترجمہ) ”یہ جائز ہے کہ کسی  
 رالاحکام السلطانیہ والولایات ص ۷۷



قاضی کا دائرہ اختیار کسی خاص افراد کے فیصلہ تک محدود ہو تو ان کے علاوہ دوسروں پر اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں، ان مخصوص افراد کے درمیان جب تک یہ معاملہ باقی ہو تو قاضی کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے جب ان کا فیصلہ ہو جائے تو اس کا اختیار ختم ہو گا۔۔۔ اگر طرفین کا تعین نہ ہو بلکہ خاص ایام میں اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے، مثلاً یہ کہ تجھے ہفتہ کے دن فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، تو ہفتہ کے دن جملہ فیصلوں کا اختیار اس کو حاصل ہو گا۔

**غیر اسلامی حکومت سے عہدہ قضا قبول کرنے کی شرعی حیثیت** | اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی غیر اسلامی حکومت سے

قضاء کا عہدہ قبول کرنا کہاں تک جائز ہے، کیونکہ اس میں غیر اسلامی حکومت کو دوام بخشنے اور اس سے تعاون کی ایک صورت ہے جو تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے؟ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کسی مذہبی عقیدہ اور شخص کے مجروح ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر ایسا عہدہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں کہیں (غیر اسلامی) حکومت میں مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کر کے شرکت کر سکتے ہیں۔ اور اگر کسی غیر اسلامی قانون کے ذریعہ جب اسلامی قضاء کو دوام بخشا جائے تو ایسے قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں واجب العمل ہو گا۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:-

ولکن اذاولى الكافر عليهم قاضياً ورضيه المسلم وصحت توليته بلا شبهہ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ کتاب القضاء)

(ترجمہ) ”اگر کسی کافر نے مسلمانوں کے لیے ان کی مرضی کے مطابق قاضی مقرر کیا تو اس کی

یہ تولیت بلاشبہ جائز ہے۔“

ایسا قاضی مسلمانوں کے لیے وہ تمام امور جاری کر سکتا ہے جو دارالاسلام میں ایک قاضی

کے دائرہ اختیار میں ہو۔ چنانچہ شیخ بدرالدین فرماتے ہیں:-

وكل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج

وتقليد القضاء وتذويج الایامی لا ستیلاء المسلم علیہم۔ (جامع الفصولین ج ۱ الفصل الاول فی القضاء)

(ترجمہ) وہ علاقہ جس میں کسی کافر بادشاہ کی طرف سے مسلمان گورنر ہو تو اس میں جمعہ وعیدین کی اقامت

خراج، قضاء کی تقرری اور یتیم بچیوں کی نشاوی کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ ان پر مقامی طور پر مسلمان

کی حکومت ہے۔“

بہر حال کفار کے غلبہ کے وقت ان کی قوت تسلیم کرنا شریعت میں ناجائز نہیں لیکن اگر مسلمانوں کے ترکِ موالات سے کہیں کافرانہ نظام حکومت متزلزل ہو کر اپنی زندگی پوری کرنے کی حالت میں ہو تو پھر کفر کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، ایسی حالت میں یہ کشتی کسی سنجیدہ اور باوقاملاح کے حوالے کرنی چاہیے تاکہ وہ ان کی بہتری کے بارے میں سوچ سکے۔

انصاف کی رعایت نہ ہونے کے وقت عہدہ قضا قبول کرنا جائز نہیں | لیکن یہ طریقہ کسی ایسے غیر اسلامی ملک میں اپنانا

اُس وقت مرتخص ہے جب تک حکومتِ وقت ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کرتی ہو، اگر کہیں ایسی حالت میں مسلمان انصاف قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو پھر ظلم و ستم کے لیے آلہ کار نہیں بننا چاہیے ورنہ اپنا مذہبی تشخص ضائع کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری فرماتے ہیں :-

ما ذکر المصنف من جواز التقليد من الجائر مقید بما اذا كان يملكه من القضاء  
بالحق اما اذا لم يكنه فلا كما في الهداية لان المقصود لا يحل به -

البحر الرائق ج ۶ ص ۲۴۲ کتاب القضاء

(ترجمہ) ”مصنف نے ظالم سے قضا قبول کرنے کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، یہ اُس وقت ہے جب قاضی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہو، جب یہ ممکن نہ ہو تو پھر قضا قبول کرنا جائز نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کیونکہ ایسی صورت میں مقصود حاصل نہیں ہوتا“

# اسلام کا نظام عدل و انصاف

مولانا مفتی غلام الرحمن مدظلہ

مہر دور میں دنیا کے ہر ملک کے حکمرانوں کی طرف سے یہ آواز اٹھاتی جاتی ہے کہ ہم ہر ایک کو انصاف فراہم کریں گے اور ہمارے فیصلے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں گے، اس آواز میں مسلم اور غیر مسلم ممالک سب شامل ہیں لیکن آج تک کسی نے بھی عدل و انصاف کے جملہ تقاضے پورے نہیں کیے بلکہ الٹا نظام عدل و انصاف سے تمسخر کیا۔ دنیا بھر کے تمام نظامہائے قوانین میں ایک اسلام کا واحد نظام قانون ہے جس میں امیر و فقیر، آقا و غلام، بادشاہ و رعایا، چھوٹے بڑے اثر و رسوخ والے کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسلامی قانون کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں تمام فیصلے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اسلام اور غیر اسلامی نظام عدل و انصاف کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے سابق نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ نے ایک جامع اور پر مغز مضمون تحریر فرمایا جسے دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ الحق نے شائع کیا، اب اس مضمون کو اسلامی قانون و فقہ سے مناسبت کی بنا پر عمومی فائدہ کے لیے "قانونی حقانیہ" میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتبہ)

لفظ عدل قرآن و حدیث میں مختلف مقامات پر مستعمل ہوا ہے جس کے مقابلہ میں ظلم آتا ہے، اہل لغت کے ہاں ظلم "گذشتن چیزے در غیر محل آن" لہذا کہتے ہیں ظلم کے اس مفہوم کے اعتبار سے اس میں بہت وسعت موجود ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ سے لے کر کبائر اور شرک تک کو شامل ہے، مثلاً خداوند عالم نے جس مقصد کے لیے انسان کو زبان اور قوت گویائی دی ہے اگر زبان کا استعمال اس میں نہ ہو تو ظلم ہے، تو ظلم کے مفہومی اعتبار سے اس کے مقابلہ میں بھی اس جیسی وسعت موجود ہے۔



**عدل کی ہمہ گیری** | اعضاء انسانی اور انعاماتِ خداوندی کو اپنے محل میں استعمال کرنا عدل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں قیامِ عدل کا مطالبہ برنی آدم سے ہوا ہے وہاں عدل سے یہی عمومی معنی مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ الآراء تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

”انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف عدالت اور حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان اس کا مکلف اور مخاطب ہے کہ وہ خود بھی انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کیلئے کوشش کرے، ہاں انصاف کا ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ شریک اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، تو خود انصاف پر قائم رہیں اور نہ دوسروں کو انصاف کرنے دیں تو حکمانہ سزا اور تعزیر کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل و انصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیے لکھے پڑھے، تعلیمیات حضرات بھی سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ ہے عوام اسکے ذمہ دار نہیں ہیں، اور یہ وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک اور سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے“ (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۷۱، ۵۷۲)

قیامِ عدل کے مطالبہ کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ایک شعبہ سے ہے اور انسان کے اخلاق و کردار (Character) ظاہر و باطن، عبادات و معاملات، سیاست و مذہب، غرض ہر ایک شعبہ میں عدل کا ہونا ضروری ہے۔ اس تعلق عامہ کے پیش نظر خداوند عالم نے جب انبیاء و رسل کو دنیا میں بھیج کر ان کی وجہ سے رشد و ہدایت کا درس نوعِ انسان کو دینا چاہا تو انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے قیامِ عدل کا مطالبہ بھی کیا جس کی تکمیل کتب سماویہ سے کی گئی ہے قرآن حکیم میں ارشادِ ربّانی ہے :-

لَقَدْ آتَيْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ | ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور  
 (سورۃ الحديد آیت ۲۵) | اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ  
 لوگ سیدھے رہیں انصاف سے۔

شیخ الاسلام والمسلمین مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

”یعنی کتاب اس لیے اتاری کہ لوگ عقائد اور اخلاق و اعمال میں سیدھے انصاف

کی راہ پر چلیں، افراط اور تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۷)  
الغرض یعنی بنیاد کے دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد قیامِ عدل بھی رہا ہے۔

**مروجہ بین الاقوامی قوانین اور ان کے نتائج** | آج دنیا کی جس قوم پر بھی آپ نظر ڈالیں تو قیامِ عدل کا یہ مطالبہ مختلف نعروں اور مختلف انداز سے

سُنیں گے۔ کہیں مساوات اور برابری، کہیں انصاف اور حقوق کی بحالی کے عنوان سے عوام و خواصم رطب اللسان ہیں مگر عملاً یہ عنفا کے مترادف ہے بلکہ دن بدن جرائم اور مظالم میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے، قانون عملاً معطل ہے۔ آج ہر ملک میں قانون سازی کے لیے پارلیمنٹ اور اسمبلیاں قائم ہیں، جرائم کے انسداد کے لیے مختلف قوانین وضع کیے جا رہے ہیں لیکن جرائم میں بجائے کسی کے زیادتی ہی ہو رہی ہے۔

نگاہِ خلاق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے

میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

آپ حضرات دو منٹ کے لیے خالی الذہن ہو کر عالمی سطح پر جرائم کے معیار کو دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بین الاقوامی سطح پر گزشتہ چھ سالوں میں راہزنی میں ۹ فیصد، چوری میں ۴۶ فیصد اور قتل میں ۲۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ (روزنامہ جنگ ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء)

اگر ایک طرف سائنسی دور میں انسدادِ جرائم کے لیے سائنسی آلات استعمال کیے جا رہے ہیں تو دوسری طرف مجرم بھی نت نئے طریقے اختیار کر کے بڑی صفائی سے جرم کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے امور ضرور ہونے چاہئیں جو جرائم کی بیخ کنی کرتے ہوئے امن کا معاشرہ (Peaceful Society) جہیا کریں، آپ اقوام عالم کے مذاہب اور عقائد کو بھی دیکھ لیں، نام نہاد ترقی یافتہ اقوام کے قوانین کا مطالعہ کریں، مگر یقین کیجئے کہ اس کا واحد علاج آپ کو آج سے چودہ سو سال پہلے کوہِ صفا پر **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلِحُوا** کے داعی کے دیئے ہوئے نسخہِ کیمیا میں ملے گا جہاں مجرم جرم کرنے کے بعد خود اپنے جرم کا اعتراف اور اعلان کر کے قانون اور انصاف کا مطالبہ کرتا نظر آئے گا۔

**نظامِ عدل کا مرکزی نکتہ** | اسلام میں قیامِ عدل کا بنیادی نکتہ (Basic Point) خوفِ خداوندی ہے جس کا تعلق فرد سے لے کر معاشرہ تک



اور رعیت سے لیکر بادشاہ تک ہے، اگر دل و دماغ میں خوفِ خدا موجود ہو اور نظر یہ ہو کہ آج میں جو کام کر رہا ہوں کل قیامت کے روز دربارِ خداوندی میں مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی اور مجھے ضرور حساب دینا ہوگا۔ تو اس عقیدہ کے بعد ہر انسان قدم بقدم خیال رکھے گا کہ میں مجھ سے ایسی غلطی سرزد نہ ہو جائے جو قیامت میں خسارہ اور ذلت و رسوائی کا باعث ہو۔

عدالت میں عدل کی کرسی پر بیٹھے ہوئے حاکم اور مجسٹریٹ کا اگر یہ عقیدہ ہو اور سامنے مذمت اور پشیمانی کے عالم میں کھڑے ہوئے مجرم بھی خوفِ خداوندی کے ہتھیار سے مسلح ہوں تو یقین کیجئے کہ ظلم و ناانصافی کا نام ہی عالم سے فنا ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے کہ یہ صرف خیالی یا فرضی تصور نہیں ہے بلکہ اسلام اور ہمارے اسلاف کی تاریخی زندگیوں میں اس کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

**حضرت ماعزؓ کا واقعہ** | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور کا واقعہ ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت ماعزؓ بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کیجئے، آپ نے فرمایا اے ماعزؓ لوٹ جا اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر، راوی کہتا ہے کہ ماعزؓ قدرے ڈور گئے تھے کہ پھر لوٹ آئے اور مکرر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول مجھے پاک کیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا، تین بار ایسا ہی ہوا، چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا میں تجھے کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کی زنا سے، حضور نبی کریم نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ شخص پاگل تو نہیں ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ اس پر ایک شخص نے اٹھ کر ماعزؓ کے منہ کو سونگھا تو اسے اس سے شراب کی بونہ آئی۔ آپ نے ماعزؓ سے پھر پوچھا کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ ماعزؓ نے عرض کی ہاں مجھ سے زنا ہوا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ماعزؓ کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ابھی تین ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا ماعز بن مالکؓ کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو سب کیلئے کافی ہے۔ (ترجمۃ العداۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ص ۲۸۹، ۲۸۶)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں ہی قبیلہ ازد کے بطن عامہ کی ایک عورت نے بھی اقرارِ جرم کیا تھا جس کے باعث آپ کے حکم سے اسے بھی سنگسار کر دیا گیا۔

**رات کی تاریکی میں خوفِ خدا کا اثر** | خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گشت کرتے ہوئے جب ایک ایسے مکان کے قریب سے گزرے



جہاں والدہ اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ میں دودھ میں پانی ملاؤں گی لیکن بیٹی انکار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ حضرت عمرؓ کا حکم ہے کہ دودھ میں ملاوٹ نہ کرو، والدہ کہتی ہے کہ عمرؓ اس وقت کون سا یہاں ہے؟ بیٹی جواب دیتی ہے کہ اگرچہ عمرؓ اس وقت یہاں موجود نہیں ہے لیکن اس کا خدا جو کہ علیم وخبیر ہے وہ تو موجود ہے۔

اسلامی تاریخ نے خوفِ خداوندی کے اس جذبہ سے شدتِ احساس کے اتنے نمونے اکٹھے کر رکھے ہیں کہ ان کا بالاستیعاب احصاء کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔

عرض کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ قیامِ عدل کے لیے خوفِ خداوندی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آخرت کی تاریکی میں گھر کی چار دیواری کے اندر اس خدا ترس بڑکی کو دودھ میں ملاوٹ کرنے سے باز رکھنا، معز بن مالکؓ کا اپنے کیے ہوئے پر پشیمان ہو کر بارگاہِ نبوت سے بار بار واپس کرنے کے باوجود لوٹ لوٹ کر اپنے جرم کا اقرار کرنا، آخر کون سے جذبہ سے یہ لوگ سرشار تھے؟ یہ وہی جذبہ ہے جسے ہم خوفِ خداوندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

**موانعِ عدل** | عدل کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید نے واضح طور پر ان امور کی نشاندہی

کردی ہے جو قیامِ عدل کے لیے سب سے بڑے موانع اور رکاوٹیں ہیں، خاص کر شہادت اور قضا میں یہ امور انسان کو انصاف سے ہٹا کر ظلم پر آمادہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(۱) قرابت Relation (۲) عداوت ENMITY (۳) مال و دولت Wealth

**قرابت**: بسا اوقات ایک انسان تعلقات، قرابت اور رشتہ داری کے ماحول سے متاثر ہو کر درست اور صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً گواہ اپنی شہادت میں ان تعلقات کی بنا پر جھوٹ بول کر ناجائز اور غیر مشروع امور کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، افسر مجاز اپنے بالا افسران کے رعب سے غلط کام پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس طرح عدل کو چھوڑ کر ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ قرآن مجید میں اس امر کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:-

<p>اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔</p>	<p>يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ.</p>
( — )	( سورة )

**شہادتِ حق اور قرابتیں** خداوند عالم نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا،

”اے ایمان والو! تمام معاملات میں ادائے حق کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی انصاف پر خوب قائم رہتے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے رہو اگرچہ وہ گواہی اور اظہارِ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو“۔ بیان القرآن

گویا قانون اور انصاف کے سامنے رشتہ داری اور قرابت کو ٹی روک نہیں، والدیت اور ولدیت کے محبوب رشتوں کو بھی قربان کرنا ہوگا، خود رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں اس کے راہنما اصول اور عملی نشانِ راہ موجود ہیں۔

**حضرت اسامہؓ کی سفارش پر دربارِ نبوت کا ردِ عمل** ام المؤمنین سیدہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کے قبیلہ مخزومی کی ایک عورت سے پوری سرزد ہو گئی، قریش نے باہمی مشورہ کیا کہ اس عورت کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے بچانے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں سفارش کر دینی چاہیے، اس کام کے لیے سب نے حضرت اسامہؓ کو منتخب کیا کیونکہ وہ رسول اللہ کے محبوب رفیق

تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس نظرِ شفقت سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دیکھتے تھے حضرت اسامہؓ بھی اسی طرح آپ کے منظور نظر تھے) حضرت اسامہؓ نے جب سفارش کی تو بارگاہِ نبوت سے جلالِ آمیز ارشاد صادر ہوا۔

کیا تم اللہ کی حدوں میں سفارش کر رہے ہو پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! بیشک تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی شریف پوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار پوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے، خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی (خدا نخواستہ) پوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

اتشفع في حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال يا ايها الناس انما هلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد واليهم الله لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔

(روايت من جلد اول ص ۹۵)

ایک انسان جب کسی اعلیٰ عہدہ اور مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے تعلقات اور رشتہ داری بڑھ جاتی ہے، اجانب اقارب بن جاتے ہیں، مدتوں سے ٹوٹے ہوئے رشتے پھر بڑھ جاتے ہیں، لیکن



مسلمان سے مذہبِ اسلام کا یہی مطالبہ ہے کہ قانونِ شریعت کے مقابلہ میں کسی کو بھی ترجیح نہ دی جائے۔

خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حکمرانوں کے اعزاز اور اقربا کو

### عدل فاروقی کی ایک جھلک

رجحیت کے دوسرے افراد کے مقابلہ میں امتیازی مقام حاصل ہو۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمنؓ نے جب شراب پی لی تو اس پر بھی حد جاری کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ معاہدۃ الجملہ کے بعد ۳۲ھ میں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار قدامر بن مظعون (جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے) کو بھی شراب نوشی کے جرم میں اسی کوڑے لگوائے۔ (تاریخ اسلام ص ۲۰۷)

ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی سے گھوڑے کا سودا طے کیا، پھر آزما کر دیکھنے کی خاطر اس پر سوار ہونے لگے تو گھوڑا اٹھو کر کھا کر گرا اور زخمی ہو گیا، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کر دیں، لیکن مالک نے واپس لینے سے انکار کر دیا، دونوں مقدمہ لیکر قاضی شریح کی عدالت میں گئے، قاضی نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فرمایا:-

”امیر المؤمنین! جو چیز آپ نے خریدی ہے اُسے لے لیجئے ورنہ جس حال میں خریدی تھی اسی حال میں واپس کیجئے۔“

یہ سن کر حضرت عمرؓ بول اٹھے ”اُسے کہتے ہیں فیصلہ کرنا“ پھر آپ نے شریح کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کے بدلے کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ (تاریخ اسلام ص ۳۳۲)

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مقدمہ میں فریق بن کر عدالت میں حاضر ہوئے، فیصلہ امیر المؤمنین کے خلاف

### امیر المؤمنین قاضی کی عدالت میں

ہوا اور آپ اسے محسوس نہیں کرتے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ:-  
ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ گر گئی جو ایک نصرانی کے ہاتھ لگ گئی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ یہ اس کی اپنی زرہ ہے، قاضی شریح نے حسبِ قاعدہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے کوئی گواہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے دو گواہ ایک اپنا بیٹا اور دوسرا اپنا آزاد کردہ غلام قنبر کو حاضر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے میں بیٹے کی گواہی والد کے لیے درست تھی، لیکن قاضی شریح



نے فرمایا کہ آپ کے بیٹے کی گواہی آپ کے لیے درست نہیں ہے، اور دوسرا گواہ جو کہ آزاد کردہ غلام ہے اور اس ایک گواہ کی گواہی سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

چنانچہ زرہ کا فیصلہ نصرانی کے حق میں ہوا، اس فیصلے کا نصرانی پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور زرہ حضرت علیؑ کو واپس کر دی، لیکن حضرت علیؑ نے دوبارہ زرہ اُسے دیدی اور اس کے ساتھ ایک گھوڑا بھی اسے عنایت فرمایا۔ (نور الانوار ص ۲۲۲)

عمن کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نظام عدل کے قیام میں انسان کو کسی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ آقا اور غلام، امیر اور غریب، حاکم اور محکوم سب کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج اگر کوئی افسر یا لاماتحت افسر کے خلاف فیصلہ صادر کرے تو معلوم نہیں اس انصاف کی وجہ سے اس فیصلہ کرنے والے کو کیا کیا سزائیں ملیں گی۔ اگر کسی خوف کی وجہ سے معزول نہ کرے لیکن انتقام کی آگ ہر وقت محکوم علیہ کے ذہن میں شگفتی رہے گی اور فیصلہ کرنے والا انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہے گا۔

**انصاف کی نظر میں عمر فاروق اور ایک آدمی برابر ہیں** | لیکن اسلام کے شدید ایسوں کو جہاں حق بات نظر آئی وہاں اپتے خلاف فیصلہ پر بھی راضی اور خوش رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا حضرت ابی بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہو گیا، حضرت ابی بن کعبؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ دائر کر دیا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوئے تو حضرت زیدؓ نے آپ کی تعظیم کی، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابی بن کعبؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی بن کعبؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی تو زید بن ثابتؓ نے آپ کا لحاظ کرتے ہوئے ابی بن کعبؓ سے کہا کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اس تہجیحی سلوک پر آزرده خاطر ہوئے اور فرمایا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں اُس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو سکتے۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۱۷۴)

**اسلامی نظام عدل نے شاہان وقت کو بھی معاف نہیں کیا** | ان مثالوں اور واقعات کا تعلق صرف خلفائے راشدین کے

مبارک دور سے خاص نہیں ہے بلکہ حقانیت اور حق گوئی کا یہ جذبہ ہمیشہ اسلاف اور بزرگان دین

کاشیوہ رہا ہے، جہاں حق بات نظر آئی وہاں بادشاہ وقت کو بھی معاف نہیں کیا۔  
 قاضی ابویوسف عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں، ایک شخص ان کے سامنے مقدمہ پیش کرتا ہے  
 کہ عباسی بادشاہ ہادی سے ایک باغ کے بارے میں میرا جھگڑا ہے۔ قاضی ابویوسف رائے قائم کرنے  
 ہیں کہ حق اسی شخص کے ساتھ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ گواہ بادشاہ کے پاس ہیں، انہوں نے کہا مدعی  
 کا مطالبہ ہے کہ ہادی قسم کھاٹے کہ اس کے گواہ سچے ہیں، ہادی نے قسم کھانے کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے  
 اس سے انکار کیا اور باغ اپنے مالک کو واپس کر دیا۔

**عداوت:** دوسری چیز جو نفاذ عدل کے لیے مانع ہے اور انسان کو ظلم اور ناانصافی کی طرف لے جاتی  
 ہے وہ عداوت اور آپس میں دشمنی ہے، قرآن مجید نے اس امر کی نشاندہی یوں فرمائی ہے:-

<p>کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز          نہ چھوڑو اور عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک          ہے تقویٰ سے، اور ڈرتے رہو اللہ          سے، بے شک اللہ کو خوب خبر ہے جو تم          کرتے ہو۔</p>	<p>وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى          اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا فَاَقْرَبُ          لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ          خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝          (سورۃ المائدہ آیت ۸۰)</p>
--	---

**اہل اسلام کا طرہ امتیاز** | شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ  
 رقمطراز ہیں:-

”عدل کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا  
 جس کا وہ واقعی مستحق ہے، عدل اور انصاف کا ترازو ایسا صحیح اور برابر ہونا چاہیے  
 کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پہلوؤں  
 میں سے کسی پہلو کو جھکا سکے“ (تفسیر عثمانی ص ۱۰۰)  
 اور یہی وہ رسم ہے جس کو اہل اسلام نے ہمیشہ کے لیے قائم رکھا، مفتوحہ علاقوں میں  
 اسلام کا برتاؤ ہمیشہ کے لیے انسانیت پر مبنی رہا، معاملات اور دیگر حقوق میں غیر مسلموں کو  
 پورا پورا حق دیا گیا ہے۔

**اہل مغرب کا سفاکانہ کردار** | ہم جب اقوام عالم اور ایام ماضیہ کے تاریخی واقعات پر نظر  
 ڈالتے ہیں تو آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ دیگر مذاہب  
 اور ادیان والے غیر مذہب والوں سے چوپالیوں جیسا سلوک بھی روا نہیں رکھتے، اور صرف یہ نہیں



بلکہ اسلام کا مقابلہ اگر دورِ حاضر کی مغربی تہذیب سے کیا جائے تو یقیناً اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں زیادہ وسیع اور بلند و پاکیزہ نظر آئے گا۔

اہلِ مغرب آج جس مذہبی آزادی کا دم بھرتے ہیں اس سے پہلے ان کے یہاں وہ دور بھی گذر چکا ہے جس میں اندلس کی ”تحقیقاتی عدالتوں“ کی بہیمانہ سزائیں اور مشرق میں صلیبی جنگوں کی سفاکیاں ملتی ہیں۔ اہلِ مغرب نے اپنے نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو آگ میں جلانے تک کی سزا کو جائز رکھا، اور یہی وجہ تھی کہ مذہبی دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جنہوں نے دشمنوں کو بلا وجہ وہ سزائیں دیں جس کی نظیر رہتی دنیا تک نہیں مل سکے گی۔

ان عدالتوں اور احتساب کے محکموں نے ایک اندازے کے مطابق ۳۲ ہزار انسانوں کو زندہ جلایا جن میں ہیئت اور طبیعات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) اور گلیلو (Galilio) کو بھی یہی سزا دی گئی۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۶۲، ۲۶۵)

اہلِ مغرب نے کسی مفتوحہ علاقہ میں مخالفین کے وجود کو دیکھنا بھی برداشت نہیں کیا جس علاقہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوتے وہاں اعلان کرتے کہ جو ہمارے خیالات اور نظریات سے متفق نہیں وہ ہمارے ملک سے نکل جائے۔ جیسا کہ فرانسیسی جنرل کاسترو نے ۱۹۲۰ء میں دمشق کے گذشتہ انقلاب کے موقع پر اعلان کیا تھا کہ ہم صلیبی مجاہدین کے پوتے ہیں جس کو ہماری حکومت پسند نہ ہو وہ یہاں سے نکل جائے۔“

اور اس سے ملتی جلتی بات جنرل کاسترو کے ایک ہم مشرب نے ۱۹۲۵ء میں الجزائر میں کہی تھی۔ (العدالة الاجتماعية في الاسلام ۳۲۵)

**روسی کمیونسٹوں کا مسلم اقلیت سے ظالمانہ سلوک** | موجودہ دور میں دوسری عظیم طاقت روس کا کمیونسٹ بلاک تو غیر کمیونسٹوں کے وجود کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہے، مذہبی رسوم اور عبادت خانوں کو ختم کرنے کا خواہاں ہے، اقلیت کے ساتھ نازیبا سلوک کا اندازہ آپ روسی مسلمانوں کی مساجد اور مدارس سے کئے ہوئے خشر سے لگا سکتے ہیں۔ روس میں کمیونسٹ انقلاب سے قبل ایک اندازے کے مطابق مسلمانوں کے ۲۵ ہزار مدارس تھے لیکن کمیونسٹ انقلاب کے بعد یہ مدارس بند کر دیئے گئے اور اساتذہ کو گرفتار کر لیا گیا، مدارس کی وہ عمارتیں جن میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی تھیں بعض کو مسمار اور بعض کو ضبط کر کے اصطبلوں میں تبدیل کر دیا گیا، اور پچیس سال کے عرصہ میں ایک بھی مذہبی مدرسہ نہ رہا۔



یہی حال مساجد کا تھا، ۳۱ ہزار مساجد آباد تھیں لیکن ۱۹۴۲ء کی ایک رپورٹ کے مطابق اب پورے روس میں صرف ۱۳۱۲ مساجد رہ گئی ہیں باقی سب کو شہید کر دیا گیا۔ (تاریخ میں مسلمانوں میں ص۔) روس اور یورپ تو درکنار خود اس پاک و ہند کی تاریخ کو دیکھئے

**برطانوی دور کے مظالم** | برطانوی گورنمنٹ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟

کراچی کے مقدمہ میں رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم اور شیخ الاسلام و المسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کا آخر جرم کیا تھا؟ صرف اس قدر کہ مذہب اسلام کے مطابق مسلمان سپاہیوں کو ترکی کی مسلمان افواج کے مقابلہ میں استعمال نہ کیا جائے۔ ان واقعات اور حالات کو پیش کرنے سے میرا واحد مقصد یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب نے اقلیت اور دشمنوں سے وہ کون سا ناروا سلوک ہے جو روانہ رکھا ہو، عداوت اور دشمنی کی بنا پر وہ کونسی بے انصافی ہے جو استعمال نہ کی گئی ہو۔

**دشمنوں سے اسلام کا روادار نہ سلوک** | مگر اسلام نے اپنے مخالفوں اور اقلیت سے جو

حسن سلوک کیا اس کا اندازہ آپ حلقائے راشدین

کے طرز عمل اور کردار سے کر سکتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک غیر مسلموں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، ذمیوں کے لیے باقاعدہ حقوق مقرر کئے گئے اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی اسی اصول کو اپنایا گیا، یہاں تک کہ خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو وہی حقوق دیئے جو ان کیلئے تاجدارِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیے تھے۔

**حقوق کی اقسام** | کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ جان، مال اور مذہب۔ ان کے سوا اور جتنے بھی حقوق ہیں وہ سب ان ہی کے تحت آجاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عادلانہ دور میں بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے معاہدہ میں انہیں جو حقوق دیئے گئے تھے وہ یہ ہیں:-

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال“

گر جا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ ڈھاٹے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان

پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے  
میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔“

(طبری، فتح بیت المقدس، بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

اور یہ حقوق صرف ایلیا والوں سے مخصوص نہیں تھے بلکہ پوری دنیا میں مسلمان جہاں بھی  
فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو وہاں کے رہنے والوں کو یہ حقوق دیئے۔ اہل جبرجان کے ساتھ  
جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”ان کی جان، مال، مذہب و شریعت سب کو امان ہے ان میں سے کسی  
شے میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔“ (طبری، فتح بیت المقدس بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

آذربائیجان کے معاہدہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ تھے:-

”ان کی جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔“ (طبری، فتح بیت المقدس

بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت  
دور صدیقیؓ کے عہد نامے

میں بھی چہرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق

دیئے گئے:-

”ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی قہر گرایا جائے  
گا جن میں وہ ضرورت کے وقت دشمن کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس بجانے  
کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ مذہبی تہوار کے موقع پر صلیب نکلنے سے روکے جائیں  
گے۔“ (طبری، فتح بیت المقدس بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۲۲)

اور یہ بات صرف کاغذی کارروائی تک محدود نہ تھی بلکہ خلفائے راشدین ہمیشہ کیلئے ماتحت  
گوزروں کو اس کے متعلق ہدایات جاری فرمایا کرتے تھے، غیر مسلموں سے وہی سلوک برتا جاتا تھا جو سلوک  
مسلمانوں سے روارکھا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے شام کے سفر میں ایک مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے،  
جب سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جزیرہ ادا نہیں کیا گیا، پوچھا گیا کیوں؟ جواب ملا سبب  
ناداری ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے  
آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں دوسروں کو عذاب دیتے ہیں خدا انہیں قیامت

کے دن عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)  
 نادار، مفلس اور معذور ذمی بنزیرہ سے مستثنیٰ تھے بلکہ بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی  
 تھی، چنانچہ حیرہ کے معاہدہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

» اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کوئی آفت آئے یا دولت مند  
 کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیرہ  
 موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو بیت المال سے خرچ دیا جائے گا،  
 (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

**حضرت عمرؓ کا ایک لطیف استدلال** | یہ معاہدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں  
 ہوا تھا اور عہد فاروقی میں اس پر باقاعدہ عمل جاری

رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے تو قرآنی استدلال سے اس کو اور زیادہ موکد کر دیا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک ضعیف  
 ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا تو پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھ پر جزیرہ لگایا گیا ہے اور میں  
 ادا نہیں کر سکتا، یہ سن کر حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد رقم دیکر داروغہ کو پیغام بھیجا کہ  
 اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اور فرمایا کہ کلام اللہ کی یہ آیت

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ - میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں،  
 اور فرمایا خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے تو تم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال  
 دیں۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

حفاظتِ نفس کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ باقاعدہ  
 اس سے قصاص لینے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے  
 ایک عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر کے اس سے قصاص  
 لیا۔ (المدنیة بحوالہ تاریخ اسلام)

حفاظتِ مال کے بارے میں اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی کسی جائیداد یا مال کو نقصان پہنچاتا تو  
 حضرت عمرؓ اس کا معاوضہ بیت المال سے دلاتے۔ جیسا کہ ایک دفعہ اسلامی لشکر نے شام کے  
 ایک ذمی کی زراعت کو پامال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس ذمی کو بیت المال سے دس ہزار درہم کا  
 معاوضہ دلایا۔ (کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)



**ذمیوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی خصوصی ہدایت** | حضرت عمرؓ جس طرح خود ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کرتے تھے ایسے

ہی ماتحت گورنروں سے بھی کرواتے، چنانچہ فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو لکھا کہ: ”مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کے مال کھانے سے روکو اور ان سے جو شرطیں طے کی گئی ہیں انہیں پورا کرو۔“

(کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)

بلکہ حضرت عمرؓ دنیا سے جاتے وقت اُتدہ خلیفہ کے لیے جو ہدایات لکھتے ہیں ان میں ذمیوں کے حقوق اور ان کی نگہداشت کا خصوصی تذکرہ موجود ہے۔

”میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے یہ وصیت

کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے، اس کی حمایت میں لڑا جائے

اور ان کی طاقت سے زیادہ انہیں تکلیف نہ دی جائے۔“ (تاریخ اسلام ص ۲۲۶)

یہی وہ اسلامی عدل و انصاف ہے جس میں دوست اور دشمن کو ایک ہی نظر سے دیکھا گیا ہے

وہ دشمن ہو بدترین دشمن تھے، جو مذہب اور عقیدہ کے دشمن تھے اُن سے جب اس قدر انصاف قائم رکھا گیا تو اور کون ہو سکتا ہے جس کے ساتھ اسلام نے ظلم کی گنجائش رکھی ہو؟ ان واقعات

سے باسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ راشدین نے اس فرمانِ خداوندی پر کسی قوم کے دشمنی تم کو ظلم پر آمادہ نہ کرے، کما حقہ عمل کیا ہے اور امت محمدیہ کے لیے قیامت تک ایک عملی نمونہ

پھوڑا ہے۔

وہ دشمن جو اپنے کیے ہوئے افعال و کردار کی وجہ سے بڑی بڑی سزاؤں کے مستحق و منتظر تھے،

ندامت اور شیمانی کی وجہ سے ان کی نظریں بھی ہوئی تھیں اور اپنی جانیں خطرے میں دیکھتے تھے۔ لیکن اسلام نے اس کے برعکس ان کی جان کی حفاظت کے علاوہ مال و مذہب کو بھی محفوظ رکھا اور معاشرہ میں ان کو انسانیت کی نظر سے دیکھا گیا۔

**مال و دولت**؛ تیسری چیز جو قیامِ عدل و انصاف میں مانع ہے وہ مال و دولت کی فراوانی

یا فقدان ہے۔ مثلاً ایک انسان بسا اوقات کسی غریب کی غربت کو دیکھ کر اس پر ترس کھا کر اس کیلئے

جھوٹی گواہی دیتا ہے یا پھر غریب کی غربت پر ترس کھا کر فیصلہ اس کے حق میں کر جاتا ہے جس میں ظلم

اور زیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے، جبکہ آج کل ہمارے معاشرہ میں یہ بہت کم ہوا ہے کہ لوگ غریب

کی غربت سے متاثر ہوئے ہوں۔ دوسری صورت میں انسان بعض اوقات مالدار کی مالداری کی وجہ سے ظلم پر آمادہ ہو جاتا ہے، مالدار سے کچھ طمع اور امید کی خاطر گواہ جھوٹی گواہی دے کر حاکم سے غلط فیصلے کا حکم صادر کراتا ہے جو یقیناً ظلم اور نا انصافی ہے، قرآن مجید نے اس کی نشاندہی یوں فرمائی ہے :-

اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ  
تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو خواہش  
کی انصاف کرنے میں۔

إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَاقِرًا فَإِلَّا  
بِهِمَا قَوْلًا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا  
(سورۃ النساء آیت ۱۳۵)

شہادت کے اصول | شیخ الاسلام و المسلمین حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :-

”یعنی سچی گواہی دینے میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو جو حق ہو، سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح واقف ہے اور اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے“ :-

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

”اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو فقع پہنچانا چاہیے تاکہ اس سے بے مروتی نہ ہو، یا یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں۔ تم گواہی دینے میں کسی کی امیری، غریبی یا فقع و نقصان نہ دیکھو کیونکہ وہ شخص جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی، اگر امیر ہے تو، غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر باوجود قوی تعلق کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اس میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے، تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو؟ (بیان القرآن

چونکہ شہادت اور فیصلہ دونوں میں تسلط علی الغیر موجود ہے، جب گواہی دیتے وقت گواہ ان امور کو مد نظر رکھے گا تو قاضی اور فیصلہ کرنے والا حاکم بطریق اولیٰ ان امور کا پابند ہے گا۔



قاضی اور حاکم فیصلہ کرتے وقت جیب بھرنے کی انتظار میں نہیں بیٹھے گا بلکہ جو حق ہوگا اس کا امضاء کرے گا۔ اسلامی قوانین انصاف کی راہ میں حائل اس مانع اور رکاوٹ کا سخت نوٹس لیا گیا ہے جب صاحب عہدہ کسی عہدہ اور منصب پر فائز ہو تو اپنے اس منصب سے غلط فائدے نہیں اٹھائے گا، ایسی پارٹیوں (دعوتوں) میں شمولیت سے اجتناب کرے گا جو پارٹیاں صرف اس کے عہدہ کی وجہ سے اس کو دی جاتی ہوں۔

**رشوت کی اقسام اور ان کے احکام** | یہی وجہ ہے کہ رشوت کی تمام اقسام کو لینے والے کے لیے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ اور رشوت کا مال قبض کرنے سے بھی ملکیت میں نہیں آسکتا بلکہ رشوت میں لیا ہوا مال صاحب مال کو واپس کرنا واجب ہے۔ اس ضمن میں یہ ضروری ہے کہ رشوت کی جملہ اقسام اور ان کے احکام کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔ فقہاء کرام کے فرمان کے مطابق رشوت کی چار قسمیں ہیں :-

(۱) رشوت کی پہلی قسم جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں یہ ہے کہ کسی ایسے منصب پر فائز ہونے کے لیے رشوت دے جس منصب کا یہ اہل نہ ہو، چونکہ غیر اہل کا کسی منصب پر فائز کرنا اور فائز ہونا دونوں ناجائز ہیں لہذا اس ناجائز کام کے لیے رشوت لینا اور دینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں۔

(۲) دوسری قسم رشوت کی یہ ہے کہ کسی فیصلہ کرنے والے حاکم، قاضی، جج یا مجسٹریٹ کو کچھ رقم یا کوئی اور چیز اس لیے دی جائے کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے، یہ بھی طرفین کے لیے حرام ہے۔

(۳) رشوت کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی شخص کو کچھ رقم یا کوئی چیز اس لیے دی جائے کہ اس سے اپنا جائز کام کرایا جائے، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ یہ کام جائز ہونے کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے شخص کی حق تلفی کا سبب اور ذریعہ نہ ہو، لہذا ان شروط کے بعد رشوت دینے کی تو اجازت ہے لیکن رشوت لینا اس صورت میں بھی ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) رشوت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی شخص کو کچھ رقم اس لیے دی جائے تاکہ اس کے شر اور فساد سے محفوظ رہا جاسکے۔ اپنی جان سے ظلم اور فساد کے دفع کرنے کے لیے کسی کو کچھ دینا تو جائز ہے لیکن لینا اس صورت میں بھی حرام ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۵۳، ۳۵۴)

جب ایک گواہ اور ایک حاکم یہ نظریہ قائم کر لے کہ مجھے کسی بھی مالدار سے کوئی سروکار نہیں، نہ وہ چائے پانی کے انتظار میں ہو اور نہ نختیش کی طبع اور لالچ میں، تو یہ ممکن ہی نہیں



کہ وہ کسی مالدار شخص کی وجہ سے اس سے کسی قسم کی رعایت کرے۔ اسلام میں تو آقا اور غلام، امیر اور غریب سب برابر ہیں۔

**شرعی عدالت میں شاہ و گدا برابر ہیں** | حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہاں کہیں امیر اور غریب کے اس امتیازی سلوک کو دیکھتے تو اس سے منع فرماتے۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا، بلند و پست کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا تھا جس کی ایک بھلک اس واقعہ میں موجود ہے کہ ۱۔

شام کا ایک نامور بادشاہ جبلہ غسانی مسلمان ہو گیا تھا، ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف کرنے ہوئے اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آ گیا، جبلہ نے غصہ میں آ کر اس شخص کو تھپڑ مارا، اس شخص نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا۔

جبلہ نے جواب میں کہا کہ ہم تو وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گتاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔

جبلہ نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو میں اس سے بانٹا ہوں لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ رتاریخ اسلام

آج دنیا میں یہ نظارہ موجود ہے، معاشرہ مختلف قسم کے ضابطگیوں کا شکار ہے، امیر اور غریب ایک دوسرے کے مد مقابل بنے ہوئے ہیں۔ امیر اپنے آپ کو مال کی کثرت کی وجہ سے مختلف جرائم کا ارتکاب کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے، جرم کو معیوب نہیں سمجھتا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر غور کیا جائے تو یقیناً یہ بات معلوم ہوگی کہ امراء کو صرف مال کی بہتات کی وجہ سے بے جا رعایتیں دی گئی ہیں، یہ اس کے نتائج اور اثرات ہیں جو معاشرہ کی تباہی کا سبب ہیں۔

## قاضی عدالتوں کو کتاب و سنت کا پابند

کرانا ہوگا

۹ فروری ۱۹۸۳ء کو مجوزہ قاضی عدالتوں کے مسودہ پر عام بحث میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا:-

مولانا سمیع الحق | نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

جناب چیئرمین | جہاں تک قاضی کورٹس کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کے اور جناب صدر پاکستان کے ارادوں اور عزائم کا تعلق ہے تو اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ ایک اسلامی مملکت کا سب سے بڑا اور پہلا فریضہ اس ملک کے شہریوں کو عدل و انصاف آسانی سے مہیا کرنا، ہوتا ہے، یہ مسلمانوں کی مدتوں سے ایک آرزو ہے، خاص کر ملک عزیز پاکستان کے شہریوں کی کہ یہاں انصاف سستا ہو جائے، اس سلسلہ میں جو اصل مسودہ قانون ہے اور جو ہمارے سامنے ہے ایک تو اس کے بارے میں کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ شاید پہلے سے علماء اور اسلامی علوم پر عبور رکھنے والے حضرات کی نگاہ سے گذرا ہے، حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسودہ اسلامی نظریاتی کونسل کو نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی اس پر اسلامی نظریاتی کونسل جو کہ ملک کے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے جید علماء پر مشتمل ادارہ ہے جس میں وکلاء بھی شامل ہیں، ان سے کوئی استصواب رائے اس بارہ میں نہیں کیا گیا، دوسرا مرحلہ جو اصل مسودہ قانون پر بنیادی توجیہ کا تھا وہ یہ تھا کہ ہم قاضی کورٹس تو قائم کرتے ہیں جو بلاشبہ ایک نہایت مستحسن اقدام ہے، لیکن اصل مسودے میں یہ کہیں بھی واضح نہیں کیا گیا کہ یہ عدالتیں کن قوانین کے تحت فیصلے کریں گی؟ یہی مروجہ قوانین، یہ فوجداری اور دیوانی ضابطے اور یہی پروسیجر اگر قائم رکھنا ہے تو اگر ہم قاضی کا نام چج رکھ دیں اور جج کا نام قاضی رکھ دیں، اس سے تو عدالت اسلامی عدل و انصاف جہتاً نہ کر سکے گی اور نہ ہی عوام کو عدل و انصاف مل سکے گا۔ ہم اگر قاضی کو قاضی محمد احمد کہیں یا قاضی نکلسن کہیں یا قاضی ہر بند رائے کہیں، اس سے انصاف نہیں ملتا، یہاں اصل مسودہ قانون میں یہ وضاحت ہونی چاہیے تھی کہ.....

انوندزادہ بہرہ ور سعید | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! یہ قاضی کی توہین ہے ان کو کہیں کہ اپنے الفاظ واپس لیں۔

مولانا سمیع الحق | جناب والا یہ قاضی کی توہین نہیں ہے۔

اخوندزادہ بہرہ ور سعید جناب والا! یہ قاضی محمد احمد، یا قاضی نکلسن یا قاضی ہر بند رائے، یہ قاضی کی توہین ہے، ان کو کہیں کہ یہ اپنے الفاظ واپس لیں، یہ قاضی کی توہین ہے۔

مولانا سمیع الحق کون سی توہین میں نے کی ہے؟

اخوندزادہ بہرہ ور سعید یہ قاضی نکلسن کیا ہوتا ہے؟

مولانا سمیع الحق آپ جسٹس نکلسن کہیں یا قاضی نکلسن کہیں بات ایک ہی ہے۔ اگر اس کے پاس قانون وہی ہوں جو موجودہ دیوانی یا فوجداری عدالتوں کے ہوتے ہیں یعنی انگریزی قانون ہو اور آپ اس کو علامہ نکلسن کہیں یا مولانا نکلسن کہیں یا جسٹس نکلسن کہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بنیادی بات سب سے پہلے یہی تھی کہ اصل مسودہ قانون میں یہ واضح ہونا چاہیے تھا کہ یہ تمام عدالتیں قرآن کے مطابق فیصلے کریں گی۔ یہاں متفرقات کے ضمن میں جو تعبیر کے عنوان سے کہا گیا ہے کہ اس سے آرڈیننس کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے قاضی عدالتیں قرآن پاک اور سنت رسول میں مقرر کردہ اسلام کے احکام سے راہنمائی حاصل کریں گی۔ یہ قرآن اور سنت کے ساتھ ایک مترج مذاق ہے، راہنمائی کے لفظ سے قاضی عدالتوں کے قیام کے مقاصد بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

سید معین الدین پوائنٹ آف آرڈر جناب والا! THIS IS A MIS STATEMENT OF CLEARLY اس میں سیکشن نمبر ۵۳ اور ۶۴ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو سکتی، دو سیکشن میں ایک نہیں دو سیکشن ہیں ۵۳ x ۶۴۔

اطلاق قوانین کے لیے راہنمائی نہیں پابندی لازمی ہے | مولانا سمیع الحق: ایک یاد دہانی دے رہا ہوں اسی کے متعلق کچھ

عرض کر رہا ہوں۔ اس میں ایسی بات نہیں ہے۔ ابتداء میں یعنی مسودے کے آغاز میں جس قسم کے الفاظ ہیں اس میں یہی درج ہے اور یہاں بھی یہی ہے کہ عدالتیں راہنمائی حاصل کریں گی۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے، آپ قانون دان ہیں، وکلاء حضرات کو بھی پتہ ہے کہ اس سے کوئی قانون اسلامی قانون نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم تمام آئینوں میں ابتداء میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد قرار داد مقصد لکھ دیتے ہیں اسی طرح قرار داد مقاصد کی طرح یہ بھی ایک ابتداء ہے، تو یہ ایک لازمی اور ضروری شرط ہے کہ تمام قوانین کا اطلاق جو ہے وہ قرآن و سنت کے مطابق ہوگا، اور کوئی طریقہ کار دیوانی اور فوجداری ضوابط ہوں کہیں بھی قرآن و سنت کی مخالفت بالکل نہیں کی جائے گی۔ اصل قانون جس کو کہتے ہیں جب تک اسے قرآن و سنت کے مطابق نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک



شرعی عدالتیں حتیٰ اور انصاف کے طریقہ پر نہیں بنائی جاسکتیں۔

اس لیے دوسری عرض یہ ہے کہ اصل مسودہ قانون جس پر ہمارے وکلاء حضرات اور دوسرے دوستوں کے جو خطرات تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے یہ خطرات بالکل بے جا ہیں یہاں اسلامی نظام عدل کا نام لینے والوں نے کبھی سوچا بھی نہیں اور نہ ان کا یہ ارادہ ہے کہ یہاں عدالتوں میں وکلاء کی جگہ پر مجسٹریٹوں کی جگہ پر علماء قبضہ کر لیں، مقصد ہمارا صرف یہ ہے کہ جب آپ اسلامی نظام اور اسلامی عدل و انصاف کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو اسلامی قوانین جاری کرنا ہوں گے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی اور اس کے مطابق کام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد لاء کمیشن کے سامنے مسودہ قانون آیا اور لاء کمیشن کے بعد ہماری فاضل سلیکٹ کمیٹی نے جناب منٹو صاحب کی سرکردگی میں اس رپورٹ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں۔ تو اس پر میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں، غالباً مولانا روم نے لکھا ہے کہ ایک شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میرے جسم پر بھی شیر کا نقشہ یا تصویر ہوتی چاہیے، تو وہ اس قسم کی چیزیں جسم پر بنانے والے ایک شخص کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرے جسم پر شیر کی شکل بنا دو، تو گوگرد نے ول نے شیر کی شکل بنانے کی غرض سے جب اُسے سوئی چھوئی تو اس شخص کو تکلیف ہوئی، وہ چیخا کہ یہ کیا بنا رہے ہو، اس نے کہا کہ شیر کی تصویر بنا رہا ہوں، اُس نے کہا کہ اس وقت کیا بنا رہے ہو، اُس نے کہا کہ مثال کے طور پر اس کے سینک بنا رہا ہوں، مثال کے طور پر اُس نے کہا کہ اسے بھائی شیر بغیر سینک کے بھی ہو سکتا ہے اس سینک کو چھوڑ بیٹے۔

جناب زید اے سلہری | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! شیر کے نو سینک نہیں ہوتے یہ مثال ہی غلط ہے رہے ہیں تو ان کی بات کو کیسے صحیح مان سکتے ہیں وہ بھی غلط ہی ہوگی، دیکھتے کہتے ہیں کہ شیر کے سینک بنا رہا تھا۔

مولانا سمیع الحق | شیر یا کوئی دوسرا جانور، میں نے کہا ہے کہ مثال کے طور پر بہر حال میں نے گدھے کا نام تو نہیں لیا، کیا تکلیف ہوگئی ان لوگوں کو، جیسے مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ گدھے کے سر سے سینک غائب ہونا، تو کیا واقعی گدھے کے سر پر سینک ہوتے ہیں؟ بہر حال جب اُس نے دوبارہ سوئی چھوئی شروع کی تو اس شخص نے کہا کہ بھائی اب کیا بنا رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ دم بنا رہا ہوں، اس نے کہا کہ ہتے دو دم کو، دم کے بغیر بھی تو شیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر جب اس نے تیسری بار سوئی چھوئی تو اُسے پھر تکلیف ہوئی، کہنے لگا کہ اب کیا بنا رہے ہو، اُس نے

کہا کہ شیر کا سر بنا رہا ہوں، کہنے لگا کہ سر کو بھی چھوڑ دو، تو اس نے سوئی وغیرہ پھینک دی اور کہا  
بھئی ایسا شیر تو ہم نے دنیا میں کہیں بھی نہیں دیکھا کہ جس کی نہ دم ہو، نہ سر ہو، نہ پیر ہوں۔  
تو ہماری سلیکٹ کمیٹی نے بھی اس مسودہ کی ایک ایک دفعہ کو ایسا ہی مجروح اور فسخ کر کے پیش کیا،  
جناب وائس چیرمین | مولانا صرف ایک منٹ باقی ہے۔

مولانا سمیع الحق | اور آج یہ جو بڑھ چڑھ کر سلیکٹ کمیٹی کی تعریف کر رہے ہیں اور اس کی  
تائید کر رہے ہیں یہ بالکل شیر تو نہیں ایک ڈھانچہ ہے جس پر شیر کا صرف ٹھپہ لگے گا لیکن اس میں  
توانائی اور شجاعت نہیں ہوگی، تو یہاں ہر اس دفعہ میں ایسی ترامیم کی گئی ہیں جس سے عدل و انصاف  
ہیا کرنا اور بھی طویل ہو جائے گا۔

انوندزادہ پیرہ ورسید | جب وہ شیر کا صرف ڈھانچہ ہے تو یہ اس شیر سے ڈرتے کیوں ہیں؟  
مولانا سمیع الحق | جناب ہم ڈرتے نہیں ہم اس شیر کو مکمل شیر انشاء اللہ بنا کر چھوڑیں گے۔  
جناب وائس چیرمین | تشریف رکھئے۔

جناب گرداری لال بھاٹیہ | پوائنٹ آف آرڈر، جناب والا! کیا انسانوں کے معاملہ میں  
جانوروں کی مثالیں دی جاسکتی ہیں؟  
جناب وائس چیرمین | آپ تشریف رکھیں۔

مولانا سمیع الحق | جناب والا! موجودہ جو مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے وہ اور بھی اسلامی  
عدل و انصاف کو دور کر دے گا، ہمارے معزز رکن جناب عبید الرحمن صاحب نے کہا تھا کہ ہمیں بڑی  
خوشی ہوئی ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی بالادستی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تو اصل پکروہی ہے کہ ایک عدالت  
کے بعد دوسری عدالت اور پھر اس کے بعد تیسری عدالت کے پاس جائے، جیسا کہ صد صاحب  
نے ذکر کیا تھا کہ وہ کہیں پندرہویں صدی میں جا کر فیصلہ ہوگا۔ اس لیے خدا کے واسطے اس کے  
راستے میں رکاوٹیں نہ ڈالیے اور جو لوگ اس کے منتظر ہیں خدا را ان کے ساتھ تعاون کیجئے تاکہ ان کو  
عدل و انصاف مل سکے۔

جناب وائس چیرمین | آپ مسودے کو اچھی طرح سے پڑھیے پھر سمجھا جائے گی۔  
مولانا سمیع الحق | جناب والا! ہم پڑھ چکے ہیں انشاء اللہ اس کی ایک ایک دفعہ کامیاب  
اپریشن کریں گے۔





ومن اظلم ممن فكتم

شهادته عنده من الله وما

الله بغافل عما تعملون-

# کتاب الشہادۃ

(گواہی کے احکام و مسائل)

**سوال**۔ ایک شخص کی گواہی اپنے سگے بھائی کے بھائی کے لیے گواہی دینا جائز ہے؟  
**کے حق میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟**

**الجواب**۔ بھائیوں کی املاک چونکہ آپس میں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ایک دوسرے کے لیے گواہی دینے میں تہمت لازم نہیں آتی، لہذا ایک بھائی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول ہو سکتی ہے۔

وتقبل شهادة الرجل لآخيه وعده لانعدام التهمة لان الاملاك ومنافعهما متباينة ولا بسوطة لبعضهم في مال البعض۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب الشہادۃ باب من يقبل شهادته الخ)

تاہم اگر ان کی املاک ایک ہوں تو پھر جس طرح شریک کی گواہی دوسرے شریک کے حق میں قبول نہیں ہوتی اسی طرح ایک بھائی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں یہ گواہی بعض وجوہ سے اپنی ذات کے لیے ہوگی۔

قال العلامة المرغینانی: ولا شهادة الشريك لشريكه فيما هو من شركتهما لانه شهادة لنفسه من وجه لا شريكهما۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۶۱ کتاب الشہادۃ۔ باب من يقبل شهادته الخ) لہ

**سوال**۔ نابینا شخص کی گواہی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کن امور میں اس کی شہادت قبول ہوگی؟

**الجواب**۔ چونکہ شہادت (گواہی) کے اکثر امور کا تعلق معائنے اور مشاہدہ سے ہوتا ہے

لہ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البغاری: ويقبل شهادة الاخ لآخيه من النسب وان كان ابوها حياً۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۹ الفصل الثانی فی الشہادات۔ کتاب الشہادات) ومثله فی الہندیۃ ج ۳ ص ۲۵۵ الباب الرابع، الفصل الثالث فیمن لا تقبل شہادته

اور معائنہ کے بغیر اس کا بیان کرنا ناممکن ہے مثلاً اداۓ شہادت کے وقت اشارہ سے اس کی تمیز ہوتی ہو تو قوتِ بینائی کے بغیر ان میں تمیز ناممکن ہے اور بعض امور کا تعلق سماع سے ہوتا ہے لیکن مسوعات میں آپس میں خلط ملط اور ہم مثل ہونے کی وجہ سے اشتباہ لازم آتا ہے اور شہادت میں اشتباہ سے تحریر ضروری ہے لہذا نابینا آدمی کی گواہی کسی حال میں درست نہیں۔ تاہم جس شہادت کا تعلق صرف سماع سے ہو مثلاً نکاح، تو وہاں نابینا آدمی کی شہادت قابلِ قبول ہے۔

مقال العلامة ابن عابدین: ان الاداء یفتقر الی التمیز بالاشارة بین المشہود لہ والمشہود علیہ ولا یمیز الا علی الا بالنعمۃ و فیہ شبہة یمکن التحریر عنہا بحسب الشہود والنسبۃ لتمیز الغائب دون الحاضر و صار کالحدود والقصاص۔

رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۶ کتاب الشہادۃ۔ باب القبول وعدمہ۔

**وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت** | سوال :- وعدہ معاف گواہ کی گواہی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کی گواہی

قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** وعدہ معاف گواہ کی گواہی شرعاً درست نہیں، کیونکہ وعدہ معافی کی وجہ سے گواہی دینے والا خصم بن جاتا ہے اور اس گواہی سے اُسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور جس گواہی سے گواہی دینے والے کو فائدہ حاصل ہوتا ہو تو وہ گواہی قابلِ قبول نہیں۔

مقال الشیخ سلیم رستم باز: یشترط ان لا یكون فی الشہادۃ دفع مغرم او جرم مقم یعنی ان لا تكون داعیۃ لدفع المضرۃ او جلب المنفعۃ۔ (مجلة الامکام۔ ما ۱۰۰۰ ص ۱۰۲۳ شروط فصل فی الشہادۃ الاساسیۃ) لہ

لہ قال العلامة مرغینانی: ان الاداء یفتقر الی التمیز بالاشارة بین المشہود لہ والمشہود علیہ ولا یمیز الا علی الا بالنعمۃ و فیہ شبہة یمکن التحریر عنہا بحسب الشہود۔  
الهدایۃ ج ۳ ص ۱۵۹ کتاب الشہادۃ۔ باب یقبل شہادۃ الخ

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَاعِ ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشہادۃ، فصل فی الشرائط فی الاصل۔  
لہ قال العلامة الحصکفی: ومن الشرائط عدم قرابة ولاد او زوجیۃ او عداوۃ دنیویۃ او دفع مغرم او جرم مقم۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۱۱ کتاب الشہادۃ)  
وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَارِيَةِ عَلَى هَامِشِ الْبَهْدِيَةِ ج ۵ ص ۲۲۸ نوع فی الرجل منی تحل لہ الشہادۃ۔



**اُجرتی قاتل کی گواہی کی شرعی حیثیت** | سوال :- ایسا شخص جو کہ اُجرتی قاتل ہو اور اپنے قاتل ہونے کا اعتراف بھی کر چکا ہو تو کیا اس کی گواہی کسی

معاملہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** کسی کو بے گناہ قتل کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اس لیے اس حرام فعل کا مرتکب فاسق و فاجر ہے، خصوصاً جبکہ خود اس کا اعتراف بھی کر چکا ہو اور فاسق و فاجر کھ گواہی شرعاً درست نہیں لہذا اُجرتی قاتل کی گواہی شرعی لحاظ سے درست نہیں۔

لما قال العلامة الشيخ سليم رستم بائاً: يشترط ان يكون الشاهد عدلاً۔

(شرح مجلة الاحكام - مادة ۳۹۵ - فصل في الشهادة الاساسية شروط) لہ

**داڑھی منڈانے والے کی شہادت کا حکم** | سوال :- داڑھی منڈانے یا ایک قبضہ سے کم داڑھی رکھنے والے کی گواہی کی شرعی حیثیت

کیا ہے؟

**الجواب :-** داڑھی منڈانا یا کترانا حرام ہے جو کہ موجب فسق ہے کیونکہ اس کی مشروعیت احادیث اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں وجوب کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اس لیے اس فعل حرام کا مرتکب فاسق و فاجر ہے اور فاسق کی گواہی شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة ابوبکر بن مسعود الكاساني: ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق فانها لا تقبل على الاطلاق دونها لقوله تعالى: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَالشَّاهِدَ الْمَرْضِيَّ هُوَ الشَّاهِدُ الْعَدْلُ - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشهادة، فصل في شرائط في الاصل) لیکن موجودہ معاشرہ کے انحطاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر داڑھی والا گواہ موجود نہ ہو اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور گواہی دینے والا داڑھی منڈا معتبر شخص ہو جس کے صدق پر قاضی کو اعتماد حاصل ہو تو پھر داڑھی منڈوانے کے باوجود اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: قال في جامع الفتاوى واما شهادة الفاسق فان تحمي القاضي

لہ قال العلامة ابوبکر بن مسعود الكاساني: ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق فانها لا تقبل

على الاطلاق دونها - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۶۸ کتاب الشهادة، فصل في شرائط في الاصل)

ومثله في الهداية ج ۳ ص ۱۵۵ کتاب الشهادة۔

الصدق في شهادته تقبل والا فلا — قال في الفتاوى القاعدة هذا اذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ درر اول كتاب القضاء وظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتقاده - (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۲ كتاب الشهادة) ۱۰

**قتل میں عورت کی گواہی کا حکم** | سوال :- کیا قتل کے معاملہ میں عورت کی گواہی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں، اور اس کی گواہی سے قاتل کو سزائے موت دینا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** حدود کا نفاذ چونکہ یقینی امور پر ہوتا ہے جو کہ معمولی شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں، عورتوں کی گواہی میں بدلیت کے شبہ کا احتمال ہے، یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو گواہی حدود کے نفاذ میں معتبر نہیں، لہذا عورت کی گواہی کی بنیاد پر قاتل کو قصاص میں سزائے موت دینا جائز نہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني: ولا يقبل فيها شهادة النساء لحديث الزهري مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفين من بعده ان لا شهادة النساء في الحدود والقصاص ولان فيها شبهة اليدلية لقيامها مقام شهادة الرجال فلا تقبل فيما يندرى بالشبهات - (الهداية ج ۳ ص ۱۵۳ كتاب الشهادة) ۱۱

**دشمن کی گواہی کی شرعی حیثیت** | سوال :- کیا ایک دشمن کی گواہی دوسرے دشمن کے خلاف قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** دشمنی عموماً باہمی ضرر رسانی اور ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ رویہ اپنانے کا سبب بنتی ہے، اس لیے ایک دشمن اگر اپنے مخالف پر گواہی دے تو اس میں ضرر رسانی

۱۲ قال العلامة الشيخ سليم رستم باز، ويشترط ان يكون الشاهد عدلاً -

(شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۵، ص ۱۰۳۹ فصل في شروط الشهادة الاسلامية)

وَمِثْلُهُ فِي الْهُدَايَةِ ج ۳ ص ۱۵۵ كتاب الشهادة -

۱۳ قال العلامة الكاساني: ومنها الذكورة في الشهادة بالحدود والقصاص فلا تقبل

فيها شهادة النساء - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۴۹ كتاب الشهادة)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ مَجْلَةِ الْاِحْكَامِ لِلشَّيْخِ سَلِيمِ رِسْتَمِ بَازِ الْبَلْبَنَانِيِّ تَحْتِ الْمَادَّةِ ۱۶۸۵ ص ۱۰۰۳ -

کا احتمال موجود ہو کر شریعت کی رو سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی اگرچہ یہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہو۔

قال العلامة ابن عابدین: ان شهادة العدو على عدوه لا تقبل وان كان عدلاً۔ رد المحتار ج ۵ ص ۲۸ کتاب الشهادات۔ باب القبول وعدمه۔ لہ  
گواہی کے لیے آمدورفت کا خرچہ لینے کا حکم | سوال :- اگر کوئی شخص کسی معاملہ میں گواہی دینے کے لیے عدالت میں حاضر ہو اور حکومت اپنی طرف سے اس کو آمدورفت کا خرچہ دینا چاہے تو کیا اس کے لیے خرچہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- کسی معاملہ میں گواہی دینا دراصل لوگوں کے حقوق کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے اور ہر شخص کے حقوق کا تحفظ دوسرے پر فرض ہے تو شہادۃ دینا گویا اپنا فریضہ سرانجام دینا ہے، اس لیے اس پر اجرت کا مطالبہ کرنا اپنی ایک شرعی ذمہ داری پوری کرنے پر اجرت حاصل کرنا ہے لہذا اگر گواہان شہادت پر اجرت کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں گواہی پر ذاتی منفعوت کے حصول کا شائبہ لازم آتا ہے اور جس گواہی میں ذاتی منفعوت کا شبہ ہو وہ شرعاً قبول نہیں لیکن شریعت نے اگر ایک طرف گواہوں کو اجرت لینے سے روکا ہے تو دوسری طرف مشہودہ کو گواہوں کے اعزاز و اکرام کا درس بھی دیا ہے اس لیے اگر گواہوں کو آمدورفت وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو اور مشہودہ ان کو آمدورفت کا خرچہ دینا چاہے یا ان کے لیے اپنی خوشی سے کھلنے پینے کا بندوبست کرے تو گواہوں کو خرچہ وغیرہ لینا جائز ہے، اس لیے اگر حکومت قانون کے موافق خرچہ دینا چاہے تو اس کا لینا جائز ہے لیکن جو پیسے خرچہ سے نائد ہوں وہ حکومت کو واپس کرے۔

ما قال العلامة ابن نجيم: لو وضع للشهود طعاماً فاكلوا ان كان مهياً من قبل ذلك تقبل وان صنعوا لاجلهم لا تقبل وعن محمد لا تقبل فيهما وعن ابى يوسف تقبل فيهما

له قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ولا يجوز شهادة على الرجل اذا كان بينهما عداوة يعنى من امور الدنيا فان كان من امور الدين لا تقبل۔

ر خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۴ الفصل الثاني في الشهادات ۔

و مثله في مجلة الاحكام للشيخ سليم رستم باز، مادة ۱۰۲ ص ۱۳۴ ۔



اعادة الجارية باطعام من حل محل الانسان ممن يعز عليه شاهداً اذلاً..... وجزء  
في الملتقط بالقبول مطلقاً وفي شرح منظومة ابن وهبان للمصنف الفتاوى على قول ابى يوسف  
(البحر الرائق ج ۷ ص ۵۸ کتاب الشهادة) لہ

**قبضہ اور ملکیت میں شہادت کا حکم** | سوال :- ایک شخص کی زمین سے نہر گذرتی ہے اور  
دوسرا شخص اس نہر سے اپنی زمین کو مدتوں تک سیراب  
کرتا رہا، اب دونوں نے اس نہر پر ملکیت کا دعویٰ کیا ہے، بالک زمین کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ  
نہر میری زمین سے گذرتی ہے اس لیے یہ میری ملک ہے جبکہ دوسرا شخص اس نہر سے استفادہ کی  
وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، اگر دونوں گواہ پیش کریں تو کس کے گواہوں کو اعتبار دیا  
جائے گا؟

**الجواب :-** متنازع فیہ مقدار اگر معروف و مشہور نہ ہو تو اس کی حدود بیان کرنا ضروری  
ہے اور اگر معروف و مشہور ہو تو پھر حدود بیان کرنا ضروری نہیں۔ فقہاء کرام کی صریح عبارات کے  
مطابق صحت دعویٰ کے بعد طلب بینه و خیمہ ہوگا۔ صورت مسئلہ میں بظاہر دونوں ملک اور یہ  
کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے دونوں پر ثبوت کریں اگر دونوں کا یہ ثابت ہو جائے تو  
پھر ملک پر گواہ طلب کیے جائیں گے، تو ان دونوں میں سے جو بھی اپنے ملک پر گواہ قائم کرنے تو  
فیصلہ اس کے حق میں ہوگا اور اگر دونوں گواہ قائم کریں تو پھر مدعی دونوں میں تقسیم کیا جائے گا اور  
نہر دونوں کے درمیان مشترک رہے گی کوئی ایک فریق کسی دوسرے کو انتفاع سے منع نہیں  
کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی: "وإذا ادعى الرجلان ارضاً یعنی يدعى كل واحد منهما انهما في  
يده لم يقض انهما في يد واحد منهما حتى يقيما البيئته انهما في ايديهما لان اليد فيها

لہ قال العلامة خير الدين الرملي: (رسول) فيما اذا طلبت الشهود الشهادة في مكان بعيداً  
يومين احتيج الى الركوب فادى المدعى للشاهدين اجرة دايتهما هل تسقط شهادتهما  
بذلك ام لا، اجاب لا تسقط شهادتهما بذلك كما جرى به في الملتقط۔

والفتاوى الخيرية على هامش نفع الحامدية جلد ۷ ص ۲۱ کتاب الشهادة

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۲۹ کتاب الشهادة۔

غير مشاهدة لتعذر احضارها وما غاب عن علم القاضى فالبيئنة تثبتته وان اقام احدهما  
البيئنة جعلت في يده لقيام الحجة لان اليد حق مقصود وان اقام البيئنة جعلت في  
ايديهما لما بيننا فلا تستحق لاحدهما من غير حجة - (الهداية ج ۳ ص ۲۲۲ كتاب الدعوى  
فصل في التنازع بالايدي) ل

**شہادت غیر قابض کی قبول ہوگی** | سوال: کسی شخص کے زیر تصرف زمین پر دوسرے شخص  
یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ زمین مجھے میراث میں ملی ہے جبکہ دونوں کے پاس گواہ بھی موجود ہیں،  
از روئے شریعت ان دونوں میں کس کے گواہ مقدم ہوں گے؟

**الجواب:** زمین جس شخص کے قبضہ میں ہے وہ ذوالید ہے اور دوسرا شخص جو  
ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے خارج ہے لہذا صورت مذکورہ میں اگر دونوں کے پاس ملکیت کے  
تاریخ کا ٹھوس ثبوت موجود نہ ہو تو عام معاملات کی طرح خارج کے گواہ ذوالید پر مقدم  
ہوں گے، ذوالید کے گواہوں کو اس وقت ترجیح دی جائے گی جب دونوں کے پاس  
ملکیت کی تاریخ کا ثبوت موجود ہو، اور اگر ذوالید کی تاریخ خارج کی تاریخ سے اسبق ہو  
تو اس وقت ذوالید کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے صرف  
ایک کے پاس تاریخ کا ثبوت موجود ہو تو اس صورت میں بالاجماع خارج کے گواہوں کو  
ذوالید پر ترجیح دی جائے گی اور فیصلہ اس کے گواہوں پر کیا جائے گا۔

لما قال العلامة طاهربن عبدالرشيد البخاري: ولو كان في يد احدهما  
فهو للخارج الا اذا كان تاريخ ذي اليد اسبق فهو اولي عند ابى حنيفة و ابى يوسف  
وعند محمد يقضى به للخارج لانه لا عبرة للوقت في الميراث عنده وان ارج

لہ قال العلامة فخرالدين القاضى خان: فان اقام احدهما البيئنة انها في يده يقضى  
له باليد ويصير هو مدعى عليه والاخر مدعى وان قامت البيئنة لكل واحد منهما  
فان القاضى يجعل الدار في يدهما لانهما تساويا في اثبات اليد -

(الفتاوى قاضى خان على هامش الهندية ج ۲ فصل في دعوى الدور والاراضى)

وَمِثْلُهُ فِي مَجْلَدِ الْأَحْكَامِ لِلشَيْخِ سَلِيمِ رَسْتَمِ بَارِ، الْمَادَّةُ ۱۷۵ ص ۱۱۰ -

احدهما ولم يورخ الاخر فهو للخارج بالاجماع - (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۱۱۳ کتاب الدعوی  
الفصل الثالث عشر فی العین یتنازع فیها اثنان) ۱۰

سوال ۱- ایک شخص ایک زمین بطور کاشت  
کھاتا رہا، ایک دوسرے شخص نے دعویٰ  
کیا کہ یہ زمین میری ہے، اس نے جواب

میں کہا کہ یہ تو پھانوں کا دفتر ہے، یہ کہنے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ زمین نہ میری ہے نہ  
تیری، تو اس صورت میں گواہ کس کے معتبر ہوں گے؟

الجواب ۱- اگر کاشتکار کے اس کہنے سے کہ یہ زمین پھانوں کا دفتر ہے، مطلب یہ ہو کہ میں مجھے  
پھانوں نے دی ہے اور میری ملکیت ہے تو اس صورت میں دوسرے شخص کا دعویٰ صحیح ہے اور گواہ  
اس کے معتبر ہوں گے کیونکہ یہ خارج ہے اور ملک مطلق کا دعویٰ کرتا ہے اور فقہاء کی تصریح کے مطابق  
ملک مطلق کے مطالبہ میں گواہ خارج کے مقدم ہوں گے اور اگر اس کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ یہ زمین  
پھانوں نے مجھے صرف کاشت کے لیے دی ہے اور میری ملکیت نہیں تو اس صورت میں کاشتکار خصم  
نہیں بن سکتا اور مدعی ان لوگوں پر گواہ پیش کرے جس کی اصل ملکیت ہو اور گواہ بہر حال اس کے معتبر  
ہوں گے کیونکہ خارج ہے۔

ماقال الشيخ سليم رستم باز: بيئنة الخارج اولى في دعوى الملك المطلق الذي لم يبين فيها  
تاريخ - (شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۷۵، ۱۷۶ فصل في ترجيح البيئات) ۱۷۵

له قال العلامة ابن قاضي سماوة: واذا كان العین فی ید احدهما ولم يورخا او ادخا سواء يقضى للخارج  
وان ادخا واحدهما سبق فهو لا سبقهما وعند عهد للخارج لا عبرة للتاريخ هنا وان ارخ  
احدهما لا الاخر فهو للخارج لاجتماع - رجاء مع الفصولين ج ۱ ص ۱۱۳ الفصل الثامن  
فی دعوى الخارج مع ذی الید)

وَمِثْلُهُ فِي رَدِّ الْمُتَارِخِ ج ۲ ص ۲۸۶ بَابِ دَعْوَى الرَّجُلَيْنِ -

له قال العلامة التمرتاشي: تقدم حجة خارج في ملك الخارج -

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ بَابِ دَعْوَى الرَّجُلَيْنِ)

وَمِثْلُهُ فِي بَدَائِعِ الصَّنَاعِ ج ۶ ص ۲۳۲ کتاب الدعوی - فصل حکم تعارض الدعوتین مع تعارض البینتین -



**نکاح کی مجلس میں بغیر حاضر ہوئے نکاح کی گواہی دینا جائز ہے** | سوال :- جو لوگ نکاح اور ان کو محض خبر سے نکاح کا پتہ چلا ہو اور وہ عقد نکاح کے بارے میں گواہی دینا چاہیں تو کیا ان کی گواہی قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** بعض احکامات کا دار و مدار چونکہ گواہی پر ہے اس میں ذرہ برابر بھی رد و بدل آنے سے احکامات میں تبدیلی آجاتی ہے، اس لیے شریعت میں شہادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، شریعت نے اس کی حفاظت کے لیے بڑی احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لیے بہت سے شرائط عائد کیے ہیں، ان شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ گواہ جس معاملہ میں گواہی دینا چاہے اس کی پوری نوعیت اس کے سامنے ہو اور یہ نوعیت تب پوری طرح واضح ہوتی ہے جب گواہ خود موجود ہو، اس لیے شہادت میں شریعت نے دیکھنے اور حاضر ہونے کو شرط قرار دیا ہے لیکن بعض ایسے امور جو کہ شہرت سے متعلق ہو کر چشم دید گواہی دینا اس میں مشکل ہو اصل شرط سے مستثنیٰ قرار دیئے ہیں، اگر ان امور کی اطلاع معتمد ذرائع سے حاصل ہو تو ان میں گواہی دینا جائز ہے، ان ہی امور میں سے ایک نکاح بھی ہے لہذا اگر کوئی عقد نکاح کے وقت مجلس میں موجود نہ ہو اور اس کو معتمد ذرائع سے اس کا علم ہو جائے تو وہ شخص اگر اس پر گواہی دینا چاہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

لما قال العلامة المرغینانی: ولا يجوز للشاهد ان يشهد بشئ لم يعاينه الا النسب  
والموت والنكاح والدخول - الهداية ج ۳ ص ۱۵۸ کتاب الشهادة - فصل من يقبل  
شهادته الخ) له

**اثبات زیادتی کی وجہ سے خارج کے گواہوں کا حکم** | سوال :- ایک شخص عرصہ دراز تک زمین کے ایک ٹکڑے کی پیداوار

له قال العلامة ابن قاضي سماوة: شهدا بنسب او نكاح وقال سمعناه من قوم لا يتصور  
اجتماعهم على الكذب لا تقبل وقيل تقبل وفي رعدة) اشادة الى ان القبول اصح على ما  
يأتي - (جامع الفصولين ج ۱ ص ۱۳ الفصل الثاني عشرة فيما سمع فيه للشهادة بلا فصل)  
ومثله في شرح المجلة للعلامة سليم رستم باز تحت المادة ۱۶۸۸ ص ۱۰۶ -

لکھاتا رہا، اس پر تعمیر بھی کرائی اور درخت بھی لگوائے، اب ایک دوسرے شخص نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ زمین میں نے اس کو بطور امانت دی تھی اور اس نے مجھے ۱۹۰۰ روپے قرض اس شرط پر دیئے تھے کہ جب وہ اس زمین سے ۱۹۰۰ روپے کے برابر پیداوار حاصل کر لے گا تو یہ زمین مجھے واپس کرے گا، لیکن کاشتکار اب اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ زمین اس نے مجھے بیع قطعی پر دی تھی، تو اس صورت میں گواہ کس کے مقدم ہوں گے؟

**الجواب :-** مذکورہ صورت میں کاشتکار جو کہ ذوالید ہے اور شراد کا دعویٰ کرتا ہے اور ذوالید اگر ملک مطلق کے دعویٰ کی صورت میں شراد کا دعویٰ کرے تو اس کے گواہ مقدم کے جائیں گے۔

ماقال العلامة المرعيتاني؛ وان اقام الخارج البينة على الملك المطلق وصاحب اليد ابينة على الشرايعنه كان صاحب اليد اولى۔ (الهداية ج ۳ ص ۲۲۱ کتاب الدعویٰ باب ما يدعيه ارجل ان لیکن دوسرا شخص چونکہ خارج ہے فعل زائد یعنی ودیعت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے ہاں اصل ملکیت خارج کے لیے مسلم ہے اور خارج چونکہ اثبات زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے، لہذا اگر یہ دوسرا شخص ودیعت پر گواہ قائم کرے تو اس کے گواہ مقدم کے جائیں گے۔

ماقال العلامة ابن نجيم؛ اذ لو ادعى الخارج الفعل على ذي اليد كالغصب والاجارة والعارية فبينة الخارج اولى۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۲۲۲ باب دعویٰ الرجلین) **سوال :-** دو آدمیوں نے ایک قومی مشترک زمین پر قبضہ کیا ہوا ہے اور دونوں اس میں ماکانہ تصرفات کرتے رہے ہیں، اب ایک نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ ساری زمین میری ہے، مجھے وراثت میں ملی ہے، جبکہ دوسرے فریق کا دعویٰ ہے کہ یہ زمین

له قال العلامة الحصكفي رحمه الله، الا اذا ادعى الخارج عليه فعلا كغصب او دليعة او اجارة ونحوها في رواية درر او كان سببا يتكسر كبتا وغرس ونسج خز وزرع بر ونحوه او اشكل على اهل الخبرة فهو للخارج لانه الاصل وانما عدلنا عنه بحديث النتاج۔

والدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۹ باب دعویٰ الرجلین

وَمَثَلُهُ فِي مَجْلَدِ الْاَحْكَامِ، الْمَادَّةُ ۵۸۹ ص ۱۱۸ کتاب الدعویٰ۔

میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کیونکہ دونوں کا اس پر قبضہ ہے، ان دونوں میں کس کے گواہ مقدم ہوں گے؟

**الجواب ۱۔** مذکورہ صورت میں جو شخص محض زمین آباد کرنے کی وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے تو زمین آباد کرنا چونکہ سبب ملک نہیں اس لیے اس کا دعویٰ ناقابل سماعت ہے تاہم اگر یہ زمین موات ثابت ہو جائے جس میں آباد کرنے سے ملکیت ثابت ہو سکتی ہے تو پھر دونوں کا دعویٰ قابل سماعت ہے لیکن صورتِ مسئلہ میں دونوں فریقین کے تصرفات اور دعویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مدعی بعض نے زمین کے اس حصہ سے کوئی سروکار نہیں رکھا جس میں اس کا خصم تصرف کر رہا ہے بلکہ مدعی کل تصرفات کے ہوتے ہوئے مدعی بعض کے حصہ سے تصرفات میں خارجی اور اجنبی ہے، اس لیے اگر دونوں گواہ پیش کریں تو تمام جائیداد کا فیصلہ مدعی کل کے حق میں ہوگا کیونکہ ادھی جائیداد اس کو کسی کے دعویٰ نہ کرنے سے رہ گئی اور بقیہ جائیداد میں مدعی کل خارج متصور ہو کر ذواہد کے مقابلہ میں خارج کے گواہوں کو اعتبار دیا جائے گا۔

ما قال الشيخ سليم رستم بن ياز: اذا ادعى اثنان مالاً احدهما بالاستقلال والاخر بالاشتراك وكل منهما متصرف فيه اي ذويد عليه فبيئته الاستقلال ادلى يعني اذا ادا كلاهما قامت البيئته ترجح بيئته الذي ادعى الاشتراك۔  
(شرح مجلة الاحكام، المادة ۱۱۲، فصل في ترجيح البيئات)

**گواہوں کی عدم موجودگی میں محض شک کی وجہ سے سزائے موت دینے کا حکم** | سوال ۱۔ کیا  
کرنے کیلئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا محض شک کی وجہ سے کسی مجرم کو سزائے موت  
دینا درست ہے؟

**الجواب ۱۔** شریعتِ مطہرہ نے لوگوں کے مال و جان اور عزت و آبرو کے تحفظ

۱۔ قال العلامة الكاساني رحمه الله: فالاصل فيه ان البيئته المظهرة للزيادة  
اولى - (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۱ کتاب الدعوى۔ فصل حکم تعارض الدعوتين۔ الخ)  
ومثله في الهداية ج ۳ ص ۲۰۸ باب التحالف۔



کا تہیہ کر رکھتا ہے اور ہر حال میں ان کی عزت و آبرو اور مال و جان کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے کیونکہ ان چیزوں کے تحفظ کے بغیر سکون و راحت کی زندگی کا تصور بھی محال ہے، ان امور کے تحفظ اور حقوق اللہ کے اجراء کے لیے حدود و قصاص وغیرہ کا اجراء عدیم المثال نظام ہے اس لیے اگر کسی کے وجود یا افعال بد سے دوسروں کے مال و جان وغیرہ کو خطرہ ہو تو جرم کے ثابت ہو جانے پر مجرم کو حدود و قصاص کے تحت سزا دی جاسکتی ہے لیکن اگر جرم کے اثبات میں معمولی سی غفلت بھی برتی جائے تو اس میں کسی بے گناہ کی جان یا اس کی عزت و آبرو کے ضیاع کا خطرہ ہے اس لیے جرم کے اثبات کے لیے شریعت نے شہادت میں سختی سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ شبہ کے احتمال کی وجہ سے عورتوں کی گواہی غیر معتبر قرار دی ہے اس لیے صحیح گواہوں کے بغیر محض شک و شبہ کی بناء پر کسی کو سزائے موت دینا ناجائز ہے۔

مکافی الحدیث: عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادروا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من ان يخطئ في العقوبة - رواه الترمذی - (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱ کتاب الحدود)

الفصل الثانی ۱۰

**شُرکاء کاروبار کا ایک دوسرے کیلئے گواہی دینا** | سوال :- دو آدمی ایک کاروبار میں شریک ہیں کیا وہ کاروبار کے معاملہ میں ایک دوسرے

کے لیے گواہ بن سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب :-** اسلامی قانون شہادت کی رو سے ایک شریک دوسرے شریک کیلئے طرفداری کی تہمت کی وجہ سے گواہی نہیں دے سکتا اور نہ ان کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں مقبول ہوگی۔

لما فی مجلة الاحکام: وكذلك لا تقبل شهادة الشراكاء لبعضهم في مال الشركة ولا تقبل شهادة الكفيل بالمال للاصيل على كون المكفول به - الخ (در الاحکام علی مجلة الاحکام ج ۲ ص ۳۹ کتاب الشهادة) ۲

۱۰ قال العلامة الكاساني رحمه الله: كان الحدود والقصاص مبناهما على الدرء والاستقاط بالمشبهات - (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب الشهادة - فصل واما الشرائط في الاصل الخ) ومثله في الهداية ج ۲ ص ۵۰ کتاب الحدود -

۲ قال علا علی جید: لا تقبل شهادة الشراكاء لبعضهم في مال الشركة - (در الاحکام علی مجلة الاحکام ج ۲ ص ۳۹)

**باپ کا بیٹے کے لیے گواہی دینا** | سوال بد جناب مفتی صاحب! اگر باپ عدالت میں حج کے

ساتھ بیٹے کے حق میں یہ گواہی دے کہ میرے بیٹے نے فلاں شخص سے دعویٰ میں درج شدہ اراضی قطعی بیع سے خریدی ہے، تو کیا باپ کی یہ گواہی بیٹے کے حق میں مقبول ہوگی یا نہیں؟ اور عدالت اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟

**الجواب:-** اسلامی قانون شہادت کی رو سے باپ بیٹے یا بیٹا باپ کیلئے گواہی نہیں دے سکتا اس لیے کہ اس میں طرفداری اور قرابتداری کی تہمت ہے کہ ہو سکتا ہے باپ بیٹے کے حق میں بلاجواز بھوٹی گواہی دے رہا ہو، تو اس تہمت کی وجہ سے اسلام اصول و فروع کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قبول نہیں کرتا اسلئے عدالت باپ کی گواہی کی بنیاد پر بیٹے کے حق میں فیصلہ دینے کی شرعاً مجاز نہیں۔

لما قال العلامة المرعینی: ولا شهادة الوالد لولد ولا لولد ولا لشهادة الولد لابويه ولا جده والاصل فيه قوله عليه السلام لا يقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها ولا الزوج لامراته الخ (الهدایة ج ۳ ص ۱۶ کتاب الشهادة) لہ

**ہیجرے کی گواہی کا حکم** | سوال:- کیا ہیجرے کی گواہی شرعاً قبول کی جائے گی یا نہیں؟ جبکہ وہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ناچ گانے کا کام بھی کرتا ہو، قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

**الجواب:-** جو ہیجرے خورتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں ناچتا گاتا بھی ہو تو اس کی گواہی اس کے فسق کی وجہ سے شرعاً مقبول نہیں۔ تاہم جس کے اعضاء اور ادا و انداز میں نرمی ہو اور وہ فسق و فجور کا ارتکاب نہیں کرتا ہو تو وہ صرف نرمی کی بناء پر مردود الشہادت نہیں ہوتا بلکہ شرعاً اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: وقال فقهاء الحنفیة لا تقبل شہادة مخنت لفسقه وهو الذی یفعل الرذی ویؤتی كالنساء اما الذی فی کلامہ

لہ وفي مجلة الاحکام، لا تقبل شہادة الاصل للفرع والفرع للاصل یعنی لا تقبل شہادة الاباء والجداد والامهات والجدات لاولادهم واعفادهم وبالعکس اغی شہادة الاولاد والاحفاد لاباء والجدات والامهات والجدات. الخ رد المحتار علی مجلة الاحکام ج ۴ ص ۳۹۳ کتاب الشهادة. المادة ۱۷۰۰۔



وفي اعضائه تكسرفه ومقبول الشهادة - رالفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۵۶۶ المطلب الثالث ، شروط اداء الشهادة )

**تائب فاسق کی گواہی کا حکم** | سوال :- ایک آدمی پہلے بھڑا، چوری، زنا وغیرہ قبیح افعال کا ارتکاب کرتا تھا لیکن اب اس نے تمام تمام برائیوں سے توبہ کر لی ہے، تبلیغ میں بھی وقت لگاتا شروع کر دیا ہے، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے۔ اب اگر وہ کسی مجرم پر گواہی دے تو کیا شرعاً اس شخص کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں؟

**الجواب :-** فقہاء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاسق و فاجر جب اپنے فسق و فجور سے توبہ کر کے صراطِ مستقیم پر آجائے تو وہ شہادت دینے کا شرعاً اہل ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں موصوف کئی مجرم پر گواہی دینے کا اہل ہے اس کو سابقہ جرائم کی وجہ سے گواہی دینے سے نااہل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي : واتفق الفقهاء على أن الفاسق اذا تاب من فسقه تقبل شهادته واستثنى الحنفية المحدود في القذف فانه لا تقبل شهادته عندهم وان تاب -

رالفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۵۶۶ المطلب الثالث في شروط اداء الشهادة )  
**بینائی سے محروم شخص کی گواہی کا حکم** | سوال :- ایک شخص کسی کو قتل کر رہا تھا اور دو آدمیوں نے اسے عین قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ،

جب قاتل کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج کرائی گئی تو اس نے موقع کے ان گواہوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو اغوا کر کے اس پر اتنا تشدد کیا کہ اس کی بینائی ختم ہو گئی

۱۔ قال العلامة المحصني رحمه الله ، ولا تقبل شهادته ) محنت بالفتم من يفعل الردى ويؤتى وأما بالكسرفا لتكسر المتلين في اعضائه وكلامه خلقته فتقبل - ( الدر المختار على صدر المختار جلد ۵ ص ۴۹۹ كتاب الشهادة - باب قبول الشهادة وعدمه )  
۲۔ قال العلامة المحصني رحمه الله : الفاسق اذا تاب تقبل شهادته الا المحدود بقذف - ( الدر المختار على صدر المختار جلد ۵ ص ۴۹۹ كتاب الشهادة - باب قبول الشهادة وعدمه )



اب وہ قاتل گرفتار ہو گیا ہے اور عدالت میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ قاتل کے تشدد سے بینائی سے محروم ہو جانے والا شخص عدالت میں اُس قاتل کے خلاف گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ اس نے خود قاتل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

**الجواب:-** حنفیہ کثر اللہ سواد ہم کے ہاں ادا شہادت کے لیے چند شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے اور بدون ان شرائط کے گواہ ادا شہادت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان شرائط میں عقل، بلوغ اور اسلام وغیرہ کے ساتھ ساتھ گواہ کا بینا ہونا بھی ضروری ہے، صورتِ مسئلہ کے مطابق گواہ ادا شہادت کے وقت چونکہ بینائی کی نعمت سے محروم ہے اس لیے وہ حنفیہ کے نزدیک شہادت کا اہل نہیں۔

لما قال العلامة الشيخ وهبة الزحيلي: البصر! يشترط عند أبي حنيفة ومحمد والشافعية ان يكون الشاهد مبصراً فلا تقبل شهادة الاعمى لانه لا بد من معرفة المشهود له والاشارة اليه عند الشهادة ولا يميز الاعمى بين الناس الا بنغمة الصوت وفيه شبهة لان الاصوات تتشابه وتشدد الحنفية فمتعوا قبول شهادة الاعمى وان كان بصيراً عند تحمل الشهادة - (الفقه الاسلامي وادلتہ، جلد ۶، ص ۵۶، المطلب الثالث شروط اداء الشهادة) لہ

**قوت گویائی سے محروم شخص (گونگے) کی شہادت کا حکم** | سوال :- ایک آدمی جو کہ بات چیت کرنے کی نعمت

سے محروم (گونگا) ہے، اگر وہ خود کسی شخص کو کوئی جرم کرتے ہوئے دیکھے اور اس کی آواز کو پہچانتا بھی ہو، تو کیا یہ شخص اس مجرم کے خلاف عدالت میں اشارہ کے ساتھ گواہی دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور عدالت اس گواہی کے مطابق مجرم کو سزا وغیرہ دینے کی ترغیب دے یا نہیں؟

**الجواب:-** اسلامی قانون شہادت کے مطابق گواہ میں چند شرائط کا ہونا ضروری

لہ لما قال العلامة الحسكفي رحمه الله: لا تقبل من اعمى مطلقاً. قال العلامة ابي عابدين، ولنا ان الاداء يفتقر الى التمييز بالاشارة بين المشهود له والمشهود عليه ولا يميز الاعمى الا بالنغمة وفيه شبهة. (رد المحتار والدر المختار ج ۵ ص ۲۴۶ كتاب الشهادة - باب قبول الشهادة وعدمه)

ضروری ہے مثلاً مسلمان ہونا، آزاد ہونا، عاقل بالغ اور بصیر ہونا وغیرہ، ان شرائط میں ایک شرط قوت گویائی کی بھی ہے، اگر کوئی شخص شہادت کی دیگر شرائط تو پوری کرتا ہو مگر وہ قوت گویائی سے محروم ہے تو وہ شہادت کا شرعاً اہل نہیں اور عدالت اس کی دی ہوئی گواہی پر فیصلہ صادر کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: النطق! اشترط المحنفة والشافعية  
والحنابلة ان يكون الشاهد ناطقاً فلا تقبل شهادة الاخرس  
وان فهمت اشارته لان الاشارة لا تعتبر في الشهادات لانها تتطلب  
اليقين وانما المطلوب التلفظ بالشهادة - دال الفقه الاسلامي وادلته ج ۶ ص ۵۶۳  
المطلب الثالث، شروط اداء الشهادة

**گواہ کی خفیہ تحقیقات کرنے کی شرعی حیثیت** | سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک مسئلے کا حل مطلوب ہے وہ یہ کہ آج کل

بعض لوگ سفید لباس پہن کر خود ساختہ معزز بن جاتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں لیکن پس پردہ وہ جرائم پیشہ افراد کے پشت پناہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر عدالت میں تہج کے سامنے کسی مجرم کے خلاف شہادت دینے کے لیے آئیں اور خود مجرم یا اس کا وکیل ان پر جرح کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ موصوف تو خود فلاں فلاں جرم کا مرتکب ہے۔ تو کیا جج حقیقت جاننے کے لیے خفیہ طور پر ان کی عدالت کی تحقیق کر سکتا ہے یا صرف ان کی ظاہری عدالت پر اعتماد کر کے فیصلے کر سکتا ہے؟ فقہاء کرام کی اس بارہ میں کیا رائے ہے؟

**الجواب :-** امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہ کی ظاہری عدالت پر اکتفا کر کے جج یا قاضی کسی مقدمہ کا فیصلہ کر سکتا ہے، گواہ کی خفیہ طور پر تحقیقات کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ حدود اور قصاص کے معاملے میں اس احتیاط کو بروئے کار لانا ان کے ہاں بھی ضروری ہے، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جملہ معاملات اور مقدمات میں گواہ کی خفیہ طور پر عدالتی تحقیق ضروری ہے، متاخرین علماء احناف نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی گواہ کی عدالتی تحقیق ضروری ہے، اس لیے کہ خصم (مجرم) یا اس کے وکیل نے گواہ پر اعتراض کیا ہے،



اس لیے حج یا قاضی ایسے گواہ کی خفیہ عدالتی تحقیقات کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے صرف گواہ کی سفید پوشی پر اعتماد کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: واكتفى ابو حنيفة بظاهر العدالة في المسلم ولا يسأل عن الشهود حتى يطعن الخصم بهم الا في الحدود والمقاص فانہ يسأل عن الشهود وان لم يطعن فيهم الا خصوم ودليله على الاكتفاء بظاهر العدالة قوله عليه السلام: المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدوداً في قذف - ومثله مروى عن عمر ..... وقال الصحاحان والفتاوى على قولهما لا يد عن ان يسأل القاضى عن الشهود في السر والعلا نية في سائر الحقوق لان القضاء قائم على المحجة وهي شهادة الرجال فلا يد من التعريف على العدالة وفي ذلك ميانة للمحكم القضاة عن النقص والابطال بسبب الطعن في عدالة الشهود۔

الفقه الاسلامى وادلته ج ۶، ۵۶۵، ۵۶۶ المطلب الثالث في شروط اداد الشهادة

**علت زائل ہونے کے بعد اسی مقدمے میں شہادت کا حکم** | سوال :- ایک شخص نے

اپنی بیوی کے لیے قاضی کے سامنے یہ شہادت دی کہ میری بیوی کا اپنے بھائی زید پر ایک لاکھ روپیہ (جو کہ اسے اپنے والد کے ترکہ سے نقدی کی صورت میں ملے تھے) قرضہ ہے لیکن قاضی نے اس کی شہادت کو ازدواجی رشتے کی بنا پر رد کر دیا۔ اب جبکہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے کر رخصت کر دیا ہے تو کیا یہ شخص اسی مقدمے میں شہادت دے سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ عورت اب اس کے لیے اجنبیہ بن گئی ہے؟

**الجواب :-** اسلامی قانون شہادت کے تحت جب ایک بار کسی شخص کی گواہی کسی علت کی بنا پر رد کر دی جائے تو اسی مقدمے میں اس شخص کی شہادت علت زائل ہونے کے بعد بھی قبول نہیں ہوگی۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں طلاق دینے کے بعد بھی اثباتِ دعویٰ کے لیے اس شخص کی شہادت کارآمد نہیں۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: متى ردت الشهادة لعلة تعزالت العلة فشهد في تلك الحادثة لا تقبل فلو شهد الزوج لزوجته بدعوى فردت



ثُمَّ ابَانُهَا وَتَزَوَّجَتْ غَيْرَهُ ثُمَّ شَهِدَتْ لَهَا بِتِلْكَ الدَّعْوَى لَمْ تَقْبَلْ -

(شرح المجلد برستم باز ۵۰۵ المادة ۵۵۸ کتاب الاکراه - الباب الثاني)

**شہادۃ میں مشہود کو یا علیہ کا نام مع ولدیت لینا** | سوال :- ایک آدمی جب کسی کیلئے گواہی دے تو اس کا نام مع ولدیت

لے گا یا نہیں؟ اسی طرح جس کے خلاف گواہی دے رہا ہو تو اس کا نام بھی مع ولدیت کے لے گا یا نہیں؟ شریعت اسلامی میں اس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب :-** گواہی دیتے وقت اگر مشہود نے (جس کے لیے گواہی دیتا ہو) اور مشہود علیہ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو) عدالت میں موجود ہوں تو گواہ کے لیے ان کے نام مع ولدیت کے لینا ضروری نہیں، صرف اشارہ کرنے سے بھی تعین ہو جائے گا۔ البتہ اگر دونوں موجود نہ ہوں یا کوئی ایک غیر حاضر ہو تو اس کا نام مع ولدیت کے لے کر گواہی دینا ضروری ہے صرف نام پر اکتفاء کرنے سے بات نہیں بنے گی، تاہم اگر وہ مشہور و معروف ہو تو شہرت کی وجہ سے صرف نام لینا بھی کفایت کر جاتا ہے۔

لما فی مجلۃ الاحکام، یجب ان یشیر الشاہد عند الشہادۃ الی کل من المشہود لہ، و المشہود علیہ و المشہود بہ اذا کانوا حاضرین فان فعل ذلك کفی ولا یلزمہ ان یدکر اسم ابی المشہود لہ و المشہود علیہ و لاحدہما اما فی الشہادۃ المتعلقة بالمؤکل الغائب او بالمیت فیلزم الشاہد ذکر اسمیہما وجدہما و لکن اذا کان کل منہما مشہوراً و معروفاً فحسب الشاہد ان یدکر اسمہ و شہرتہ لان المقصد الاصلی تعرفہ بوجه یبیزہ من غیرہ۔ (مجلۃ الاحکام رقم باز ص ۱۶۹)

**شہادت کیلئے خود مشاہدہ کرنا ضروری ہے** | سوال :- اگر کوئی شخص گواہی دیتے وقت قاضی کے سامنے یہ کہے کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے یا

لہ قال العلامة المحصنی؛ وہی ان علی حاضر یتحتاج الشاہد الی الاشارة الی ثلاثۃ التي الخصمین و المشہود بہ لوعینا و لادینا و ان علی غائب کما فی نقل الشہادۃ او میت فلا بد لقبولہما من نسبتہ الی جدہ فلا یکنی ذکر اسمہ و اسم ابیہ و صناعتہ الا اذا کان یعرف بہا ای بالصناعة لا بحالہ بان لا یشارکہ فی المصر و غیرہ فلو قضی بلا ذکر الجد فقد فالعتبر التعریف لا تکثیر الحرف حتی لو عرف باسمہ فقط او بلقبہ و حدہ کفی۔ (الدر المختار علی صد درمہ المختار ج ۵ ص ۲۶۶ کتاب الشہادۃ)

وَمِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْلَةِ لِخَالِدِ تَأْسِي ج ۵ ص ۲۰۱ الْبَابِ الْاَوَّلِ فِي الشَّهَادَةِ -

لوگوں میں مشہور ہے کہ فلاں شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے، جبکہ گواہی دینے والا شخص صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو اور تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت بھی لگاتا ہو۔ تو کیا اس شخص کی یہ گواہی اثباتِ جرم کے لیے شرعاً کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:- گواہی دینے والے کیلئے اگرچہ عادل، صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا بھی ضروری ہے مگر قبولِ شہادت کے لیے اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ شاہد نے مجرم کو جرم کے ارتکاب کے وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، صرف لوگوں سے سُن کر گواہی دینا قابلِ قبول نہیں۔ لہذا اس قسم کی شہادت سے جرم ثابت نہ ہوگا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بات لوگوں میں غلط مشہور ہو چکی ہو۔

لما فی مجلة الاحکام: يلزم ان يكون الشهود قد عاينوا بالذات المشهود به وان يشهدوا على ذلك الوجه ولا يجوز ان يشهدوا بالسمع يعنى ان يشهد الشاهد بقوله سمعت من الناس۔ ( مجلة الاحکام العدلیة۔ المادة ۱۶۸۸ )

سوال: کیا شہادت کے معاملہ میں صرف مرد گواہ کا ہونا ضروری ہے یا یہ کہہیں صرف خواتین کی گواہی بھی قابلِ قبول ہو سکتی ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:- لوگوں کے مابین پیدا ہونے والے تنازعات کے حل کے لیے شرعاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا بطور گواہ ہونا ضروری ہے لیکن جہاں کہیں مرد گواہوں کی رسائی ممکن نہ ہو یا وہ ان حالات پر مطلع نہ ہو سکتے ہوں تو اس مجبوری کے تحت صرف خواتین کی گواہی بھی قابلِ اثباتِ دعویٰ ہے اور شرعاً ان کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔

لما فی مجلة الاحکام: نصاب الشهادة في حقوق العباد رجلان او رجل وامرأتان ولكن تقبل شهادة النساء وحدهن بحق المال فقط في المحال التي لا يمكن اطلاع الرجال عليها۔ ( شرح مجلة الاحکام لرستم باز، المادة ۱۶۸۵ ص ۱۰۳ الباب الاول في الشهادة )

۱۔ لما قال العلامة محمد بن الحسين الحنفی: لو قالوا شهدنا لان في سمعنا من الناس فلا تقبل شهادته۔ ( الفتاویٰ الانقریة ج ۱ ص ۳۹۰ کتاب الشهادة۔ ابنا السادس في الشهادة بالتامع )  
۲۔ لما قال العلامة خالد آتاسی: كالولادة فان شهادة المرأة الواحدة في حق الارث تقبل عندهما خلافاً لابن حنیفة وبقولهما قال الشافعی واحمد وهو ارحم کما فی الفتح واما فی حق ثبوت النسب فتقبل اجماعاً... حاصله ان شهادة النساء بانفرادهن فيما لا یطلع علیه الرجال حجة۔ ( شرح مجلة الاحکام ج ۵ ص ۵۰ الباب الاول في الشهادة )



**اثباتِ جرم کے لیے ریکارڈ شدہ شہادت کافی نہیں** | سوال :- عصرِ حاضر کی سائنسی ایجاد  
ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے ریکارڈ شدہ  
بیان کی بنیاد پر چوری، زنا، قتل وغیرہ کا جرم ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی کیسٹ کا بیان مثبت للحکم  
ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ شرعاً گواہوں کا عدالت میں حاضر ہو کر قاضی کے سامنے گواہی دینا ضروری  
ہے اس لیے صورتِ مسئلہ میں ٹیپ ریکارڈ یا دیگر جدید آلات سے گواہ کا بیان مثبت للحکم نہیں  
اور نہ قاضی کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ صرف ٹیپ ریکارڈ یا دوسرے آلات سے کسی کا  
بیان سن کر کوئی فیصلہ کرے، اس لیے کہ ایک آدمی کی آواز دوسرے کی آواز کے مشابہ ہو سکتی ہے۔  
کافی مجلۃ الاحکام: الشہادۃ ہی الاخبار بلفظ للشہادۃ یعنی یقول اشہد  
باثبات حق احدہو فی ذمۃ الآخر فی حضور الحاکم ومواجهۃ الخصم  
فیقال للمخبّر شاہد وللمخبّر لہ مشہود لہ وللمخبّر علیہ مشہود علیہ  
وللحق مشہود بہ۔

قال الشیخ خالد اتاسی ح: وقولہ فی حضور الحاکم المراد منہ ان یکون  
الاخبار فی مجلس الحکم فاخبار الحاکم فی غیر مجلس الحکم لا یعتبر شہادۃ۔

شرح المجلۃ لخالد اتاسی ج ۵ ص ۲۰۰، ۱۹۹ (الباب الاول فی الشہادۃ)

**اثباتِ جرم کے لیے تصویر کا حکم** | سوال :- ایک شخص کسی کو قتل کر رہا ہو یا زنا کر رہا ہو  
اور کوئی دوسرا شخص اچانک اس کی تصویر اتار لے

تو کیا وہ تصویر اثباتِ جرم کے لیے قاضی کی عدالت میں پیش کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** تصویر اور اس سلسلہ کے دیگر جدید آلات کو قومی زمانہ کیسر نظر انداز نہیں کیا جا  
سکتا اور یہ ذرائع اثباتِ جرائم کے لیے کافی حد تک کارآمد بھی ہیں بشرطیکہ دیگر ذرائع و قرائن انکی  
تائید کرتے ہوں، اس لیے کہ آج کل کے تکنیکی دور میں تصاویر کے اندر جعل سازی کا قوی امکان  
موجود ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں اتاری گئی تصویر اگر چہ کلی طور پر اثباتِ جرم کے لیے کافی  
نہیں لیکن اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اگر دیگر ذرائع اس کی تائید میں نہ بھی ہوں  
اور قاضی کو مجرم پر قوی یقین ہو تو وہ اس پر کم از کم تعزیر جاری کر سکتا ہے۔

لما فی مجلۃ الاحکام: القرینۃ القاطعۃ ہی الامارۃ البالغۃ حد البیقین



مثلاً اذا خرج احد من دار خالية مد هوشاً وفي يده سكين ملوثة بالدم  
ودخلت الدار وروى فيها شخص مذ بوح في ذلك الوقت فلا يشتبه في كونه  
قاتل ذلك الشخص ولا يلتفت الى الاحتمالات الوهمية الصرفة كالذهاب الى  
كون شخص المذكور بما قتل نفسه - (مجلة الاحكام، المادة ۳۱۷) لہ

**قاتل کے جسم یا کپڑوں پر مقتول کا خون لگا ہوتو** | سوال: اگر قاتل کسی واردات  
میں عین موقع پر کوئی شخص کپڑا لگے

اس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہو اور اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے بھی ہوں۔ ڈاکٹری تحقیق سے  
مقتول کا خون اور خنجر و کپڑوں پر لگا، تو خون ایک ہی ہو تو کیا شرعاً اس شخص پر جرم ثابت  
ہوگا یا نہیں؟

**الجواب**۔ مقتول کے خون اور قاتل کے جسم پر لگے ہوئے خون کا ایک ہونا قاتل کے اثبات  
کا قرینہ ہے۔ صورت مسئلہ کے مطابق اگر مقتول اور قاتل کے کپڑوں اور خنجر پر لگا ہوا  
خون ایک ثابت ہو جائے تو شرعاً یہ شخص مجرم متصور ہوگا، اور اگر دیگر شواہد بھی تائید کرتے  
ہوں تو قاتل پر حد جاری کی جائے گی ورنہ قاضی اس پر تعزیر جاری کر سکتا ہے۔



لہ لما قال العلامة خالد اتاسی: وفي معین الاحكام قال بعض العلماء على الناظر ان يلحظ  
الامارات والعلامات اذا تعارضت فما ترجح منها قضی بجانب الترجیح وهو  
قوة التهمة ولا خلاف في الحكم بها وتبصرة الاحكام، قال الله تعالى: تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ  
دل على السیما المراد بها حال يظهر على الشخص والامارات ما نحوذة من  
الشریعة قال الله: (رَوَجَاؤُا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ) قال عبد المنعم بن الفرس  
روى ان نحوه يوسف عليه السلام لما اتوا بقميص يوسف الى ابيهم يعقوب  
عليه تامله فلم يجد فيه حرفاً ولا اثر ناب فاستدل بذلك على كذبهم  
وقال متى كان الذئب حليماً يأكل يوسف ولا يخرق قميصه -

(شرح المجلة ج ۵ ص ۳۹۱ في بيان القرينة القاطعة - المادة ۳۱۷)

## مسودہ قانون شہادت میں

مولانا سمیع الحق کی بعض دیگر ترامیم اور تقاریر

**اقرار اور اقبال جرم** | مسودہ قانون شہادت میں دفعہ ۴۵ کا تعلق اقبال جرم اور اقرار سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:۔  
 ”ان معاملات میں جو تسلیم کیے گئے ہوں، اقبال جرم تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے۔“

اس دفعہ کے متعلق مولانا سمیع الحق کی ترمیم (جو کہ فہرست ترامیم میں ۳۲ پر تھی) یہ تھی کہ اس دفعہ کو یوں بدل دیا جائے۔۔

”ان معاملات میں جو تسلیم کیے گئے ہوں اقبال تصفیہ کن ثبوت بھی ہے اور مانع تقریر مخالفت (ESTOPPEL) بھی، اگر کوئی شخص اقبال (اقرار) کرے تو کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال (اقرار) کو اہمیت دے کر فیصلہ کیا جائے۔“

جناب چیئر مین نے یہ ترمیم پڑھ کر ایوان کے سامنے رکھی تو اس کے بارے میں میاں نعیم الرحمن صاحب نے نقطہ اعتراض اٹھایا کہ یہ ترمیم تقاضوں کے مطابق نہیں تو مسودہ قانون میں کیسے آسکتی ہے، جناب چیئر مین نے اس ترمیم کی اصل عبارت جو کہ اردو میں تھی کی طرف ان کی توجہ دلائی اور خود بھی پڑھی اور انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی درست کیا اور پھر محرک کو اس پر بحث کی اجازت دے دی، مولانا نے کہا۔۔

**مولانا سمیع الحق** | جناب چیئر مین صاحب ایہ بالکل واضح ہے، ہمارے سامنے جو اصل دفعہ ہے اس میں یہ کہے اقبال تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے۔ تو میرا مقصد یہ ہے کہ اقبال کو ثبوت قطعی اس شہادت کی رو سے نہیں سمجھا گیا ہے کیونکہ انہوں نے انگریزی شہاد ایکٹ کو جس مفہوم میں استعمال کیا ہے اس کا تو یہی تقاضا تھا، لیکن اسلامی قانون میں اقرار کو جس

مفہوم میں لیا گیا ہے وہ نتائج کے اعتبار سے قطعی ثبوت بھی نہیں یعنی اس سے انکار نہیں (Stoppage) بھی ہے، واضح اصول یوں اخذ یا قرار آدمی اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر جناب ملک محمد رمضان صاحب آف بلوچستان نے چیئرمین سے کہا کہ مولانا کی ترمیم کے الفاظ اور معانی کے چکروں میں پڑنے کی بجائے جذبے کو بھی دیکھنا چاہیے، اگر یہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہے تو اسے اور الفاظ کا جامہ پہنا کر قبول کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

اس کے بعد چیئرمین نے جناب سید معین الدین شاہ کو اس پر اظہار خیال کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ قوانین آپس میں مربوط ہوا کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ہم نے قاضی کورٹس پاس کیا ہے، یہاں حقوق کی بات نہیں ہے، یہاں یہ ترمیم ٹانڈ ہے قانون میں آہی نہیں سکتی۔ اور بھی کئی مواقع پر ایسا ہوا کہ یہاں جو چیز لاتا نہ چاہتے تو یہ حضرات قاضی کورٹس کا حوالہ دے دیتے، اقرار کے متعلق یہی انداز اختیار کیا گیا کہ قاضی کورٹ کا قانون یہی ہے۔ اس مرحلہ پر مولانا سمیع الحق نے جواب بحث دیتے ہوئے کہا کہ:

مولانا سمیع الحق جناب والا! میں نے ابھی ایک حصر بیان کیا تھا، یہاں بار بار ہمیں قاضی کورٹس کا حوالہ دیا جاتا ہے، یہ بڑا عجیب سا نظام ہے کہ اس مسئلے کو دوسری کتاب سے مربوط کیا جائے اور اس کو تیسری سے۔ قانون شہادت تو یہ ہے کہ شہادت کے سارے امور گواہوں کے متعلق ہوں یا حلف کے متعلق ہوں یا اقرار کے متعلق ہوں تو اسے یکجا رکھا جائے، اس طرح آسانی رہے گی۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ایک صحیح اور موثر ڈھانچہ تیار ہو جائے تو یہاں اگر تفصیلاً نہ بھی ذکر کی جائیں۔ تو میں نے ترمیم میں کہا ہے کہ — ”کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق“ — یہ اس لیے ضروری ہے کہ اقبال اور اقرار کو بھی شریعت نے کئی شرائط سے مشروط کر دیا ہے۔ مثلاً اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہوگا، اگر نابالغ ہے اور ولی یا سرپرست نے اس کو کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے تو وہ بھی بالغ کے حکم میں متصور ہوگا۔ اسی طرح اور کئی شرائط ہیں، تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب مقرر اقرار کرے، اقبال کرے وغیر کسی جبر و اکراہ کے، تو اس میں شریعت کے واضح احکامات کو ملحوظ رکھا جائے، جبکہ یہاں معاملہ بالکل مبہم ہے اور دوسرا مانع امر مخالف کا مسئلہ ہے کہ اسلام اقرار کو ثبوت قطعی بھی قرار دیتا ہے، اگر یہاں ہم نے اسے ثبوت قطعی قرار نہ دیا تو شریعت کا ایک اصول اس سے متاثر ہو جائے گا۔ اقرار ایک مستقل عظیم الشان باب ہے اسلامی قانون شہادت کا اس کے تقاضوں کو بھی ہر جگہ ملحوظ



رکھنا ہوگا۔ یہ عام مسلمہ اصول ہے کہ المرء یؤخذ باقرارہ۔ اب ایک شخص نے اگر اقرار کر لیا تو یہاں تو اس کو مانع تقریر مخالف قرار دیا گیا، یعنی ایک شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص میرا بچا ہے تو وہ اس کا بھائی تو ہو گیا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس اقرار سے وہ اس کے باپ کا بیٹا بھی ہو جائے، خلاصہ تو یہی ہے۔ مگر یہاں تو اس کو ثبوت قطعی قرار ہی نہیں دیا گیا، اگر ایسا ہی ہو تو پھر اقرار کی کوئی بنیاد اور حیثیت ہی نہ ہوئی۔

**اقرار کے شرائط** | دوسری گزارش میں نے یہ کی کہ اقرار کو شریعت نے کئی چیزوں سے پابند کر دیا ہے، جیسا کہ ہم نے شاہد کے لیے بھی اہلیت اور شرائط کو ملحوظ رکھا ہے، تو یہاں بھی اگر ہم تفصیلات میں نہیں جاتے تو شہادت کے بعد ایک درجہ تو اقرار کرنے کا ہے، اس کی بھی شرائط ہیں اور کچھ مستثنیات ہیں، وضاحتیں ہیں، تو ان کو میرے اس مختصر جملے میں ملحوظ رکھ دیا جائے کہ شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال کو اہمیت دیں گے، اگر وہ شریعت کے احکام پر پورا نہیں اترتا تو زوج کو اختیار ہو کہ وہ اس شخص کے اقرار کو اہمیت نہیں دے گا۔ صرف اتنا معاملہ ہے کہ اس دفعہ کو بھی کسی طرح اسلامی اصولوں کے قریب لایا جائے۔ اس کے بعد جناب چوہدری فقیر اللہ صاحب اور جناب چوہدری الطاف حسین صاحب اور بعض دیگر ارکان نے ترمیم کی مخالفت کی اور مولانا قاضی عبداللطیف صاحب نے ترمیم کی پُرزور تائید کی، اس پر رائے شماری کے بعد جناب چیئرمین نے اسے ساقط قرار دیدیا۔

**شادی وغیرہ کا ثبوت** | دفعہ ۶۲ کا تعلق شادی وغیرہ کی رشتہ داری کے ثبوت سے ہے اس میں مولانا کی ترمیم یہ تھی کہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بڑھا دیئے جائیں کہ: "یا قوانین حدود کی متعلقہ دفعات کے تحت ہو" تاکہ زنا کاری کے انسداد کے سلسلہ میں یہ دفعہ بعض صورتوں میں رکاوٹ بن سکے۔ یہاں اصل دفعہ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹ اور ۴۸ کا ذکر تھا جبکہ وہ کالعدم ہو چکی تھیں مگر حدود سے متعلقہ دفعات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ جناب حکیم محمد سردار خان صاحب، جناب چوہدری محمد الطاف حسین صاحب، وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے بحث میں حصہ لیا اور کہا کہ اس ترمیم کے جملہ تقاضے حدود آرڈی ننس سے پورے ہو رہے ہیں البتہ ۴۹ اور ۴۸ دفعات کا ذکر یہاں زائد ہے اسلئے کہ یہ ریپل ہو چکی ہیں۔ جناب چیئرمین نے اس کے بعد محرک مولانا سمیع الحق کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ جناب چیئرمین

ہم نے یہ بات مسودہ کو ترتیب دیتے وقت مفاہمتی مجلس میں بھی کہی تھی کہ اگر حدود آرڈیننس کے ذکر کی ضرورت نہیں تو پھر تعزیرات پاکستان کی ان منسوخ شدہ دفعات (۲۹۷ اور ۲۹۸) کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں۔ تو میں حیران تھا کہ جو دفعات منسوخ ہیں ان کا تو ذکر ہے لیکن جو راجح الوقت ہے (یعنی حدود آرڈیننس) اس کا ذکر تک نہیں۔ اس پر جناب چیئرمین نے منسوخ شدہ دفعات کا ذکر ہٹا دیا اور مولانا نے ترمیم واپس لینے کی اجازت شرطیہ طور پر لینی چاہی تو چیئرمین نے کہا کہ شرطیہ اجازت نہیں لی جاسکتی، اس کے بعد ترمیم پر رائے شماری ہوئی اور گز گئی۔

**دوران ازدواج بچے کی پیدائش** دفعہ ۱۲۸ کا تعلق دوران ازدواج بچے کی پیدائش سے ہے کہ ایسی پیدائش بچے کے جائز ہونے کا پختہ ثبوت ہوگا۔

مجوزہ ایکٹ ۱۸۷۲ء میں اسے بالکل مبہم چھوڑ دیا گیا تھا، صرف یہ کہ جائز شادی کے دوران بچہ پیدا ہو نا اس کے جائز ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ گویا اگر عقد نکاح کے چند دن بعد بھی بچہ پیدا ہو جائے تو اسے حلالی سمجھا جائے گا، جبکہ اسلامی شریعت کی رو سے عقد نکاح کے کم از کم ۶ ماہ گزرنے کے بعد پیدا ہونے والا بچہ جائز سمجھا جائے گا۔ اسی طرح یہ ایکٹ انفساخ نکاح کی صورت میں دوسو اسی یوم کے اندر بعد انفساخ ازدواج تو لگد کو جائز ثبوت قرار دے رہا تھا جبکہ فقہاء کرام کے نزدیک کم از کم مدت دو سال ہے۔ یعنی فسخ نکاح (طلاق یا وفات) کے بعد دو سال تک پیدا ہونے والا بچہ بھی حلالی سمجھا جائے گا، سوائے استثنائی صورتوں کے۔ (جو کہ بچے دفعہ میں آ رہی ہیں)۔

علماء کا اصرار تھا کہ اس دفعہ کو ہر حالت میں شریعت کے مطابق بنانا ہوگا، جبکہ مخالف گروپ وکلاء وغیرہ اس پر آمادہ نہیں تھے، مگر بعد میں مفاہمتی مجلس میں اس پر جناب وزیر قانون وغیرہ کی سعی سے وکلاء حضرات نے اتفاق کر لیا اور اس دفعہ کو علماء کرام نے از سر نو مرتب کر کے مستویں مل کر لیا۔

**مدت حمل** دفعہ ۱۲۸ دوران ازدواج پیدائش پختہ ثبوت جائز ہونے کا ہے | یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی والدہ کے کسی مرد کے ازدواج جائز میں رہنے کے چھ ماہ یا اس کے بعد

یا اس نکاح کے ختم ہونے سے دو سال کے اندر پیدا ہوا ہو اور اس اثنا میں اس کی ماں بے زوج رہی ہو تو یہ اس امر کا قطعی ثبوت ہوگا کہ وہ صحیح النسب بیٹا ہوگا، الا یہ کہ عورت عدت گزرنے کا اقرار کر چکی ہے اور بچہ کی پیدائش تاریخ اقرار سے ۶ ماہ بعد ہوئی یا شوہر انکاری ہو۔

ایوان میں یہ دفعہ جب سامنے آئی تو حکیم محمد سردار خان اور بعض وکلاء نے پھر اسے ترمیم کے ذریعہ



بدلتا چاہا اور نکاح ختم ہونے کے بعد کی مدت کو ۲۹۵ دن تک محدود کرنا چاہا۔ یہ مسئلہ مدتِ حمل کی اکثر حد پر مبنی ہے۔ بعض ائمہ کے ہاں یہ مدت تین سال اور اس سے بھی زائد ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے کم از کم میعاد پر مبنی ہے، مخالفت کرنے والوں کو یہ میعاد ناممکن اور مضحکہ خیز نظر آئی تھی جبکہ انگریزی ایکٹ میں عقدِ نکاح کے دو دن بعد بچے کی ولادت کو قانوناً جائز قرار دیتے جاتے پر حیرت اور اچنبھا نہ تھا۔ علماء کرام نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس میعاد کی حکمتوں پر روشنی ڈالی اور پیش کردہ ترمیم کی مخالفت کی، دکلاء حضرات نے اپنے موقف پر تقریریں کیں اور الحمد للہ کہ رٹے شماری کے بعد مخالفتانہ ترمیم ساقط ہو گئیں اور اکثریت سے علماء کی پیش کردہ دفعہ منظور ہو گئی۔

اس مسئلہ پر مولانا سمیع الحق نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ :-

**جناب چیئرمین | مولانا سمیع الحق صاحب !**

**مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین !** یہاں زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے کہ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا

ہے اور اس جدید دور میں اگر ہم دس مہینے سے زیادہ دو سال فرض کر لیں تو لوگ ہنسیں گے، گویا اس کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ۲۹۵ دن پر زور دیا گیا ہے۔ میں مختصراً دو تین نکات بیان کرتا ہوں۔ ایک تو حکیم محمد سردار خان صاحب کی ترمیم میں بظاہر تعارض ہے، ابتداء میں تو انہوں نے یہ کہا ہے کہ ۲۹۵ دن میں تبدیل کیا جائے، اور سب مقررین اسی پر زور دے سے ہیں کہ چونکہ یہ ناممکن ہے اس لیے ایسا ہونا چاہیے، پھر یہ خود ہی آخر میں بارتھوٹ والدہ پر ڈالتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں کہ ۲۹۵ دن کے بعد اور دو سال کے اندر۔ میں کہتا ہوں کہ جو چیز ترمیم کی ابتداء میں واقعی ناممکن تھی تو پھر آخر میں وہ ممکن کیسے سمجھ لی گئی؟ اگر یہ بات بالکل ناممکن تھی تو پھر ایک ناممکن چیز کے لیے کسی دعویٰ کا بارتھوٹ والدہ پر ڈالنا کتنے تعجب کی بات ہے، میں ابھی وضاحت سے بات کروں گا۔

**جوہری محمد ادریس تاج | پوائنٹ آف آرڈر جناب چیئرمین !** اگر میں قیاس سے یہ

یہ کہوں کہ کسی خاتون کے پیٹ میں بچہ ہے تو آخر وہ میڈیکل چیک آپ کروائیں گے تو پتہ چلے گا، اس طرح تو پتہ نہیں چلے گا۔

**جناب چیئرمین | تشریف رکھئے، یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔**

**اکثر مدتِ حمل میں اقوال اور حکمتِ خداوندی | مولانا سمیع الحق |** تو اگر ایک چیز ترمیم

کے آغاز میں مضحکہ خیز تھی تو وہ ترمیم کے آخر میں کیوں مضحکہ خیز نہیں بنتی؟ میری دوسری گزارش یہ ہے کہ اس زلزلے میں بھی بچے دو دو سال



ماں کے پیٹ میں نہیں رہتے تھے، اور عام حالات بھی عیسٰی ملتے ہیں اس میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں اس کے باوجود بھی تمام ائمہ نے جو رائے اختیار کی تو یہ نہیں تھا کہ ان میں عقل، تدبر اور یہ ساری باتیں نہیں تھیں اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے نعوذ باللہ ایسی جاہلانہ بات کہہ دی حالانکہ سب ائمہ بیاد کی طور پر متفق ہیں کہ ایک سال نہیں ہے اور چاروں ائمہ میں اگر اکثریت حمل کے بارے میں اختلاف ہے بھی تو وہ دو سال سے زائد میں ہے، دو سال پر تو سب متفق ہیں، امام شافعیؒ تو تین سال کہتے ہیں، اور امام مالکؒ سے تو چار سے پچھ سال تک کے اقوال ملتے ہیں اس مرحلہ پر کئی ارکان نے مضحکہ خیز انداز میں ان اقوال کا مذاق اڑایا، اب آپ مذاق اڑائیں یا ہنسی کریں بہر حال یہ آپ کا دین ہے، پھر سرے سے اس دین سے ہی دستبردار ہو جائیں، خواہ آپ جو بھی کریں آپ کو ان مسائل میں جرأتِ ایمانی کی بات کرنی چاہئے۔ دین کی باتوں پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کیا کہے گی، ایمان داری سے کَلَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کہہ دیں آپ تو پھر آپ کو کتاب و سنت پر مبنی ہر رائے کو ماننا پڑے گا۔

الغرض اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں، اب وجہ کیا تھی کہ میں نے ایسا کہا؟ وجہ یہ تھی کہ یہ کچھ مخصوص حالات ہیں، مثلاً ایک شوہر بیوی کو طلاق دیدیتا ہے یا کوئی خاتون بیچاری بیوہ ہو جاتی ہے تو وہ ہزاروں مصائب اور مشکلات سے دوچار ہو جاتی ہے، اگر اس نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا اور کسی اور سے شادی بھی نہ کی یا شوہر زندہ ہے اور انکار نہیں کرتا، تو ان مخصوص حالات میں اللہ نے ہر حکم اپنے نظام میں یہ گنجائش رکھی ہے اور احکام میں اسے ملحوظ رکھا کہ کسی انسان کو ناجائز اور حرامی نہ کہا جائے کیونکہ کسی کو ایک دفعہ ناجائز اور حرامی کہہ دینا اس کو زندہ مار دینے کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک پاکستان اور عقیفہ عورت کو اسلام حتی الوسع اس التزام، تہمت اور بدنامی سے بچانا چاہتا ہے، اب جو دو سال کی گنجائش رکھی گئی ہے تو ایک بیچاری پاکبانہ عورت جب تک اس کے خلاف ثبوت ثابت نہ ہو تو شریعت اس کو اپنے حال پر رکھتی ہے۔

تیسری گزارش میری یہ ہے کہ یہ امت جو ہے یہ صرف سائنس کے زمانے کے لیے نہیں ہے وہ چودہ سو سال سے ہے اور قیامت تک رہے گی اور ساری بنی نوع انسان کے لیے اسلامی تعلیمات ہیں ہر حکم نہ تو سائنس تھی نہ ایکسے ہیں نہ لیبارٹریاں ہیں نہ اس قسم کے ٹیسٹ ہر حکم ہو سکتے ہیں، آج بھی ہماری آبادی کا ۹۵ فیصد علم دیہات ہے، جنگلات بھی ہیں، امتِ امی کا معنی یہ ہے کہ اسے دینِ فطرت میں تکلفات کا پابند نہ کیا جائے۔ شکریہ

وعدہ معاف گواہ کی شرعی حیثیت | مروجہ شہادت ایکٹ میں وعدہ معاف گواہ موجود ہے یعنی

کسی شریک جرم کا اقرار اور اس کے اپنے کسی دوسرے شریک کا مجرم کے خلاف بطور شہادت استعمال ہو سکتا ہے جس کی شرعی نقطہ نظر سے کوئی گنجائش نہیں، باہمی مفاہمت کی مجلس میں نئے مسودہ سے یہ شق حذف کرائی گئی تھی مگر ریٹائرڈ چیف جسٹس بشیر الدین خان صاحب اپنی ترمیم کے ذریعے اسے برقرار رکھنا چاہتے، اس ترمیم پر بڑی زور دار تقریریں ہوئیں، ترمیم کی تائید کو اکثریت سمجھا گیا اور وہ منظور ہو گئی۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا :-

جناب چیئرمین | بہت شکریہ مولانا سمیع الحق صاحب۔

جناب مولانا سمیع الحق | حضور والا! یہ واضح مسئلہ ہے کہ وہ خود ایک فریق مقدمہ بن گیا ہے اور اس کے بارے میں المغنی نے تصریحات نقل کی ہیں کہ کُلُّ مَنْ خَاصَمَ فِي حَقِّ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فِيهِ۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۷) ایک اور روایت میں ہے: قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تقبل شہادۃ الخصم۔ (المغنی ج ۱ ص ۱۶۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریق مقدمہ کی گواہی فریق مخالف کے لیے قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ایک فریق مقدمہ ہے اور اس فریق کے مخالف کو استعمال کرنا ہے جو اس فریق پر بڑی زیادتی ہے، دوسری روایت الدر المختار کی ہے: کُلُّ مَنْ صَارَ خَصَمًا فِي حَادِثَةٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فِيهَا۔ (الدر المختار ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الشهادات)

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ: ہر وہ شخص جو کسی شہادت میں فریق مخالف ہو تو اس میں اسکی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ "تیسرا یہ کہ وہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد عادل نہیں رہا۔ اور شہادت کے لیے صریحاً اصول ہیں کہ وہ عادل ہو، جب خود اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے، چوری کی ہے، زنا کیا ہے، تو اس کے بعد اس کی شہادت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو معاف کر دے، کیونکہ اس سے تو حقوق العباد کی حق تلفی ہوگی، حکومت کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی ملزم کو معاف کر دے کہ چلو تم نے چوری کی ہے، قتل کیا ہے، تو کوئی بات نہیں تجھے معافی دی جاتی ہے، حقوق العباد کو تو حکومت بھی معاف یا ضائع نہیں کر سکتی جب تک کہ متاثرہ شخص اپنا حق خود معاف نہ کر دے۔ یہاں ریاست اور اسٹیٹ کی حفاظت کا مسئلہ اٹھایا گیا، تو اسلام کہتا ہے کہ اس کیلئے سخت سے سخت قوانین بنائے جائیں اور عہدہ کو سخت مزاد دی جائے، مگر.....

جناب چیئرمین | شکریہ (یعنی وقت ختم ہو گیا ہے)



# اسلام اور خواتین کی شہادت

مجلسِ شوریٰ (وفاقہ کونسل) میں مسودہ قانونِ شہادت پر مولانا سمیع الحق صاحب کے تقریر سے وفاقہ کونسل سیکرٹریٹ نے ضبط کیا، فقہ اور قانونِ شہادت کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے نذرِ قارئین ہے۔ (مرتبہ)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم طیسما اللہ الرحمن الرحیم  
 و اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینہم اذا فریق منہم معروضون  
 و ان یتکن لہم الحق یا تووا الیہ منذ عنین ہا فی قلوبہم مرضاً ام ارتابوا ان  
 یمیف اللہ علیہم و رسولہ۔ (سورۃ النور)

جناب مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین! قانون سے متعلق مسائل بہت گہرے اور ہمہ گیر ہیں، ان حالات میں دس منٹ کی جو پابندی رکھی گئی ہے اور یہ جو تلوار سر پر لٹک رہی ہے تو حیران ہوں کہ میں کس کس مسئلہ پر عرض کروں، بہر حال اگر آپ دس منٹ مزید دیدیں تو یہ آپ کی عنایت ہوگی۔

جناب چیئرمین! نہیں! اگر آپ ۹ منٹ میں ختم کر دیں تو میں شکر یہ ادا کروں گا۔  
 جناب مولانا سمیع الحق | جو مسودہ ہمارے سامنے لایا گیا ہے اس میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن پر تمام معزز ارکان کو بلا کسی اختلاف کے گہری نظر ڈالنی چاہیے تھی اور اسکی اصلاح کی کوشش کرتی چاہیے تھی، لیکن بد قسمتی سے سارے مسودہ میں صرف یہ ایک مسئلہ ایسا اہم بن گیا ہے کہ سارے ایوان کی توجہات اس طرف ہی لگ گئی ہیں، یعنی

آہ بے چاروں کے اعضاء پہ عورت ہے سوار

اور ہمارے مبصرین، وکلاء بھی قرآن کریم کی آیات اور مصحفِ الہی کی تفسیر اکبر الہ آبادی کی زبان میں ”مصحفِ رخسارِ بتانِ مغرب“ کی روشنی میں کرنے لگ گئے ہیں، اکبر نے کہا تھلے

گھل گیا مصحفِ رخسارِ بتانِ مغرب

شیخ حاضر بھی ہوئے ہیں نئی تفسیر کے ساتھ



شیعہ مسلک اور خواتین کی شہادت | تو ہمارے یہ شیوخ حاضر بھی ہوئے توئی تفسیر کے ساتھ۔

پیر اشرف صاحب جو اس وقت موجود نہیں ہیں اور ہمارے علامہ رضی صاحب (شیعہ مجتہد) بھی، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے اپنے اجتہادات ہیں، یہ ان کا حق ہے کہ جیسے چاہیں انہیں ظاہر کریں، لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ یہ شیعہ مسلک بھی نہیں ہے، اہل سنت اور اہل تشیع اللہ کے فضل و کرم سے قانون شہادت میں خواتین کے مسئلہ پر متفق ہیں بلکہ شیعہ تو ہم سے بھی چند قدم آگے ہیں، میں یہاں صرف ایک حوالہ پیش کرتا ہوں کہ اس بارے میں شیعہ مسلک کیا ہے؟

اسلامی نظریاتی کونسل نے قانون شہادت کا جو مسودہ ہمیں بھیجا ہے اس کے صفحہ ۵۹ ضمیمہ (الف) کے ماتحت کونسل کے شیعہ رکن علامہ طالب جوہری صاحب کے اختلافی نوٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں صرف حدود میں خواتین کی شہادت مسترد کی گئی ہے اور مقبول نہیں ہے لیکن علامہ طالب جوہری کے نزدیک حدود کے علاوہ طلاق، خلع، وصیت اور نسب میں بھی عورتوں کی گواہی کسی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے، عورتوں کے متعلق مخصوص امور میں ہمارے ہاں صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے، مگر انہوں نے ان امور میں بھی چار عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ (مسودہ قانون شہادت مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل ص ۵۹)

ایک رکن | پوائنٹ آف آرڈر! جناب والا! یہاں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ تو زیر بحث نہیں۔

جناب چیئرمین | تشریف رکھیے، مولانا اس رپورٹ سے حوالہ پیش کر سکتے ہیں۔

مولانا! آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ علامہ جوہری کا مسلک ہے؟

مولانا سمیع الحق | نہیں جناب انہوں نے تو لکھا ہے کہ یہ ہماری فقہ بھفریہ میں ہے۔

اے میر مجلس شوریٰ اور مشہور شیعہ عالم دین علامہ سید محمد رضی آف کراچی نے مولانا سے قبل پُرجوش انداز میں ایک عورت کی گواہی کافی ہونے پر زور دیا اور کہا کہ عورت امامت کر سکتی ہے اور حکومت بھی، اور میں اپنے اجتہاد کی روشنی میں جرات سے کہتا ہوں کہ گواہی میں ایک عورت کو کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے اور بھول جانے سے متعلق آیت کو علت قرار دیا کہ اب ہمیں بھولتی تو دو کی بجائے ایک کافی ہے۔ لاہور کے

پیر محمد اشرف صاحب نے بھی اپنی تقریر میں ایسا ہی موقف اختیار کیا تھا۔ (مرتبہ)

**عورت کی امامت اور حکمرانی** | تو عرض یہ ہے کہ شیعہ مسلک خواتین کو معلوم نہیں ہے جس میں ہر مرد پر علامہ رضی صاحب نے عورتوں کی امامت کے بارے میں کہا ہے جو کہ ہمارے ہاں بھی جائز ہے یعنی آپس میں خواتین اگر ایک کمرے میں جمع ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اکٹھی نماز پڑھیں اور ایک عورت ان کی امامت کروا سکتی ہے لیکن عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ پھر عورت کی حکومت کی مثال دی ہے، تو یہ بلکہ سبب کا واقعہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ تو ہمارے نزدیک عورت کی حکومت کے جواز میں پیش کی گئی اس دلیل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَوْهُم نِسَاءَهُمْ رَاوَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (یعنی اس قوم نے کبھی فلاح نہ پائی جس نے اختیار اور نظام اقتدار عورتوں کے سپرد کر دیا۔)

**حکمت اور علت حکم میں فرق** | پھر علامہ رضی صاحب نے سورہ بقرہ کی آیت **فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ**

ان تَضَلَّ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرْهُمَا لِاٰخِرَتَيْهِمَا (اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے) کو حکم کی علت قرار دیا ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ علامہ صاحب کو اس بارہ میں غلط بحث ہوئی ہے جبکہ اصل بات یہ ہے کہ ایک علت ہوتی ہے اور ایک حکمت۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یاد دلانے کے مسئلہ کو بطور علت بیان نہیں کیا ہے بلکہ بطور حکمت بیان کیا ہے۔ علت تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ یہ چیز اس لیے لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قانون بنا دیا ہے۔ اب کسی قانون کی آپ حکمتیں بیان کریں تو اس حکمت کے ساتھ وہ چیز وابستہ نہیں ہوتی۔ اگر حکمت بیان کی گئی ہے تو بہتر نہیں ہے تو پھر بھی وہی حکم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے بارہ میں فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (دالایۃ) کہ روزے سے تقویٰ حاصل ہوگا، تو روزے کی فرضیت کے لیے تقویٰ علت نہیں ہے، یہ حکمت ہے کہ شاید تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔

نماز کے بارے میں فرمایا: **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَذَكِّرُكَ عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ** (الآیۃ) کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے، تو یہ اس کی حکمت ہے علت نہیں، تو اگر ایک شخص کبیرہ نماز کرتا



ہے تو کیا اسے اب یہ کہا جائے کہ تم نماز مت پڑھو کیونکہ علت حاصل نہیں ہو رہی ہے، یا اگر تقویٰ آگیا ہے تو تم نماز ہی چھوڑ دو کہ مقصد حاصل ہو گیا تو اب نماز کی کیا ضرورت ہے؟ ایک شخص کے اندر تقویٰ نہیں ہے تو اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تم روزہ ہی نہ رکھو۔ تو اللہ تعالیٰ نے بطور حکمت اسے بیان کیا، اور علامہ آلوسی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی کی دوسری جلد میں ایسی ہی دینی ڈالی ہے اور سارے مفسرین اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔۔۔ یہاں مولانا نے کتاب سے اقتباس سنایا۔۔۔) تو یہ حکمت اللہ تعالیٰ نے ایک مصلحت کے تحت بیان فرمائی ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے اگر نہ بھی بیان فرماتے تو بغیر حکمت کے بھی مسلمان اللہ کے احکام ماننے کا پابند ہوتا ہے۔

بہر حال یہ گزارشات تو ضمناً آگئیں اور میرے دس منٹ کا اہم حصہ نوان کی نذر ہو گیا، اب اصل موضوع کا کیا کیا جائے؟ علامہ رضی صاحب تو اللہ کے فضل سے بہت وسیع النظر انسان ہیں، ہماری آپس میں بات چیت ہوتی رہتی ہے، کھلے دل کے انسان ہیں۔ لیکن میرے لیے یہ ضروری تھا کہ اہل سنت کے مسلک کی رو سے اس کی بروقت تردید کروں، وہ اپنے مسلک کی وضاحت جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں، ان پر کوئی قدغن نہیں ہے، یہ ان کا اپنا اجتہاد ہو تو ہو مسلک نہیں۔

جناب چیمبرین صاحب | یہاں نواتین کو بار بار یہ مسئلہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر ہم فرائض اور حقوق کو ملحوظ رکھیں تو پھر کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

شہادت فرض ہے حق نہیں | اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں ہمارے لیے فرض قرار دی ہیں، مثلاً عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ اسی طرح شہادت

بھی ایک فرض ہے جو کہ فقہ کا مسئلہ ہے اور سارے فقہاء اور علماء ابواب الشہادت کی کتابوں میں اس کی تصریح کرتے ہیں۔ یہ میرے پاس فقہ کی معتبر ترین کتاب ہدایہ ہے اس کے آغاز میں ہی ہے کہ الشہادۃ فرض۔۔۔ الخ شہادت ایک فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو دبدبا اور کسی کو نہیں دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کو اختیار حاصل ہے کہ کسی کے لیے کوئی عبادت لازم کرے کسی کے ذمہ نہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نواتین کی تادک ذمہ داریوں اور غلطی کمزوریوں کی وجہ سے ان کو تمام عبادات میں رعایت بھی دی ہے۔

فرائض اور احکام میں عورتوں سے رعایت | یہ شہادت کا مسئلہ بھی اگر وہ سوچیں تو اس میں بھی ان کے لیے رعایت ہے



مثلاً نماز فرض ہے سچی نہیں ہے، اب نماز کے لیے بھی یہ کہا گیا ہے کہ دس دن چھینے میں نہیں رخصت ہونے کی وجہ سے بھٹی ہے کہ جب حضور اکرمؐ سے عورتوں کے نقصان دین کے بارہ میں پوچھا گیا تو حضور نے یہی بات دلیل کے طور پر پیش کی۔ اسی طرح روزہ ایک فرض ہے خدا نے روزے میں بھی ان کو رعایت دی ہے کہ جن دنوں میں ان کو عذر ہو وہ دس دن روزہ نہیں رکھیں گی سجت گرمی کے دن ہوں گے مگر انہیں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے بعد میں اعادہ کریں گی۔ اسی طرح حج کا مسئلہ ہے اس میں ہر مرد پر پابندی ہے کہ اگر وہ استطاعت رکھتا ہے تو لازمی طور پر حج پر جائے، مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (الآیۃ) اس کے ساتھی ہوں یا نہ ہوں مگر جائے گا ضرور ہزاروں خطرات مرد کے لیے بھی راستے میں ہوتے ہیں لیکن عورت کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تمہاری نگہداشت کرنے والا محرم مرد ہو تو تب تم پر حج فرض ہے ورنہ نہیں، تو یہ کتنی بڑی رعایت ہوئی۔ اور زکوٰۃ و عشر میں بھی میرا خیال ہے کہ اس میں بھی عورت سے رعایت ہے، مثلاً ڈھائی فیصد مرد پر بھی ہے اور ڈھائی فیصد عورت پر بھی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس میں رعایت نہ ہوتی تو عورت پر زکوٰۃ پانچ فیصد ہوتی چاہیے تھی کیونکہ مرد کے ذمے خدا نے خارجی ذمہ داریاں اور گھر کے تمام اخراجات لگائے ہیں، عورت کا نان و نفقہ اور رہن سہن سب کچھ مرد کے ذمہ ہے، مرد کے پاس اگر ہزار روپے ہیں تو اس پر دو گنی چو گنی ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں اس کے برعکس اگر عورت کے پاس ہزار روپے ہیں اور کوئی ذمہ داری نہیں نہ مرد کی کفالت کا فکر ہے اس کو نہ بچوں کی اس پر ذمہ داری ہے، اس کے اپنے اخراجات بھی مرد پر ہیں، گھر کا نوکر چاکر بھی مرد کے ذمہ ہے، تو گویا پھر تو اس پر زکوٰۃ پانچ فیصد ہونی چاہیے تھی لیکن خدا نے اس میں بھی انہیں ایسی کنسیشن (CONCESSION) دی کہ ان پر بھی مردوں کے برابر ڈھائی فیصد ہی ہے۔

کسی غیر مکلف کو نصوص میں مخاطب نہیں بنائیں | اب آگے بات آتی ہے شہادت کی اور کہا جاتا ہے کہ جب اللہ نے

شہادت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے تو عورتوں کو اس میں کیوں روکا جاتا ہے؟ تو عرض ہے کہ شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جب اسے مکلف ہی نہیں بتایا اور آیات شہادت متوجہ ہی نہیں ہوئیں ان کو، مثلاً وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ کا حکم ہے، تو اب اگر ایک شخص نابالغ ہے اس کو اَقِمُوا الصَّلَاةَ متوجہ ہی نہیں ہے، غیر مسلم ہو تب بھی متوجہ نہیں ہوتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت اسی طرح

اتوا الزکوٰۃ ہے۔ ایک شخص فقیر ہے اور صاحب نصاب ہی نہیں ہے، تو وہ مرد ہو یا عورت، ہو اس کو یہ آیت متوجہ ہی نہیں ہوتی، اللہ نے جب عورت کو مکلف نہیں بنایا اس فریضے کا، تو یہ آیات (۱) وَلَا يَأْتِي الشُّهَدَاءُ أَدَاءً مَّا دَعُّوْا۔ الآیۃ۔ (۲) وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا بِالَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ وَلَهُ يُغِيثُ الْحَبَشَةَ۔ الآیۃ۔ (۳) كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ۔ الآیۃ۔

یہ ساری آیات ان کو متوجہ ہی نہیں ہیں کہ وہ کہیں کہ ہمیں بھی اس میں مخاطب بنایا گیا ہے۔ جب کسی طبقہ کو مکلف ہی نہیں بنایا گیا ہو تو اس سے وہ آیت مطالبہ ہی نہیں کرتی۔ اور میں تو سوچتا ہوں کہ یہ تضادات خدا کے کلام میں کیسے ممکن تھے، جبکہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ عورتوں کو یہ فرماتے ہیں کہ وَقَدْ نَزَّلْنَا فِي بَيْتِنَا كِتَابًا وَلَا تَبْدُلْجَنَّتَبَّتْجَحِ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔ الآیۃ کہ گھروں میں بیٹھی رہو، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں: وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ۔ (الآیۃ) کہ کوئی بھی چیز ان سے مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ ایک طرف تو خداوند تعالیٰ ان کو (عورتوں کو) پابند بناتا ہے گھر کا، پھر دوسری طرف ان پر فرض کیسے کرتا ہے کہ وہ عدالتوں میں جا کر گواہیاں دیتی رہیں اور پھرتی رہیں، اللہ کے کلام میں ایسا تضاد تو ہونہیں سکتا۔ ان آیات کا سارا مضمون یہی ہے کہ وہ گھروں میں بیٹھی رہیں یعنی پردہ کا حکم دیا ہے، اور دوسری طرف وہ تمام آیات شہادت پیش کی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہے کہ عدالتوں میں گھومتی رہو۔ تو یہ کوئی انسانی قانون اور انسانی لائر (LAWYER) اور انسانی قانون دان تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے۔ تو ایسی تمام آیات کا مخاطب اللہ تعالیٰ نے صرف مرد کو بنایا ہے نہ کہ عورتوں کو۔

جناب چیئرمین | مولانا شریف رکھیں آپ کا وقت نعمت ہو گیا ہے۔







## کتاب القسمة

(جائیداد کی تقسیم کے احکام و مسائل)

کسی ایک شریک کے مطالبہ پر جائیداد کی دوبارہ تقسیم کا حکم | سوال: چند وراثاء والد کی جائیداد

میں اجتماعی طور پر حق رکھتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ تمام جائیداد کی تقسیم کی ضرورت نہیں اُس کا صرف منافع اور آمدنی لے کر آپس میں تقسیم کرتے رہیں گے، لیکن اب ایک وارث اصرار کر رہا ہے کہ میرا حصہ الگ کر دیں اس لیے کہ میں مشترکہ طور پر جائیداد سے منافع لینے کے حق میں نہیں ہوں، کیا اس وارث کے مطالبہ پر جائیداد تقسیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- مورث کی وفات کے بعد متروکہ جائیداد میں وراثاء کا استحقاق پیدا ہوتا ہے، حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد ہر ایک وارث اپنے حصہ کے مطالبہ کا حقدار ہے، ایسی حالت میں جب تقسیم سے متروکہ جائیداد کے منافع ختم نہیں ہونے ہوں تو ہر ایک وارث اپنے حصہ سے استفادہ کر سکتا ہے، لہذا کسی ایک شریک کے مطالبہ پر عمل ہو کر جائیداد تقسیم کی جائے گی۔

لما قال العلامة التهرتاشی رحمہ اللہ: وسببها طلب الشركاء او بعضهم الانتفاع بملكه على وجه الخلوص وقال شرطها عدم فوت المنفعة بالقسمة. وقال ابن عابدین، تحت قوله المنفعة ای المعهودة وهي ما كانت قبل القسمة. (رد المحتار ج ۵ ص ۸۷ کتاب القسمة)۔ لہ

لہ قال العلامة اکمل الدین البایرتی: سببها طلب احد الشركاء لان انتفاع بنصيبه على الخلوص وركنهما ما يحصل به الافراز والتمييز التصيبين وشرطها ان لا تفوت منفعة بالقسمة - (الغاية على هامش فتح القدير ج ۸ ص ۳۴۸ کتاب القسمة) وَمِثْلُهُ فِي الْهَنْدِيَّةِ ج ۵ ص ۲۱۲ الْبَابُ الثَّلَاثُ فِي بَيَانِ مَا يَقْسَمُ وَمَا لَا يَقْسَمُ وَمَا يَجُوزُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا لَا يَجُوزُ -

نابالغ کے حصہ کی تقسیم کا حکم | سوال :- چند ورثاء نے مشترکہ جائیداد کی

تقسیم کا مطالبہ کیا اُن میں سے ایک شریک نابالغ تھا، حاکم وقت نے نابالغ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے دیگر شرکاء کے مطالبہ پر ان کی جائیداد تقسیم کر دی، شرکاء نے اپنے اپنے حصہ کی جائیداد لے کر مدت دراز تک اس میں تصرفات کئے لیکن اب نابالغ لڑکا بالغ ہونے کے بعد دوبارہ تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے تو کیا یہ تقسیم دوبارہ کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- ورثاء کسی نابالغ وارث کے حصہ میں تقسیم کرنے کا حق نہیں رکھتے اور نہ نابالغ کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، تاہم اگر حاکم وقت نابالغ کی نمائندگی کر کے ورثاء سے جائیداد تقسیم کر لے تو ایسی تقسیم نافذ ہے اسے توڑنا جائز نہیں، حاکم وقت نابالغ کی طرف سے نمائندہ متصور ہوگا۔

لما قال العلامة القمراشی: وصحت برضاء الشرکاء الا اذا کان فیہم صغیر نائب عنہ۔  
وقال العلامة الحسکفی: بعد هذا القول او غائب لا وکیل عنہ لعدم لزومها جندی  
الآیا جازة القاضی او الغائب او الصبی اذا بلغ۔ (تنویر الابصار والدر المختار  
علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸ کتاب القسمة) لہ

کسی ایک شریک کی غائبانہ حالت میں جائیداد تقسیم کرنا | سوال :- چند ورثاء

معرضہ دراز سے غائب ہے، اب اگر حاضر ورثاء مورث کی جائیداد تقسیم کرنا چاہیں تو اس غائب وارث کے حصہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ جبکہ حاضر ورثاء کو جائیداد تقسیم کیے بغیر نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے اور غائب شریک تک رسائی کا کوئی قابل عمل ذریعہ بھی نہیں ہے؟

لہ قال العلامة فخر الدین الشہیر بقاضی خان: اذا قسم الورثة التركة فيما بينهم  
بغير امر القاضی وفي الورثة صغیر او غائب او شریک المیت لا تقسم القسمة الا باجازة القاضی  
او ولی الصغیر او باجازة الصبی بعد البلوغ او باجازة القاضی قبل البلوغ۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ۳ ص ۱۵۶ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ ج ۸ ص ۳۵۱ کتاب القسمة۔



**الجواب :-** اگر غائب وارث تک رسائی ممکن ہو تو تقسیم جائیداد کیلئے اس کی ذاتی طور پر حاضری ضروری ہے، تاہم اگر وہ ذاتی طور پر حاضری سے قاصر ہو تو کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ مقرر کرے اور اگر وہ حاضری سے بلا وجہ پہلو تہی کر رہا ہو تو حاضری و ثناء کے لیے حاکم وقت کا سہارا لینا ضروری ہے کیونکہ حاکم وقت غائب وارث کی طرف سے نیابت کا حق ادا کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ : وفيهم صغيرا وغائب قسم بينهم ونصيب قابض لهما۔ وقال الحصكفیؒ : تحت قول المذکور نظراً للغائب والصغير ولا بد من البينة علی اصل الميراث عندة خلافاً لهما كما مر۔ (الدسالمختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۲ کتاب القسمة) لہ

**سوال :-** ایک وسیع رقبہ اراضی قرعہ اندازی کے بغیر جائیداد تقسیم کرنا ایک قوم کی مشترکہ جائیداد تھی، رُوساً قوم نے باہمی رضامندی سے یہ زمین تقسیم کی لیکن قرعہ اندازی سے کام نہیں لیا گیا، شرکاء میں سے بعض نے اپنے حصہ کی زمین آباد کر لی ہے اور بعض کی زمین تاحال غیر آباد پڑی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا قرعہ اندازی کے بغیر یہ تقسیم جائز ہے یا دوبارہ تقسیم کی جائے گی؟

**الجواب :-** تقسیم کرنے کے لیے قرعہ اندازی صرف ایک اصح صورت ہے شرط کے درجہ میں نہیں، لہذا صورت مسؤلہ میں اگر قوم نے اپنے سرکردہ افراد کو باقاعدہ تقسیم کرنے کی اجازت دی ہو تو یہ تقسیم نافذ ہے، ہر ایک حصہ دار کو اپنے حصہ پر قائم رہ کر دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ : والقرعة لتطیب القلوب وازاحة تہمة لیل

لہ قال العلامة قاضخانؒ : وذكر الحنفی اذا كان في الورثة صغيرا وغائب لم يكن في يد الغائب ولا في يد المصغیر شی من التركة بل كان الكل في يد الحضور الكبار فطلبوا القسمة من القاضي فان القاضي يجعل للصغير وصيا يقوم بالقسمة ويقبض حقه ويجعل للغائب وكيل او يامرهم بالقسمة۔ (افتاوی قاضخان علی هامش الہندیۃ ج ۳ فصل فی قسمة الوصی والاب)

حتى لو عين لكل منهم نصيباً من غير اقتراع جاز لانه في معنى القضاء فعملك الالتزام -  
(الهداية ج ۲ ص ۲۱۶ کتاب القسمة - فصل في كيفية القسمة)

**غبن کی صورت میں تقسیم جائیداد کے عادیہ کا حکم** | سوال :- چند شرکاء کے درمیان  
ایک مشترکہ جائیداد تقسیم ہوئی، ہر ایک  
شریک اپنے اپنے حصہ میں مدت دراز تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا، اب شرکاء اس خدمت  
کا اظہار کر رہے ہیں کہ تقسیم کرتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے جس کی وجہ سے  
شرکاء کے زیر قبضہ جائیداد میں تفاوت ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کی تقسیم دوبارہ کی  
جائے گی یا نہیں؟

**الجواب :-** صورت مشولہ میں جب ایک دفعہ شرکاء کی باہمی رضامندی سے تقسیم  
ہونے کے بعد جب ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ میں مالکانہ تصرفات کرنے شروع کئے تو  
اب معمولی شبہات کی وجہ سے سابقہ تقسیم کو توڑ کر دوبارہ تقسیم کرنا بے سود سمجھے، تاہم  
اگر غبن فاحش ہو تو شرکاء کے مطالبہ پر سابقہ تقسیم کا عدم قرار دے کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔  
لما قال العلامة التمرتاشی: ولو ظهر غبن فاحش في القسمة بطلت ولو وقعت بالتراخي  
في الاصح - (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۴ کتاب القسمة) ۲

**غلطی کی صورت میں تقسیم کا عادیہ** | سوال :- ایک مشترکہ جائیداد تقسیم کر کے  
مالکان اس پر تصرف کرتے رہے، بعد میں

له وقال العلامة ابن عابدین: تحت قوله تطيب القلوب اشار الى ان القرعة غير واجبة حتى  
ان القاضي لو عين لكل واحد نصيباً من غير اقتراع جاز لانه في معنى القضاء فعملك  
الالتزام - (رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۲ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۵۲ کتاب القسمة -

له وقال العلامة المرغيناني: ولو اختلفنا في التقويم لم يلتفت اليه لانه دعوى الغبن وكلامه مقدر به  
في البيع فكذا في القسمة لوجود التراضي الا اذا كانت القسمة بقضاء القاضي او الغبن الفاحش  
لان تصرفه مقيد بالعدل - (الهداية ج ۲ ص ۲۲ کتاب القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ج ۸ ص ۱۵۶ کتاب القسمة -



معلوم ہو کر تقسیم میں غلطی ہوئی ہے، کیا اس غلطی کے ازالہ کے لیے دوبارہ تقسیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر تقسیم میں غلطی مبرہن یا مسلم ہو اور تقسیم ٹوڑنے کے بغیر غلطی کا ازالہ ممکن نہ ہو تو اس کے ازالہ کے لیے تقسیم دوبارہ کی جاسکتی ہے۔

لما قال العلامة الكاساني: واما صفات القسمة فانواع منها ان تكرت القسمة عادلة غير جائزة الى ان قال فاذا وقعت جائزة لم يوجد القراض ولا افراز نصيبه بكماله ببقاء الشركة في البعض فلم تجز وتعاد وعلى هذا اذا ظهر الغلط في القسمة المبادلة بالبينة او بالاقرار تستأنف لانه ظهر انه لم يستوف حقه فظهر ان معنى القسمة لم يتحقق بكماله - ربدائع الصنائع ج ۷، فصل في صفا القسمة - كتاب القسمة

**مشترکہ منافع کو تقسیم کرنے کا حکم** | سوال: جناب مفتی صاحب! ہم دو بھائیوں نے مشترکہ طور پر کرایہ کوہر ماہ بقدر حصہ آپس میں تقسیم کریں یا ایک ماہ کا کرایہ میں سے لوں اور دوسرے ماہ کا میرا بھائی کے لیے، ان دونوں میں کون سی صورت جائز ہے؟

**الجواب :-** جس طرح عین مال مشترک ہوتا ہے اسی طرح اس کے منافع بھی مشترک ہوتے ہیں، اس منافع کو بھی بقدر حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ صورت مشولہ میں کرایہ کی تقسیم شرکاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ جس طرح چاہے کر سکتے ہیں، چاہے تو ہر ماہ کا کرایہ برابر تقسیم کریں یا ایک ماہ کا کرایہ ایک بھائی وصول کرے اور دوسرے ماہ کا دوسرا بھائی، دونوں طرح درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین: (تحت قوله كذلك) ای يأخذ هذا شهرا والاخر شهرا او يأخذ هذا غلة هذه والاخر غلة الاخرى. (رد المحتار ج ۶ ص ۲۶۹ کتاب القسمة، مطلب في الرجوع عن القرعة)

له وفي الهندية: عن محمد قاسم قسم دارين رجلين اعطى احدهما الكثر من الاخر غلطا وبني احدهما في نصيبه قال محمد يستقبلون القسمة فمن وقع بناءه في قسم غيره رفع بناءه ولا يرجعان على القاسم بقيمة البناء ولكنهما يرجعان عليه بالاجر الذي اخذه كذا في الظهيرية)

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۲۸ الباب الحادي عشر في دعوى الغلط في القسمة)

وَمِثْلُهُ فِي خِلَاصَةِ الْفَتَاوَى ج ۲ ص ۴۱ کتاب القسمة۔



## ایک فریق کی عدم موجودگی میں جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ | سوال :- دو بھائیوں میں

کچھ زمین مشترکہ طور پر خریدی جس میں نو ہزار روپے (۹۰۰۰) محمد صدیق کے تھے اور تین ہزار روپے محمد حنیف کے تھے، بارہ ہزار روپے (۱۲۰۰۰) روپے کی ۲۴ کنال زمین آج سے تقریباً ۳۲ سال پہلے خریدی گئی اور یہ زمین دونوں بھائیوں کے نام انتقال بھی ہو گئی اور کافی عرصہ تک یہ زمین دونوں بھائیوں کے والد صاحب کے تصرف میں رہی، والد صاحب کی وفات کے بعد آج تک ۱۳ سال سے مذکورہ زمین محمد صدیق کے قبضہ اور تصرف میں ہے، انتقال زمین کے وقت بڑے بھائی محمد حنیف نے تمام اندراجات محمد صدیق سے پوشیدہ رکھے۔

آج سے ۱۳ سال پہلے جب والد صاحب فوت ہوئے تو وفات کے تیسرے دن بڑے بھائی محمد حنیف نے مذکورہ زمین کی تقسیم کی بات کی جبکہ محمد صدیق نے اس تقسیم کی مخالفت کی اور کہا کہ والد صاحب کے چالیسویں کے بعد زمین کے تمام معاملات طے کر کے تقسیم کریں گے، اس کے بعد محمد صدیق کی موجودگی میں پانچ دن تک محمد حنیف نے پھر زمین تقسیم کرنے کی بات نہیں کی، تو محمد صدیق کسی کام کے سلسلہ میں پشا اور چلا گیا، اس کی غیر موجودگی میں محمد حنیف نے چند اشخاص کو جمع کر کے زمین مذکورہ نصف نصرت یعنی بارہ کنال تقسیم کر دی جبکہ نہ تو مروجہ طریقہ کار اختیار کیا گیا اور نہ ہی اس تقسیم کی کوئی نشاندہی یا حد بندی کی گئی، صرف بانی معاملہ تھا۔ اس واقعہ کے دوسرے دن بعد جب محمد صدیق گھر آیا اور اسے اس تقسیم کا علم ہوا تو اس نے اس تقسیم اور طریقہ کار کو فریاد اور دھوکہ دہی قرار دے کر مسترد کر دیا اور کہا کہ میں نے اس زمین کی خرید میں تین حصے قیمت ادا کی ہے لہذا میرا حق تین چوتھائی بنتا ہے اور محمد حنیف نے ایک ربع قیمت ادا کی ہے لہذا اس کا حق ایک چوتھائی بنتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ :-

(۱) آیا زمین کی تقسیم فریقین میں سے کسی ایک کی عدم موجودگی میں اس کی رضامندی کے بغیر ہو سکتی ہے؟

(۲) کیا ایک فریق اپنی مرضی کے چند اشخاص کو جمع کر کے گواہ بنا کر زمین تقسیم کر سکتا ہے، جبکہ تحریری اور مروجہ طریقہ کار کا کوئی ثبوت نہ ہو؟

(۳) محمد صدیق کا دعویٰ اس زمین میں تین چوتھائی کا ہے اور محمد حنیف نصف کا دعویٰ ہے تو کیا زمین خریدتے وقت دی گئی رقم کی بنیاد پر اس دعوے کا استحقاق رکھا جاسکتا ہے؟

(۴) کیا اتنا عرصہ گزرنے کے بعد محمد صدیق اپنے دعوے کا استحقاق رکھتا ہے یا نہیں؟  
شریعت مقدسہ کی روشنی میں جواب دے کر ممنون احسان فرمائیں۔

الجواب :- شراکتی کاروبار ابتداء ہی سے چلا آ رہا ہے اور یہ ناگزیر ہے، مگر جبکہ شریک کے لیے ایک دوسرے کا خیال رکھنا بھی فرض ہے، یہ اس لیے کہ اس مشترکہ مال کے ہر جزو میں سب شریک ہوتے ہیں، کوئی بھی حصہ دار یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس کا مال ہے یا اتنا حصہ ہے، جس کی وجہ سے تقسیم کے وقت سب شرکاء کا حاضر ہونا یا سب کی اجازت ہونا شرعاً ضروری ہے، بدون اجازت یا کسی ایک شریک کے غائب ہونے کی صورت میں دیگر شرکاء مشترکہ مال تقسیم نہیں کر سکتے۔

لما فی الہندیۃ: ولو کانوا مشترکین لم یقسم مع غیبة احدہم وان اقاموا البینۃ علی الشراء حتی یحضر الغائب۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۲۱۱ الباء الثالث فی بیان ما یقسم بالیقین)  
اسی طرح شرح المجملہ میں ہے: قسمة الفضولی موقوفة علی الاجازة قولاً و فعلاً فاذا قسم واحد المال المشترك بنفسه لا تكون القسمة جائزة ولكن اذا اجاز اصحابہ قولاً۔ (شرح المجملہ لرستم باز ص ۶۲۳ الفصل الثانی فی شرائط القسمة)  
فتاویٰ حامدیہ میں مرقوم ہے: اذا قسم الورثة التركة بينهم بغير امر القاضی وفي الورثة صغیرا وغائب او شریک للمیت لا تصح الا باجازة الغائب او ولی الصغیرا واجازة الصبی بعد البلوغ۔ (بجوالہ شرح المجملہ لرستم باز ص ۶۲۳ الفصل الثانی فی شرائط القسمة)  
صاحب درر الحکام نے بھی اس قسم کی تقسیم کو لا تجوز القسمة ولا تنفذ کے عنوان سے ذکر کیا ہے کہ اس قسم کی تقسیم ناجائز ہے، لہذا صورتِ مسئلہ میں جو تقسیم ہو چکی ہے وہ کالعدم ہے اور نافذ العمل نہیں ہے۔

جو اشیاء مشترکہ طور پر خریدی جائیں اور ابتداءً کسی قسم کا معاہدہ نصف یاثلث وغیرہ کا نہ ہوا ہو مگر رأس المال کی ادائیگی کے وقت ایک شریک کے حصہ کی رقم زیادہ ہو اور دوسرے شریک کے حصہ کی رقم کم ہو تو پھر اس شے میں حصہ داری رأس المال کے اعتبار سے ہوگی، جس کی رقم زیادہ ہو تو وہ زیادہ حصے کا حقدار ہوگا، اس لیے کہ اگرچہ زبان و قال سے انہوں نے حصہ داری کا تعین نہیں کیا مگر زبان حال اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے رقم کی وجہ سے حصہ داری مقرر کی ہے۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں محمد صدیق کا رأس المال ۹۰۰۰ روپے ہے

جو کل رأس المال کا تین چوتھائی ہے اس لیے محمد صدیق تین چوتھائی کا حقدار ہے اور محمد حنیف کا ایک چوتھائی رأس المال ہے اس لیے اس کا حصہ زمین بھی ایک چوتھائی ہے، اگرچہ مطلقاً شراکت تنصیف کی صورت اختیار کرتی ہے۔

نظیرہ فی در الحکام: اذا اختلط دینار احد بدینارین لاخر من جنسہ بصورۃ لا تقبل التمیذ ثم رضاع اثنتان متہما فیکون الدینار الباقی بینہما مشترکاً اثلاثاً ثلثاً لصاحب الدینارین وثلثاً لصاحب الدینار۔

رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۶۱۔ ابواب الاول فی بیان شریکۃ الملک  
کسی کے حق کے اسقاط میں طویل زمانے کا گزر جانا اسے متاثر نہیں کرتی بلکہ حق کسی صورت میں اور عرصہ دراز کے بعد بھی ساقط نہیں ہوتا لہذا محمد صدیق کا دعویٰ استحقاق اتنی مدت کے بعد بھی برقرار ہے اور اس کو دعویٰ داری کا حق حاصل ہے۔

لما فی شرح المجلة: لا یسقط الحق بتقادم الزمان۔ (شرح المجلة کریم باز ص ۱۶۴)  
رہذا ما ظہری واللہ اعلم

**مشترکہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ** | سوال:- ہماری کچھ مشترکہ زمین ہے، اب اس کی تقسیم کا مسئلہ ہے کیونکہ یہ زمین فروع پر تقسیم کرنا ہے جبکہ فروع میں بہت اختلاف ہے اس لیے آسانی کے ساتھ ان پر تقسیم صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتی، لہذا شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس زمین کی تقسیم کا طریقہ مطلوب ہے؟

**الجواب:-** میرے نزدیک یہ مشترکہ اراضی اصل مالکان پر ارث کے قاعدہ کے مطابق تقسیم کی جانی چاہیے اور پھر ان اصل مالکان سے ان کے فروع کو میراث کے ضابطہ کے مطابق منتقل کی جائے گی اگرچہ فروع کثرت و قلت میں مختلف کیوں نہ ہو۔





# کتاب الاکراه

(مجبوری کے احکام و مسائل)

حکومت کا رعایا کی کسی چیز پر جبراً قبضہ کرنا | سوال :- ایک شخص نے آج سے پانچ سال قبل دس کنال زمین ایک لاکھ روپے کی بیع قطعی

سے خریدی جس کا ثبوت حکومت کے متعلقہ دفتر میں موجود ہے، موصوف نے مذکورہ زمین پر پولٹری فارم کھولا، بعد میں حکومت نے مذکورہ زمین دس ہزار روپے کے عوض لینا چاہی لیکن مالک زمین نے انکار کر دیا، حکومت نے جبراً اس کی زمین پر قبضہ کر لیا، تو کیا حکومت کا اس طرح کسی کی ذاتی زمین پر قبضہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر حکومت کا یہ قبضہ کسی معاہدہ کے تحت نہ ہو تو حکومت کا اس طرح کرنا اکراه کے حکم میں ہے اسلئے بیع المکرہ ہے نافذ نہیں لہذا زوال اکراه کے وقت خود مالک زمین یا اس کے ذمہ دار زمین کو واپس لے سکتے ہیں، تاہم جہاں کہیں حکومت اپنے کسی قرض کی وصولی کے لیے ایسا اقدام کرے تو اس میں اکراه کی صورت باقی نہیں رہتی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : امر السلطان اکراه وان لم يتوعدہ وامر غیرہ لا آلا ان يعلم المامور ببدالة الحال انه لو لم يتمثل امره يقتله او يقطع بیده او يضربه ضد یا يخاف على نفسه او تلف عضوه۔

رد المحتار ج ۶ ص ۱۳۲ مطلب بیع المکرہ فاسد وزوائد مضمونة بالتعدی لہ

لہ قال العلامة سلیم رستم باز رحمہ اللہ : لا يعتبر البیع الذی وقع بالاکراه المعترف ولا الشراء ولا یجاءر ولا الهبة ولا القراغ ولا الصلح عن مال والاقرار والابراء و تاجیل الدین واسقاط الشفعة ملجئاً کان الاکراه او غیر ملجئ۔ شرح مجلة الاحکام، مادة ۱۰۶ ص ۵۵۹ الباب الثانی فی

بیان المسائل التي يتعلق بالاکراه ۲

ومثله فی الهدایة ج ۳ ص ۱۱۳ کتاب الکفالة۔

**تہماً انکاح کا حکم** | سوال :- جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو زبردستی اغوا کر کے لے جائے اور پھر بزورِ شمشیر اس کے ساتھ نکاح کر لے اور وہ لڑکی جان جانے

کے خوف سے مجبوراً اس کو قبول کر لے، تو کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** چونکہ اس قبول کرنے میں عورت کے اختیار کا بھی کچھ دخل ہے اسلئے یہ نکاح صحیح ہے اور یہ عورت مکروہ کی بیوی شمار ہوگی، اگر چہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لما فی الہندیۃ : المرأۃ اذا کرهت علی النکاح ففعلت صحیح النکاح۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۵۲ کتاب الاکراہ۔ الباب الرابع فی المتفرقات (۱) لے

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص کسی عورت کو جبراً زنا میں عورت گنہگار نہ ہوگی | جان سے مارنے کی دھمکی دے کر جبراً اس سے زنا کرے اور

وہ اس پر ہرگز راضی نہ ہو اور حتی الامکان بچنے کی کوشش کی ہو جس کی وجہ سے وہ زخمی بھی ہوئی ہو تو کیا یہ عورت گنہگار ہوگی یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر عورت باوجود کوشش کے اپنی جان نہ بچا سکی اور نہ اس نے زانی کو تمکین (جگہ) دی ہو لیکن پھر بھی جبراً اس کے ساتھ زنا کیا گیا تو یہ عورت گنہگار نہ ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدین :- واما المرأۃ هل تأثم ذکر شیخ الاسلام ان کرهت علی ان تمکن من نفسها فمکنت تأثم وان لم تمکن ونزانی بہا فلا وہذا الوہم بلجئی والافعلیہ الحد بلا خلاف لا علیہا ولكنها تأثم۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۱۳ کتاب الاکراہ) لے

لے لما قال العلامة طاہر بن عبدالرشید البخاری، ولو اکره علی عقد من العقود ان کان عقداً لا یبطلہ الہزل کالنکاح والطلاق والعتاق جاز العقد۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۶ کتاب الاکراہ) ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۵۵ کتاب الاکراہ۔

لے لما فی الہندیۃ، اما المرأۃ اذا کانت مکروہۃ علی الزنا هل تأثم ذکر شیخ الاسلام فی شرحہ فی باب الاکراہ علی الزنا انہا ان کرهت علی ان تمکن من نفسها فمکنت فانہا تأثم وان لم تمکن ہی من الزنا ونزانی بہا لا تأثم علیہا وذاکریضاً فی الاکراہ اذا کرهت علی الزنا فمکنت من نفسها فلا تأثم علیہا وهذا کلہ اذا کان الاکراہ بوعید تلف۔

الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۲ کتاب الاکراہ۔ الباب الثانی (۱)

**سوال :-** اگر کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دے کر کلمہ کفر کہنے پر  
**ہکراہ کی صورت میں کلمہ کفر کہنا** مجبور کیا جائے اور وہ اپنی جان جانے کے خوف سے کلمہ کفر

زبان سے نکال دے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو کیا ایسا آدمی کافر شمار ہو گا یا نہیں؟  
**الجواب :-** حالتِ اکراہ میں زبان سے کلمہ کفر کہنے سے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بشرطیکہ  
 دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، البتہ اگر ایسا شخص کلمہ کفر کہنے سے انکار کر دے اور قتل کر دیا  
 جائے تو شہادت کا درجہ پائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفي: وان اكره على الكفر بالله تعالى اوسب النبي صلى الله عليه  
 وسلم بقطع او قتل اخص له ان يظهر ما امر به على لسانه وقلبه مطمئن بالايمان  
 ..... ويوجب لوصبولتركه الاجراء المحرم - (الدر المختار على صدر المختار ج ۶ کتاب الاكراه) ۱۳۵، ۱۳۴

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! آج کل معاشرے کے حالات اخلاقی طور  
**حالتِ جبر میں زنا کا حکم** پر انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، عیاشی، فحاشی اور بے حیائی عروج پکھے۔ اگر کسی  
 شخص کو زنا کرنے پر مجبور کیا جائے اور نہ کرنے کی صورت میں اس کی جان کو یقینی خطرہ ہو تو کیا اس  
 کو بصورتِ مجبوری زنا کرتا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب :-** زنا کی حرمت شرعاً و عقلاً دونوں طرح ثابت ہے، کسی بھی صورت میں اس  
 کی حرمت ساقط نہیں ہوتی اگرچہ کرنے والے کی جان کو خطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے بنا بر صورت  
 مسئلہ ایسے شخص کے لیے زنا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور اگر وہ اس کا ارتکاب کر جائے  
 تو عند اللہ مجرم ہوگا۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: وكذا لك الزنا فانه لا يرخص ولا يباح للرجل

لما قال العلامة الشيخ وهبة الزحيلي: التصرف المحسى المرخص بالاكل  
 هو كما جرد كلمة الكفر على اللسان مع اطمینان القلب بالايمان اوسب النبي صلى الله  
 عليه وسلم او الصلاة الى الصليب او اتلاف مال المسلم فهذه الامور لا يباح ولكن  
 يرخص فعلها عند الاكراه التام وان امتنع المستكبر عن فعلها حتى قتل كان مثاباً  
 ثواب الجهاد - (الفقه الاسلامي وادلتة ج ۵ ص ۳۹۲ البعث الثالث اثر الاكراه في التصرف)  
 ومثله في الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸ الباب الثاني فيما يحل للمكروه



بالاکراه مطلقاً ولو فعل اثم لان حرمة الزنا ثابتة عقلاً قال الله تعالى: وَلَا تَقْرَبُوا  
الزَّانِيَةَ كَانَتْ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا - وكذا المرأة لا يرخص لها ايضاً عند الاكراه  
ولو كان تاماً - (الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث اثر الاكراه) ۱۳۷

کسی مسلمان کو حالت جبر میں قتل کرنا | سوال :- اگر کسی مسلمان کو اس بات پر مجبور کیا جائے  
کہ وہ فلاں آدمی کو قتل کر دے نہیں تو تجھے قتل کر دیا

جائے گا، اب اگر یہ شخص اپنی جان بچانے کی غرض سے کسی کو قتل کر دے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟  
الجواب :- اکراه اور جبر کی صورت میں اگرچہ بعض افعال مباح یا مریض ہو جاتے ہیں مگر  
کسی مسلمان کو ناحق قتل اس حکم کے تحت داخل نہیں، اس لیے صورتِ مسئلہ میں ایسے مجبور شخص کیلئے  
ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی موت کے خوف سے کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر دے، اور اگر وہ  
اس فعل کا ارتکاب کر جائے تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔

لما قال العلامة وهبة الزحيلي: التصرف الحسي المحرام الذي لا يباح ولا يرخص  
بالاكراه هو قتل المسلم بغير حق او قطع عضو من اعضائه ولو نملة لان القتل  
حرام محض، قال الله تعالى: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ -

(الفقه الاسلامي وادلته ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث، اثر الاكراه) ۱۳۷

جبراً شراب پینے پر حد نہیں | سوال :- اگر کسی شخص کو زبردستی یعنی مجبور کر کے شراب  
پلا دی جائے اور حکومت اسے گرفتار کر لے تو کیا شرعاً اس

شخص پر حد نافذ ہوگی؟ یعنی اسے سزا دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب :- اکراه کی صورت میں جب کسی شخص کو شراب پلا دی جائے اور حکومت اسے

۱۳۷ لما قال العلامة الحصكفي: ولو اكره على الزنا لا يرخص له لان فيه قتل النفس بضيا عمها  
لكنه لا يعد استحساناً - (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۱۳۷ کتاب الاكراه)

۱۳۷ قال العلامة الكاساني: النوع الذي ولا يباح ولا يرخص بالاكراه اصلاً فهو قتل  
المسلم بغير حق سواء كان الاكراه ناقصاً او تاماً لان قتل المسلم بغير حق لا يمتثل الاباحة  
بالحال - (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳۷ کتاب الاكراه)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمَخْتَارِ عَلَى صَدْرِ رَدِّ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۷ کتاب الاكراه

گرفتار کر لے تو شرعاً اس سے حد ساقط ہوگی۔

قال العلامة الكاساني: الحكم الذي يرجع الى الدنيا في الانواع الثلاثة  
اما النوع الاول فالمكره على الشرب لا يجب عليه الحد اذا كان الاكراه تاماً لان  
الحد زاجراً عن المستقبل - (بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۱۷۸ کتاب الاكراه) لہ  
جبراً زنا کی صورت میں حد کا حکم | سوال :- اگر کسی شخص سے جبراً زنا کا ارتکاب کرایا جائے  
اور حکومت اسے گرفتار کر لے تو کیا شرعاً اس پر حد نافذ

ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض یہ عورت ہو پھر کیا حکم ہے؟

الجواب :- حالت اکراه میں بھی زنا کرنا حرام ہے اور اس کی شرعاً اجازت نہیں، تاہم اگر  
اکراه کی صورت تام ہو یعنی یقیناً اس میں جان جانے کا خطرہ ہو تو ارتکاب کی صورت میں  
بناء بر قول مفتی بہ حد نافذ نہیں ہوگی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اگرچہ بعض ائمہ کرام کے  
ہاں مرد پر حد جاری ہوگی۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: فاذا اكرهت المرأة على الزنا فلا يقيم عليها الحد  
عند جمهور الفقهاء سواء كان الاكراه تاماً ناقصاً..... فاذا اكره الرجل على  
الزنا..... قال الصاحبان: لا يجب الحد حالة الاكراه التام سواء كان الاكراه من السلطان  
ام من غيره وراييهما هو الراجح عند المنقبة وهو رأي ابي حنيفة اخيراً -  
(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۵ ص ۱۷۸ المبحث الثالث، النوع الثالث) لہ

لہ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: الاكراه على شرب الخمر اذا كان الاكراه تاماً فلا  
يجب الحد على المستكره على شرب الخمر اتفاقاً لان الحد شرع زاجراً من الجنابة  
في المستقبل والشرب المكروه عليه ليس جنابة بل هو مباح -

(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۵ ص ۳۹۵ المبحث الثالث في اثار الاكراه)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۳ کتاب الاكراه -

لہ لما في الهندية: اذا اكره الرجل على الزنا بامرأة فزني بها كان ابو حنيفة اولاً  
يقول يجب عليه الحد ثم رجوع وقال لاحد عليه وهو قولهما..... وأما المرأة  
فلا حد عليها ولكنها تائم - (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۷۸ کتاب الاكراه - الباب الثاني)

وَمِثْلُهُ فِي الدَّرِّ الْمُخْتَارِ عَلَى صَدْرِهِ دَ الْمَخْتَارِ ج ۶ ص ۱۳۴ کتاب الاكراه -

**سوال :-** اگر کسی عورت کو یہ دھمکی دی جائے کہ اگر وہ زنا نہ  
مجبوراً مزنیہ پر حد زنا کا حکم کرائے گی تو اسے اور اس کے مال کو ہلاک کر دیا جائے گا اور وہ  
اپنی جان اور مال کی ہلاکت کے خوف سے زنا جیسے قبیح عمل کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے تو کیا  
اس پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟

**الجواب :-** اگر وہ اور جبر چاہے تام ہو یا ناقص دونوں عورت کے حق میں برابر ہیں،  
اگر وہ جبر کی کسی بھی صورت میں زنا کا ارتکاب کر جائے تو شبہ کی وجہ سے حد زنا اس سے  
ساقط ہو جائے گی۔

لما قال العلامة الكاساني: واما في حق المرأة فلا فرق بين الاكراه التام  
والناقص ويبدأ بالحد عنها في نوعي الاكراه لانه لم يوجد منها فعل الزنا بل  
الموجود هو التمكين وقد حرج من ان يكون دليل الرضا بالاكراه فيدراً  
عنها الحد - ريدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۸۱ كتاب الاكراه) لے

**سوال :-** جناب مفتی صاحب! اگر مجبوری کی  
حالت (اکراہ) میں کسی کا مال ہلاک کر دیا جائے  
تو اس مال کے تاوان کا ضامن کون ہوگا؟ کیا جبر و اکراہ کرنے والا اس مال کا ضامن دے گا یا  
ہلاک کرنے والا ضامن ہوگا؟

**الجواب :-** صورتِ مشولہ میں چونکہ اکراہ کی نوعیت بیان نہیں کی گئی ہے اسلئے  
دونوں صورتوں کا جواب دیا جاتا ہے:

- (۱) اگر اکراہ تام ہو یعنی ہلاک کرنے والے کی جان یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ  
ہو تو ضامن مجبور کرنے والے کے ذمے ہوگا اس لیے کہ مال کو ہلاک کرنے والا آلہ کے مانند ہے۔
- (۲) اگر اکراہ ناقص ہو یعنی اس میں جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ و خوف نہ ہو تو

لے لما قال العلامة وهبة الزحيلي: فاذا اكرهت المرأة على الزنا فلا يقيم عليها  
الحد عند جمهور الفقهاء سواء كان الاكراه تاماً ام ناقصاً -

والفقه الاسلامي وادلتہ ج ۵ ص ۲۴ المبحث الثالث في اثر الاكراه )

وَمِثْلُهُ فِي الْمَهْدِيَّةِ ج ۵ ص ۵۵ كتاب الاكراه - الباب الثاني -



ضمان ہلاک کرنے والے کے ذمے ہوگا۔

لما قال العلامة الكاساني: المكرة على اتلاف مال الغير اذا تلفه يجب الضمان على المكرة دون المكرة اذا كان الاكراه تاماً لان المتلف هو المكرة من حيث المعنى وانما المكرة بمنزلة الآلة على معنى انه مسلوب الاختيار..... وان كان الاكراه ناقصاً فالضمان على المكرة لان الاكراه الناقص لا يجعل المكرة آلة المكرة لانه لا يسلب الاختيار اصلاً فكان الاتلاف من المكرة فكان الضمان عليه -

ربدائع الصنائع ج ۷ ص ۷۹ کتاب الاكراه) لہ

**سوال :-** اگر کسی شخص کو اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ فلاں شخص کا مال (مرغی، بکری وغیرہ)

**جبراً کھلائے گئے مال کے ضمان کا حکم**

کھا جائے ورنہ اس کو جانی نقصان پہنچ سکتا ہے، لہذا اس مجبوری کے تحت اس نے دوسرے کا مال بغیر اس کی اجازت کے کھالیا کیونکہ نہ کھانے کی صورت میں جانی نقصان کا قوی امکان تھا۔ اب جب آدمی کا مال جبراً کھایا گیا ہے وہ کھانے والے سے اپنے مال کے تاوان کا مطالبہ کر سکتا ہے، تو کیا شرعاً مالک مال اس شخص سے تاوان وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا وہ جبر کرنے والے سے مطالبہ کرے؟

**الجواب :-** اگرچہ جبر کی صورت میں مجبور شخص آلہ کی حیثیت رکھتا ہے مگر کسی کا مال کھانے کی صورت میں اس شخص کا اپنا فعل بھی پایا جاتا ہے اس لیے اس مال کا ضمان کھانے والے کے ذمے واجب الادا ہے اور مالک مال اسی سے تاوان کا مطالبہ کرے گا۔

لما قال العلامة الكاساني: كذلك لو اكره على ان يأكل مال غيره فالضمان عليه لان هذا النوع من الفعل وهو الاكل مما لا يعمل عليه الا كراه

لہ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: فان كان الاكراه تاماً فالضمان على المكرة عند الحنفية والحنابلة في الارجح عندهم وبعض الشافعية لان المستكره مسلوب الارادة وما هو الآلة للمكرة ولا ضمان على الآلة اتفاقاً..... وان كان الاكراه ناقصاً فالضمان على المستكره عند الحنفية والمالكية الخ  
(الفقه الاسلامي وادلتہ ج ۵ ص ۳۹۸ کتاب الاكراه - المبحث الثالث)

لأنه لا يتصور تحصيله بآلة غيره فكان طائعا عليه فكان الضمان عليه -  
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۹۹ كتاب الاكراه) ۱۷

مجبور مفعول پر حد جاری کرنے کا حکم | سوال :- جناب مہتمم صاحب جامعہ حقانیہ! الحمد للہ انجناب کی دعاؤں اور مساعی سے افغانستان میں امارت اسلامی

قائم ہے اور شرعی قوانین کا اجراء بھی ہو چکا ہے، اب ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ اگر کسی کے ساتھ جبراً یعنی اسلم کی نوک پر (لواطت کی جائے اور وہ دونوں اس قبیح فعل کے کرتے ہوئے پکڑے جائیں تو کیا حد دونوں پر جاری ہوگی یا صرف فاعل کو سزا دی جائے گی؟

الجواب :- صورتِ مسئلہ کے مطابق مفعول چونکہ مجبورِ محض ہے اور اس کے ساتھ یہ قبیح عمل جبراً (اسلم دکھا کر) کیا گیا ہے اس لیے سزا صرف فاعل کو دی جائے گی مفعول اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

لما قال العلامة الحصفي: ظاهر تعليلهم أن حكم اللواطية كحكم المرأة لعدم الولد فتخصص بالملجى الا ان يفرق بكونها اشد حرمة من الزنا لانها لم تبح بطريق ما و لكون قبحها عقليا - (الدر المختار على صدر المختار ج ۶ ص ۱۳۷ كتاب الاكراه) ۱۸

۱۷ قال العلامة شيخ زاده المشهور بماذا فندى رحمه الله: وان اكره على اتلاف مال مسلم لا حد هما اي بالقتل او القطع رخص الاتلاف اى للمكروه لان الاتلاف مال الغير يستباح للضرورة كما في المغنصه وقد ثبت والضمان على المكروه بالكسر لان المكروه في حق الاتلاف آلة للمكروه فلم يلزم عليه الضمان وفيه اشارة الى الاحتراز عن الاكل والتكلم والوطء فان فيها لا يصلح آلة -

(مجمع الاكراه ج ۲ ص ۲۲۲ كتاب الاكراه)

۱۸ قال العلامة محمد بن علي بن محمد الحصني رحمه الله: وعلى هذا ظاهر تعليلهم ان حكم اللواطية كحكم المرأة لعدم الولد فتخصص بالملجى الا ان يفرق بكونها اشد حرمة من الزنا لقبحها عقلاً ايضاً -

(الدر المنتقى في ذيل مجمع الاكراه ج ۲ ص ۲۲۹ كتاب الاكراه)